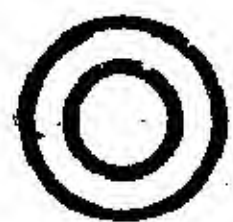


روزانہ درس قرآن پاک



تفسیر

سُورَةُ الْحَٰكِمِ (مکمل)

جلد: ۴

إفادہ

حضرت مولانا صوفی عبدالحکیم سواتی مدظلہ

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ



# تیرھواں ایڈیشن

## (جملہ حقوق بحق انجمن محفوظ ہیں)

نام کتاب	معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ آل عمران مکمل) جلد ۴
افادات	حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ
مرتب	الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شمالا مارٹاؤن لاہور
تعداد طباعت	پانچ سو (۵۰۰)
سرورق	سید الخطاطین حضرت شاہ نقیس الحسینی مدظلہ
کتابت	محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ
ناشر	مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ
قیمت	۱۹۵ روپے سو پچانوے روپے
تاریخ تیرھواں ایڈیشن	ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ بمطابق جنوری ۲۰۰۸ء

### ملنے کے پتے

- (۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ (۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار اوراولپنڈی
- (۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور
- (۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور
- (۴) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور
- (۵) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان
- (۶) مکتبہ حیدریہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی
- (۷) مکتبہ اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد
- (۸) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- (۱۰) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور



# فہرست مضامین

## معالم الاعتراف فی دوسر القرآن، سورۃ ال عمران جلد ۲

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲	علم سیکھنے سے آتا ہے	۲۳	سورۃ ال عمران
"	راسخ فی العلم	۲۴	درس اول (آیت ۱ تا ۶) آیات و ترجمہ
۲۳	دعائیہ کلمات	۲۵	نام اور کوائف
۲۴	درس سوم ۳ (آیت ۱۰ تا ۱۳)	"	زمانہ نزول
"	آیت و ترجمہ	۲۶	مرکز مضمون
۲۵	ربط آیات	"	نجران کا وفد
"	مکان نزول	۲۷	موضوع بحث
۲۷	مال و اولاد بے سود ہوں گے	۲۹	ایمانیات کا بیان
۲۸	ال فرعون کی مثال	۳۲	منکرین کا انجام
۵۰	جنگ بدر کی یاد	۳۳	اللہ تعالیٰ کی قدرت نامہ
۵۱	تائید خداوندی	۳۵	درس سوم ۴ (آیت ۹ تا ۱۹) آیات و ترجمہ
۵۲	شرط غلبہ	۳۶	ربط آیات
۵۳	درس چہارم ۴ (آیت ۱۲ تا ۱۵)	"	نزول کتاب
"	آیات و ترجمہ	۳۷	حکم اور متشابہ
۵۵	اسباب فضائل	۳۸	عظمت و اہمیت
۵۶	مرغوب اشیاء و امور عورت	۴۰	صحیح تاویل
۵۷	کثرت اولاد	۴۱	انگریز کی اسلام دشمنی
۵۸	خرابی کی بنیاد		



۷۸	اسلام کیسے ہے	۵۹	عورت کی نمائندگی
۸۰	اطاعت خداوندی	۶۰	۲ اولاد
۸۱	ایمان کی دعوت	۶۱	۳ مال و دولت
۸۳	درس ہفتم (آیت ۲۱ تا ۲۵)	۶۲	۴ گھوڑے اور مویشی
"	آیات و ترجمہ	"	۵ کھیتی
۸۴	رابط آیات	۶۳	متقین کے لیے انعام
"	آیات سے انکار	۶۵	درس پنجم ۵ (آیت ۱۶ تا ۱۸)
"	قتل ناحق	"	آیات و ترجمہ
۸۷	عذاب الیم	"	رابط آیات
۸۸	دعوت الی الخیر	۶۶	ایمان اور بخشش
۸۹	فہم القرآن	۶۷	اہل تقویٰ ۱ صابریں
۹۰	شفاعت کا غلط عقیدہ	۶۹	۲ صادقین
۹۱	افتراء فی الدین	"	۳ اطاعت گزار
۹۳	درس ہشتم ۸ (آیت ۲۶ تا ۲۷)	۷۰	۴ خرچ کمزور اے
"	آیات و ترجمہ	۷۱	۵ طالبان بخشش
"	رابط آیات	۷۲	توحید باری تعالیٰ
۹۳	ملک الملک	۷۳	علمائے حق
۹۷	غلبہ اسلام کے لیے دعا	"	علمائے سوء
۹۹	عزت و دولت	۷۵	درس ششم ۶ (آیت ۱۹ تا ۲۰)
"	خیر اور شر	"	آیات و ترجمہ
۱۰۰	دن اور رات	۷۶	رابط آیات
۱۰۱	رزق رسانی	۷۷	سچا دین صرف اسلام ہے
۱۰۲	درس نہم ۹ (آیت ۲۸ تا ۳۰)	"	وجہ اختلاف



۱۲۳	آل عمران	۱۰۲	آیات و ترجمہ
"	نیل النانی	۱۰۳	رابطہ آیات
۱۲۴	بشریت انبیاء	"	دوستی کا معیار
۱۲۶	درس دوازدهم ۱۲ (آیت ۲۵ تا ۳۷)	۱۰۴	دوستی کی تین اقسام
"	آیت و ترجمہ	۱۰۶	کفار سے دوستی
۱۲۷	زوجہ عمران کی نذر	۱۰۷	اللہ علیہم کل ہے
۱۲۸	جائزہ اور ناجائزہ نذر	۱۰۸	خیر و شر کا بدلہ
۱۳۰	حضرت مریم کی ولادت	۱۱۰	درس دہم ۱۰ (آیت ۳۱ تا ۳۲)
۱۳۱	حضرت مریم کی کفالت	"	آیات و ترجمہ
۱۳۲	حضرت مریم کی کرامت	"	رابطہ آیات
۱۳۵	درس سیزدهم ۱۳ (آیت ۳۸ تا ۴۱)	"	دعویٰ محبت
"	آیات و ترجمہ	۱۱۱	معیار محبت
۱۳۶	رابطہ آیات	۱۱۲	حب رسول
"	نیک اولاد کے لیے دعا	۱۱۳	اتباع رسول
۱۳۸	دعا کی قبولیت	۱۱۴	اللہ کی محبوبیت
۱۳۹	حضرت اسمعیل کے مناقب	۱۱۵	عصمت انبیاء
۱۴۱	حضرت زکریا علیہ السلام کا استجاب	۱۱۸	درس یازدهم ۱۱ (آیت ۳۳ تا ۳۴)
"	استقرار حمل کی نشانی	"	آیات و ترجمہ
۱۴۳	درس چہارم ۱۴ (آیت ۴ تا ۷)	"	رابطہ آیات
"	آیات و ترجمہ	"	ظلم و ستم کا دور
"	رابطہ آیات	۱۲۱	شرف النانی اور آدم علیہ السلام
۱۴۴	فرشتوں کا غیر نبی سے کلام	"	نوح علیہ السلام
۱۴۵	حضرت مریم علیہا السلام کے مناقب	۱۲۲	آل ابراہیم



۱۴۰	رسالت عامہ	۱۴۰	حضرت مریم کو نصیحت
۱۴۱	معجزات انبیاء	۱۴۹	غیب کی خبریں
"	مصنوعی پیندرہ	۱۵۰	قرعہ کی شرعی حیثیت
۱۴۲	ثقلے بیماراں	۱۵۱	پچیسیر اور علم غیب
۱۴۳	احیائے موتی	۱۵۲	درس پانزدہم ۱۵ (آیت ۴۵ تا ۴۸)
۱۴۴	غوراک کی خبر	"	آیات و ترجمہ
۱۴۵	معجزات کا انکار	"	رابطہ آیات
"	تصدیق کتب سابقہ	۱۵۳	حضرت مریم کو بشارت
۱۴۶	درس ہفتم ۱۶ (آیات ۵۴ تا ۵۷)	۱۵۴	کلمۃ اللہ کی توضیح
"	آیات و ترجمہ	۱۵۵	مسیح ابن مریم
"	بنیادی عقیدہ	۱۵۶	عیسائیوں کا باطل عقیدہ
۱۴۸	اعتقاد اور عمل	"	علی بن مریم
۱۴۹	حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری	۱۵۷	یہودیوں کی تیغ دشمنی
۱۵۱	حواریوں کی دعا	۱۵۸	حضرت مسیح کے مناقب
۱۵۲	یہودیوں کی سازش	۱۵۹	مقربین الہی
۱۵۳	درس ہشودہم ۱۸ (آیت ۵۵ تا ۵۷)	۱۶۰	حکیمانہ کلام کلم سنی میں کلام
"	آیت و ترجمہ	۱۶۱	صالح عیسیٰ علیہ السلام
۱۵۵	رابطہ آیات	"	حضرت مریمؑ کی پریشانی
"	توفی کا معنی	۱۶۲	مسیح علیہ السلام بحیثیت معلم
۱۵۸	قادیانیوں کی غلط تاویل	۱۶۸	درس شانزدہم ۱۶ (آیت ۴۹ تا ۵۰)
"	مسئلہ ختم نبوت	"	آیات و ترجمہ
۱۵۹	حق و باطل	۱۶۹	رابطہ آیات
"	واقعہ ارتفاع	"	رسول بنی اسرائیل



۲۱۲	آیات و ترجمہ	۱۹۰	متبعین کا غلبہ
"	رابطہ آیات	۱۹۲	عذاب اور ثواب
۲۱۳	عقیدہ توحید	۱۹۳	درس نوزدہم ۱۹ (آیت ۵۸ تا ۶۰)
۲۱۵	قبر پرستی	"	آیات و ترجمہ
۲۱۶	شُرک کی لعنت	"	رفع عیسیٰ علیہ السلام پر دلائل
۲۱۷	رب صرف اللہ ہے	۱۹۵	نشانات صداقت
۲۱۸	تحلیل و تحریم	۱۹۶	صانع اور مصنوع
۲۲۰	شاہ روم کے نام خط	۱۹۷	رفع کی مزید تفصیل
۲۲۲	درس سبب ۲۲ (آیت ۶۵ تا ۶۸)	۱۹۸	نزول مسیح
"	آیات و ترجمہ	۱۹۹	علامہ قیامت
۲۲۳	رابطہ آیات	۲۰۰	تخلیق عیسیٰ پر مثال
"	شان نزول	۲۰۳	درس سبب ۲۰ (آیت ۶۱ تا ۶۳)
۲۲۴	یہودیت اور نصاریت کی ابتداء	"	آیات و ترجمہ
۲۲۵	ہندو اور رسوم	"	رابطہ آیات
"	ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جھگڑا	۲۰۳	مباہلہ کا چیلنج
۲۲۶	ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے	۲۰۵	مباہلہ سے فرار
۲۲۷	بزرگوں کی طرف نسبت	"	صلح نامہ
۲۲۹	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متبعین	۲۰۶	مباہلہ کا ویاہل
۲۳۰	درس سبب ۲۳ (آیت ۶۹ تا ۷۱)	۲۰۷	مباہلہ اور اہل بیت
"	آیات و ترجمہ	۲۰۸	مباہلہ کی مشروطیت
"	رابطہ آیات	۲۱۰	حق بات
۲۳۱	اہل کتاب کا منصوبہ	۲۱۱	مفسدین کو تبلیہ
۲۳۲	مستشرقین کی سازش	۲۱۲	درس سبب ۲۴ (آیت ۷۴)



۲۵۲	شانِ نزول	۲۳۲	فن اور فحاشی
۲۵۳	اہل کتاب کی بد عہدی	۲۳۵	مثنوی اور وں کا جال
۲۵۴	مبغوض لوگ	"	تکفیر آیات
۲۵۵	محبوب لوگ	۲۳۶	کتمان حق
۲۵۶	تخریف لفظی	۲۳۸	درس نسبت چہارم ۲۴ (آیت ۷۲ تا ۷۴)
۲۵۷	تخریف معنوی	"	آیت و ترجمہ
۲۵۹	درس نسبت ہفت ۲۴ (آیت ۷۹ تا ۸۰)	"	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	۲۳۹	یہودیوں کی تدبیر
"	رابط آیات	۲۴۰	تصدیق حق سے انکار
۲۶۰	شانِ نزول	۲۴۲	بنی اسرائیل کی عارضی فضیلت
"	بشریت انبیاء علیہم السلام	۲۴۳	تمام فضائل کا مالک اللہ ہے
۲۶۲	منصب نبوت	۲۴۵	درس نسبت پنج ۲۵ (آیت ۷۵ تا ۷۶)
۲۶۴	اللہ والے	"	آیات و ترجمہ
۲۶۵	عبدیت کی غلط نسبت	"	رابط آیات
۲۶۶	رب صرف اللہ ہے	۲۴۶	مالی خیانت
۲۶۷	خلاصہ کلام	"	شانِ نزول
۲۶۸	درس نسبت و مشیت ۲۸ (آیت ۸۱ تا ۸۲)	۲۴۷	دینار و درہم
"	آیات و ترجمہ	۲۴۸	باطل فلسفہ
"	رابط آیات	۲۴۹	امانت کی ورہیسی پر اصرار
۲۶۹	ميثاق الست	۲۵۰	عہد کی پابندی
"	تمام انبیاء سے ميثاق	۲۵۱	درس نسبت شش ۲۶ (آیت ۷۷ تا ۷۸)
۲۷۰	ميثاق خاص	"	آیات و ترجمہ
۲۷۱	یہودیوں کی خلاف ورزی	"	اہل کتاب کی تیسری خیانت



۲۹۵	۲۷۳ آیات و ترجمہ	پاکیزہ مشن
"	۲۷۵ رابطہ آیات	عہد شکنی پر وعید
"	۲۷۷ قبولیت کا مدار ایمان پر ہے	درس نسبت نمبر ۲۹ (آیت ۸۳ تا ۸۵)
۲۹۶	" بے بے اور اٹھ	آیات و ترجمہ
۲۹۷	۲۷۸ نیکی کی مثالیں	رابطہ آیات
۲۹۹	" محبوب چیز کی قربانی	سچا دین
۳۰۰	۲۸۰ معاشی نظام	ایمان باللہ
"	" تاجروں کے لیے لمحہ فکریہ	ایمان بالکتاب
۳۰۱	۲۸۳ اسراف و تبذیر	ایمان بالرسول
۳۰۳	" درس سہمی دور ۳۲ (آیت ۹۳ تا ۹۵)	غیر اقوام کی سازشیں
"	۲۸۵ آیات و ترجمہ	مسلمانوں کی بد قسمتی
"	" شان نزول	اسلامی قوانین
۳۰۴	۲۸۷ یہودیوں کے چار سوال	درس سہمی ۳ (آیت ۸۶ تا ۹۱)
۳۰۶	" حلت و حرمت	آیت و ترجمہ
۳۰۷	۲۸۸ مختلف شرائع کے احکام میں فرق	رابطہ آیات
۳۰۹	" یہودیوں کی کذب بیانی	آخرت کا مدار اسلام پر ہے
۳۱۰	۲۸۹ ملت ابراہیمی کا اتباع	شان نزول
۳۱۲	۲۹۰ درس سہمی دور ۳۳ (آیت ۹۶ تا ۹۷)	بعثت رسول کی پیشین گوئیاں
"	۲۹۱ آیات و ترجمہ	ظالم ہدایت سے محروم ہیں
"	۲۹۲ گزشتہ سے پیوستہ	قبولیت تو بہ
۳۱۳	۲۹۳ قبلہ اقل	عدم قبولیت تو بہ
۳۱۵	" بچہ اور مکہ	فدیہ کام نہ آئے گا
۳۱۶	۲۹۵ فضائل بیت اللہ شریف	درس سہمی وکیل (آیت ۹۲)



۳۴۱	آیات و ترجمہ	۳۱۷	تاریخ تعمیر کعبہ
"	رابط آیات	۳۱۸	مقام ابراہیم
۳۴۲	دعوت الی الخیر	۳۱۹	جائے امن
۳۴۳	اصلاح کے تین اصول	۳۲۰	فرضیت حج
"	ایمان کے تین درجات	۳۲۱	معرضین حج کے لیے وعید
۳۴۴	فرض کفایہ	۳۲۳	درس سی چار ۲۴ (آیت ۹۸ تا ۱۰۱)
۳۴۶	اس کے مکلفین	"	آیات و ترجمہ
۳۴۸	درس سی و ہفت ۲۷ (آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹)	۳۲۴	رابط آیات
"	آیات و ترجمہ	"	تکفیر آیات
۳۴۹	رابط آیات	۳۲۵	صلوٰۃ مستقیم میں رکاوٹ
"	تفرقہ فی الدین	۳۲۷	اہل اسلام کو تنبیہ
۳۵۰	صحابہ روشن ستارے ہیں	۳۲۹	عقیدہ حاضر و ناظر
۳۵۱	اختلاف رحمت	۳۳۰	اعتصام باللہ
۳۵۲	مسک اہم البؤحیفہ	۳۳۲	درس سی و پنج ۳۵ (آیت ۱۰۲ تا ۱۰۳)
۳۵۳	اختلاف رحمت	"	آیات و ترجمہ
"	بدعات کی کثرت	"	رابط آیات
۳۵۵	روشن اور سیاہ چہرے	۳۳۳	خوف خدا
۳۵۶	رجوع الی اللہ	۳۳۴	حق تقاتلہ
۳۵۷	درس سی و ہشت ۳۸ (آیت ۱۱۰ تا ۱۱۱)	۳۳۵	خاتمہ بالایمان
"	آیات و ترجمہ	۳۳۶	جل اللہ
"	رابط آیات	۳۳۸	تفریق بین المسلمین
۳۵۸	بہترین امت	"	تذکیر احسانات الہی
۳۵۹	امر بالمعروف	۳۴۱	درس سی و شش ۳۶ (آیت ۱۰۴)



۳۸۱	رابط آیات	۳۶۰	ہنی عن المنکر
۳۸۲	مخلص دوست	۳۶۱	نئی برائیاں
"	شان نزول	۳۶۲	ایمان باللہ
۳۸۳	فساد انگیزی	۳۶۳	اہل ایمان کو تسلی
۳۸۴	اخلاقی رواداری	۳۶۵	درس سی و نہر ۳۹ (آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)
"	کلیدی اسمیوں پر تقرری	"	آیات و ترجمہ
۳۸۵	مسلمانوں کے ساتھ بدخواہی	۳۶۶	رابط آیات
۳۸۸	درس چہل و سوم (آیت ۱۱۹ تا ۱۲۰)	"	یہودیوں کی ذلت
"	آیات و ترجمہ	۳۶۷	جل اللہ اور جل الناس
"	رابط آیات	"	محروم اقتدار
۳۸۹	افتائے راز	۳۶۸	مسلمانوں کی زبوں حالی
۳۹۰	خلافت اسلامیہ	۳۶۹	غضب الہی
۳۹۱	یکطرفہ محبت	۳۷۰	سعید روہیں
۳۹۲	ایمان بالکتاب	۳۷۱	درس چہل و چہارم (آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷)
"	منافقین کا اظہار خفگی	۳۷۲	آیات و ترجمہ
۳۹۳	دفاع کا طریقہ	"	رابط آیات
۳۹۶	درس چہل و سوم (آیت ۱۲۱ تا ۱۲۲)	۳۷۳	مال و اولاد کا فتنہ
"	آیت و ترجمہ	"	جیاداری
"	رابط آیات	۳۷۴	کفار کا ہلک انفاق
۳۹۷	صبر اور تقویٰ	"	دنیا میں شہرت
"	جنگ احد کا پس منظر	۳۷۵	برائی کا اثر نیچے پر
۳۹۸	صحابہ سے مشورہ	۳۷۶	درس چہل و یکم (آیت ۱۱۸)
۳۹۹	حضور علیہ السلام کے خواب	۳۷۷	آیات و ترجمہ
"	جنگ کے لیے تیاری	۳۷۸	
۴۰۱	توکل علی اللہ	۳۷۹	
۴۰۲	درس چہل و چہارم (آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵)	۳۸۰	
"	آیت و ترجمہ	۳۸۱	
"	رابط آیات	"	
۴۰۳	غزوہ بدر	۳۸۲	
۴۰۴	اذلہ کا مفہوم	"	
۴۰۵	تقویٰ اور شکر		
"	فرشتوں کے ذریعہ مدد		



۴۳۰	فلاح انسانیت	۴۰۹	درس چیل وینج ۴۵ (آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹)
۴۳۲	درس چیل وینج ۴۸ (آیت ۱۴۳ تا ۱۴۶)	"	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۴۱۰	ربط آیات
۴۳۳	ربط آیات	"	مقصد نزول ملائکہ
"	مسلمانوں کی حوصلہ افزائی	۴۱۱	نصرت الہی
۴۳۴	جنگ قادیسیہ	۴۱۳	کفار کی ناکامی
"	حالات میں تغیر و تبدل	"	غزوہ احد میں آزمائش
۴۳۵	آزمائش اور اسکی حکمت	۴۱۵	جزا اور سزا اللہ تعالیٰ کے پاس ہے
۴۳۶	مومنوں کا تزکیہ نفس	۴۱۷	درس چیل وینج ۴۶ (آیت ۱۳۰ تا ۱۳۴)
۴۳۸	جہاد اور صبر	"	آیات و ترجمہ
۴۳۹	موت کی تمنا	"	ربط آیات
۴۴۲	درس چیل وینج ۴۹ (آیت ۱۴۴ تا ۱۴۵)	۴۱۸	صبر و استقامت
"	آیات و ترجمہ	۴۱۹	غضب و انتقام
"	ربط آیات	۴۲۰	ڈرانے والی آیت
۴۴۴	انہی، ابدی صرف ذات خداوندی ہے	۴۲۱	کامیابی کا راز
۴۴۵	دین پر ثبات قدمی	"	نیکی میں سبقت
۴۴۶	ابن قیمیہ کا حشر	۴۲۳	الفاق فی سبیل اللہ
۴۴۷	موت کا وقت مقرر ہے	۴۲۶	متقین کی صفات
"	طلب دنیا یا طلب آخرت	"	درس چیل وینج ۴۷ (آیت ۱۳۵ تا ۱۳۸)
۴۴۹	درس پنجاہ ۵۰ (آیت ۱۴۶ تا ۱۴۸)	۴۲۷	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	۴۲۸	ربط آیات
"	ربط آیات	۴۳۰	ارتکاب گناہ اور معافی
			استغفار کی برکات
			نشانات عبرت



۲۵۰	درس پنجاہ و سہ (آیت ۱۵۴ تا ۱۵۵)	۲۴۳	جہاد سنت انبیاء ہے
۲۵۱	آیات و ترجمہ	۲۴۴	مؤمن ثابت قدم رہتا ہے
۲۵۲	رابطہ آیات	"	صبر بہترین حربہ ہے
"	دوران جنگ فینہ	"	مجاہدین کی دعا
۲۵۵	منافعوں کے شبہات	۲۴۵	دنیا و آخرت کا ثواب
"	موت کا وقت مقرر ہے	۲۴۶	محبوبانِ خدا
۲۵۶	مؤمن کی آزمائش	۲۴۷	درس پنجاہ و یک (آیت ۱۴۹ تا ۱۵۱)
۲۵۷	شیطان کا پھسلاوا	۲۴۸	آیت و ترجمہ
"	اللہ کی طرف سے معافی	"	رابطہ آیات
۲۵۸	درس پنجاہ و چہار (آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸)	۲۴۹	عظیم نقصان
۲۵۹	آیات و ترجمہ	"	مسلمانوں کے تنزل کی وجہ
۲۶۰	رابطہ آیات	"	اللہ ہی مددگار ہے
۲۶۱	منافقین کی تدبیر	۲۸۲	اسلام کا رعب
۲۶۲	حسرت و یاس	"	بلا دلیل مشرک
۲۶۳	موت و حیات کا سررشتہ	۲۸۳	درس پنجاہ و دو (آیت ۱۵۲ تا ۱۵۳)
"	شہداء کے لیے انعام	۲۸۴	آیت و ترجمہ
۲۶۵	اللہ کے حضور کی پیشی	۲۸۵	رابطہ آیات
"	درس پنجاہ و پنج (آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰)	۲۸۶	غزوہ احد - سرسری جائزہ
۲۶۷	آیات و ترجمہ	۲۸۷	مسلمانوں کو تنبیہ
۲۶۸	رابطہ آیات	"	طلب دنیا اور طلب آخرت
۲۶۹	بنی علیہ السلام کی نرم مزاجی	۲۸۸	غلطی معاف ہو گئی
"	بخش، معافی اور مشورہ	۲۸۹	مسلمانوں کی زبوں حالی
۲۷۰	مشاورت کی مثالیں	۲۹۰	کفر و اسلام میں مکالمہ
۲۷۱		۲۹۱	



۵۱۲	قرآنی تعلیم	۴۹۲	مشورہ کی فقہی حیثیت
۵۱۳	تعلیم حکمت	۴۹۳	ڈکٹیٹر شب بمقابلہ مشاورت
۵۱۵	درس پنجاہ و ہشت (آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸)	۴۹۵	نصرت اللہ
"	آیات و ترجمہ	۴۹۷	درس پنجاہ و شش (آیت ۱۶۱ تا ۱۶۳)
۵۱۶	رابطہ آیات	"	آیات و ترجمہ
۵۱۷	مسلمانوں کے لیے تسلی	"	رابطہ و آیات
۵۱۸	شکست کی حکمت	۴۹۸	شان نزول
۵۱۹	خارحانہ یا مدافغانہ جنگ	۴۹۹	غلول کا مفہوم ہے
۵۲۰	منافقوں کی حیلہ سازی	"	خیانت کبیرہ گناہ ہے
۵۲۱	موت سے فرار ممکن نہیں	۵۰۰	تکبر، غلول اور قرض
۵۲۳	درس پنجاہ و نہ ۵۹ (آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱)	۵۰۲	خائن کی سزا
"	آیات و ترجمہ	۵۰۳	جہزائے عمل
"	رابطہ آیات	"	نیک و بد برابر نہیں
۵۲۳	جہاد فی سبیل اللہ	"	نیچی اور بدی کے درجات
۵۲۵	شہداء کی زندگی	۵۰۵	درس پنجاہ و ہشت (آیت ۱۶۴)
"	شہداء کے مناقب	"	آیات و ترجمہ
۵۲۷	بمزنخ کی زندگی	"	رابطہ آیات
۵۲۸	پچھلوں کے متعلق بشارت	"	احسان خداوندی
۵۲۹	شہداء کا غسل اور جنازہ	۵۰۶	دو عظیم نعمتیں
"	شہداء پر میر سوئے	۵۰۷	پیغمبر اور جنس انسانی
۵۳۱	درس شخصیت (آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵)	۵۰۸	عقیدہ نور من نور اللہ
"	آیات و ترجمہ	۵۰۹	ملاوت قرآن
۵۳۲	رابطہ آیات	۵۱۰	مرشد کامل



شان نزول

پراپکینڈا بطور مؤثر بہتیار

جذیہ ایمانی

ایمان میں اضافہ

صحابہ کرامؓ کی فضیلت

شیطانی فعل

درشخصت یک (آیت ۱۷۶ تا ۱۷۸)

آیات و ترجمہ

رابط آیات

منافقت کی مذمت

ایمان اور کفر

آخری امت کی عمریں

کفار کے لیے مہلت

درشخصت ۶۲ (آیت ۱۷۹)

آیات و ترجمہ

رابط آیات

شکست کی تکوینی حکمت

غیب کی خبریں

غیب کا مفہوم

غیب خاصہ خداوندی ہے

معصوم صرف بنی ہوتا ہے

اجر عظیم

درشخصت ۶۳ (آیت ۱۸۰)

۵۳۲

آیات و ترجمہ

رابط آیات

جہاد بالمال

۵۳۳

بخل کی بیماری

۵۳۴

بخل فی العلم

۵۳۵

فضل وسیع تر معنوں میں

۵۳۶

اخلاق کا بگاڑ

۵۳۷

بخیل کی سزا

۵۳۸

ماکہ ہر شے خدا است

۵۳۹

درشخصت چہار ۶۴ (آیت ۱۸۱ تا ۱۸۲)

۵۴۰

آیات و ترجمہ

۵۴۱

شان نزول

۵۴۲

قرض حسن

۵۴۳

حلال و حرام کی حکمت

۵۴۴

یہود کی گستاخیاں

۵۴۵

قتل انبیاء علیہم السلام

۵۴۶

گستاخی کی سزا

۵۴۷

درشخصت پنج ۶۵ (آیت ۱۸۳ تا ۱۸۵)

۵۴۸

آیات و ترجمہ

۵۴۹

رابط آیات

۵۵۰

سرمایہ داری کی لعنت

۵۵۱

قربانی کی فرمائش

۵۵۲

اس کا جواب

۵۵۳

اہل ایمان کی تسلی

۵۵۳

"

"

۵۵۴

۵۵۵

۵۵۶

۵۵۷

۵۵۸

۵۵۹

۵۶۰

"

"

۵۶۱

۵۶۲

"

۵۶۳

۵۶۴

۵۶۵

"

۵۶۶

"

۵۶۷

۵۶۸

۵۶۹

"

۵۷۰

۵۷۱

۵۷۲

۵۷۳

۵۷۴

۵۷۵

۵۷۶

۵۷۷

۵۷۸

۵۷۹



۵۹۷	درس شخصیت نمبر ۶۹ (آیت ۱۹۰ تا ۱۹۱)	۵۹۷	درس شخصیت نمبر ۶۸ (آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹)
۵۹۸	آیات و ترجمہ	۵۹۸	آیات و ترجمہ
۵۹۹	ربط آیات	۵۹۹	ربط آیات
۶۰۰	اصول ابتلا	۶۰۰	اصول ابتلا
۶۰۱	تکلیف دہ باتیں	۶۰۱	تکلیف دہ باتیں
۶۰۲	صبر کی تقین	۶۰۲	صبر کی تقین
۶۰۳	تقویٰ کی ڈھال	۶۰۳	تقویٰ کی ڈھال
۶۰۴	مقصودی امور	۶۰۴	مقصودی امور
۶۰۵	درس شخصیت ہفت ۶۷ (آیت ۱۸۷)	۶۰۵	درس شخصیت ہفت ۶۷ (آیت ۱۸۷)
۶۰۶	آیات و ترجمہ	۶۰۶	آیات و ترجمہ
۶۰۷	ربط آیات	۶۰۷	ربط آیات
۶۰۸	میتاق اہل کتاب	۶۰۸	میتاق اہل کتاب
۶۰۹	عہد شکنی	۶۰۹	عہد شکنی
۶۱۰	غرض فاسد	۶۱۰	غرض فاسد
۶۱۱	آخری امت کی بیماری	۶۱۱	آخری امت کی بیماری
۶۱۲	حقیر دنیا کی طلب	۶۱۲	حقیر دنیا کی طلب
۶۱۳	درس شخصیت و ہشت ۶۸ (آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹)	۶۱۳	درس شخصیت و ہشت ۶۸ (آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹)
۶۱۴	آیات و ترجمہ	۶۱۴	آیات و ترجمہ
۶۱۵	گزشتہ سے پیوستہ	۶۱۵	گزشتہ سے پیوستہ
۶۱۶	اہل کتاب کی خام خیالی	۶۱۶	اہل کتاب کی خام خیالی
۶۱۷	اہل ایمان کی خدا خوانی	۶۱۷	اہل ایمان کی خدا خوانی
۶۱۸	اقتدارِ اعلیٰ	۶۱۸	اقتدارِ اعلیٰ



۶۲۰	درس ہفتاد و سہ (آیت ۱۹۹)	۶۱۵	آیات و ترجمہ
"	آیات و ترجمہ	"	رابط آیات
"	رابط آیات	۶۱۶	اعمال صالحہ کی قبولیت
"	سائے اہل کتاب برابر نہیں	۶۱۷	مرد و زن کا دائرہ کار
۶۳۱	سجاشی کا قبول اسلام	۶۱۸	تفریق صنف
۶۳۲	سجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ	"	اچھی تربیت
۶۳۳	اہل کتاب کے لیے دوسرا اہم	۶۱۹	ہجرت فی فضیلت
۶۳۴	قریبی دور کے نو مسلم	۶۲۱	اذیت فی سبیل اللہ
۶۳۶	خشیت الہی	"	معافی کی بشارت
۶۳۷	حساب میں جلدی	۶۲۲	جنت میں داخلہ
۶۳۸	درس ہفتاد و چار (آیت ۲۰۰)	۶۲۳	درس ہفتاد و دو (آیت ۱۹۶ تا ۱۹۸)
"	آیت و ترجمہ	"	آیات و ترجمہ
"	خلاصہ سورت پانچ اصول	"	رابط آیات
"	پہلا اصول ایمان	۶۲۴	استدراج
۶۳۹	دوسرا اصول صبر	۶۲۵	طرز مخاطب
۶۴۰	تیسرا اصول یقین صبر	۶۲۶	متاع قلیل
"	چوتھا اصول رابط	۶۲۷	متقین کے لیے انعام
۶۴۱	پانچواں اصول تقویٰ	۶۲۸	اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہانداری
"	فضائل سورت	۶۲۹	نیوکاروں کے لیے بہتر اجر

# احکام حج مع زیارات مکہ المکرمہ و مدینۃ المنورۃ

تالیف: مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

قیمت  
۲۰ روپے

مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوہر انوار

صفحہ ۱۲۸  
پیشہ



# پیش لفظ

انما یدخلہ لعل دین - ایم اے (علوم اسلامیہ) شالامار، لاہور

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝  
وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

## امجد

تاریخ عالم گواہ ہے کہ دنیا میں آج اگر کوئی آسمانی کتاب اپنی اصلی حالت میں موجود ہے، تو وہ صرف اور صرف قرآن حکیم ہے۔ سابقہ کتب تو رات، انجیل، زبور اور دیگر صحائف کے متعلق خود ان کے پیروکار بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ کتب بعینہ اسی حالت میں موجود ہیں جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں نازل فرمایا۔ سابقہ انم اپنی اپنی کتابوں سے روگردانی اور ان میں تحریف کرنے کی بنا پر یہی کلام الہی کے اعزاز سے محروم ہو گئیں، افسوس کا مقام ہے کہ قیامت تک کیلئے محفوظ خدا کی آخری کتاب قرآن پاک کی حامل امت محمدیہ اس اعتقاد کے باوجود کہ یہ کتاب واجب الطاعت اور دنیوی فلاح و کامرانی کی ضامن ہے، اس کی تعلیم سے مسلسل اعراض برت رہی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ پوری امت مسلمہ آج قعر مذلت کا شکار ہے۔

## خوار از مجہوری قرآن شری

قرآن کریم نے اپنے آپ کو ایک عالمگیر کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے چنانچہ سورہ یوسف اور سورہ ص میں یہ دعویٰ موجود ہے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ یعنی یہ دنیا بھر کے لیے نصیحت ہے۔ سورہ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر یہ مقدس کتاب نازل فرمائی لِيَكُوْنُ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا کہ یہ کتاب تمام جہان والوں کے لیے وہ راہنمائی مہیا کرے جس سے وہ اپنے انجام سے خبردار ہو جائیں سورہ اعراف میں حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطاب ہے



قُلْ يَٰٓأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا آپ فرمائیجئے اے لوگو  
میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری بعثت کا مقصد یہ ہے وَأَوْحِيَ إِلَيَّ  
هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ کہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی خبردار  
کر دوں اور ہر اس شخص کو متنبہ کر دوں جس تک اس کلام الہی کا پیغام پہنچے غرضیکہ قرآن پاک  
نے اپنے گنہگاروں کو بار بار دعویٰ کیا ہے۔ اور حضور نبی کریم ﷺ نے اس کی صداقت کی  
تشریح فرمادی۔

قرآن پاک کی عالمگیریت کا معنی یہ ہے کہ یہ پوری نوع انسانی کے لیے منبع شہادت  
ہے۔ اس کا پیغام اس دنیا میں بسنے والے ہر انسان کے لیے ہے خواہ وہ دنیا کے کسی  
خطے میں رہتا ہو کسی رنگ اور نسل سے تعلق رکھتا ہو اور کسی زمانے میں پیدا ہوا ہو۔ ذرا غور  
فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام میں انسان کو کس طرح خطاب کیا ہے سورۃ الانطفا  
میں آتا ہے۔ يَٰٓأَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا عَرَفَكَ بِإِثْمِكَ الْكَرِيمُ اے انسان!  
رب کریم کے بارے میں تجھے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ سورۃ الدھر میں  
انسان کی توجہ اس کی اصلیت کی طرف دلاتے ہوئے فرمایا هَلْ أَلِیَّ عَلَى الْإِنْسَانِ  
حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ أَعْرَضَ بِكَ شَيْئًا مَّذْکُورًا کیا انسان پر ایک ایسا وقت  
نہیں گزرا جب کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ سورۃ العصر میں انسان ہی کو موضوع سخن  
بنایا گیا وَالْعَصْرِ ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ بیشک انسان خائے میں ہے جب  
تک وہ مطلوبہ معیار پر پورا نہ اترے۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تمام تعلیمات انسان ہی کی ہدایت اور فلاح کے لیے  
ہیں۔ اسی کے فرمودات پر عمل کر کے انسان دنیا و آخرت میں مسر خرو ہو سکتا ہے۔  
مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا  
وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ اللہ تعالیٰ اس کتاب پر عمل کے ذریعہ ہی سے لوگوں کو مام عروج  
یک پہنچاتا ہے اور اسی کتاب کی خلاف ورزی کے مرتکبین کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ اہم  
مالک کا قول ہے لَا یَصْلِحُ الْآخِرُ هَذِهِ الْأُمَّةُ إِلَّا مَا صُلِحَ بِهِ الْأَوَّلُ اس امت



کے آخری لوگوں کی اصلاح بھی اُسی چیز سے ممکن ہے جس چیز سے امت کے طبقہ اول کی اصلاح ہوئی۔ مطلب یہ کہ جس طرح قرآن حکیم اپنے اولین مخاطبین کے لیے فلاح داریں کا سبب بنا، اُسی طرح وہ آج بھی اپنے مانتے والوں کے لیے مژدہ جالفر بن سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ اُسے مضبوطی سے تھام لیں۔

قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کرنے اور اس کا پیغام گھر گھر پہنچانے کا کام اہل حق ہر زمان اور ہر مقام پر انجام دیتے آئے ہیں اور انشاء اللہ تاقیام قیامت دین کی یہ خدمت جاری رہیگی۔ سلسلہ دروس القرآن بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور حقیقی المقصد وہ یہ کام انجام دیا جا رہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ادارہ کو توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی ہے اور ایک ایک بندہ کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قارئین کو اس سلسلہ سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے اور کارکنان کے لیے فیہ اخذت جائے۔ یہ جلد اس لحاظ سے سفیر ہے کہ اس میں پوری سورۃ آل عمران باقی ہے۔ پھر مکرّم کے مطابق انشاء اللہ ہر آئندہ جلد ایک یا ایک سے زیادہ مکمل سورتوں پر مشتمل ہوگی۔ اگلی سورۃ نساء کے لیے ایک مکمل جلد ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ کام کی رفتار اب بہت تیز ہو جائے گی اور قارئین کو اگلی جلد کے لیے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ

احقر العباد

لعل دین شالامارٹاؤن لاہور



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# سخن سے گفتنی

انما: محمد اشرف، فاضل مدرسہ نصرة العلوم گوجرانوالہ و فاق المدارس العربیہ پاکستان

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ  
خَاتَمِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ  
أَمَّا بَعْدُ

نماز فجر کے فوراً بعد اگر آپ جامع مسجد نور مدرسہ نصرة العلوم میں داخل ہوں تو مسجد میں ایک روشن چہرہ، اور اس پر گزرے ہوئے ماہ و سال کے نقش، سر پر سادہ کپڑے کی سفید ٹوپی، آنکھوں میں تدمیر کی گہریاں، سفید قدے گھنی سنت کے مطابق ڈاڑھی آواز میں سنجیدگی اور متانت، صحیح اور مستحکم نظریات و افکار لئے ہوئے، حاضرین کے مجمع میں قرآن حکیم کھولے، سادہ اور عام فہم زبان میں قرآنی اسرار و رموز، تفسیری نکات، فقہی مسائل اسلامی عقائد اور نظامائے اسلام کی توضیح، غیر اسلامی نظاموں، غلط افکار، مسلمانوں کی موجودہ پستی، زبوں حالی اور تنزل کے اصل اسباب و محرکات کی واضح نشاندہی اور باطل نظامائے حکومت کی تردید، معاشی، اقتصادی، تعلیمی اور اخلاقی خامیوں پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے، باوقار شخصیت نظر آئیگی، جو کہ حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ کے نام سے موصوف، جنہوں نے تصوف، علم و حکمت اور سیاست کے اکابر و اساطین سے تلمذ کیا، اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے تلمذ کے علاوہ بیعت و نیت حاصل کر کے باطنی علوم میں بھی خاصی مہارت حاصل کی۔

عرصہ دراز سے جامع مسجد نور میں قرآن پاک اور حدیث خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دے رہے ہیں اور متعدد بار اوّل سے آخر تک قرآن حکیم کا درس دے چکے ہیں، قرآن پاک کا



یہی درس حضرت کی زبان سے کیسٹ اور کیسٹ سے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو کر معلم القرآن فی دروس القرآن کے نام سے معروف ہے۔

زیر نظر کتاب اپنی دروس کا حصہ اور مکمل سورۃ ال عمران پر مشتمل ہے، اس جلد میں توحید و رسالت، ایمانیات، حقانیت اسلام، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی اصول و حرمت، یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی، غیر اسلامی ممالک سے تعلقات کے اصول اور ان سے مسلمانوں کی خارجہ پالیسی کا اچھے انداز میں ذکر موجود ہے، مسیح علیہ السلام، اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے اہم واقعات، یہودیوں اور عیسائیوں کے باطل عقائد، ہنسی اور دل شک و بدعت کا رد اچھے طریقہ سے کر دیا گیا ہے، ملت ابراہیمی کے اصول و مدارج ایمان کے ذکر کے علاوہ بعض معروف اسلامی شخصیات کی مختصر سوانح کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ واقعات و قصص کا سلسلہ انتہائی مربوط ہے، علاوہ انہیں چھوٹے، چھوٹے سببوں میں مفید مسائل کا بھی ضمنی طور پر بیان موجود ہے۔

اس جلد میں بعض دروس انتہائی اہم ہیں، جو مسلمانوں کے لیے بہت مفید ہیں، جو انہیں ضلالت و گمراہی سے نکال کر عزت کے اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا کام دیں گے انشاء اللہ العزیز۔

وہ سحر جس سے لہرنا ہے شہستان و جہد ہوتی ہے بندہ مؤمن کی اذال سے پیدا  
آخر میں دلی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحب درس حضرت صوفی صاحبِ مظلوم  
انجمن محبان اشاعت قرآن کے جملہ اراکین، فاضل مرتب اور اشاعت میں حصہ لینے والے سرگرم ارکان  
نوجوان بلال اہلنگی، الحاج بابو غلام حیدر، مشتری منیر احمد، شیخ محمد یعقوب، منشی شتاق احمد، الحاج منیر احمد نارو  
اور سبھی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فوز و فلاح اور بخشش کا ذریعہ بنائے اور انہی اسی  
جیل کو قبول فرمائے اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو اس مستفید ہونیکی توفیق عطا فرمائے۔

ایں دُعا از من و جملہ جہاں آیین باد

فقط محمد اشرف در فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم و وفات المدارس العربیہ







ال عمران ۳

آیت ۶ تا ۶

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس اوّل

سُورَةُ اِلِ عَمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَتَا آيَةٍ فِيهَا عِشْرُونَ رُكُوعًا

سورۃ ال عمران مدنی ہے اور یہ دو سو آیات اور اس میں بیس رکوع ہیں،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلَمْ ۱ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۲ نَزَّلَ  
 عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
 وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۳ مِنْ قَبْلُ هٰدًى  
 لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۴ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا  
 بِآيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۵ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ  
 ذُوْا نِقَمٍ ۶ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ ۷ فِى  
 الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۸ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ  
 فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۹ لَّا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۱۰

تدجہ: اَلَمْ ۱ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں (کوئی عبادت کے

لاائق نہیں) وہی ہے زندہ تھا منے والا ۲ اُس نے تمہاری طرف حق کے

ساتھ کتاب اتاری ہے، تصدیق کرنے والی ہے اُنکی جو اس سے پہلے ہیں۔ اور

اُس نے اتاری ہے تورات اور انجیل ۳ اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت

کے لیے، اور تانہ ل کیا اُس نے فرقان (فیصلہ کرنے والی بات) بیشک وہ

لوگ جنہوں نے کفر کیا اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اُن کے لیے سخت عذاب ہے



اور اللہ تعالیٰ غلبے والا — انتقام لینے والا ہے ﴿۵﴾ بیشک اللہ تعالیٰ

پر کوئی چیز مخفی نہیں، زمین میں اور نہ آسمان میں ﴿۵﴾ وہ وہی ہے جو تمہاری تصویر بناتا ہے (نقشہ بناتا ہے) رجموں کے اندر جس طرح چاہے۔ کوئی عبادت

کے لائق نہیں اس کے سوا۔ وہی ہے کمال قدرت کا مالک اور حکمت والا ﴿۶﴾

نام اور کوائف

سورۃ کا نام آل عمران ہے۔ چونکہ اس سورۃ میں عمران کی اولاد کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام آل عمران ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح پہلی سورۃ میں بقرہ یعنی گائے کا ذکر ہے، تو اس کا نام سورۃ بقرہ ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ عمران دو ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریمؑ کے والد۔ چونکہ اس سورۃ میں زیادہ تر حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے یہاں پر عمران سے مراد حضرت مریمؑ کے والد ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد بھی پیغمبر نہیں تھے۔ اور حضرت مریمؑ کے والد بھی پیغمبر نہیں۔ البتہ یہ دونوں حضرات نیک، صالح اور ایماندار تھے تاہم حضرت مریمؑ کے والد عمران بیت المقدس کے امام تھے۔ ہاں! حضرت مریمؑ کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔

سورۃ بقرہ کی طرح سورۃ آل عمران بھی لمبی سورتوں میں شامل ہے۔ اس کی دسویں آیات اور بیس رکوع ہیں۔ یہ سورۃ ۳۵۴۲ کلمات اور ۱۵۳۳۶ حروف پر مشتمل ہے۔

زمانہ نزول

یہ سورۃ مدنی ہے کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی سورتیں مکہ کی کہلاتی ہیں۔ اس سورۃ میں بخران کے اس عیسائی وفد کا ذکر ہے۔ جو حضور علیہ السلام سے بحث مباحثہ کے لیے فتح مکہ سے اگلے سال یعنی ۹ھ میں مدینے آیا تھا۔ لہذا اس کا زمانہ نزول ۹ھ ہے۔ البتہ اس سورۃ میں جنگ بدر اور جنگ احد کا ذکر بھی ہے۔ اس لیے بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کا زمانہ نزول ۱۰ھ تا ۱۱ھ ہے۔ بعض آیات ۹ھ



سے پہلے نازل ہوئی ہیں اور بعض اس سال میں تاہم اس سورۃ کا زیادہ تر حصہ ۹۰ء میں نازل ہوا۔ تفسیر قتوبہ جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام فیروز آبادی نے مرتب کیا ہے۔ اس کے مطابق سورۃ آل عمران کا نزول سورۃ انفال کے بعد ہوا ہے۔

مرکزی مضمون

سورۃ انفال میں بدر وغیرہ کے واقعات مذکور ہیں اور جیسا کہ عرض کیا گیا تھا کہ سورۃ بقرہ کا خاص مضمون یہود کی اصلاح اور اس کے ساتھ اہل ایمان کے لیے ضروری احکام ہیں جن کے ذریعہ حصول تقویٰ کا مقصد پورا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نظام خلافت کبریٰ کا مفصل بیان ہے۔ اس سورۃ میں روئے سخن زیادہ تر نصاریٰ کی طرف ہے اور اہل ایمان کے لیے ضروری احکام بھی ہیں۔ چنانچہ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کی ابتدائی ۸۳ آیتوں میں عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا رد ہے۔ اور ضمناً بہت سی دوسری باتیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ توحید کا مسئلہ اور اس کے عقلی و نقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں اس کے علاوہ قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کا تذکرہ ہے۔ پہلی سورۃ میں جو بعض باتیں اجمالاً ذکر کی گئی تھیں۔ ان کا تفصیل ذکر ہے۔ جیسے وہاں پر شہدار کا ذکر اجمالی تھا، یہاں تفصیل کے ساتھ ہوگا۔ وہاں پر رسولوں کا ذکر اجمالی تھا، اب تفصیل کے ساتھ آئے گا

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے تذکرے سورہ بقرہ میں اجمالی تھے، اب ان کا مفصل تذکرہ آئے گا۔ سورہ بقرہ کے آخر میں ایمانیات کا تذکرہ تھا۔ اَمِنْ الرَّسُولِ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ اَمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلِكِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ اس سورۃ مبارکہ میں ابتداء ہی سے توحید کا مسئلہ بیان ہوا ہے۔

نجران کا وفد

یمن کے نجران کا عیسائی وفد ساٹھ افراد پہنچا تھا۔ جن میں چودہ سرکردہ آدمی اور تین سردار تھے۔ ان میں عبدالمسیح عاقبہ امارت اور سیادت کے لحاظ سے اعلیٰ حیثیت کا مالک تھا۔ ایہم السید عقلمندی اور تدبیر میں کامل تصور کیا جاتا تھا



اور تیسرا شخص ابو حارثہ ابن علقمہ مذہبی اعتبار سے ایک جید عالم، پادری، رقیع اور معزز شخص تھا۔ یہ آدمی دراصل عربوں کے مشہور قبیلہ بکر بن وائل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قبیلہ نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ روم کے عیسائی بادشاہ نے انہیں جاگیر بخش رکھی تھی۔ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ انہیں ایک بہت بڑا گمراہ بنا کر دیا تھا۔

مورخین کے اقوال، سیرت کی کتابوں اور ذخیرہ احادیث سے وفدِ نجران کی آمد کے دو مقاصد سمجھ میں آتے ہیں۔ پہلا مقصد تو سیاسی تھا یہ وہ زمانہ تھا جب مکہ فتح ہو کر عرب کی پورے سرزمین اور زمین کچھ علاقے بھی مسلمانوں کے تسلط میں آچکے تھے۔ اور نجران کے یہ عیسائی بھی مسلمانوں سے خائف تھے۔ ادھر مدینہ طیبہ کے گمراہ یہودیوں کی اکثریت تھی۔ جن میں تین خاندان بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ بڑے متعصب یہودی تھے۔ سود خور اور سازشی ذہن کے حامل تھے۔ ان کی اسی خیانت کی وجہ سے ان میں سے دو قبیلوں یعنی بنو نضیر اور بنو قینقاع کو جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ تیسرے قبیلہ بنو قریظہ کا فیصلہ جنگ خندق کے بعد کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی۔ چنانچہ جنگ کے بعد ان کا مسئلہ پیش ہوا۔ کہ وہ اپنی سزا خود ہی تجویز کریں۔ انہوں نے حضرت سعد بن معاذؓ کو اس سلسلے میں حکم تسلیم کیا۔ جنہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے تمام مردوں کو جن کی تعداد چار سو یا چھ سو تھی قتل کر دیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے۔ اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلے پر عمل کر کے ان کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا۔ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ سعدؓ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق ہے۔

ان تاریخی واقعات سے نجران کے عیسائی سخت خائف تھے۔ کہ کہیں مسلمان ان کے ساتھ بھی یہودیوں جیسا سلوک نہ کریں۔ لہذا انہوں نے اس وفد کے ذریعے مسلمانوں سے صلح کر کے اور ان سے امان حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور



جزیہ ادا کر کے مسلمانوں کے زیر تسلط اپنے ہی ملک میں آباد رہنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

زندہ بخیر ان کی آمد کا دوسرا مقصد عیسائیت کی تبلیغ تھا۔ مسیح علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں یا تین خداؤں میں سے تیسرے ہیں یا وہ خود خدا ہیں۔ اس عقیدے پر وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کا ذکر آگے سورۃ میں صریح الفاظ میں آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ فَإِنْ حَاجُّوكَ أَكْرِمْهُمْ مِنْ أَنْفُسِكَ فَإِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي وَأَنْصِتُوا لِكَلِمَاتِي وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سَاعَةً مِنْ نَارٍ فَيَذَرُوكَ خَالِينَ۔

اگر یہ آپ سے جھگڑا کریں تو پہلے نرم طریقہ سے ان کو سمجھانے کی کوشش کریں۔ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ یعنی میں اور میرے پیروکاروں نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے سونپ دیا ہے۔ اس کے باوجود اگر وہ آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں۔ اور آپ سے مسلسل جھگڑا کریں۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ تو پھر ان کو دعوت مباہلہ دے دیں۔ اور اعلان کر دیں کہ آؤ تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں کے ساتھ میدان میں نکل آؤ اور اگر پھر بھی اسی طریقے سے آتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ دعا کریں۔ اور جھوٹے خدا کی لعنت کریں۔ مگر آپ کے اس چیلنج کو عیسائیوں نے قبول نہ کیا۔ اس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ بہر حال عیسائیوں کا دوسرا مقصد حضور علیہ السلام سے بحث و مباحثہ کرنا تھا۔

موضوع بحث چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہ مانتے تھے۔ لہذا اس بحث مباحثہ کا موضوع بھی مسئلہ الوہیت قرار پایا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے ان کے سامنے الوہیت کی چار صفات بیان کر کے دریافت کیا کہ کیا یہ صفات عیسیٰ علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہیں۔ فرمایا کیا عیسیٰ علیہ السلام ازلی اور ابدی ہیں جن کو کبھی فنا نہیں۔ تو عیسائیوں نے اقرار کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو حیات سرمدی حاصل



نہیں۔ حضور علیہ السلام نے دریافت کیا۔ کیا عیسیٰ علیہ السلام کا ظلم ہر چیز پر محیط ہے اور کیا ان سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ عیسائیوں نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ آپ نے تیسرا سوال کیا۔ کہ کیا عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے، انہوں نے کہا کہ بیشک آپ حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے، پھر آپ نے وال کیا، کیا عیسیٰ علیہ السلام قادر مطلق ہیں۔ انہیں ہر چیز پر تصرف حاصل ہے عیسائی زندقہ جیسی ثابت نہ کر سکا بلکہ اصل کا انکار کیا۔ تو حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یہ چاروں صفات الہیت کی صفات ہیں۔ اگر بقول تمہارے ان میں سے ایک بھی حضرت مسیح علیہ السلام میں نہیں پائی جاتی تو پھر تم انہیں الہ کیے تسلیم کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا، تمہیں شرم آنی چاہیے اور اس باطل عقیدہ سے توبہ کر لینی چاہیے۔ عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں، بول و بہانہ کی ضرورت رہی۔ تو ایسی شخصیت الہ کیونکر ہو سکتی ہے۔ الہ تو وہ ذات پاک ہے۔ جو ازلی اور ابدی ہے جس کو فنا نہیں جس کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور کوئی چیز مخفی نہیں جو قادر مطلق ہے۔ اور نہ کسی کا بیٹا ہے نہ کسی کا باپ ہے مسیح علیہ السلام ان میں سے کسی بھی صفت سے متصف نہیں لہذا ان کو الہ تسلیم کرنا کس قدر جہالت کی بات ہے۔ بہر حال عیسائی بحث مباحثہ کرتے ہیں اور اپنی ضد پر اڑے ہیں۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ مہملہ دی مگر عیسائی اس سے بھی بھاگ گئے۔

ایمانیہ کابیان

جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ سورۃ بقرہ کے آخر میں ایمانیات کا ذکر تھا اور اس سورۃ کی ابتداء اسی مضمون سے ہو رہی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اَلَا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ اَلْحَمْدُ حروف مقطعات میں سے ہے۔ اور اس کا ذکر سورۃ بقرہ کی ابتداء میں ہو گیا تھا۔ اب ارشاد ہوتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یعنی وہی الہ ہے کیونکہ وہ حی اور قیوم ہے۔ اسکی حیات ازلی اور ابدی ہے وہ حی ہے۔ اور وہ



حیات دینے والا ہے۔ وہ قیوم ہے۔ یعنی خود قائم ہے، ہمیشہ قائم رہیگا۔ اور دوسروں کو قائم رکھنے والا ہے۔ وہی سب کو تھامنے والا ہے۔ خدا کے سوا نہ کوئی حی ہے اور نہ قیوم ہے۔ لہذا مجبور بہ حق وہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ عبادت کے لائق کوئی نہیں ہو سکتا۔

یہ تو عقلی دلیل ہے کہ مجبور خلائی صرف وہی ذات ہے۔ اب نقلی دلیل ہے کہ مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے لوگوں کو ایمان کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے اور شرک و کفر کی بنج کنی کے لیے اس ملک الملک نے کتابیں نازل فرمائیں۔ تَزِيلُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی نے آپ پر کتاب یعنی قرآن پاک حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ اور اس کی خوبی یہ ہے کہ یہ مَصْدِقٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ جس طرح ہر آنیوالا نبی پچھلے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح ہر آسمانی کتاب سابقہ کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اس میں شامل شدہ خرابیوں کی نشاندہی کرتی ہے یہ چیز قرآن پاک نے بتائی کہ تورات سچی کتاب ہے۔ جو اللہ نے نازل فرمائی۔ مگر یہودیوں نے اس میں خرابیاں پیدا کیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر فرمایا وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ اللّٰه تَعَالٰی نے تورات اور انجیل کو نازل فرمایا۔ تورات کا معنی ہی قانون (LAW) ہے۔ جب فرعون عرق ہو گیا اور بنی اسرائیل اس کے عذاب سے بچ گئے۔ تو انہوں نے خود موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ مصر میں قیام کے دوران میں تو ہم مجبوراً فرعون کے قانون کے تحت زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے۔ اب ہم آزاد ہیں اس لیے ہمارے لیے کوئی اپنی شریعت یعنی قانون ہونا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس قانون کے لیے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی۔ تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ وہ طور پر آکر اعتکاف کرو، چالیس روزے رکھو تو آپ کو کتاب دی جائے گی۔ یہ سارا واقعہ سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ چنانچہ یہودیوں کی اپنی خواہش کے جواب میں ان کو تورات عطا کی گئی۔ یہ



ایک عظیم کتاب تھی۔ مگر یہودیوں، اور عیسائیوں اور ان کے پیروکاروں نے اس میں تحریف کمرہ کے اس کو بگاڑ دیا۔ تاہم اس کا کافی حصہ اب بھی اپنی اصل صورت میں موجود ہے۔

فرمایا وَالْاِنْجِيلُ یعنی تورات کے بعد ہم نے انجیل بھی اتاری۔ یہ کتاب بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی مگر افسوس کہ اس کا مصدقہ نسخہ آج دنیا سے مفقود ہے۔ اصل انجیل وہ فرامین اور خطبات ہیں۔ جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین برسوں میں ارشاد فرمائے۔ آپ کی زندگی میں یہ فرامین تحریری صورت میں موجود نہ تھے۔ بلکہ آپ کے شاگرد ان کی زبانی تبلیغ کرتے تھے۔ ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین کو یہودیوں سے الگ امت قرار دیا گیا۔ اور انہیں عیسائی کہا جانے لگا۔ تو انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی اور ان کے فرمودات پر کتبا میں تصنیف کیں۔ ہر فرقہ نے اپنی اپنی علیحدہ کتاب تصنیف کی جن کی تعداد ۳۳ تک پہنچتی ہے۔ موجودہ اناجیل اربعہ کی بنیاد یہی کتابیں ہیں۔ یہ چاروں انجیلیں یونانی زبان لکھے گئے۔ عیسائیوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اس مذہب میں داخل ہوئے۔ ان اناجیل کا ایک بھی نسخہ اصل یونانی زبان میں موجود نہیں۔ عیسائی ان میں تغیر و تبدل کرتے رہے۔ لہذا آج انجیل کے وہی احکامات قابل اعتماد سمجھے جاسکتے ہیں جن کی تصدیق قرآن پاک نے کی ہے باقی سب غیر معتبر اقوال ہیں۔

فرمایا مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ یہ تورات و انجیل پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائیں۔ انبیائے بنی اسرائیل انہیں کتابوں کے احکامات کی تجدید کے لیے آتے رہے۔ تا آنکہ وَأَنْزَلَ الْقُرْآنَ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا۔ اس مقدس اور آخری کتاب کے ذریعے سابقہ تمام احکام منسوخ ہو گئے۔ اور قیامت تک آنے والے لوگوں کے لیے یہی



احکام قرآن منبع رشد و ہدایت ٹھہرے۔ اس کے ساتھ ہی نبوت کا دروازہ ہمیشہ کھلے  
 بند کھردیا گیا۔ اور تبلیغ دین کا کام علمائے امت کے سپرد ہوا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی  
 ہے عُلَمَاءُ أُمَّتِي كَأَنْبِيَاءِ بَنِي إِسْرَآئِيلَ (اور العلماء و رشتہ  
 الانبیاء) یعنی میری امت کے علمائے حق بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔ جو  
 کام بنی اسرائیل کے بنی انجام دیتے تھے، وہی کام میری امت کے علماء انجام دیتے  
 رہیں گے۔

فرقان کا معنی حق و باطل میں فرق کرنے والا یا تقاضہ امور میں آخری فیصلہ کرنے  
 والا ہے۔ قرآن پاک کو فرقان اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ جب بھی اللہ کے دین کو  
 کسی نے بگاڑنے کی کوشش کی، قرآن پاک نے حق کی نشاندہی کر دی۔ تورات و انجیل  
 کے تحریف شدہ نسخوں میں آج بھی قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے اصل احکام کو واضح کر کے  
 اپنے فرقان ہونے کا ثبوت دیا کہ رہا ہے۔

منکرین کا انجام

فرمایا ان واضح احکامات آجانبہ کے بعد ان الذین کفروا بآیات اللہ  
 جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا۔ انکار لفظی بھی ہو سکتا ہے۔ اور معنوی بھی  
 لفظی انکار تو یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے الفاظ کو ہی بدل دیا جائے جیسا کہ یہودیوں  
 نے تورات کے ساتھ کیا۔ اور معنوی انکار یہ ہے کہ واضح حکم کی غلط تاویل کر کے  
 اسے اپنی مرضی کے مطابق غلط معنی پہنا دیے جائیں۔ اس کی بھی بہت سی مثالیں ملتی  
 ہیں کہ کس طرح یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کے احکام کو اپنی من مرضی کے معنی پہنا کر  
 اپنے گمراہ پیش میں نظر دوڑائیں ایسے منکرین آیات کی آج بھی کمی نہیں، جو اللہ کی  
 آیتوں کے معنی اپنی خواہش کے مطابق کر کے مخلوق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اگرچہ  
 آج اللہ کے اس آخری کلام کی تحریف لفظی تو ممکن نہیں مگر کتنے ہی پیٹ کے  
 بجا رہی معنوی تحریفات کر کے اللہ کے غضب کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ایسے ہی  
 منکرین کے متعلق فرمایا لَہُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ان کے لیے سخت  
 عذاب ہے۔ جب اللہ کی پکڑ آئے گی تو پھر اس سے بچ نہیں سکیں گے کیونکہ



وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ یعنی بدلہ لینے والا ہے۔ اُسے ہر چیز پر غلبہ حاصل ہے۔ اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ اس کے سامنے کوئی چالاکی اور جیلہ سازی کام نہیں آئیگی۔ اور وہ ذُو انْتِقَامٍ یعنی بدلہ لینے والا ہے وہ ظلم و زیادتی کی رسی کو دراز نہ ضرور کرتا ہے۔ مگر جب اپنے باغی سے انتقام لینے پر آتا ہے۔ تو اس کے سامنے میں کوئی چیز عامل نہیں ہوتی۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰی عَلَيْهِ شَيْءٌ مِّنْ اَرْضٍ وَلَا فِي السَّمَاءِ زمین و آسمان کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اہل کتاب خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی سازشوں سے بے خبر نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر یہ لوگ جس طرح اسکی توحید میں خلل انداز رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام سازشوں سے واقف ہے۔ اور یہ تمام باتیں ان کے اعمال ناموں میں لکھی جا رہی ہیں۔ وقت آنے پر اس کا بدلہ چکا دیا جائے گا۔

فرمایا هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ وہی ذات پاک ہے۔ جو ماؤں کے رحموں میں تمہاری تصویریں بناتا ہے جس طرح چاہے بچے کی ظاہری شکل و صورت یعنی گورا، کالا، گندمی، سرخ وغیرہ ہونا بھی اسی کی قدرت تامہ کا شاہکار ہے۔ اور اس کا نیک و بد، عقل مند اور بے عقل سعید اور شقی ہونا سب اس کے علم اور قدرت میں ہے۔ یہاں پہ بنی اسرائیل یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ سمجھانا بھی مقصود ہے کہ مسیح علیہ السلام دیگر مخلوق کی طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اور ابتدائی حالت میں لے کر پیدائش تک ان پر جو تغیرات گزرے وہ سب ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کس مشابہت کی بناء پر کہتے ہیں یہ تو بڑی زیادتی کی بات ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔ تو اس مالک الملک کے لیے یہ کونسی ایسی بڑی بات ہے۔ اس نے تو حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا

اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ



فرمادیا تھا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ معبود حقیقی وہی ہے اس  
 کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کیونکہ عبادت کے لائق وہی ہو سکتا ہے  
 جو قدرت کاملہ کا مالک ہو اور جس کا علم ہر چیز پر محیط ہو۔ یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ  
 میں پائی جاتی ہیں۔ لہذا اللہ بھی صرف وہی ہے مسیح علیہ السلام اللہ نہیں ہو سکتے۔  
 کیونکہ وہ تو مخلوق ہیں اور نہ وہ قدرت کاملہ کے مالک ہیں اور نہ ان کا علم ہر چیز پر  
 محیط ہے۔ اور نہ وہ ازلی وابدی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ عزیز یعنی ہر چیز پر غالب ہے  
 اور حکیم ہے۔ کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ کائنات کا تمام نظام اس  
 کے مقررہ اصولوں اور حکمت کے مطابق انجام پا رہا ہے۔



فِي قُلُوبِهِمْ زَيْجٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ  
 ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ  
 تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ  
 آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذْكُرُ  
 إِلَّا الْأَوَّلَ وَالْآخِرَ ⑤ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ  
 إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً  
 إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ⑥ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ  
 لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ⑦ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ⑧

ترجمہ: وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری۔ اس میں بعض آیتیں محکم ہیں وہ  
 کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری متشابہ ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھاپن ہے  
 پس وہ پیچھے لگتے ہیں متشابہات کے اور اس میں تلاش کرتے ہیں گمراہی اور تلاش  
 کرتے ہیں انہی تاویل میں۔ حالانکہ نہیں جانتا ان کی تاویل مگر اللہ۔ اور جو بچتے ہیں علم میں وہ  
 کہتے ہیں۔ ہم ایمان لاتے ہیں ان سب پر۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں  
 اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقلمند لوگ ⑤ اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں  
 کو ٹیڑھانہ کہ جب کہ تو نے ہدایت بخشی ہے اور بخش ہمارے لیے اپنی طرف  
 سے مہربانی۔ بیشک تو ہی بخشش کرنے والا ہے ⑧ اے ہمارے رب تو جمع کرنے

وقت لا زہر وقتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم  
 وقت منزل



والا ہے لوگوں کو اس دن میں جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ خود مدد کرتا ہے۔

اسی کبھی خلاف در نہی نہیں کرتا ⑤

ربط آیات

گزشتہ درس میں بیان کیا جا چکا ہے کہ سورۃ آل عمران کے اہم مضامین میں سے مسئلہ توحید اور اس کے عقلی و نقلی دلائل ہیں۔ پھر قرآن پاک کی صداقت و حقیقت کا تذکرہ ہے۔ اور بعض دوسرے مضامین بھی بیان ہوئے۔ سابقہ آیات میں مسئلہ توحید کو اجاگر کیا گیا تھا۔ اور سابقہ کتب کا تذکرہ تھا۔ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں تک ہدایت کا سامان بہم پہنچاتا رہا۔ ان ہدایات کا انکار کرنے والوں کے لیے سخت سزا کی وعید تھی۔ اور لوگوں کو یاد دلایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بے کوئی چیز مخفی نہیں۔ وہ ہر انسان کی ہر حرکت سے واقف ہے۔ بلکہ ماں کے رحم میں انسان کی شکل و صورت بنانے والی بھی وہی ذات ہے۔ پھر اس سے انسان کی کوئی حرکت پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ ضمناً نصاریٰ کو یہ بھی یاد کرانا مقصود تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام قدرتی طریقہ کے مطابق ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ تو پھر خدا کے بیٹے یا خود اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔

آج کے درس میں قرآن پاک کی حقانیت کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے احکام سے استفادہ ہونے کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ ان مضامین میں ان لوگوں کی ذمہ داری کی گئی ہے۔ جن کے دلوں میں کجی پائی جاتی ہے۔ اور وہ قرآن پاک کی متشابہ آیات کی غلط تاویل کرنے کے فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں۔ نیز ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو علم میں سچپتہ ہیں۔ اور ان کا ایمان تمام آیات پر یکساں ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے کہ وہ ہمارے دلوں کو طیر صاف دیکھے نیز قیامت کے دن دوبارہ بھی اچھٹنے اور حساب کتاب ہونے پر یقین کا اظہار کیا گیا ہے۔

نزول کتاب

ارشاد ربانی۔۔۔ ہُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ الْكِتَابَ الْغُرُورِ  
وہی ذات ہے۔ جس نے آسمان سے کتاب نازل فرمائی ہے۔ کتاب سے مراد



قرآن پاک ہے۔ جو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس پر آخری کتاب کے طور پر نازل ہوا جس طرح نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے۔ اسی طرح اب کوئی آسمانی کتاب بھی نازل نہیں ہوگی۔ قرآن پاک کے احکامات قیامت تک آنے والی نسل انسانی کے لیے یکساں طور پر مفید ہیں۔

محکم اور  
مشابہ

قرآن پاک کے احکام و فرامین کے متعلق فرمایا مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ اس میں بعض آیات محکم ہیں۔ هَذِهِ آيَاتُ الْكِتَابِ یہی آیتیں کتاب کی جڑ بنیاد ہیں اہم راغب اصفہانی فرماتے ہیں فَالْمُحْكَمَةُ لَا يَصْرَفُ فِيهَا شِبْهَةٌ من حيث اللفظ ولا من حيث المعنى یعنی محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم واضح ہو۔ اور اس پر لفظی یا معنوی اعتبار سے کسی قسم کا شبہ وارد نہ ہوتا ہو۔ گویا ایسی آیتیں جن کی زبان آسان ہے۔ اور جن کے معانی متعین کھنڈے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ایسی آیات میں تاویل کی گئی کہ کامرغ مشکل ہی سے ملتا ہے۔ تفسیر ابن ابی عاتم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت منقول ہے کہ قرآن پاک میں جو آیتیں عمل کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ وہ محکم ہیں۔ اور جن سے عمل متعلق نہیں، محض ان پر ایمان لانا مقصود ہے جیسے حروف مقطعات، قیامت یا رجال وغیرہ سے متعلق آیات، تو ایسی آیتیں مشابہ ہیں۔ فرمایا وَأُخَرُ مُشَبِّهَاتٌ اور بعض آیتیں مشابہ ہیں۔ مضمرات امام راغب اصفہانیؒ میں مشابہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ الْمُشَابِهَةُ مَا اشْكَلَ تَفْسِيرَهُ اما من حيث اللفظ والمعنى یعنی ایسی آیت جس کا معنی اور تفسیر کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے مشکل ہو۔ اور اس میں تاویل کی گنجائش رہتی ہو۔ ظاہر ہے کہ قرآن پاک نے آئندہ زمانے کے لیے بعض ایسی پیش گوئیاں کی ہیں۔ اور بروز، قیامت، جنت، دوزخ، فرشتے، جنات وغیرہ کے متعلق ایسی تفصیلات بیان فرمائی ہیں جنہیں اس وقت انسان نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ محسوس کر سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کی ٹھیک ٹھیک کیفیت معلوم کرنے کے



لیے انسان لاکھ کوشش کرے مگر اس کی حقیقت کو نہیں پاسکتا۔ ایسے امور ہیں انسان جتنی زیادہ کوشش کرے گا۔ وہ حقیقت سے قریب تر ہونے کی بجائے دُور بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس قسم کی باتوں سے متعلق آیاتِ مشابہات میں داخل ہیں۔ اور انسان کے لیے اتنا ہی کام ہے۔ وہ ان پر ایمان لے آئے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ ۖ فَمِنْهُمْ  
میں ٹیڑھا پن ہے فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ وہ مشابہات کے پیچھے لگتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں حسد، بغض، عناد اور بے ایمانی رچی بسی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ محکم یعنی واضح آیات کو چھوڑ کر مشابہ آیتوں کی تاویل میں کمر لگتے ہیں۔ اور سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو محکم آیات کے مفہوم کے منافی ہوتے ہیں۔ حالانکہ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ مشابہات کی تاویل کرتے وقت محکم آیات کی پیروی کی جاتی مگر ایسے لوگ الٹا چلنا چاہتے ہیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے ابْتِغَاءُ الْفِتْنَةِ اس سے فتنہ یعنی گمراہی تلاش کرتے ہیں وَابْتِغَاءُ تَأْوِيلِهِ اور مشابہات کے ذریعے ایسی الٹی سیدھی تاویلیں تلاش کرتے ہیں۔ جن کے ذریعے مخلوق خدا کو گمراہ کر سکیں۔

ان آیات کے سیاق و سباق کے مطابق ان کا ہدف یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مشابہ آیات کی غلط تاویل کر کے لوگوں کو اصل دین سے دُور کر دیا۔ حتیٰ کہ محکم آیات کو بھی مشابہات کے تابع کر کے دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ آج کے دور میں جب ہم اپنے گمراہ پیش دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں یہود و نصاریٰ سے بڑھ کر خود مسلمانوں کے دور میں ایسے بہت سے فرقے اور لوگ موجود ہیں جنہوں نے پہلے مشابہات کی غلط تاویلیں کیں۔ اور پھر محکم آیات کو توڑ موڑ کر مشابہات کے معافی پہنائے اور اس طرح وہ یہود و نصاریٰ کی

غلط تاویلیں



سے بھی بازی لے گئے، قادیانی، پرویزی اور سرسید جیسے کتنے لوگ ہیں۔ جنہوں نے دوزخ، جنت، بد زرخ، حساب کتاب حتیٰ کہ حضور کی زندگی کے سب سے بڑے معجزے معراج تک کو غلط معنی پہنا کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کا بالکل انکار کر دیا۔ اور اسی قرآن پاک کی آیات کی ایسی الٹی پالیسی کیں العیاذ باللہ۔

اب ذرا اور قریب آکر دیکھئے۔ کہ قرآن پاک مسئلہ توحید کو کس وضاحت کے ساتھ بیان کیا۔ قرآن کریم کا کوئی صفحہ، اس کا کوئی رکوع ایسا نہیں جس میں توحید کو کسی نہ کسی رنگ میں پیش نہ کیا گیا ہو۔ مگر آج یہی مسئلہ ہمارے ہاں تباہ بن چکا ہے۔ قرآن پاک صاف کہتا ہے **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ** زمین و آسمان میں غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں مگر آج ثابت کیا جا رہا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کو بھی علم غیب تھا۔ بلکہ اس باطل عقیدہ پر ایمان نہ لانے والوں کو مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ قرآن پاک کہتا ہے **وَلَا تُكَلِّفُ مِیْنِ مِّبْتَلٰی** مگر آج مسلمانوں میں ایسے بھی ہیں کہ فلاں بزرگ بھی بگڑی بنا سکتا ہے۔ فلاں بھی مشکلات کو حل کر سکتا مشکل کشا کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔

قرآن پاک خود حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلاتا ہے۔ **قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** یعنی میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بلکہ آپ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے سب انسانوں میں سے ہی آئے۔ **وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْہِمْ** یعنی اے نبی اکرم ہم نے آپ سے پہلے انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔ مگر آج کے وہیں انبیاء کرام اور خصوصاً حضور خاتم المرسلین کو نسل انسانی سے ہی خارج کیا جا رہا ہے۔ یہ محکم آیات کی واضح غلط تاویلیں نہیں تو اور کیا۔ ہے۔ پھر یہیں یہ سب نہیں کیا۔ ان ظالم قادیانیوں نے حضور علیہ السلام



کی ختم نہوت تک کو معاف نہیں کیا۔ اور خَاتَمُ النَّبِيِّينَ کے معنی کچھ  
 کچھ کہہ دیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ اٹھائے جانے کا انکار کر دیا۔  
 آخر یہ سب کچھ کہاں سے ہو رہا ہے۔ قرآن پاک کی آیات کا سہارا ہی  
 لے لیا جا رہا ہے۔ اور ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد اس آیت میں  
 ہو رہا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں  
 اس سے گمراہی پھیلانے ہیں۔ اور غلط تاویلیں تلاش کرتے ہیں۔

صحیح تاویل

فرمایا وَمَا يَكُمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ عَالِمُ الْغُيُوبِ حقیقت یہ ہے کہ تشابہ  
 آیات کی حقیقت صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے  
 روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جو لوگ تشابہ آیتوں کی  
 تاویل کے درپے ہوں۔ ان کو اللہ کا عذاب دلاؤ۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی  
 مرفوع حدیث تفسیر ابن جریرؒ میں منقول ہے کہ تشابہ آیتوں کا مطلب اللہ کے  
 سوا کسی کو معلوم نہیں۔ جو کوئی دعویٰ کرے کہ اس کو تشابہ آیت کا مطلب یا تاویل  
 معلوم ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت  
 ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محکم آیتوں پر غل کر دو۔

اور تشابہ فقط ایمان لاء مطلب یہ کہ مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو  
 اللہ کی طرف سوچ کر دو۔ جھگڑا امت کو۔ غلط معنی امت بیان کر دے۔ اسی سے  
 مولانا علیہ اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں۔ غلط تفسیروں کی وجہ سے دنیا میں مٹی تباہی آتی ہے  
 گمراہی پھیلتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ قرآن پاک کی محکم آیتیں ہر سلیم الفطرت آدمی  
 آسانی سے سمجھ سکتا ہے مگر بہت سی باتیں ایسی ہیں جنہاں اشارے کے بغیر سمجھ میں  
 نہیں آتیں۔ لہذا ایسی باتیں اشارے سے سمجھنی چاہئیں۔ جو ایسا نہیں کرتا وہ  
 کسی نہ کسی گمراہی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مولانا سندھیؒ خود اپنی مثال بیان کرتے  
 ہیں کہ مجھے راسخین فی العلم سے واسطہ پڑا۔ میرے استاذوں نے میری راہنمائی فرمائی  
 اور اللہ نے مجھے قرآن میں کمال مجھے کا ملکہ عطا فرمایا ہے میں اپنی مشکلات استاذوں



کے سامنے پیش کرتا تھا وہ مجھے مشورہ دیتے تھے اور میرے اشکال کو حل کرتے تھے۔ اس لیے مجھے کسی قسم کی پریشانی لاحق نہیں ہوئی فرماتے ہیں میری طرح اور بھی کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے مگر انہیں اچھے استاد نہ مل سکے۔ اس لیے وہ مشکلات میں پھنسے رہے۔ آپ کے استادوں میں حضرت مولانا شبید احمد گیلویؒ جیسے راسخ فی العلم لوگ تھے۔ مولانا شیخ الہند جن کا یہ ترجمہ اور دو سو دلوں کی مختصر تفسیر بھی ہے بہت بڑے راسخ العلم انسان تھے۔ خاموشی سے تعلیم دیتے تھے۔ ان کے شاگردوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کتنا کمال عطا کیا تھا ان کے شاگردوں میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ مولانا عبد اللہ سندھیؒ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین لکھنویؒ اور آپ کے شہر کے مولانا عبد العزیز لکھنویؒ حضرت مولانا ابو شاہ کھٹکیؒ سندھ کے مولانا محمد صدیقیؒ اور مولانا احمد علی لاہوریؒ شامل ہیں۔ ان لوگوں نے دنیا میں بڑے بڑے کامائے انجام کیے۔

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اٹھارہ سال تک اپنے استاد حضرت یطخ الہندؒ کی خدمت میں رہ کر دین بھی سیکھا ہے اور سیاست بھی سیکھی ہے۔ آپ سیاست کے بھی اہم تھے۔ آخر زمانہ میں جب ہندوستان کے ترکیت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا، میں نے انگریزوں کے قدم اکھاڑ دیے ہیں۔ اگر اب انگریز ہندوستان میں رہ گیا تو میری قبر پر بخوک دینا۔ آپ بارہ سال تک مکہ معظمہ میں رہے۔ تعلیم دیتے تھے، اور انگریزوں کی تباہی کا سامان بھی کرتے تھے فرماتے تھے۔ انگریزوں نے دنیا بھر میں مسلمانوں کو تباہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو بھی تباہ کرے گا۔ گزشتہ دو سو سال میں مسلمانوں کو سب سے زیادہ نقصان انگریزوں نے پہنچایا ہے۔ اُس نے مسلمانوں کی سلطنتیں تباہ کر دیں مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی۔ قرآن پاک کے غلات بڑی سازشیں کیں۔ مولانا شیخ الہندؒ کو انگریزوں سے اس قدر نفرت تھی کہ اگر کوئی اُن کے پاس میں ملکہ دیانت

انگریزوں کی  
تعلیم دینا



کرتا، تو فرماتے کسی اور عالم سے پوچھا، مجھے ان سے سخت نفرت ہے، شاید میں غلطی نہ کر جاؤں۔ مگر آج لوگ انگریزوں کی تہذیب کو فخر سے اپناتے ہیں۔ حالانکہ وہ مسلمانوں کا ازلی دشمن ہے۔

علامہ اقبال بھی انگریزوں کو خوب سمجھتا تھا۔ انہوں نے اپنی شاعری کا ایک معتد بہ حصہ انگریزوں کے خلاف لکھا ہے۔ بے عمل ہونا الگ بات ہے۔ مگر اقبال قومی آدمی تھا۔ اس نے انگریزوں کی خوب خبر لی ہے۔

علم سیکھنے سے آتا ہے

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں لکھا ہے۔ العلم بالتعلم یعنی علم سیکھنے سے آتا ہے۔ خود بخود نہیں آجاتا۔ اس کے لیے بہر حال اتنا کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو لوگ استاذ کے بغیر خود بخود عالم بن بیٹھتے ہیں وہ گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مرزا قادیانی اور پرویز جیسے لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے۔ اسلام کو کفر اور کفر کو اسلام بنا دیتے ہیں۔ جب کہ انسان کسی راسخ فی العلم کے پاس نہ بیٹھے اس کے اشکال دُور نہیں ہوتے۔

راسخ فی العلم

فرمایا وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ اور جو علم میں سچتہ ہیں يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے اس پر کُلُّ مَنْ عِنْدَ رَبِّنَا یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ یعنی جن باتوں کی تاویل صرف اللہ کے علم میں ہے۔ ان میں محض اپنی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے۔ بلکہ ان کا ایمان یہ ہوتا ہے۔ کہ سب کچھ ان کے اللہ کی طرف سے بحق ہے۔ فرمایا اس سیدھی سادھی بات کو بھی عام لوگ نہیں سمجھتے۔ وَصَايَا ذِكْرِ إِلَّا آوَلُوا الْأَلْبَابِ اور نہیں نصیحت پکڑتے۔ مگر عقلمند لوگ، کم علم اور بے عقل لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ گمراہی کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ طبرانی میں ابی مالک اشعریؒ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اپنی امت سے یہ خوف ہے کہ وہ تشابہ آیتوں کی تاویل کے درپے ہوں گے۔ حالانکہ انکی تاویل سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔



فرمایا اسخون فی العلم یہ بھی کہتے ہیں رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا اے دعائیہ کلمات  
ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا  
بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت سے نوازا ہے۔ ہمیں اسی راہ ہدایت پر قائم  
رکھ۔ اسی لیے حضور علیہ السلام دعا کیا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ مَصْرِفَ  
الْقُلُوْبِ مَصْرِفٌ قُلُوبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ یَعْنٰی اے دلوں کے  
پھیرنے والے، ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر قائم رکھ وہبُ لَنَا مِنْ  
لَدُنْكَ رَحْمَةً اور اپنی طرف سے ہمیں رحمت بخش کیونکہ اِنَّكَ  
اَنْتَ الْوَهَّابُ تو ہی سب کچھ دینے والا ہے۔ ساری کی ساری مخلوق  
تیری ہی محتاج ہے۔ تیرے بغیر کوئی کسی کی حاجت روائی نہیں کر سکتا۔ اس لیے  
اپنی رحمت سے تو ہی ہماری حاجات پوری فرما۔

فرمایا پختہ علم والے یہ بھی دعا کرتے ہیں رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ  
لِیَوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْہِ طے ہمارے پروردگار! تو ہی لوگوں کو اس دن میں  
جمع کرنے والا ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ وہ دن یقیناً آنے والا ہے  
جس دن تمام مخلوق اپنے رب کے ہاں پیش ہوگی۔ جس طرح انسان کو اپنے وجود  
پر شک نہیں۔ اسی طرح قیامت کے بعد پا ہونے اور پھر محاسبے کا عمل واقع ہونے  
میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ وَعَدًا عَلَیْنَا اللّٰہُ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ کہ ہم  
انسانوں کو دوبارہ اٹھائیں گے اور ان کا حساب لیں گے اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ  
ہم ضرور ایسا کرنے والے ہیں۔ لہذا اس میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اللّٰہُ تعالیٰ جو وعدہ کرتا ہے  
اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ وہ اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ اسی لیے اس  
کے بندے اس کے آگے دعا کرتے ہیں۔ کہ مالک الملک اس دن ہمیں رسوائی  
ماہل نہ ہو۔ ہم ذلیل و خوار نہ ہوں بلکہ ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔  
ہمیں خصوصی رحمت اور مہربانی عطا فرما۔



يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ ۚ

بِسْمِ اللَّهِ ۚ

الْعَمَلُ ۚ

آیت ۱۰ تا ۱۳

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُنْفِ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ  
 وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ  
 وَقَعُوا فِي السَّارِ ۖ ⑩ كَذَّابِ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۖ وَالَّذِينَ مِنْ  
 قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ  
 بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۖ ⑪ قُلْ  
 لِلَّذِينَ كَفَرُوا سُنُوبُونَ ۖ وَخُشَّارُونَ إِلَىٰ  
 جَهَنَّمَ ۖ وَيُفْسِ الْأَيْهَادُ ۖ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ  
 فِيهِ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَاءُ ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي  
 سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلِهِ  
 رَأَى الْمَعِينِ ۖ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ  
 فِي ذَلِكَ لَبِيبٌ ۖ ⑬ وَلِي الْأَبْصَارِ ۖ ⑭

ترجمہ: یہ بیک وہ جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، ہرگز کام نہ آئیں گے اُن  
 کے لیے اُن کے مال اور نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے، اور یہی لوگ ہیں روزِ قیامت کے  
 ایندھن ⑩ اُن کا حال ایسا ہی ہے (مثلاً عادت آل فرعون کے اور ان لوگوں  
 کے جو اُن سے پہلے گزرے ہیں، انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ پس پھر اللہ تعالیٰ  
 نے اُن کو ان کے گناہوں کے بدلے، اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ⑪  
 آپ کہہ دیجئے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا، کہ تم مغلوب ہو گئے  
 اور اکٹھے کئے جاؤ گے جہنم کی طرف اور بہت بڑا ٹھکانا ہے ⑫ تحقیق تمہارے



یہ نشانی ہے اُن دو گروہوں میں جو آپس میں ٹکرائے، ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑتا ہے اور دوسرا کفر کرنے والا ہے، دیکھتے ہیں اُن کو اپنے سے دگنا آنکھ کے ساتھ دیکھنا، اور اللہ تعالیٰ تائید کرتا ہے اپنی مدد سے جس کو چاہے بیشک اس میں عبرت ہے آنکھیں رکھنے والوں کے لیے ⑫

ربط آیات

پہلی آیت میں قیامت کا ذکر تھا۔ اس سے پہلے اللہ نے نصاریٰ کی تہدید فرمائی اور ان کے باطل عقیدے کا رد فرمایا۔ توحید کا مسئلہ بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات الوہیت کا ذکر کیا اور جن تشابہ لفظوں سے یہود و نصاریٰ استدلال کرتے تھے، اس کا جواب دیا۔ اب اس آیت میں کفار کے متعلق فرمایا کہ کوئی چیز انہیں خدا کی گرفت سے نہیں بچا سکتی، حتیٰ کہ ان کے مال و اولاد بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد جنگ بدر سے متعلق یہود مدینہ کی زبان دراز می کا ذکر ہے۔ کہتے تھے کہ اہل مکہ نا تجربہ کار تھے۔ جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے، دو گروہ نہ ہم جیسے آزمودہ کار لوگوں سے واسطہ پڑتا۔ تو مسلمانوں کو پتہ چلتا کہ کیسے غالب آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس چالاکی کا رد فرمایا۔ اس کے علاوہ نصاریٰ اور مشرکین کی بھی تہدید فرمائی ہے۔

شانِ نزول

امام رازیؒ اور امام محمد بن اسحاقؒ جو کہ مفسرِ قرآن ہونے کے علاوہ مورخ بھی ہیں فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مصداق ہجران کا وفد ہے۔ اس آیت میں جن کفر کرنے والوں کا ذکر ہے۔ جن کے مال و اولاد ان کے کام نہیں آئیں گے، اُن سے مراد وفدِ ہجران میں شامل لوگ ہیں، اور ان کا اطلاق عام طور پر اُن تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ جو اس قسم کا ذمہ رکھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہجران کا یہ وفد جب مدینہ طیبہ کے سفر پر روانہ ہوا۔ تو دورانِ سفر خچر پر سوار ان کے لاٹ پادری ابو حارثہ کو بٹھو کر لی۔ اس کا بھائی حمزہ بن علقمہ بھی ہمراہ تھا۔ اس کی زبان سے نکلا۔ تَعَسَىٰ اَلَّا يَكُوْنُ هٰذَا خَيْرًا مِّنْ دُوْرٍ سَمِنًا والا۔ مراد حضور علیہ السلام کی ذات والا صفات تھی۔ عربوں کی یہ عادت تھی کہ جب کسی کو کوئی تکلیف



پہنچتی، تو اپنے مخالف کو بُرا بھلا کہتے۔ تعس فلان، فلاں ہلاک ہو، تباہ ہو۔ چنانچہ جب کمرز نے یہ الفاظ ادا کیے۔ تو اس کے بھائی ابو حارثہ پادری نے کہا یا تعس اہل تیرمی ماں ہلاک ہو۔ تم نبی آخر زماں کی شان میں یہ الفاظ کیوں کہتے ہو۔ وہ اللہ کے کے سچے نبی ہیں۔ ان کی نشانیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں۔ اس پر کمرز کہنے لگا کہ اگر محمد واقعی اللہ کے سچے نبی ہیں۔ تو پھر تم ان سے بحث مباحثہ کرنے کی بجائے ان پر ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ ابو حارثہ نے جواب دیا۔ کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ لَآ اَنَّهُ هُوَ لَآءِ الْمَلُوءِ اَعْطَوْنَا اَمْوَالًا كَثِيرَةً وَاَكْرَهَوْنَا وَلَوْ اَمَّا بِمُحَمَّدٍ لَّاحْذَرْنَا كُلَّ هَذِهِ الْاَشْيَاءِ یعنی روم کے ان عیسائی بادشاہوں نے ہمیں مال و دولت سے رکھا ہے وہ ہمیں عزت بخشے ہیں۔ اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ تو یہ تمام چیزیں ہم سے چھین جائیں گی۔ ہمارے تمام اعزازات ختم ہو جائیں گے اور ہم منہمک اور کنکال ہو کر رہ جائیں گے۔ بہر حال کمرز سمجھ گیا کہ ہمارا دین غلط ہے۔ ہم محض مال و دولت کی خاطر اللہ کے نبی کی مخالفت کر رہے ہیں۔ الغرض جب یہ وفد مدینہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث مباحثہ ہوا۔ وفد کسی نتیجے پر پہنچے بغیر واپس آ گیا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے کمرز بن علقمہ کو ایمان کی دولت سے نوازا اور وہ صحابی رسول بن گیا۔ تو ان آیات کے مصداق یہی لوگ ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ کہ ان کے مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔

ان آیات کا اشارہ مدینے کے ارد گرد بسنے والے یہودیوں کی طرف بھی ہے جنگ بدر میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تو یہودیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مکے والے لڑائی سے نابلد تھے۔ اگر کہیں ہم سے پالا پڑتا تو مسلمانوں کو بتا دیتے کہ لڑائی کیسے ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں پر ان یہودیوں کا بھی رد ہے کہ یہ ان کی غلط فہمی ہے کہ وہ بڑے مالدار لوگ ہیں۔ سچے دین کے مقلد ہیں ان کے مال اور اولاد ان کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتے۔ اس ذہن کے



عیسائیوں اور دیگر مشرکین کو بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ ظاہری ساز و سامان پر نہ اتراویں۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ جب وہ اپنے ماننے والوں کی مدد فرماتا ہے۔ تو مخالفین کی تمام تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ کے دین کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

مال اور اولاد  
بے سود ہونگے

ارشاد ہوتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِشَيْءٍ جَن لَّكَ فِ كُفْرِيَا۔  
 لَنْ تَغْنِي عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئاً  
 ہرگز نہ آئیں گے ان کے مال اور نہ اولاد کچھ بھی۔ یعنی جب اللہ کی گرفت  
 آئے گی تو مال و اولاد جن کی خاطر وہ ایمان سے محروم ہے، انہیں اس گرفت  
 سے بچانہ سکیں گے۔ دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں  
 سورۃ شفعہ میں یہ بات مذکور ہے۔ ”يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ  
 إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ“ قیامت کے دن نہ کسی کو مال فائدہ  
 دیگا اور نہ اس کے بیٹے کام آئیں گے۔ ہاں وہاں پر کامیاب وہ ہوگا۔ جو  
 قلب سلیم سے کمرہ حاضر ہوگا۔ جس کے دل و دماغ میں ایمان کی شمع روشن  
 ہوگی۔ اور جو اخلاص اور توحید پر قائم ہوگا۔ آج کتنے لوگ ہیں۔ جو مال اور اولاد  
 کی خاطر طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہیں۔ نا انصافی۔ رشوت خوری۔ ذخیرہ اندوزی  
 بلیک مارکیٹنگ سب کچھ مال و اولاد کی خاطر ہو رہا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتے  
 ہیں۔ کہ قیامت کے دن یہ لوگ تہی دست ہوں گے۔ دنیا میں کھائے ہوئے  
 مال ان کے کچھ کام نہ آسکیں گے اور یہ اللہ کی رحمت سے محروم ہو جائیں گے۔  
 سورۃ الحاقہ میں بھی آتا ہے کہ جس بد بخت کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں آئیگا  
 وہ چیخ و پکار کرے گا۔ کاش مجھے یہ اعمال نامہ ملتا ہی نہ، مجھ سے حساب کتاب  
 نہ لیا جاتا۔ میرا کام ہی تمام کر دیا جاتا، کیونکہ ”مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِي“ آج  
 میرے مال نے مجھے کوئی نفع نہ پہنچایا۔

انص! اس مقام پر بھی یہی فرمایا کہ کھڑے کرنے والوں کے مال اور ان کی



اولاد میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ وَأُولَٰئِكَ هُمُ وَقُودُ النَّارِ ایسے لوگ خود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ یہ کندرہ ناقراٹھ جہنمی ہیں۔ دوزخ کے ایندھن کے متعلق فرمایا وَقُودُ هَٰذَا النَّارِ هُمُ النَّاسُ وَالْجِبَابُ انسان اور پتھر دوزخ کا ایندھن ہیں۔ چنانچہ کفر کرنے والے پتھروں کے ساتھ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ کیونکہ کفر کے پروگرام کو غالب کرنے کے لیے حق کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو آل فرعون سے تشبیہ دی ہے کہ جیسی عادات قوم فرعون کی تھیں، ویسی ہی ان کی بھی ہیں۔ قوم فرعون کو یقین

تھا کہ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے برحق پیغمبر ہیں مگر وہ انہیں ماننے پر تیار نہ تھے۔ سورۃ نمل میں فرمایا۔ وَجَعَلُوا بَیْهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُكُوبًا اگرچہ ان کے دل یقین کر چکے تھے۔

کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اللہ کے سچے نبی ہیں مگر اپنے ظلم و تعدی کی بنا پر یہ ان کا انکار کر دیا۔ یہاں یہ بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی عادت کا ذکر فرمایا۔

كَذَٰبِ آلِ فِرْعَوْنَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْغَٰثِثِينَ ان کی عادت بھی آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی سی ہے۔ یعنی ان کفار کا بھی وہی شیوہ ہے جو آل فرعون کا تھا کہ محض دنیا کے مال و متاع کی خاطر حق کو تہویل کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ

لوگ بھی مال اور اولاد کی خاطر دین حق سے منہ موڑ رہے ہیں

و اب کے معنی عادت اور خصلت کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر دو

اقوام کے عادات و خصلتوں کا موازنہ فرمایا۔ اور آل کے لفظ سے مراد محض صلیبی اولاد نہیں بلکہ اس لفظ میں تمام حوالی موالی اور ملوں میں ملائے والے تمام لوگ شامل

ہیں۔ وَالْغَٰثِثِينَ سے مراد وہ تمام پہلی قومیں ہیں جنہوں نے

اپنے اپنے اُبیار کا انکار کیا۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم۔ حضرت ہود اور

صالح علیہما السلام کی قومیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم وغیرہ وغیرہ۔

فرمایا۔ کفار مکہ کی عادات بھی ان گزشتہ اقوام کی عادات و خصلتوں کی مطابقت



ہیں كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ آیات سے مراد احکام بھی ہیں اور معجزات بھی۔ گویا اُن لوگوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پروا کی اور نہ ہی پیغمبر کے معجزے کو سچا جانا۔ بلکہ جب کبھی ایسی بات دیکھتے تو کہتے۔ کہ یہ تو محض جادو کا کمر شہ ہے۔ انہوں نے اپنے انبیاء کو کبھی محبوں کہا۔ کبھی شاعر کہا اور اس طرح ہمارے انبیاء اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فَاخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ اللہ تعالیٰ نے ان گناہوں کی پاداش میں انہیں پکڑ لیا۔ گویا سمجھانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس طرح اہل مکہ یا مدینہ کے یہود و نصاریٰ بھی اپنی بری حرکتوں سے باز نہ آئے۔ تو وہ بھی ایسی ہی گرفت میں آجائیں گے۔ اور پھر ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ اور اللہ تعالیٰ سخت گرفت کرنے والا ہے۔ جب وہ پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں۔ جیسا کہ سورۃ بروج میں فرمایا إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے اس کے غضب کو دعوت نہ دینا۔ وہ حلیم بھی ہے مہلت بھی دیتا ہے مگر جب پکڑتا ہے۔ تو رہائی کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

إِنَّ كُفَّارَ كَعْبٍ متعلق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ان کافروں سے کہ وَيَحْبِبْ سَتُفْلِقُونَ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور آج تم جن غریب، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کو بے بس سمجھ رہے ہو، یہی تم پر غلبہ آئیں گے۔ تمہارا یہ حشر تو اسی دنیا میں ہوگا۔ جس میں کوئی زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور آخرت میں وَتَحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ تمہیں جہنم کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ تم سب کو اس طرف ہانک کر لے جایا جائے گا۔ جو کہ وَبِئْسَ الْمِهَادُ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔ یہ پیش گوئی اس وقت کی گئی جب مسلمان طرح طرح کے مظالم کے شکار تھے۔ اور وہ بظاہر نہایت ہی کمزور جماعت تھے۔ مگر عجلہ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ



عطا کر دیا۔ پھر اگلی آیت میں اس بات کو ایک مثال کے ذریعے واضح کر دیا ہے۔ اور عبرت کا سامان پیدا فرمایا ہے۔

جنگ  
کی یاد

فَرِیَافَتْ ذَکَانَ لَکُمْ اَیَّہُ فِی فِئَتَیْنِ التَّقَاتِ تَہَا سَے

یہ آپس میں ٹکرائے والے دو گروہوں میں نشانی ہے۔ ان دو گروہوں سے مراد مسلمان مدینہ اور کفار مکہ ہیں۔ فِئَتَیْنِ تَقَاتِلُ فِی سَبِیْلِ اللہ ایک گروہ وہ تھا جو اللہ کی راہ میں لڑتا تھا۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت۔ یہ گروہ نبی آخر الزما علیہ السلام پر ایمان لانے والا گروہ تھا جو اللہ کی توحید اور اس کی کتاب کے غلبے کے لیے جہاد کر رہا تھا۔ وَأُخْرٰی کَافِرَہُ اور دوسرا گروہ کفار مکہ کا تھا جو کفر کو غالب کرنا چاہتا تھا۔ جب جنگ بدر میں مسلمان فتح و کامرانی کے ساتھ واپس لوٹے تو مدینہ کے یہودی کہتے تھے کہ مسلمانوں کا واسطہ مجھے کے نا تجربہ کاروں سے پڑا ہے جس کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ اگر ہم جیسے جنگجو اور تجربہ کار لوگوں کے ساتھ لڑائی ہوتی تو دیکھتے یہ کیسے کامیاب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ ذکر کر کے یہود مدینہ کو عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔ فرمایا مسلمانوں کی فتح کی جو وجہ تم سمجھ رہے ہو۔ یہ بات نہیں ہے۔ بَلْکَ سَیَرُوْهُمْ مِثْلَہُمْ رَاٰی الْمُحْسِنِ وہ خود اپنی آنکھ سے انہیں دگنا دیکھتے ہیں۔ اس دیکھنے کا تعلق دونوں گروہوں سے ہے۔ اہل ایمان دیکھ رہے تھے کہ کفار اُن سے تعداد میں دگنے ہیں۔ اور واقعاً ایسا ہی تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کفار تعداد میں دگنے سے بھی زیادہ تھے۔ اور دوسری طرف یہ بھی معنی ہے کہ کفار مسلمانوں کو اپنے سے دگنی تعداد میں دیکھتے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لیے فرشتوں کو بھیج دیا تھا۔ اس کی تفصیل اور حکمت خداوند کریم نے سورۃ انفال میں بیان فرما دی ہے۔ وَ اِذْ یُؤِیْکُمْ مَوْھُہُمْ اِذِ التَّقِیْتُہُمْ فِی اَعِیْنِکُمْ قَلِیْلًا بِر کے دن تم اُن کفار کو اپنے سے کم تعداد میں دیکھ رہے تھے وَ یَقْلِلِکُمْ فِیْ اَعِیْنِہُمْ اور تمہیں اُن کی نظروں میں کم کرنے کے



دکھایا۔ مقصد یہ تھا "لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا" کہ اللہ تعالیٰ جس کام کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ وہ مکمل ہو جائے۔ غرضیکہ میدان بدر میں اللہ نے ابتداء میں ایسی کیفیت طاری کر دی تھی۔ کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو اپنے سے کم تر دیکھ رہے تھے۔ اہل ایمان نے کفار کو دیکھا۔ تو انہیں اپنے سے کم تعداد میں پایا۔ اور کافروں نے ایمان والوں کو دیکھا۔ تو وہ بھی تھوڑے نظر آئے اور وہ حقیقت میں بھی کم تھے مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے کی حکمت بھی بتائی۔ کہ اے اہل ایمان! تمہیں کفار کی تعداد کم کر کے دکھانے میں مصلحت یہ تھی۔ کہ کہیں تمہارے دلوں میں ضعف نہ پیدا ہو جائے۔ "وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشلْتُمْ" اگر انہیں کثیر تعداد میں دکھایا جاتا تو تم پھسل جاتے، تم پر رعب طاری ہو جاتا اور تم حیم کرنے لگتے۔ پھر جب لڑائی شروع ہوئی۔ تو اللہ نے فرشتے میدان میں اتارے تو کفار کو مسلمانوں کی تعداد زیادہ نظر آنے لگی۔ جس کی وجہ سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ اور ان کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ اُدھر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص مہربانی تھی۔ اور ادھر نبی علیہ السلام کی اللہ کے حضور دعا اور مناجات تھی۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں محض اللہ کی رضا اور کامل ایمان تھا۔ چنانچہ مسلمان فتحیاب ہوئے۔

جنگ بدر میں مسلمانوں کا ظاہری حال تو یہ تھا کہ ایک ہزار مسلح افراد کے <sup>تائید و لوندی</sup> مقابلے میں صرف تین سو تیرہ یا تین سو انیس مجاہدین تھے۔ کل ستر اونٹ، دو گھوڑے چھوڑ رہیں اور آٹھ تلواریں ان کا سامان جنگ تھا کفار کے پاس سامان ضرب حرب میں ہر چیز موجود تھی۔ ہر روز اونٹ ذبح کر کے کھاتے تھے۔ شراب پیتے تھے۔ ہر طرح کا آرام میسر تھا۔ ناچنے گانے والی عورتیں موجود تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اعلان یہ ہے۔ "وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَن يَشَاءُ" اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی تائید سے مدد فرماتا ہے۔ مسلمانوں کے پاس اس قدر کم تعداد اور قلیل سامان ہونے کے باوجود تائید و لوندی مسلمانوں کے حق میں تھی۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "إِنَّ فِي ذَٰلِكَ



لَعِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَبْصَارِ اِیسے واقعات میں عبرت ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو صاحب بصیرت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے طاقتور دشمن کو کیسی عبرت تک شکست دی۔ مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔ جن میں ایک سولہ سال کا بچہ بھی تھا۔ ان کی قبور وہیں میدان بدر میں ہیں۔ یہ خلاف اس کے کفار کے بڑے بڑے سرکردہ اشخاص سمیت ستر مارے گئے۔ اور اتنی ہی تعداد میں قیدی بنالیے گئے۔ بہت سا مال غنیمت بھی مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ بچے کھچے کفار نہایت ذلت کے ساتھ بھاگ گئے۔ مکہ پہنچ کر بڑی خفت اٹھانی پڑی۔ مکہ والے فتح کی خوشخبری کے منتظر تھے۔ مگر ان کی امیدوں پر خاک پڑ گئی۔ یہ واقعہ بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہودیوں کو عبرت دلانا ہے۔ کہ تم سامان حرب پر فخر نہ کرنا۔ ماہرین جنگ پر غور نہ کرنا، اپنے تجربے اور جنگی چالوں پر نہ جانا۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو قلیل لشکر کو کثیر پر غالب کر دیتا ہے۔

سابقہ سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے یہ قانون بھی بتلادیا ہے۔ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ كَمِی دفعہ ایسا ہوا ہے۔ کہ اللہ کی تائید سے چھوٹے چھوٹے گروہ بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آتے ہیں۔ اسی طرح آج مسلمانوں کی جماعت ایک غریب اور کمزور سی جماعت نظر آتی ہے۔ مگر وقت آئیگا کہ اللہ کے یہ سپاہی قیصر و کسری جیسی بڑی بڑی سلطنتوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دیں گے۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ ہزاروں سال پہلے انی سلطنتیں جن کے مستبدان شہری۔ دفتری نظام، باقاعدہ فوجیں، تنخواہ دار ملازم، خزانے سے بھرپور مگر اللہ تعالیٰ نے بے سرو سامان مگر ایمان سے لبریز مجاہدین کے ذریعے ان سلطنتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مگر اللہ نے فرمایا ایسا ہو کر رہیگا اسی طرح مدینے کے یہودیوں کافروں کو فرمایا کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے، اور پھر قیامت کو تمہارا ہشتر جہنم کی طرف ہوگا۔

شوغلہ تاہم فرمایا کہ مسلمانوں کو غلبہ اسی صورت میں ہوگا کہ وہ خالص میری عبادت



کرنے والے ہوں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں **يَعْبُدُونَنِي**۔ **لَا يُشْرِكُونَ**  
**بِي شَيْئًا** (سورۃ نور) جب تک مسلمان اس اصول پر قائم ہے۔ اللہ نے غلبہ عطا  
 کیا۔ یہود و نصاریٰ نے غیر اللہ کی عبادت شروع کر دی۔ شرک میں مبتلا ہو گئے ،  
 لہذا وہ مغلوب ہو گئے۔ اہل کتاب بھی اپنے آپ کو یسوع مسیح کا ماننے والا کہتے  
 تھے مگر اپنا الو سیدھا کرتے تھے۔ آج مسلمانوں کی حالت بھی کم و بیش ایسی  
 ہی ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کا نام لے کر اپنی خواہشات کی تکمیل کھتے ہیں  
 ایسی حالت میں دولت کے سوا اور کیا مقدر میں ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نفاق کو پسند  
 نہیں کرتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کامل الایمان لوگوں سے مدد کا وعدہ کرتا ہے۔ جو لوگ  
 راہ راست سے ہٹ جاتے ہیں۔ وہ آنے والی قوموں کے لیے باعث عبرت  
 بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ  
 محض قصے کہانیاں نہیں جن کو سن کر خوش ہو جاؤ بلکہ **لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ**  
**عِبْرَةٌ لِّأُولِیْ الْأَلْبَابِ** ان واقعات میں اہل بصیرت لوگوں کے لیے  
 سامانِ عبرت ہے جو لوگ ایسے حقائق کو کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھتے۔ وہ تو  
 سورج طلوع ہونیکے بعد اس کا بھی انکار کر سکتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ان واقعات  
 کو عبرت کی نگاہ سے دیکھو۔ کہ وہ لوگ جن بدافعال کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے  
 ان سے پرہیز کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے کن لوگوں کو کس وجہ سے غلبہ عطا فرمایا  
 ان کی پیروی کرو۔ تم آج بھی کامیاب ہو جاؤ گے۔



ال عمران ۳

آیت ۱۴ تا ۱۵

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس چہارم ۴

زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ  
وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ  
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْفَاجِ وَالْحَرِثِ ذَلِكَ  
مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ  
الْمَنَاقِبِ ۝ ۱۴ قُلْ أَوْفُوا بِعَهْدِكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكُمْ  
لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ  
وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِالْعِبَادِ ۝ ۱۵ ج

ترجمہ: مزین کی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوب چیزوں کی محبت عورتوں سے،  
اور بیٹوں سے اور سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں سے، اور عمدہ نشان  
لگے ہوئے گھوڑوں سے اور مویشیوں سے اور کھیتی سے۔ یہ تو دنیا کی زندگی میں فائدہ  
اٹھانے کا سامان ہے اور اللہ کے ہاں بہترین ٹھکانہ ہے ۝ ۱۴ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)  
آپ کہ دیجئے کیا میں تمہیں ان چیزوں سے بہتر نہ بتاؤں۔ ان لوگوں کے لیے جو درتے  
ہے۔ اُن کے رب کے ہاں بات بات ہیں ان کے سامنے ہنریں جاری ہیں۔ یہ ان میں  
ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ اور ہویاں ہیں پاکیزہ۔ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی۔ اور  
اللہ تعالیٰ نگاہ میں رکھتا ہے بندوں کو ۝ ۱۵

گزشتہ آیت میں یہ وعید سنائی گئی تھی کہ جو لوگ کفر کے پروگرام کو غالب دیکھنا  
چاہتے ہیں۔ ان کے مال اور اولاد ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اور ساتھ یہ بشارت  
اسباب صلا



بھی سنا دی کہ ایسے لوگ بالآخر مغلوب ہوں گے، اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے۔ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی کے اسباب بیان فرمائے ہیں۔  
 ارشاد ہوتا ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مَرْغُوبِ حَيْزِوٰں کی محبت کو لوگوں کے لیے مزین کر دیا گیا ہے۔ یعنی ان اشیاء کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت ڈال دی گئی ہے۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں موجود ہے "إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا" یعنی جو کچھ زمین پر موجود ہے۔ ہم نے اسے زینت بنایا ہے۔ اور زیب و زینت کے اس تمام ساز و سامان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے لِيُبْلُوَكُمْ أَتَيْكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں اچھے عمل کرنے والا کون ہے۔ اور بدانی کا راستہ اختیار کرنے والا کون ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو امتحان کے لیے مزین کر دیا ہے۔ قرآن کریم میں بعض مقامات پر تمیز کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے۔ کہ وہ کم بخت مرغوب اشیاء کو مزین کر کے دکھاتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اکثر و بیشتر انسان کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں ان چیزوں کے دو پہلو ہیں۔ ایک فطری اور دوسرا غیر فطری۔ اگر ان مرغوب اشیاء کو اسی انداز پر رکھا جائے جس پر انہیں رکھنا مقصود ہے۔ یعنی ان کی رغبت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے تو یہ فطری امر ہے۔ اور اس میں کوئی قباحت نہیں۔ البتہ جب ان چیزوں کی رغبت میں غلو اور زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو یہی اشیاء غیر فطری بن کر گمراہی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اپنی چیزوں کی غیر فطری محبت میں مبتلا ہو کر لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ وگرنہ یہی چیزیں فطرت کے مطابق اپنی حدود کے اندر ہیں تو ان سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ان اشیاء کو شہوات یعنی خواہشات کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

فرمایا مزین کی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت مِنَ النَّسَاءِ



عورتوں سے۔ اس فہرست میں سب سے پہلا نمبر عورت کا آیا ہے۔ یعنی عورتوں کی محبت انسانوں کے دلوں میں مہرین کمرہ دی گئی ہے۔ اور جب لوگ اس محبت میں مبتلا ہو کر غفلت کا شکار ہو جاتے اور اطاعت الہی کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ تو گمراہی کے گڑھے میں جا گرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنی امت میں عورتوں سے بڑھ کر خطرناک فتنہ کوئی نہیں چھوڑ چلا۔ یعنی مردوں کے حق میں مجھے سب سے زیادہ خطرہ عورتوں کی طرف سے ہے۔ یہ بڑا خطرناک فتنہ ہے۔ ان کی محبت میں مبتلا ہو کر انسان اللہ سے غافل اور خیر سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اور محض نفسانی خواہش کا بندہ بن کر رہ جاتا ہے۔

مرد و زن کا فطری رشتہ اللہ تعالیٰ نے بڑا عجیب بنایا ہے۔ فرمایا میں نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اس کا جوڑا اسی سے پیدا کیا۔ یعنی مرد کے مقابلہ میں دوسری صنف کو پیدا کیا **لَتَشْكُنُوا إِلَيْهَا** یعنی مردان کے ذریعہ سکون حاصل کر سکیں۔ غم و اندوہ اور پریشانی کی صورت میں عورت مرد کے لیے مرہم کا کام دے، اس کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش کرے، اُسے سکون میسر ہوگا۔ اور نفسانی خواہش کی تکمیل کا ذریعہ بنے گی، اُنھی لیے قرآن پاک میں ارشاد ہے **وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً** اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کے درمیان محبت اور مہربانی کے جذبے کو پیدا کیا تاکہ یہ جوڑا پیار و محبت کی بہترین زندگی گزار سکے۔ دوسرے مقام پر فرمایا **هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** عورتیں مردوں کیلئے بمنزلہ لباس کے ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں دونوں ایک دوسرے کے لیے پردہ پوشی کا ذریعہ ہیں۔ عفت اور پاکدامنی کا سبب ہیں اور یہ فطری رشتہ ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عورت سے مقصود پاک دامنی اور اولاد صالحہ ہونی چاہیے۔ محض شہوت رانی مطلوب نہیں ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب عورتوں کے قریب جاؤ تو **وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ** اس چیز کی تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے مقدر میں



کی ہے، یعنی نیک اولاد کی تمنا ہونی چاہیئے۔

الغرض! اگر عورت سے مقصود عفت، پاکدامنی اور اولاد ہو تو یہ بڑی اچھی چیز ہے، حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة۔ دنیا کی مفید اشیاء میں سے نیک عورت سب سے زیادہ فائدے والی چیز ہے۔ اگر مرد اس کی طرف نگاہ کرے تو وہ اس کو خوش کریگی اور اگر حکم دیگا، تو بجالائیگی۔ اگر خاوند گھر سے باہر جائیگا تو اس کے مال کی اور اپنی ناموس کی حفاظت کریگی۔

انسان کے لیے حقیقی سعادت تو یہ ہے کہ اسے ایمان کی دولت نصیب ہو اور وہ اعمال صالحہ پر کار بند ہو۔ دنیاوی سعادت کے متعلق مسند احمد شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کو دنیا میں تین چیزیں حاصل ہو گئیں وہ سعادت مند ہو گا۔ ان اشیاء میں پہلا نمبر المرأة الصالحة یعنی نیک عورت کا ہے۔ اس کے بعد ہنسنے کے لیے اچھا مکان اور سفر کے لیے اچھی سواری۔ یہ تین چیزیں سعادت کی نشانی ہیں۔ ان کے بغیر انسان شقی سمجھا جائیگا۔ جیسا کہ عرض کیا گیا ہے۔ عورت سے مقصود کثرت اولاد بھی ہے۔ جو کہ

کثرت اولاد

ملت اسلامیہ میں اصناف کا باعث ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا الخ مکاشربکم الامم میں کثرت اولاد پر فخر کروں گا بشرطیکہ وہ نیک ہو۔ علمائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ کثرت دو طریقے سے ہوتی ہے۔ ایک صورت تو نسل میں زیادتی ہے، جتنی زیادہ اولاد ہوگی، اتنا ہی اچھا ہے۔ امت محمدی میں اصناف ہو گا۔ اسی لیے اسلام نے تعدد ازواج کی بھی اجازت دی ہے۔ کثرت امت کی دوسری صورت تبلیغ دین ہے جس قدر لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونگے ان کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔ اور یہ چیز حضور علیہ السلام کے لیے باعث فخر ہوگی۔ ایک عام مسلمان کے لیے یہی چیز باعث ثواب اور ذریعہ نجات ہوگی۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔ کہ جو لوگ کثرت اولاد کے



راستے کو بند کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے جاری کردہ منصوبہ مقابلہ کمرے کے اس  
 کے نزدیک ملعون ٹھہریں گے۔ چنانچہ خاندانی منصوبہ بندی، برتھ کنٹرول اور  
 عائلی قوانین جیسے غیر فطری بندہاں بھی باندھے جاتے ہیں سب ملعون ہیں۔  
 اللہ تعالیٰ تو اولاد میں کثرت چاہتا ہے۔ مگر یہ اس کی حکمت میں دخل اندازی کرتے  
 ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ اگر کوئی بچہ کم سنی میں فوت ہو گیا، یا کچا  
 حمل ضائع ہو گیا۔ تو یہ بچہ قیامت کے دن اپنے مومن والدین کے حق میں شفاعت  
 کرے گا۔ وہ ماں باپ کے دامن کو پکڑ لے گا، اور جہنم میں نہیں جانے دے گا۔  
 اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسی سفارش کرے گا۔ کہ والدین کو ساتھ لے کر جنت میں  
 جائے گا۔ اور اگر بچہ جوان ہو گیا۔ تو والدین کے مرنے کے بعد ان کے لیے دعا  
 کرے گا، اور نیک کام کرے گا تو باعثِ فخر ہو گا۔ لہذا ہر لحاظ سے اولاد کا ہونا  
 باعثِ سعادت ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ ایک عورت  
 نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور! میرے تین چھوٹے  
 بچے فوت ہو چکے ہیں۔ میرا کوئی زندہ بچہ نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد  
 فرمایا لَقَدْ حَضَرْتَ بِحَضْرٍ شَدِيدٍ تو نے تو جہنم کے آگے  
 بڑی شدید بارھ لگا دی ہے۔ ان بچوں کی بدولت تو جہنم کی آگ سے بچ جائیگی۔  
 برخلاف اس کے اگر عورت کی محبت حد سے بڑھ جائے۔ تو پھر ہی  
 چیز انسان کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ تاریخ میں کتنے واقعات محفوظ ہیں۔  
 جن کا مرکزی کردار عورت تھی۔ اسی کی وجہ سے بڑی بڑی سازشیں پیدا ہوئیں  
 بڑی بڑی سلطنتیں تباہ ہو گئیں۔ بے حیائی کو اس قدر ترقی حاصل ہوئی۔ کہ اب  
 یورپ والے بھی کان پکڑتے ہیں۔ آج بیشتر گمراہی اور نیچائی سے دوری عورت  
 کی وجہ سے ہے۔ اور اس کے ذمہ دار خود مرد ہیں جو عورت کو ہر میدان میں  
 گھسیٹ لائے۔ انکی رسائی تعلیمی اداروں تک تو درست تھی کہ بچیوں کو  
 زیور تعلیم سے آراستہ کریں اور پردے اور شرافت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں

خرابی کی بنیاد



مگر جب یہ عورتیں دکانوں کی زینت بن گئیں، دفاتروں اور ہسپتالوں میں پہنچ گئیں  
 ہوائی جہازوں میں سڑ ہو سٹس بن گئیں، فوج میں بھرتی ہونے لگیں، تو گھڑی کا  
 کافر یوں بن گئیں۔ یہی کچھ انگریزوں نے کیا تھا۔ اور اب مشرق بھی مغرب کی تقلید  
 میں بھاگا جا رہا ہے۔ حالانکہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ عورت  
 کو اس مقام پر رکھو جہاں اللہ نے اسے رکھا ہے نماز کے لیے عورت اگلی  
 صف میں کھڑی نہیں ہو سکتی۔ اس کا مقام کچھلی صف حتیٰ کہ بچوں سے بھی  
 پیچھے ہے۔ عورت جس قدر عفت باب ہوگی صاحب فضیلت اور حساب کمال  
 ہوگی۔ جوں جوں عربیانی کے کاموں میں آگے بڑھے گی، عورت عورت نہیں  
 رہے گی، کچھ اور چیز ہی بن جائیگی۔ کھیل کے میدان میں عورت کو فٹ بال، ہالی بال  
 کرکٹ، ہاکی وغیرہ کھلائی جا رہی ہے۔ مرد و زن سب دیکھ رہے ہیں۔  
 خرابی نہیں آئیگی تو اور کیا ہوگا۔ مردوں کے خیالات پر اگندہ ہوں گے۔ اور  
 نتیجہ ظاہر ہے اس لیے اسباب ضلالت میں عورت کو پہلے نمبر پر رکھا گیا ہے۔  
 اب جمہوریت نے نیا گل کھلایا ہے۔ ہر سطح پر عورتوں کی نمائندگی  
 بھی ضروری ہے۔ کہتے ہیں کہ مرد۔ وزن ایک گاڑی کے دو پیسے ہیں۔  
 دو لوں پیسوں کو برابر چلنا چاہیے، ورنہ زندگی کی گاڑی جام ہو کر رہ جائے گی۔  
 لہذا مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو میونسپل کمیٹیوں کے ممبر بناؤ۔ صوبائی اور  
 قومی اسمبلی میں نمائندگی۔ وزارت و مشاورت کے قلمدان ان کے سپرد کرو۔ ان کے  
 بغیر کام نہیں چل سکتا۔ کس قدر گھڑی کی بات ہے۔ عورت سے مشورہ کرنے کی  
 ممانعت نہیں۔ حضور علیہ السلام خود عورتوں کے مسائل میں اپنی عورتوں سے بات  
 پوچھ لیتے تھے، حضرت عمرؓ مشورہ کر لیتے تھے، مگر گھڑی میں، اپنے مقام پر۔  
 مشورہ کے لیے اسمبلی اور مجلس مشاورت میں کھینچ لانا کہاں سے نکال لیا۔ حضور  
 علیہ السلام نے فرمایا النساء حب الة الشیطان یعنی عورتیں شیطان کا  
 جال ہیں۔ انہی کے ذریعے شیطان لوگوں کو بھانتا ہے۔ اور پھر بڑے بڑے

عورت کی  
نمائندگی







فطری امر ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ بیٹے کی وجہ سے اس کی نسل کا سلسلہ باقی رہے گا، نیک ہوگا، تو اس کا نام روشن ہوگا، اس کے لیے باعثِ عزت ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر یہی اولادِ خلاف توقع برہی نکلے۔ اللہ کی حدود کو توڑ دے جائز اور ناجائز کا خیال نہ کرے، فتنہ و فساد کا بازار گرم کر دے، تو انسان کے لیے سخت آزمائش کا باعث ہوگی، اولاد کے ہاتھوں لوگ کس قدر تنگ آتے رہتے ہیں، ہر روز اخباروں میں خبریں چھپتی ہیں کہ والدین کے لیے نہ صرف بدنامی بلکہ ہلاکت کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ بیٹا نہ بد دستی باپ سے جائیداد کا حصہ طلب کرتا ہے۔ جان سے مار دینے کی دھمکی دیتا ہے۔ قتل و اغوار کے مقدمات میں ملوث ہو کر باپ کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ والدین لاکھ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح اولاد سنور جائے۔ اولاد کے لیے مال، دولت، مکان، زمین ہر چیز مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں خواہ انہیں ناجائز ذرائع ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑیں۔ مگر جب آزمائش آتی ہے تو یہی لاڈ پیار سے پالی ہوئی اولاد جان کی دشمن بن جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اولاد بھی فتنے اور گمراہی کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

انسان کے لیے جو مرغوبات چیزیں مزیں کی گئی ہیں ان میں سے تیسری چیز فرمایا وَالْقَنَاطِيرُ الْمُقَنْطَرَةُ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ سونے چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے (ڈھیر مال) ہیں۔ یہ بھی انسان کے لیے گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔ مال کی محبت بھی کسی حد تک فطری ہے۔ سورۃ عادیات میں فرمایا وَأِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ انسان مال کی محبت میں بڑا پکا ہے بلکہ فرمایا هَلْ تُوعَاثُ عَنِ حَرِصٍ اور بے صبر ابھی ہے۔ یہی محبت اگر حد سے تجاوز کر جائے تو گمراہی کا باعث بن کر باعثِ وبال ہوگی۔ قناطر سے مراد بہت سارے مال ہے۔ عرب ایک لاکھ اشرافیہ یا درہم کو قناطر کہتے تھے۔ مقصد یہ کہ یہ لفظ ڈھیر مال پر بولا جاتا ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے انسان ہمیشہ سرگردان رہتا ہے۔

۳۳ مال و دولت



اس کے ذریعہ دنیا میں بھی آسائش، عیش و آرام حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور گمان یہ کرتا ہے۔ اِنَّ مَّالَهُ اَخْلَدَ کہ یہ مال اُسے ہمیشہ حوادث سے محفوظ رکھے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا۔ جب مصیبت آتی ہے۔ تو مال و دولت کسی کام نہیں آتے پہلے گزر چکا ہے۔ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اُن کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گے۔ انسان مال کے حصول کے لیے کیسے کیسے ناجائز حربے اختیار کرتا ہے رشوت چوری، ڈاکہ، چور بازاری غرض کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ مگر بسا اوقات یہ مال اس دنیا میں بھی کام نہیں آتا۔ تو اللہ کے ہاں تو یہ بجائے خود وبال جان بن جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ گمراہی کے اسباب میں سے مال بھی ایک ہے۔

چوتھی چیز فرمایا وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ <sup>علا گھوڑے اور مویشی</sup> نشان زدہ گھوڑے یعنی خوب پالے پوسے اور طاقتور گھوڑے اور دیگر مال ڈنگہ مویشی بھی اسباب ضلالت میں سے ہیں۔ یہ بھی انسان کی مرغوب اشیاء میں سے ہیں۔ انسان ان سے خوب نفع حاصل کرتا ہے۔ گائے بھینس، بھیر، بکری، اونٹ وغیرہ سے دودھ حاصل کرتا ہے۔ اور ان کا گوشت کھاتا ہے۔ ان سے سواری اور بار برداری کا کام بھی لیتا ہے۔ یہ انسان کی اچھی خاصی جائیداد ہوتی ہے۔ اور ان سے محبت بھی فطری ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص ان کی محبت میں اس قدر غرق ہو جائے کہ ان کی دیکھ بھال میں نمازوں کی پروا نہ کرے۔ دیگر نیکی کے کاموں کی طرف توجہ ہی نہ دے سکے۔ گویا اَخَذَتْهُمُ بِاَذْنَابِ الْبَقَرِ گائے بیل کی دم پکڑ کر بیٹھا ہے۔ تو یہی مال انسان کے لیے گمراہی کا سبب بن جائے گا۔ لہذا اس سے بھی خبردار کیا گیا ہے۔

فرمایا اسباب ضلالت میں سے وَالْحُرَّتِ بھی ایک ہے۔ انسان <sup>کھیتی باڑی</sup> کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو کر بھی فراغ سے غافل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے کبھی کبھی اس کے لیے فتنہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا۔



ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا یہ چیزیں تو دنیا کی زندگی میں فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ مگر اصل مقصود تو آخرت کی زندگی ہے۔ اگر ان اشیاء کی محبت میں آخرت سے غافل ہو گیا۔ تو سخت خسارے کا سودا کیا۔ قیامت کے دن خالی ہاتھ ہو گا۔ یہ تمام لوازمات اسی مادی زندگی تک محدود ہیں۔ یہ چیزیں اس زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو جائیں گی۔ اور پھر آخرت کی زندگی شروع ہو گی۔ انسان کو عبرت دلائی گئی ہے کہ اُس آئندہ زندگی کے لیے کوئی سامان پیدا کرے۔ کیونکہ اصل زندگی وہی ہے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ اصل اور بہترین ٹھکانا تو مالک الملک کے پاس ہے۔ اور اس کے حصول کے لیے انسان کو ایمان اور اعمال صالحہ کی فکر کرنا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرغوبات دنیا میں مبتلا ہو کر ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے۔ اور پھر اس دنیا سے خالی ہاتھ جانا پڑے یہ سخت گھائے کا سودا ہو گا۔

متقین کے لیے انعام

جَبْ حُبُّ الشَّهَوَاتِ وَامْحَىٰ آيَتِ نَّازِلٍ هَوْنِي۔ تو حضرت عمر فاروقؓ نے اللہ کے حضور دعا کی۔ کہ مولا کریم! کہ تمہاری کہ ان اسباب کے پیش نظر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَسَلِّ اے پیغمبر علیہ السلام ان کو فرما دیجئے اَوْ نَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ کیا میں تمہیں ان تمام مرغوبات سے بہتر چیز نہ بتاؤں۔ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اُن کی طبیعتوں میں خوف خدا قائم رہا ہے۔ اور وہ کفر، شرک، نفاق اور بدائی سے بچتے ہیں۔ فرمایا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ اُن کے رب کے ہاں باغات ہیں تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا انہما الْاَنْهَارُ جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں، خَالِدِيْنَ فِيْهَا مومن لوگ ہمیشہ باغات میں رہیں گے۔ وہاں سے نکالے جانے کا انہیں کوئی کھٹکا نہیں ہو گا۔ یہ باغات دنیا کی ان مرغوبات اشیاء سے کہیں بہتر ہیں۔ اور پھر یہ صرف باغات ہی نہیں ہوں گے بلکہ تقویٰ اختیار کرنے والوں



کے لیے وہاں وَأَزْوَاجٌ مَّطَهَّرَةٌ پاکیزہ بیویاں ہوں گی۔ جو ہر قسم کی جسمانی و روحانی  
 غلاظت سے پاک ہوں گی۔ اس دنیا کی بہترین عورتیں بھی ان کی طہارت کا مقابلہ  
 نہیں کر سکیں گی۔ فرمایا اس کے علاوہ جنتیوں کو وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰی  
 کی خوشنودی حاصل ہوگی۔ جو سب سے بڑی نعمت ہوگی۔ جب لوگ دوزخ سے  
 نکل کر جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اور انہیں ہر نعمت حاصل ہو جائے گی، تو  
 اللہ کریم ان سے فرمائیں گے، کیا میں تمہیں کچھ اور زیادہ نہ دوں۔ وہ لوگ حیران  
 ہوں گے۔ اور کہیں گے یا الہی! ہم جنت میں پہنچ گئے، کامیاب ہو گئے۔ ہر  
 طرح کی نعمتیں حاصل ہو گئیں۔ اب اور کیا ملے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے أَحْسِبُ  
عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي میں اپنی خوشنودی اور رضائے تم کو دیتا ہوں فَلَا  
أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي آج کے بعد کبھی تم سے ناراض  
 نہیں ہو گا۔ گویا اللہ تعالیٰ جنتیوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راضی ہو جائے گا۔  
 یہ انسان کی ابدی قلاح ہوگی۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِصِلَائِكُم بِالْعِبَادِ اللّٰهُ تَعَالٰی تمام  
 بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کیا کر رہا ہے۔  
 اور کون کس بُرائی میں مبتلا ہے۔ لہذا اس کی گرفت سے کوئی شخص نہیں بچ سکتا۔  
 وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کون ایماندار ہے اور اعمالِ صالحہ کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں  
 کے لیے اس کے ہاں صلے کی کمی نہیں ہے وہ انہیں آخرت میں بہترین ابدی  
 زندگی عطا کرے گا۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس پنجم ۵

الْاِمْرَانِ ۳

آیت ۱۶ تا ۱۸

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اِنَّا اَمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا  
وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ  
وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ وَالْمُسْتَفْزِرِينَ بِالْاَسْحَارِ ۝۱۷  
شَهِدَ اللَّهُ اَنَّهُ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ ۝۱۸ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُو  
الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۝۱۹ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۲۰

ترجمہ: وہ لوگ جو کہتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم ایمان لائے ہیں  
پس بخش دے ہم کو ہمارے گناہ، اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا ۝۱۶ وہ صبر  
کرنے والے ہیں، اور سچائی والے ہیں اور اطاعت کرنے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور  
بخشش طلب کرنے والے ہیں سحریوں کے وقت ۝۱۷ اللہ نے گواہی دی ہے کہ اُس  
کے سوا عبادت کے کوئی لائق نہیں۔ اور فرشتوں نے بھی، اور اہل علم نے  
بھی۔ وہ قائم ہے انصاف کے ساتھ۔ اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق  
نہیں ہے۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے ۝۱۸

گزشتہ درس میں گمراہی کے اسباب بیان ہوئے تھے۔ عام طور پر اپنی اشار  
کی محبت میں گرفتار ہو کر لوگ گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے  
بھیجے ہوئے دین اور آخرت کی زندگی سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے  
یہ بھی بتلادیا کہ دنیا کی ان مرغوب اشیاء کے مقابلے میں اہل تقویٰ کے لیے  
اللہ تعالیٰ کے ہاں بہتر سامان موجود ہے۔ وہاں پر جنت ہے جس میں ہر طرح  
کی نعمتیں مہیا ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو  
جائے گی۔ جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگی۔ اور جس کو کبھی نہ ال نہیں آئیگا۔ اب آیات  
زیرِ درس میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ یعنی یہ وہ



لوگ ہیں۔ جنہیں جنت کی نعمتیں اور اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

ایمان اور  
شش

فرمایا جنت کے وارث وہ لوگ ہوں گے الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا  
إِنَّا آمَنَّا جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں۔ وہ  
اس بنیادی عقیدے کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس  
کی صفات، اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں، اس کے فرشتوں اور روز قیامت  
پر یقین رکھتے ہیں۔ اس ایمان کے اعتراف کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے  
ہیں فَاعْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا مولا کریم! تو نے ہمیں ایمان کی دولت دیکر  
اپنی پہچان کھائی ہے۔ ہم تیرے بندے ہیں۔ پس ہمارے گناہ معاف فرما دے  
ہم سے جس قدر غلطیاں، کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہو چکی ہیں، ان سے درگزر فرما  
امام رزئی اور دیگر مفسرین کہہ رہے ہیں، شش کا مبنی ایمان ہے۔  
ایمان کے بغیر شش نہیں ہوگی۔ اسی لیے آمَنَّا کا اعتراف پہلے ہے اور فَاعْفِرْ لَنَا  
کی درخواست بعد میں ہے۔ جب تک ایمان مکمل نہیں ہوگا، معافی کی صورت  
پیدا نہیں ہوگی۔ اے مولا کریم! ہمیں معاف فرما وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ  
اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا دے، تیری دوزخ کی سزا بڑی سخت ہے  
اُسے برداشت کرنے کی ہم طاقت نہیں رکھتے، اس لیے ہمیں ایمان کی بدولت  
اس جہنم سے بچا لے۔

دوزخ کی سزا اس قدر خطرناک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار  
اس سے بچنے کی دعا سکھائی ہے۔ فرمایا رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً  
وَّ فِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے اللہ! ہمیں  
دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب  
سے بچا۔ دوسری جگہ فرمایا رَبَّنَا إِنَّكَ مَن ذَاكَ خَلِ النَّارَ فَتَدَّ  
اخْرِيَّتَهُ اے پروردگار! جسے تو نے آگ میں داخل کر دیا وہ ذلیل و خوار  
ہو گیا۔ ہمیں اس رسوائی سے بچا۔ غرضیکہ اہل تقویٰ کی یہ صفات بیان کی گئی



ہیں کہ وہ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں۔ اور دوزخ کے عذاب سے رہائی کے طالب ہوتے ہیں۔

اہل تقویٰ  
عصابین

اہل تقویٰ کی فہرست میں سب سے پہلے فرمایا الصَّابِرِينَ ان کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ بہت بڑی صفت ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے وقت، نفسانی تقاضوں سے بچنے کے وقت یا کسی مصیبت آنے پر صبر ہی کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** اہل ایمان! صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ صبر کرنا اگرچہ بڑا مشکل کام ہے۔ مگر اس کا اجر بھی زیادہ ہے۔ فرمایا **يُؤْتِي الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ** اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔ حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے الصبر من الايمان بمنزلة الراس من الجسد صبر کا تعلق انسان کے ایمان کے ساتھ ایسا ہی ہے جیسے سر کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ سر اتر جائے تو دھڑ بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح صبر کا دامن چھوٹ جائے تو ایمان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ صبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملکیت اور دین اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے۔ صبر بھی اسی طرح اہم ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان، نماز اس کا ذکر تعظیم شعار ہے اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ضروری ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کیا میں تمہیں درجات بلند کرنے والی چیز نہ بتلاؤں جو گناہوں کو مٹاتی ہے فرمایا وہ ہے اتماء الوضوء عند الكريهات یعنی تکلیف کے وقت مکمل وضو کرنا۔ گہری سردی میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اگر سخت سردی کے ایام میں پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہو، تو وضو کرتے وقت تکلیف ہوتی ہے بعض اوقات ہاتھ پاؤں پھٹ جاتے ہیں۔ مگر ایک مومن جب یہ تکلیف برداشت



وَالْقَنِيتِينَ وَالْقَنِيتِیْنِ بھی شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اطاعت گزار مردوں اور  
اطاعت گزار عورتوں کے لیے قیامت کو بہت بڑے اجر کا مژدہ سنایا ہے  
الغرض اہل تقویٰ کی ایک صفت یہی ہے کہ وہ اللہ کے اطاعت گزار ہوتے  
ہیں۔ اس کی نافرمانی نہیں کرتے۔

علا خراج  
کہ نیلے

اہل تقویٰ کا جو محتاج گروہ وَالْمُنْفِقِیْنَ کا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو  
اللہ کی راہ میں محتاجوں پر خرچ کرنے والے ہیں۔ دین اسلام میں خرچ کرنا بذاتِ خود  
ایک بہت بڑا اصول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محض جمع کرنے والوں کی مذمت  
بیان فرمائی ہے۔ یہودیوں کی یہ صفت تھی جَمَعَ فَاَوْعَى کہ وہ محض جمع کرنا  
جانتے تھے۔ خرچ نہیں کرتے تھے۔ مگر ایک مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ  
دولت کھاتا ہے۔ تو اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرتا ہے۔ بخل نہیں کرتا۔ وہ جانتا ہے  
وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلْساكِلِ وَالْمَحْضُوْمِ کہ ان کے مالوں میں  
محتاجوں اور محروموں کا حق بھی ہے اور ان کے متعلق حکم یہ ہے کہ اَعْطِ كُلَّ  
ذِيْ حَقٍّ حَقَّهُ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچاؤ۔ اگر محتاج کی خبر گیری نہیں کرو گے  
تو لعنت برسے گی۔ مسلمانوں کا اجتماعی نظام خراب ہو جائے گا۔ لہذا جب اللہ تعالیٰ  
مال عطا کرے۔ تو اس کے لیے ہوتے ہیں اس کے حکم کے مطابق ضرورت مندوں  
کو ان کا حق ادا کر دو۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ خرچ کرنے کا حکم محض انفرادی نہیں۔ بلکہ اس کا  
اطلاق اجتماعی حیثیت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس ضمن میں حکومت وقت پر سب سے  
زیادہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ جو حکومت محض جمع کرتی ہے۔ ایسی حکومت  
کو اسلام ختم کرنے کے لیے آیا تھا۔ اُس زمانے میں قیصر و کسریٰ کی بڑی بڑی  
سلطنتیں تھیں۔ لوگوں پر ناجائز ٹیکس لگا کر مال جمع کرتے تھے اور پھر اُسے حقداروں  
یک پہنچانے کی بجائے اپنی عیاشی پر خرچ کرتے تھے۔ ایسی حکومتوں کی بے نیکی  
کے لیے اللہ تعالیٰ نے بنی کو مبعوث فرمایا۔ اور قرآن پاک نازل فرمایا۔ چنانچہ



ساتھ ہے۔

اہل تقویٰ میں سے دو گروہ کے متعلق فرمایا وَالصَّادِقِينَ وہ لوگ ہیں جو ہر معاملہ میں سچائی اور راست بازی کو اختیار کرتے ہیں۔ اپنے قول، فعل، معاملے، اور وعدے میں سچائی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ جیسے فرمایا لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صَدِيقًا یعنی مومن برابر سچائی کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کو صدیق لکھا جاتا ہے۔ سورۃ توبہ میں فرمایا اے ایمان والو! لَكُمْ دَرُودٌ كَثِيرَةٌ مَعِ الصَّادِقِينَ اور سچے لوگوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ سورۃ مائدہ میں فرمایا هَذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ قیامت کے دن راست باز لوگوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ سورۃ احزاب میں فرمایا لَيَسْأَلَنَّ الصَّادِقِينَ عَنْ صِدْقِهِمْ قیامت کے دن سچے لوگوں کے سچ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ سورۃ عنکبوت کی ابتداء میں فرمایا فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا یعنی اللہ تعالیٰ سچوں کو جانچتا رہتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے ہاں سچائی بہت بڑا عمل ہے۔ اور اس کے ہاں اس کے واسطے بہت بڑا اجر ہے۔

عطا اطاعت گنہگار

فرمایا متقیوں میں تیسرا گروہ وَالْقَانِتِينَ کا ہے۔ یہ لفظ قنوت سے مشتق ہے۔ اور اس کا معنی اطاعت بجالانا ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑتے ان پر خوشحالی آئے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور آزمائش آئے تو صبر کرتے ہیں، مگر اپنے آپ سے باہر ہو کر اطاعت خداوندی سے باہر نہیں ہوتے انہیں ہر وقت یہ فکر لگی رہتی ہے۔ کہ کسی وقت اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ یہی لوگ قانتین ہیں۔ سورۃ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے جن مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی ہے۔ ان میں



کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے انعامات سے نوازتا ہے۔ اُس کے لئے بخشش کے دروازے کھول دیتا ہے۔ بعض گرم طبقات میں ٹھنڈے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر ایسا پانی میسر نہ آنے کی صورت میں گرم پانی سے ہی وضو کرنا پڑتا ہے۔ اور ایک مومن یہ تکلیف بھی برداشت کرتا ہے۔ اور صبر کا دامن نہیں چھوڑتا۔ نماز کے لیے قیام، رکوع اور سجود پر صبر کرتا ہے۔ روزہ رکھ کر صبر کا مظاہرہ کرتا ہے۔ حج کی تکلیف پر صبر کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر صبرِ جہاد کے موقع پر کرتا ہے۔ اور سردھڑکی بازی لگا دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ **إِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلِّ الشَّيْءِ** یعنی جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ جسے جنت کی خواہش ہے۔ وہ جہاد میں چمکتی ہوئی تلواروں اور برہمتے ہوئے تیروں اور نیزوں سے نہیں ڈرتا ہے۔ یہ اس کے صبرِ استقامت کی آہٹ ہے۔ اسی طرح اپنی عزیز متاع مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا بھی صبر پر دلالت کرتا ہے۔ یہ سب صبر ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔

صبر کی ایک اور بڑی صورت کسی تکلیف یا صدمے کے وقت صبر کرتا ہے۔ مال و جائیداد ضائع ہو جائے۔ کوئی عزیز یا بزرگ فوت ہو جائے۔ کسی چتر کا خوف مسلط ہو جائے۔ تو ایسی حالت میں صبر کا دامن تھامنا بہت بڑا اصول ہے اسی اصول کو چھوڑ کر افضیت اور شعیبت پیدا ہوئی۔ جس اصول کو امام حسینؑ نے آخر دم تک اپنائے رکھا۔ اسی اصول کو اُس کے نام لیواؤں نے ترک کر کے بے صبری کا انتہائی مظاہرہ کیا۔ رونا پیٹنا، واویلا کرنا، منہ زچنا۔ چھریاں مارنا، چھاتی پیٹنا کو نا اصول ہے۔ یہ تو بے اصولی کی بات ہے۔ حضرت علیؑ نے صبر کے اصول کو قائم رکھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس پر آہن نہ آنے دی، حضرت عمرؓ نے اس کا کمال مظاہرہ کیا۔ آج ہم اس زریں اصول کو ترک کر کے کیسے فلاح پاسکتے ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صبر کرنے والوں کی تعریف بیان کی ہے۔ اس کا عام اعلان ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ** بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے



خلفائے راشدینؓ کے زمانے تک مسلمان اس زیریں اصول پر عمل کرتے رہے  
مگر بعد میں مسلمانوں میں ہی قیصر و کسری پیدا ہو گئے۔ اب دنیا بھر میں نظر ڈرا کر  
دیکھ لو۔ کون سی حکومت ہے جو محتاجوں کا خیال کرتی ہے۔ ان قیصر و کسری کے  
جانشینوں سے کوئی پوچھے کہ تم لوگوں کی غم پسینی کی کیا دوا کر کے لے  
کہاں خرچ کر رہے ہو۔ سب من مانی کر رہے ہیں کوئی اکاد کا اچھا آدمی ہو گا جسے خوف  
خدا ہو گا۔ اور جو امانت اللہ نے اس کے سپرد کی ہے اُسے ہتھاروں تک پہنچاتا ہو گا  
ورنہ عام طور پر ہر طرف شہنشاہیت، ملوکیت اور امپریلزم نظر آتا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں جو سوسائٹی اپنے غریبوں اور محتاجوں کا خیال نہیں  
رکھتی وہ مٹانے کے قابل ہے۔ آپ نے اپنے سب سے بڑے مرید اور رشتے  
کے بھائی کی بیعت ان الفاظ میں لی کہ نبی قائم کرنا اور ہمیشہ غریب اور مساکین کے  
مسائل کو حل کرنا۔ آپ نے بیعت میں یہ چیز داخل کر دی۔ مولانا عبید اللہ سندھی  
فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے بھی کام خراب کیا ہے یہ بھی ملوکیت سے متاثر ہو کر  
بگڑ گئے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو غریب اور مساکین کا خیال کرتے ہیں۔ خود  
عیش و آرام کے طالب ہیں۔ مگر اصل مشن سے دُور چلے گئے ہیں۔ غرضیکہ منافقین  
کا یہ لفظ بتلا رہا ہے کہ اہل ایمان دولت کو سمیٹ کر نہیں رکھتے۔ بلکہ دولت  
کو خرچ کرنا ان کے اوصاف میں داخل ہے۔

طالبان بخشش

فرمایا متقین کی پانچویں شاخ ہے۔ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ وہ  
لوگ سحری کے وقت اُٹھ کر بخشش کی دعائیں مانگتے ہیں۔ سحری کا وقت  
تہائی اور سکون کا وقت ہوتا ہے۔ اللہ کی رحمت کے نزول کا وقت ہوتا ہے  
تقرب الہی کے اس وقت میں اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتے  
ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ تہائی رات باقی رہنے پر اللہ تعالیٰ آسمان  
دنیا پر اعلان فرماتا ہے۔ مَنْ دَعَاكَ قَبُولَ كَرَمٍ لَّيْسَ لِي فَاعْطِيهِ  
دُعَاكَ نَالَاكَ فِي اس کی دعا کو قبول کروں۔ مَنْ لَّيْسَ لِي فَاعْطِيهِ



ہے کوئی سائل کہ میں اُسے عطا کر دوں۔ مَنْ يَسْتَغْفِرُ لِيْ فَاعْفِرْ لَهُ

ہے کوئی بخشش طلب کرنے والا کہ میں اس کو بخش دوں۔ چنانچہ حضرت

عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق

منقول ہے۔ رات کو نماز میں مشغول ہوتے۔ پھر پوچھتے سحری ہو گئی ہے۔ اُس

وقت توبہ استغفار میں لگ جاتے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء مسئلہ توحید سے ہوئی تھی۔ اَللّٰهُ

توحید باری تعالیٰ

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اب اس آیت میں پھر وہی بات دہرائی جا رہی ہے، جو اصلی

مبنی دین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے شَهِدَ اللّٰهُ اللّٰهُ تعالیٰ نے اس بات کی

گواہی دی۔ اَنَّكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے علاوہ کوئی الہ نہیں، کوئی عبادت

کے لائق نہیں، نہ جبرائیل علیہ السلام، نہ میکائیل علیہ السلام، نہ یسوع علیہ السلام

اور نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں۔ اِلٰہ کا

معنی بڑا وسیع ہے۔ الہ وہ ہو سکتا ہے جس میں الوہیت کی صفت پائی جاتی

ہو۔ جو واجب الوجود ہو، جس کا علم محیط ہو، جس کی قدرت تام ہو، جو خالق اور

مدبہ ہو اور جو فاعل ہو جو خود مخلوق اور محتاج ہو، وہ الہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جو

ہمہ دان نہ ہو، ہمہ بین نہ ہو اور ہمہ توان نہ ہو، وہ الہ نہیں ہو سکتا۔ الہ وہ ہے

جو جو چاہے کر گزرتے، اس کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ لہذا فرمایا

اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی کہ اُس کے سوا الہ کوئی نہیں ہے۔ یہ جملہ

اس قدر اہم ہے کہ اس ایک آیت میں دو دفعہ دہرایا گیا ہے۔ حدیث شریف

میں اللہ تعالیٰ کی تعریف ان الفاظ میں سکھائی گئی ہے۔ اَللّٰهُمَّ لَا اَحْصِيْ

شَاءَ عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَشْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ اے مولا کریم!

میں تیری تعریف کما حقہ نہیں کر سکتا۔ تیری تعریف وہ ہے، جو تو نے خود

اپنی تعریف فرمائی ہے۔ اسی طرح اللہ نے خود گواہی دی ہے کہ اس کے

سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی حاضر ناظر نہیں، کوئی مختار کل نہیں کوئی



عالم الغیب نہیں، کوئی مینے والا نہیں اور کوئی چھیننے والا نہیں۔  
 فرمایا وَالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتوں نے بھی یہ گواہی دی ہے۔ اللہ  
 کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں وَأُولُو الْعِلْمِ اور اہل علم نے بھی  
 یہی گواہی دی ہے۔ علم والوں میں سب سے پہلے نبی ہیں، پھر کامل الایمان لوگ  
 پھر حکماء اور دانشور، سب سے یہی گواہی دی ہے۔ کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ  
 کوئی معبود نہیں ہے۔

آگے فرمایا قَائِمًا بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ کی ذات انصاف کے ساتھ قائم ہے  
 امام بیضاوی اور صاحب مدارک اہم نسخی اس کا ترجمہ کہتے ہیں مُقِيمًا بِالْقِسْطِ  
 انصاف کو قائم کرنے والا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی بنتی ہے اور اہل علم کی  
 بھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے تمام فیصلوں اور افعال میں انصاف کے ساتھ قائم ہے۔  
 اس نے ہر چیز کو انصاف کے دائرے میں رکھا ہوا ہے۔ اس کے عمل اور اسکی  
 پسند میں ظلم بالکل نہیں ہے کسی کام میں نا انصافی نہیں ہے۔ بلکہ ہر کام میں اعتدال  
 اور توازن ہے۔ وہ خود انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اور انصاف کو قائم کرنے  
 والا ہے۔

علمائے حق

اہل علم کی بھی یہی صفت ہے۔ ہر اہل علم مقیمًا بالقسط یعنی انصاف کو قائم  
 کرنے والا ہے۔ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ایسا ہی کریں۔ کیونکہ قرآن پاک میں انصاف  
 کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جب اہل علم انصاف پر قائم ہوں گے تو وہ بھی  
 یہی گواہی دیں گے لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کلمہ تمام ادیان  
 اور شرائع الہی کی بنیاد ہے۔ اللہ نے اپنی بہترین مخلوق کے متعلق فرمایا کہ اس  
 کا ہر فرد اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی پرستش  
 کے قابل نہیں۔

البتہ علماء کا ایک اور گروہ بھی ہے۔ جو توحید کا درس دینے کی بجائے شرک  
 بدعت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ علماء کئے سو رہیں۔ جہاں شرک و بدعت کی تعلیم دی



دی جا رہی ہو، سمجھ لو کہ یہ پیٹ پر اور اونیوار علماء کی آواز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تو یہ ہے کہ اہل علم کی شہادت لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ہے۔ اگر تعلیم اس کے خلاف ہے۔ عرس منانے کی تلقین کی جا رہی ہے۔ قوالی ہو رہی ہے قبروں پر سجدے ہو رہے ہیں، خواجہ فرید الدین کے دروازے سے گزرنے والے کو جنت کا ٹکٹ دیا جا رہا ہے۔ تو سمجھ لو کہ علماء سور کی مجلس برپا ہے خواجہ صاحب تو مآثر اللہ کامل الایمان بزرگ تھے۔ ان کے ہاتھ پر پنجاب کے لاکھوں خاندانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔ انہوں نے استغاثے سے کوئی بات کی ہوگی، جو کوئی بات کی ہوگی، کہ جو کوئی نیچی کے دروازے سے گزرے گا، جنت میں جائے گا۔ مگر جاہلوں نے ان کی قبر کے دروازے کو جنت کا دروازہ بنا لیا۔ یہ تو شرکیہ فعل ہے۔ کہیں تعز یہ نکل رہا ہے۔ اس کی تعلیم ہو رہی ہے۔ سجدہ ہو رہا ہے اس پر چڑھاؤ چڑھائے جا رہے۔ یہ صرف عوام تک محدود نہیں بلکہ حکومت کی سطح تک ایسے افعال کی سرپرستی کی جا رہی ہے۔ قبروں پر چادریں چڑھاتی جا رہی ہیں۔ مقبرے بن رہے ہیں۔ ایسے کاموں پر بے دریغ رو رہے ہیں۔ یہاں جا رہا ہے۔ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ لاؤ ڈسپیکر پر علی الاعلان شرک و بدعت کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ یہ اولی العلم کا کام نہیں۔ کیونکہ ان کی شہادت تو ایک ہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فرمایا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ امام رازی فرماتے ہیں۔ عزیز کا معنی ہے کمال قدرت کا مالک۔ وہ جو چاہے کرے۔ اسکی قدرت کے سامنے کسی کو کھڑنے کی مجال نہیں۔ اور حکیم کے معنی کمال حکمت کا مالک۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے۔ وہ حکیم ہے۔ وہی معبود ہے۔ اس کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے سوا کوئی نہیں جو مخلوق کی حاجت روائی کر سکے، یہ تعلیم تمام انبیاء اور تمام آسمانی کتابوں کی جڑ اور بنیاد ہے تمام اصحاب علم بھی اس کی تعلیم میں گئے جو اس تعلیم کی خلاف کرے گا۔ وہ علمائے سوا پیران نہیں شمار ہوگا۔ ایسا شخص اہل علم نہیں ہوگا بلکہ اہل غیث ہوگا



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

ال عمران ۳

درس ششم ۶

آیت ۲۰ تا ۱۹

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ  
 الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمْ  
 الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ  
 اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ①۹ فَإِنْ  
 حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ  
 اتَّبَعَنِ ۚ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ  
 ۚ أَسْلَمْتُ ۚ فَإِنْ أَتَسَلَسَوْا فَقَدْ أَهْتَادُوا جُ  
 وَانْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ  
 بِالْعِبَادِ ②۰

ترجمہ :- بیشک سچا اور پسندیدہ دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ اور  
 نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی، مگر اس کے بعد کہ ان کے  
 پاس علم آگیا، سرکشی کرتے ہوئے اپنے درمیان۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کے ساتھ  
 کفر کرے گا، بیشک اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا ہے ①۹ پس اگر یہ آپ سے  
 جھگڑا کریں، تو آپ کہ دیجئے، میں نے سونپ دیا ہے اپنے چہرے کو اللہ  
 کے لیے۔ اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میری پیروی کی۔ اور آپ ان  
 لوگوں سے کہ دیجئے جن کو کتاب دی گئی اور ان پڑھوں سے، کیا تم اسلام لاتے  
 ہو۔ پس اگر وہ اسلام لائیں، تو بیشک وہ ہدایت پا گئے۔ اور اگر منہ پھیر دیں۔  
 پس بیشک تیرے فمے پنچا دینا ہے۔ اور اللہ نگاہ میں رکھنے والا ہے

بندوں کے حالات ②۰



پہلی آیات میں دین کا مہنتی، جڑ اور بنیاد مسئلہ توحید اور اللہ کی صفات کو قرار دیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں اللہ نے اسلام کی حقانیت بیان فرمائی ہے مشرکین عرب اور ایران کے مجوسی و عجمی کہتے تھے کہ اُن کے ادیان سچے ہیں۔ اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ اس معاملے میں زیادہ ہی غلو کرتے تھے وہ اپنے علاوہ ہر دوسرے مذہب کو غلط بتاتے تھے اور نجات کو صرف اپنے ہی دین میں بند سمجھتے تھے۔ حالانکہ یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی حقیقت اُس وقت نہ تھی۔ اور نہ آج ہے۔ انہوں نے انبیاء کے اصل دین کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ اور کفر و شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔

اس سے قبل گمراہی کے اسباب بھی بیان ہو چکے ہیں۔ حق و صداقت کی مخالفت کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی، کہ اُن کے مال و اولاد ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اور وہ اس دنیا میں بھی مغلوب ہوں گے۔ اور آخرت میں جہنم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اللہ نے یاد دلایا کہ تم نے جنگِ بدر میں اللہ کی نصرت کا نمونہ دیکھ لیا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرو۔ دنیا میں گمراہی عام طور پر عورتوں اور بیٹوں کی محبت، سونے چاندی کے جمع کردہ مال، عمدہ، گھوڑے، مویشی اور کھیتی باڑی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ان تمام چیزوں سے بہتر اللہ کی طرف سے ملنے والا وہ اجر و ثواب ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ مگر وہ متقیوں کے لیے ہے۔ ان نعمتوں میں پاکیزہ بیویاں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔ جو اہل جنت کو حاصل ہوگی۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی صفات بیان کیں۔ کہ وہ ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی لغزشوں کی معافی مانگتے ہیں ورنہ سے پناہ چاہتے ہیں، صبر و استقلال کو اختیار کرتے ہیں اور سچائی پر ڈٹ جاتے ہیں، ہمیشہ اطاعت کا دامن تھامے رکھتے ہیں، اپنی نیک کمائی میں سے خرچ کرتے ہیں، محتاجوں کی اعانت کرتے ہیں اور سحری کے وقت استغفار



کرتے ہیں۔ یہ تمام باتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے توحید کا مسئلہ بیان فرمایا کہ دین کی جڑ اور بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور تمام اہل علم گواہی دیتے ہیں کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں۔ وہ عزیز اور حکیم ہے۔

سچا دین  
صرف اسلام

اب اس آیت میں دین کی صداقت کا تذکرہ ہے۔ اِنَّ السَّيِّدِينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ مَقْتٌ یعنی اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور سچا دین صرف اسلام ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزمان علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام اسی دین کی دعوت دیتے رہے ہیں۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں اختلاف اگر کوئی ہے تو شرعیات میں ہے، کیونکہ اُن میں فروعی احکام ہوتے ہیں۔ جو مختلف ادوار میں مختلف ہو سکتے ہیں۔ لہذا یہود و نصاریٰ، مجوس یا مشرکین کا یہ دعوئے کہ اُن کا دین سچا ہے، بالکل غلط دعویٰ ہے۔ یہ تو کذب بیانی اور خلافت واقعہ ہے۔ صداقت تو صرف دین اسلام میں ہے۔ اور اپنے دعویٰ میں سچا دہی ہوگا، جو دین اسلام کا پیروکار اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والا ہوگا۔

وجہ اختلاف

اہل کتاب سے دو گروہ مراد ہیں۔ اولاً یہودی جو اپنے آپ کی نسبت تورات کی طرف کرتے تھے۔ کہ اُن کے پاس اللہ کی عظیم کتاب ہے۔ اور دوسرے عیسائی جو انجیل کے حامل ہونے کے دعویدار تھے۔ چنانچہ اگلی آیت کے مصداق دونوں گروہ یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ تاہم چونکہ اس سورۃ میں عموماً نصاریٰ کا ذکر ہے اس لیے وہ خاص طور پر اس آیت کے مخاطب ہیں۔ اب اگر ان کا دین سچا ہوتا ہے۔ تو اختلاف کی کوئی وجہ نہ تھی۔ مگر انہوں نے سچے دین اسلام سے اختلاف کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کی وجہ بھی بیان فرمادی وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ اَوْتُوا الْكِتَابَ اور نہیں اختلاف کیا اہل کتاب نے اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ مِمَّا كُنْتُمْ



اس کے کہ ان کے پاس علم آگیا۔ یعنی وہ بنی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق تمام علم یعنی ان کی تمام نشانیاں معلوم کرنے کے بعد بھی آپ کو بتی ماننے پر تیار نہ ہوئے۔ سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ "يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ ابْنَاءَهُمْ" یہ لوگ حضور علیہ السلام کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ مگر پھر بھی ایمان نہیں لاتے تھے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں نجران کے وفد کا ذکر ہو چکا ہے۔ وہ لوگ بھی جانتے تھے کہ بنی آخر الزماں حضور علیہ السلام ہی ہیں، جن کی پیشین گوئیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمائی بَغْيًا بَيْنَهُمْ اِنَّ كَايَ فَعَلْ اٰلِیْنَ مِیْ كُشِیْ كِی وَجِبَ سَ تَحَا۔ یہود و نصاریٰ کو اس زمانے میں ایک قسم کا اقتدار اور تفوق حاصل تھا۔ اور نصاریٰ بہر اقتدار بھی تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر وہ بنی آخر الزماں پر ایمان لے آئے تو پھر ان کی تابعداری کمزوری پڑے گی۔ اور اس صورت میں ان کا اپنا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ مدینے کا رئیس المنافقین اسی حد کی بنا پر ساری عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا رہا۔ مدینے والے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرنے کو تیار تھے مگر حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے اس کا سارا کھیل بکھر گیا۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ علم حاصل ہونے کے بعد بھی مخالفت پر اڑے ہے سرکشی کرتے ہوئے محض اپنے اقتدار کے دفاع کے لیے حالانکہ اسلام کی وجہ سے انہیں جو شرف حاصل ہونے والا تھا، اس کا وہ اندازہ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ الغرض اہل کتاب نے سرکشی اور ضد کی بنا پر اسلام قبول نہ کیا۔

اسلام کا اصل معنی سونپ دینا ہے۔ جب کوئی شخص اپنے اعمال و افعال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کو قبول کر لیتا ہے۔ تو گویا وہ اسلام لے آتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ جب ان کے رب نے ان سے کہا اَسْلِمْ اَتَمِ اسلام لے آؤ تو عرض کیا۔ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ



میں تمام جہانوں کے رب کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا ہوں۔ اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا۔ گویا تسلیم و رضا کا نام ہی اسلام ہے۔ اور تمام انبیاء کرام اسی دین کی طرف دعوت دیتے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دین کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ ایسا دین ہے۔ جو کامل، اکمل اور عالمگیر ہے۔ یہ ناقابلِ تسخیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء کی تمام شرائع منسوخ کر کے صرف نبی آخر الزمان علیہ السلام کی شریعت کو قیامت تک کے لیے قائم و دائم رکھا۔

انجران کے عیسائیوں سے آپ نے یہی فرمایا کہ تم اسلام کیوں نہیں لاتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو پہلے ہی اسلام لائے ہوئے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ تم غلط کہتے ہو، تم کہاں ایمان لاتے ہو۔ محمد بن اسحاقؒ کی روایت میں حضور علیہ السلام کے الفاظ ہیں اَسْلِمُوا تَمَّ اِسْلَامُ لے آؤ۔ تو وہ کہنے لگے۔ اَسْلَمْنَا ہم تو اسلام لائے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کَذَبْتُمْ تم جھوٹ کہتے ہو۔ کَيْفَ يُصِحُّ اِسْلَامُكُمْ تمہارا اسلام کیسے درست ہو سکتا ہے۔ جب کہ اَنْتُمْ تُشْبِهُونَ وَلَدَ اللّٰهِ تم مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا ثابت کرتے ہو۔ تین خداؤں میں سے ایک کہتے ہو یا بعینہ خدا کہتے ہو مسلمان تو وہ ہے۔ جو اللہ وحدہ لا شریک کی توحید کا قائل ہے لہذا تمہارا دعویٰ اسلام بالکل غلط ہے۔

آنحضرت علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ تم کیسے مسلمان ہو۔ جب کہ تَعْبُدُونَ الصَّلِیْبَ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو۔ یہ تو شرک کی نشانی ہے۔ یمنہ احمد ترمذی اور دیگر احادیث میں صلیب کو دشمن کہا گیا ہے۔ یہ تو بت کی مانند ہے تمہارا عقیدہ یہ ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پر لٹکائے گئے تھے۔ جو کہ سراسر غلط ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا تیسرا کام یہ ہے۔ وَتَأْكُلُونَ الْخَنَازِيرَ کہ تم خنزیر کا گوشت کھاتے ہو۔ اسلام



میں خنزیر قطعاً حرام ہے۔ تم خنزیر کو کھانے والے مسلمان کیسے ہو سکتے ہو۔ یہ ساری تفصیل امام رازمیؒ نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے، سب کے شرائع میں خنزیر حرام رہا ہے۔ لہذا یہ سور کا گوشت کھانے والے اور حضرت مریمؑ کی تصویروں کی پوجا کرنے والے اسلام کا دعویٰ کیسے کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ تو اللہ کی صریح آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ اور ان کے متعلق حکم یہ ہے وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ حُجَّتِ الْاَشْيَاءُ کا انکار کرے گا۔ تو یاد رکھو۔ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ کہ بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ مواخذہ کرتا ہے۔ تو پھر اس کی گرفت سے بچ کوئی نہیں سکتا۔

عطا خاوندی فرمایا ان تمام حقائق کے واضح ہو جانے کے باوجود فَإِنْ حَاجَّوْكَ اگر یہ لوگ آپ سے جھگڑا کریں فَقُلْ تو آپ کہ دیں أَسْلَمْتُ وَحْدِي لِلَّهِ میں نے اپنے چہرے کو اللہ کے تابع کر لیا ہے، وَمَنْ اتَّبَعَنِي اور میرے پیروکاروں نے بھی۔ وجہ چہرے کو کہتے ہیں۔ اور یہ انسانی جسم کا سب سے معززہ حصہ ہے۔ چہرے سے مراد ذات ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ میں نے ہمہ تن اور میرے پیروکاروں نے بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تابع بنا لیا۔ غرض! اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو مکمل طور پر خدا کی اطاعت میں دے دیا جائے۔ گویا اسلام کے بنیادی اصول دو ہیں۔ پہلا اصول توحید کا ہے جیسا کہ گزشتہ درس میں آچکا ہے۔ شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ یہ توحید الہی کا اعلان ہے۔ اور دوسرا بنیادی اصول اسلام ہے یعنی اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں دے دینا۔ یہ دونوں اصول اہل کتاب میں مفقود تھے۔ نہ وہ توحید کو مانتے تھے۔ اور نہ اسلام لاتے تھے۔ لہذا ان کا نہ بانی دعویٰ ناقابل قبول ٹھہرا۔ وہ لوگ اپنے آپ



کو حنیف یا ابراہیمی کہتے تھے جیسا کہ عرب اپنے آپ کو اسماعیلی کہتے تھے جو کہ  
سراسر غلط تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا دعویٰ باطل ہے۔ آگے  
سورۃ نسا میں ذکر آئے گا کہ اصل حنیف تو حضور علیہ السلام اور آپ کے  
پیروکار ہیں۔ یہ اہل کتاب تو اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ دوسرے مقام  
سورۃ یوسف میں فرمایا عَلٰیٰ بَصِيرَةٍ اَنَا وَمَنْ اتَّبَعَنِيْ مِنْ اٰوْرَاقِیْ  
ماننے والے ہی صحیح بصیرت پر ہیں۔ یہ تمام انبیاء کی مشترک تعلیم ہے۔ اس میں  
کسی قسم کا اشتباہ نہیں۔ وہ ہر بات واضح طور پر بیان کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ  
حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ خوب کان کھول کر سن لو اِنَّكُمْ  
لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةٌ پھر تمہارے معاملے میں کسی قسم کا شک و شبہ  
نہ ہے۔ سورۃ ہود میں فرمایا فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ  
تَابَ مَعَكَ اٰپ بھی ٹھیک ٹھاک راستے پر چلیں اور آپ کے پیروکار  
بھی۔ کیونکہ ہمیں اپنے مسلک، اعمال یا اخلاق میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔  
ہمیں دل سے یقین ہے کہ ہم ٹھیک راستے پر چل رہے ہیں۔ مومن کی یہی  
شان ہے۔ برخلاف اس کے مشرک اور منافق اندھیرے میں کھڑکریں کھانگا  
ہمارے لیے روشنی کا مینار قرآن پاک ہے جو کہ ”بَصَائِرُ لِلْبَّاسِ  
وَهُدًی وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ“ ہے۔ یہ دلوں میں بصیرت پیدا کرتا ہے۔ زندگی کے  
ہر موڑ پر ہدایت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ لہذا اس کے ساتھ تعلق قائم کرنا ضروری  
ہے اس کے علاوہ راہ ہدایت کسی سے نہیں مل سکتی۔ اس کو مضبوطی سے  
پکڑنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔

ایمان کی  
دعوت

فرمایا وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْاُمِّیِّیْنَ ؕ اَسْلَمْتُمْ  
ان اہل کتاب اور ان پڑھوں سے کہ دیجئے کیا تم اسلام لاتے ہو۔ دین تو حید  
قبول کرتے ہو، اطاعتِ خداوندی اختیار کرتے ہو۔ اہل کتاب سے مراد  
یہود و نصاریٰ ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ یہ پڑھ لکھے



لوگ تھے۔ متمدن تھے۔ دفتری نظام سے واقف تھے۔ حکومت کرنا جانتے تھے۔ ان کے سکول تھے۔ جن میں تعلیم حاصل کرتے تھے اور ان کے پاس قورآن اور انجیل بھی تھی۔ اس لیے اہل کتاب اکھلاتے تھے۔ ان کے علاوہ عرب کے باقی لوگ جو عام طور پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تھے، وہ ان پڑھ تھے تعلیم و تربیت مفقود تھی، نوشت و خواند سے بے بہرہ تھے۔ تاریخی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ نزول قرآن کے زمانے میں صرف چار فیصد لوگ پڑھ لکھے تھے باقی سب ان پڑھ تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے علاوہ ان امیوں کو بھی پیغام دیا کہ بتاؤ کیا تم اسلام لاتے ہو۔ فرمایا فَإِنْ أَسْلَمُوا اگر وہ اسلام لے آئیں فَقَدْ اهْتَدَوْا پس بیشک وہ ہدایت پا گئے۔ سورۃ بقرہ میں بھی اسی قسم کا بیان گزر چکا ہے۔ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آتَيْنَاكَ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا اگر یہ بھی تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے۔ تم کو اللہ نے معیارِ حق بنا کر پیش کیا۔ عرض یہ کہ اگر اہل کتاب اور امی صحابہ کرام حضرات ابو بکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، ابو عبیدہؓ، خالدؓ وغیرہم کی طرح اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے فَإِنْ تَوَلَّوْا اور اگر وہ روگردانی کریں۔ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ تو آپ کے ذمے پہنچا دینا ہے۔ آپ اپنی ذمہ داری پوری کر دیں۔ واللہ بصیرٌ بِالْعِبَادِ۔ باقی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو نگاہ میں رکھنے والا ہے وہ ان کے ایک ایک فعل سے واقف ہے کہ انہوں نے کس قسم کے گمراہ عقیدے بنا رکھے ہیں۔ اور کس قدر ضد، عناد اور تعصب کا شکار ہیں۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس ہفتم

ال عمران ۳

آیت ۲۱ تا ۲۵

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ  
 النَّبِيَّ بَغْيٍ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ  
 بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ②۱  
 أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا  
 وَالْآخِرَةِ وَمَالُهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ②۲ أَلَمْ تَرَ  
 الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى  
 كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ  
 مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ②۳ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ  
 قَالُوا لَن تَسْعَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ  
 وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ②۴  
 فَكَيْفَ إِذَا جُمِعَتْ لَهُمْ لَيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ قُتِلَتْ  
 وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا  
 يُظْلَمُونَ ②۵

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کے ساتھ، اور قتل کرتے  
 ہیں اللہ کے نبیوں کو ناحق۔ اور قتل کرتے ہیں اُن لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں لوگوں  
 کو انصاف کرنے کا لوگوں میں سے۔ پس ایسے لوگوں کو خوشخبری سننا صحیح ہے خدا تعالیٰ  
 کی ②۱ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور  
 اُن کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا ②۲ کیا نہیں دیکھا آپ نے ان



لوگوں کو جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا۔ ان لوگوں کو کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ پھر ان میں سے ایک گروہ منہ پھیرتا ہے۔ اور وہ اعراض کرنے لگے ہوتے ہیں (۲۳) یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے کہا، ہر گز نہ چھوئے گی ہم کو دوزخ کی آگ مگر چند دن گئے ہوسے۔ اور دھوکا دیا ان کو ان کے دین کے بارے میں ان باتوں نے جو وہ افتراء کیا کرتے تھے (۲۴) پس کیسے ہو گا ان کا حال جب ہم ان کو اکٹھا کریں گے اس دن میں کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور پورا پورا دیا جائیگا ہر ایک نفس کو جو اس نے کمایا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا (۲۵)

رَبِّ آيَات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی ہٹ دھرمی کا ذکر کیا تھا۔ کہ اہل کتاب نے دین میں اختلاف

نہیں کیا مگر علم آ جانے کے بعد محض سرکشی، حسد، عناد، اور بغض کی وجہ سے۔ انہوں نے دنیا کے جاہ و مال، ریاست اور اقتدار کی خاطر دین حق کو قبول نہ کیا نیز یہ بھی بیان ہوا کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے گا، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اس کے نیچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ اللہ کے سچے دین کو مان لے، صحیح عقیدہ اختیار کر لے اور خدا تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔

آیات انکار

ان آیات میں بھی اہل کتاب کا ہی ذکر ہے۔ فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ جَمْعٌ لُّوْكَ اللّٰهِ تَعَالٰی کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو تسلیم نہیں کرتے ان کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ اب کفر کی کئی ایک قسمیں ہیں۔ کفر انکار سے بھی ہوتا ہے۔ شک اور تردد سے بھی کفر لازم آتا ہے اور ایک عملی کفر اسی طرح اتفاق کا کفر ہے۔ مگر سب سے بڑا کفر اللہ کی آیات اور اس کے احکام کو تسلیم نہ کرنے کا نام ہے۔ احکام الہی کا منکر مکمل کافر ہو جاتا ہے۔ یہ کفر والی بیماری مشرکین مکہ کے بعد اہل کتاب میں بھی سرایت کر چکی تھی۔ تو اس



آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بیماری کا ذکر فرمایا ہے۔

قل ناحق

اہل کتاب کی دوسری خطرناک بیماری کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا  
وَقَتْلُوا الَّذِينَ بَدَعُوا حَقِّ وَرَدِ اللَّهِ كُفْرًا بِهِ  
کہہ دیتے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے کے یہودی و نصاریٰ کو یہ یاد  
کرایا جا رہا ہے۔ کہ تکفیر آیات اللہ اور قتل انبیاء کی بیماری انہیں اپنے اباؤ اجداد  
سے ورثے میں ملی ہے۔ جس طرح انہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا۔ حضور  
علیہ السلام کے زمانہ کے اہل کتاب بھی اُسی روش پر چل رہے ہیں۔ حضرت  
البر عبیدہ بن جراحؓ سے روایت ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم  
سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن سب سے بڑا مجرم کون ہوگا۔ آپ  
علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سب سے بڑا مجرم وہ ہوگا جس نے قتل نہایت  
جس نے اللہ کے نبی کو قتل کیا اَوْ قَتَلَ نَبِيًّا  
کا نبی قتل کر دے۔ بنی تو معصوم ہوتے ہیں۔ لوگوں کے خیر خواہ اور ہمدرد ہوتے  
ہیں۔ لہذا ایسی ہستی کو قتل کرنا بلاشبہ بہت بڑا جرم ہے۔ دوسری بات  
یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کسی کو ناحق قتل نہیں کرتا۔ اور جس کو نبی قتل کرے  
وہ یقیناً بہت بڑا مجرم ہوگا۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ غرضیکہ نبی  
کا قاتل یا نبی کا مقتول دونوں بڑے مجرموں میں شمار ہوتے ہیں۔ قتل ناحق اس  
قدر بُرے چیز ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبی اکرم  
نے صرف ایک دن میں اللہ کے ۳۴ نبیوں کو قتل کیا۔ وہ لوگوں کو اچھی باتیں  
تھے، بُرائی سے روکتے تھے، مگر وہ مشغول ہو کر انبیاء کو قتل کر دیتے تھے۔  
انبیاء کے قتل کے بعد کچھ نیک لوگ آگے آئے۔ انہوں نے بھی امر بالمعروف  
اور نہی عن المنکر کا کام شروع کیا۔ لوگوں کو طعن ملامت کی کہ تم نے اللہ کے  
نبیوں کو قتل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُن بد نیتوں نے اُسی دن پچھلے پہر ایک بار



یا ایک سو ستر نیک لوگوں کو بھی قتل کر دیا۔ یہ اُن کا ایک دین کا کارنامہ تھا۔ اسی چیز کی طرف اللہ پاک نے اشارہ کیا۔ کہ جو کفر کرتے ہیں۔ اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ وَقَتْلُوا الَّذِينَ يَمْسُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ اور اُن لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے ہیں۔

قِسْط کا لفظ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر آیا ہے۔ اور اس سے مراد عام طور پر انصاف لیا جاتا ہے۔ قُلْ أَمَرَ بِالْقِسْطِ تو کہہ دے کہ میرے رب نے حکم کر دیا، انصاف کا۔ سورۃ الرحمن میں فرمایا وَأَقِمْوْا الْوِزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَخْسِرُوا الْحِيزَانَ یعنی کسی کے تول میں خرابی نہ کرو۔ ناپ تول میں انصاف قائم کرو۔ انصاف کا قیام انسانیت کی بنیادی صفت ہے۔ پہلے آیت گزر چکی ہے قَاءِمْ بِالْقِسْطِ خدا تعالیٰ خود بھی انصاف کرتا ہے۔ اور دوسرے کو بھی انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے بخاری شریف کی روایت میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنِّي حَرَمْتُ ظُلْمًا عَلَى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْتًا حَرَامًا یعنی اے بنی آدم! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے۔ اور تمہارے درمیان بھی ظلم حرام ہے۔ فَلَا تَظْلِمُوا پس ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کے باوجود اہل کتاب کا شیوہ یہ تھا۔ کہ وہ اللہ کے نبیوں کو بھی قتل کرتے تھے۔ اور ان لوگوں کو بھی قتل کرتے جو انصاف کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں خیبر کے یہودیوں نے آپ کے قتل کا قصد کیا۔ آپ کے کھلنے میں نہ ہر ملا دیا گیا۔ مدینہ طیبہ میں بھی بنو نضیر اور بنو قینقاع کی بستی میں آپ کے خلاف سازش کی گئی کہ آپ کو دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اوپر سے پتھر گرا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر آپ کو بذریعہ وحی دی اور آپ وہاں سے چلے گئے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہل کتاب کی یہ خصلت بیان فرمائی۔ کہ وہ اللہ



کے نبیوں اور حق و انصاف کے داعیان کو قتل کرتے ہیں۔  
 قسط اور عدل ہم معنی الفاظ ہیں، جو ظلم کے برعکس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے  
 قرآن پاک میں جگہ جگہ عدل کا حکم دیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْتُمُّ بِالْعَدْلِ  
 وَالْاِحْسَانِ دوسری جگہ فرمایا اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی یعنی  
 اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ کہ عدل کرو جو کہ  
 تقویٰ سے قریب تر ہے۔ عدل کو قسط کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔  
 اس میں عقیدہ بھی داخل ہے۔ یعنی ایمان اور توحید پر قائم رہو۔ عدل کا  
 لفظ کفر اور مشرک کے اُلٹ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے  
 عقیدے کو پاک رکھو۔ آپس میں ایک دوسرے کی جان و مال عزت و اہمیت  
 کا خیال رکھو۔ یہ سب قسط میں داخل ہے۔

فرمایا انبیاء کے قاتلوں اور حق و انصاف کے دشمنوں کے متعلق عذاب الیم  
 حکم یہ ہے۔ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ انہیں دردناک عذاب  
 کی خوشخبری سنا دیجئے، یہاں پر خوشخبری کا لفظ تحکم کے طور پر آیا ہے مقصد یہ ہے  
 کہ ایسے لوگوں پر واضح کر دیجئے کہ تمہارا انجام دنیا میں بھی بُرا ہوگا۔ ایسے لوگ دنیا میں  
 گھاس پھوس کی طرح کاٹ لیے جاتے ہیں۔ ظالم سمجھتا ہے کہ وہ نسلاً بعد  
 نسل دنیا میں قائم ہے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیتا ہے  
 نذیر کا واقعہ آپ کے سامنے ہے۔ وہ خاندانِ سادات کا مکمل خاتمہ  
 چاہتا تھا۔ صرف ایک فرد بنیاد ہو جانے کی وجہ سے بچ گیا۔ ورنہ وہ بھی  
 تلوار کی زد میں تھا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس ایک فرد سے  
 اہم حسینؑ کی نسل کو کس طرح چلایا۔ آج جگہ جگہ حسینی موجود ہیں برخلاف اس  
 کے نذیر کے پندرہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ امام ابن کثیرؒ نے البدایہ والنہایہ  
 میں لکھا ہے کہ ان میں سے ایک بھی زندہ نہ رہا۔ آگے کوئی نسل نہ چل سکی۔  
 خود بائبل میں لکھا ہے کہ اہل بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنا چاہتے



تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! لوگ تجھے مٹانا چاہتے ہیں۔ مگر میں تیری اولاد کو ریت کے ذرات سے زیادہ پھیلاؤں گا۔ ظالم کچھ چاہتا ہے مگر اللہ کی مشیت کچھ اور ہوتی ہے۔ اسی لیے فرمایا ظالموں کی سزا دردناک عذاب ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ان کے اعمال دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر ضائع ہو گئے۔ دنیا میں کفر و شرک اور ظلم و عدوان کی بنا پر ان کی نیکی ضائع ہو گئی اور آخرت میں بھی کوئی ثمرہ نہیں ملے گا۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ۔ ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا۔ اللہ نے تنبیہ فرمائی کہ ایسے لوگ دنیا و آخرت میں بے یار و مددگار رہ جائیں گے۔

دعوت  
الی الکتاب

ال کتاب کو ان کی خرابیوں کی وجہ سے تنبیہ کرنے کے بعد ان کی ایک اور بُری خصلت کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہ جب انہیں برائیوں سے روک کر کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے، تو وہ خود اپنی کتاب سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور اس کے احکام ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ أَلَمْ نَسِرَّ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے۔ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے، مگر وہ اس دعوت کو قبول کرنے کی بجائے ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ان میں سے ایک گروہ ردِ گمراہی کرتا ہے وَهُمْ مُّعْرِضُونَ اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے دعوت الی الکتاب کو مستبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ وہ لوگ مکمل تورات و انجیل کے حاملین ہونے کے دعویدار تھے۔ مگر یہاں پر نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ یعنی کتاب کا کچھ حصہ فرمایا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان بد بختوں کا پوری کتاب پر



ایمان ہی نہیں تھا، تو رات و انجیل کا کچھ حصہ تو انہوں نے خود ہی ضائع کر دیا۔  
 کچھ میں تحریف کردی تھی اور بقیہ کچھ حصہ موجود تھا اگر اس پر بھی ایمان لے آتے  
 تو ہدایت پا جاتے۔ تو رات و انجیل میں حضور علیہ السلام کی آمد اور آپ کی بعض  
 نشانیاں موجود تھیں۔ اگر وہ لوگ انہی پر ایمان لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا  
 بنی مان لیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا۔ مگر وہ ضد اور عناد کی وجہ سے ایمان سے محروم ہے  
 انجیل کے متعلق خود پادریوں نے تسلیم کیا کہ اس میں تین ہزار غلطیاں ہیں۔ جو  
 لوگوں نے شامل کر دی ہیں۔ اصل کتاب تو عبرانی یا سریانی زبان میں نازل ہوئی تھی  
 مگر اب دنیا میں اصل نسخہ کہیں نہیں ملتا۔ اس کی بجائے اب بائبل میں چار  
 انجیلیں موجود ہیں۔ ہر ایک میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یوحنا کچھ کہتا ہے ہرقس  
 کا مضمون کچھ اور ہے، ممتی کی اپنی الگ راہ گنی ہے اور لوقا کچھ اور بتاتا ہے  
 ان کے علاوہ پانچویں انجیل برنباس بھی ہے بلکہ مجموعی طور پر تو ایک سو بیس انجیلوں  
 کی نشاندہی ملتی ہے۔ مگر ان کا اکثر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ کچھ محفوظ اب است  
 اصل حصہ موجود ہے جس کے متعلق فرمایا کہ اگر اس پر بھی ایمان لے آتے تو  
 راہ راست کو پا لیتے۔ کتاب اللہ سے مراد قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے۔ اگر  
 اس آخری آسمانی کتاب کو ہی تسلیم کر لیں تو سارا مسئلہ حل ہو جائے۔ مگر یہ بد بخت  
 لوگ کسی چیز کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

بعض مفسرین کا یہ فرماتے ہیں کہ کتاب کے کچھ حصے سے مراد فہم القرآن  
 بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ معنی لیا جائے تو مقصد یہ ہو گا کہ وہ لوگ جنہیں کتاب اللہ  
 کا کچھ فہم عطا کیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے کہ کسی کو دین کی  
 سمجھ عطا کرے۔ یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے، حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ  
 حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم آنے عام مسلمانوں کے علاوہ ہمیں کوئی خاص  
 چیز عنایت نہیں کی۔ سوائے اس کے کہ سفر پر جاتے ہوئے چند احکام آپ  
 نے دیے تھے۔ وہ تحریری صورت میں میری تلوار کی میان میں رکھے ہوئے ہیں



یہ چند مسائل ہیں جن میں دیت کا مسئلہ اور قیدیوں کو چھڑانے سے متعلق چند احکام ہیں۔ فرمایا البتہ ایک چیز مجھے خاص طور پر دی گئی ہے۔ وَأَوْفَتْ فَهَمَّا يَعْنِي قُرْآنَ كِي سَمِجْ عَطَا كِي گئی ہے۔ جو کہ ایک نعمت عظمیٰ ہے، اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی خاص چیز نہیں دی گئی۔ اس مقام پر شیعوہ حضرات کے اُن عقائد کی نفی ہوتی ہے۔ کہ حضرت علیؑ کو قرآن پاک کے دس پائے علیحدہ دیے گئے۔ یا کوئی راز کی بات بتلائی گئی جو باقی مسلمانوں کو معلوم نہیں یہ سب غلط ہے۔ یہ حال حاصل کلام یہ ہے۔ کہ اس آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے جن لوگوں کو کتاب کا فہم عطا کیا ہے۔ تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں، پھر ان میں سے ایک گروہ روگردانی کرتا ہے اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہی ان کے نصیب میں ہے۔

فرمایا کتاب اللہ سے اعراض کی وجہ شفاعت سے متعلق ان کا باطل عقیدہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ نَمُوتَ النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ مگر چند دین کے لیے یہودیوں میں یہ باطل عقیدہ راسخ ہو چکا تھا کہ وہ صرف اتنے ہی دین کے لیے دوزخ میں جائیں گے، جتنے دین ان کے آباد اجداد نے چھڑے کی پوجا کی تھی۔ اس کے بعد ہمارے بڑے ہمیں چھڑالائیں گے۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے کنائے پر کھڑے ہوں گے۔ اور جو بھی جتنے والا اسرائیلی ہو گا اُسے جہنم میں نہیں گھمنے دیں گے۔ اُسے پکڑ کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ یہ جبری شفاعت والا عقیدہ ہے۔ کہ ہمارے بنی ہمیں زبردستی خدا تعالیٰ کی گرفت سے چھڑالیں گے۔ یہ تو یہودیوں کا عقیدہ ہے۔ اور نصاریٰ کا باطل عقیدہ یہ ہے کہ ہم جو چاہے کرتے پھرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہماری طرف سے صلیب پر



لٹک کر کفارہ ادا کر دیا ہے۔ ہمیں اب کوئی پروا نہیں۔ یہ تو عقل کے بھی خلاف ہے۔ کہ جرم کوئی کرے اور سزا کوئی دوسرا بھگتے۔ یہ تو ممکن ہی نہیں اصل بات یہ ہے۔ کہ جو کوئی کریگا، وہی بھرے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین میں تو یہ قطعی واضح مسئلہ ہے کہ لَا تَزِدُ وَازِرَةً وَزَرَ اخْرَی کسی ایک کا بار دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ گنہگار اپنے گناہ کی سزا خود بھگتے گا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی بھی ہے۔ لَا تَجْنِ عَلَیْهِ وَلَا یَجْنِ عَلَیْكَ جس کا گناہ ہوگا اسی کی گمہ دن پہ پڑے گا۔ ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

افترار  
فی الدین

اہل کتاب کے باطل عقیدے اس بات کی غمازی کرتے ہیں۔  
وَعَنَهُمْ فِی دِیْنِهِمْ مَّا کَانُوا یَفْتَرُونَ کہ ان کے  
افترار نے اُن کے دین میں انہیں دھوکا دیا۔ افترار سے مراد وہ باطل عقائد  
ہیں۔ جو انہوں نے خود بخود گھڑ لیے تھے۔ جیسے اہلیت کا عقیدہ، شرک کا  
عقیدہ، جبری سفارش کا عقیدہ یا کفائے کا عقیدہ وغیرہ یہ سب افترار میں  
داخل ہیں۔ اسی طرح صرف چالیس روز تک دوزخ میں رہ کر نکل آنے  
کا عقیدہ بھی یہودیوں کا افترار تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسی افترار نے  
انہیں دھوکا میں رکھا اور وہ اپنی آخرت برباد کر بیٹھے۔

افترار کی بیماری اب مسلمانوں میں بھی سراپت کر چکی ہے۔ اس زمانے  
میں جس قدر بدعات ہیں سب افترار میں داخل ہیں۔ قبر پرستی، چڑھائے  
چڑھانا، عرس منانا، مرنے کا تیسرا، ساٹواں اور چالیسواں گنا سب دین میں گھڑی  
ہوئی باتیں ہیں۔ جن کی کوئی اصل نہیں۔ اسی طرح گیارہویں کا التزام، قوالی،  
خواجہ فرید الدین کے دروازے سے ہر سال گزرنے کا کیا ہے؟ کیا اللہ اور اس  
کے رسول نے ایسے کاموں کا حکم دیا ہے؟ ہر گز نہیں۔ یہی تو افترار فی الدین  
ہے۔ مگر آج کا مسلمان انہیں کار ثواب سمجھ کر کر رہا ہے۔ بھائی اگر مڑوں



کو ایصالِ ثواب مقصود ہے، تو سلف صالحین کا طریقہ اختیار کرو۔ دعا اور استغفار کرو۔ صدقہ و خیرات کرو، نہ کہ بدعا ایجاد کرو۔

فرمایا فَكَيْفَ إِذَا جُمِعْتُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ایسے لوگوں کا اُس دن کیا حال ہوگا، جب ہم انہیں قیامت کے دن اکٹھا کریں گے اور اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ وہ ضرور آئے گا وَوَفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اُس دن ہر نفس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اُس نے کمایا۔ ہر نیکی اور ہر بُرائی اس دن سامنے آئے گی۔ دوسرے مقام پر فرمایا قَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ جِس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اُسے دیکھ لے گا۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ اور جس نے ذرہ برابر بُرائی کی ہوگی، وہ اُسے بھی پایگا۔ خدا کے علم میں ذرہ ذرہ محفوظ ہے۔ وہ مقررہ دن پر سب کو پورا پورا بدلہ دیگا۔ وَمَنْ لَا يَظْلِمُونَ اس روز کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوگی۔ اہل کتاب کو تنبیہ کی جا رہی ہے۔ کہ تمہارے باطل عقائد اور باطل اعمال کا ریکارڈ اللہ کے ہاں محفوظ ہے۔ اس کا بدلہ تمہیں بہر حال چکھنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہ سکتے کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکیگی۔ اور یہ تمہارے اپنے اعمال کا یہی نتیجہ ہوگا۔ تم پر ظلم نہیں ہوگا۔



الِ عَمَّكَ ۳

آیت ۲۶ تا ۲۷

تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

در سن ششم ۸

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ  
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ  
وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ  
شَيْءٍ قَدِيرٌ ۳۶ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ  
النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ  
تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ  
حِسَابٍ ۳۷

ترجمہ: اے پیغمبر! (آپ اپنی دُعا میں اس طرح کہیں، اے اللہ! جو بادشاہی  
کا مالک ہے۔ تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے۔ اور جس سے چاہے بادشاہی  
چھین لیتا ہے۔ اور تو جس کو چاہے عزت دیتا ہے۔ اور جس کو چاہے ذلیل  
کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ بیشک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے  
والا ہے ۳۶) تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے  
دن کو رات میں۔ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو  
زندہ سے۔ اور تو روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ ۳۷)

آج کی آیات کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ ربطِ آیات  
کہ یہ آیات نجران کے وفد کے باطل زعم کے جواب میں نازل ہوئیں۔  
نجران کے عیسائی خوب جانتے تھے کہ آپ وہی پیغمبر آخر الزماں ہیں  
جن کی آمد کی پیش گوئیاں اور جن کی نشانیاں ان کی کتابوں میں موجود ہیں مگر  
وہ محض اس لیے آپ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ کہ شاہِ روم







ملوک تو عارضی مالک ہیں۔ ان کی ملکیت تو چند روزہ ہے۔ اصلی اور دائمی مالک تو وہی خداوند قدوس ہے۔ تیری یہ خاص صفت ہے کہ تُوَتِی الْمُلُکَ مَن تَشَاءُ اور بادشاہی جس کو چاہے عطا کرتا ہے کیونکہ یہ صرف تیرے اختیار میں ہے۔ یہ بادشاہت تو اپنے خاص بندوں کے علاوہ آزمائش کے لیے بعض اوقات بڑے بڑے مجرموں اور نافرمانوں کو بھی دے دیتا ہے گزشتہ سورۃ میں غزوہ کا واقعہ گزر چکا ہے۔ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ جھگڑا کیا تھا۔ اُس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّ التَّائِبَ اِلَی اللّٰهِ الْمُلُکَ اللّٰہُ نے اُس کو بہت بڑی سلطنت دے رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ شکر گزار بندہ بننے کی بجائے مغرور ہو گیا تھا۔ فرعون نے بھی یہی کہا تھا اَلَيْسَ لِيْ مَلِكٌ مِّصْرَی کی حکومت میری ہے۔ دیکھ لو۔ میرے حکم سے نہریں چل رہی ہیں۔ دیم بنے ہوئے ہیں۔ جن سے آبپاشی ہوتی ہے۔ خزانے بھر پور ہیں۔ طاقتور فرج موجود ہے۔ میرے سوا اور کون ہے مقصد یہ کہ بعض اوقات اللہ اپنے نافرمانوں کو بھی حکومت کی چابیاں دے دیتا ہے اور وہ محض آزمائش ہوتی ہے۔ پھر جب اُس کا وقت پورا ہو جاتا ہے۔ وَتَنْزِعُ الْمُلُکَ مِمَّنْ تَشَاءُ اور تو جس سے چاہے بادشاہی چھین لیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے۔ کہ ایک وقت آیا جب اللہ تعالیٰ نے رومیوں اور ایرانیوں سے سلطنت چھین کر مسلمانوں کے حوالے کر دی۔ اور یہ سب کچھ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہوا۔

غزوہ خندق شہر میں واقع ہوا۔ کفار کے مدینہ پر حملہ آور ہونے کی خبر پہنچی۔ تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو مشورہ کے لیے طلب فرمایا چنانچہ فیصلہ ہوا۔ کہ مدینے کے اندر رہ کر دفاع کیا جائے۔ شہر کی حفاظت کے لیے اس کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ ہوا۔ کسی میل لمبے خندق کو اپنے دس دس صحابہؓ کے حصہ میں چالینس چالینس گز کا ٹکڑا تقسیم کر دیا



پتھر لی زمین میں خندق کھودنا بڑے جان جو کھول کا کام تھا۔ گرمی کے موسم میں  
 فاقہ زدہ صحابہؓ نے یہ کھٹن کام چھ دن میں مکمل کر لیا حضور علیہ السلام خود صحابہؓ کے  
 ساتھ شریک کار ہے۔ دوران کھودائی ایک بڑی چٹان حائل ہو گئی جو صحابہؓ سے  
 ٹوٹی نہیں تھی۔ حضرت سلمانؓ کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ  
 وسلم تشریف لائے۔ اللہ کا نام لے کر اپنے ہاتھ سے کدال مارا۔ آگ کے  
 شعلے نکلے اور چٹان پارہ پارہ ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا اس روشنی میں اللہ نے  
 مجھے ایران کے محلات دکھلائے ہیں۔ آپؐ نے دوسری دفعہ کدال مارا۔ پھر  
 شعلے بلند ہوئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا، اللہ نے مجھے رومیوں کے محلات  
 بھی دکھائیے۔ تیسری دفعہ کدال مارا تو فرمایا، اللہ نے مجھے صنعا کے محلات دکھائے  
 ہیں۔ اس کے بعد جبرائیل علیہ السلام نے آکر بشارت سنائی کہ یہ تمام مقامات  
 بہت تھوڑے عرصے میں آپؐ کے زیرِ نگیں آجائیں گے۔ صحابہ کرام رضوان  
 اللہ علیہم اجمعین بڑے خوش ہوئے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ  
 علیہ وسلم کا کلام برحق ہے۔ مگر مدینہ کے منافقین نے تمسخر شروع کر دیا۔  
 کہنے لگے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ باہر رفع حاجت کئے جانے سے عاجز آچکے  
 ہیں۔ مگر روم و شام کے محلات کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ مگر دنیا نے  
 دیکھا ۱۸-۱۹ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد ہی  
 شام، ایران اور صنعا وغیرہ زیرِ نگیں آگئے۔ مقصد یہ کہ وہ مالک الملک جس کو  
 چاہتا ہے ملک عطا کرے۔ اور جس سے چاہتا ہے، چھین لیتا ہے۔  
 عرب تو سارے کا سارا حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی  
 اسلام میں داخل ہو چکا تھا۔ تاہم عرب، ترک اور افغان تو ہیں مجموعی طور پر اسلام  
 میں داخل ہوئے۔ بڑے عرصہ تک اسلام کی نعمت سے محروم ہے۔ مگر جب  
 قریب آئے تو ایک دن میں چار لاکھ ترک مسلمان ہو گئے۔ افغان قوم حضرت  
 عثمانؓ کے زمانے یا کچھ عرصہ بعد پوری کی پوری اسلام میں داخل ہوئی۔



حضرت انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں۔ کہ عرب تو قومی طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے، اس لیے دعا کا آغاز اس طرح ہو رہا ہے۔ کہ اے اللہ! تو جسے چاہے سلطنت عطا کرتا ہے۔ اور جس سے چاہے چھین لیتا ہے۔ دعا اس انداز میں سکھائی گئی ہے۔ کہ اے اللہ! ان ظالموں سے حکومت چھین لے جو انسانیت کے دشمن ہیں اور جو دنیا میں نا انصافی کو ترقی دے رہے۔ مولا کریم! ہم اس وقت عدل و انصاف کے علمبردار ہیں اور اس نظام کو پوری دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ہی توحید خداوندی کے داعی ہیں۔ شَہِدَ اللہُ اَنَّهُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ کے پیروکار ہم ہیں اور اَسْلَمُوا کے مصداق بھی ہم ہی ہیں۔ لہذا اب حکومت اور دنیا کی راہنمائی ہمارے سپرد کر دے۔ ہم قَاتِلِمْ بِالْقِسْطِ پر پورے اُتریں گے۔ دنیا میں انصاف قائم کریں گے خود حضور علیہ السلام دشمن سے جنگ کرتے وقت یوں دعا کرتے۔

غلبہ اسلام  
کیے یہ دعا

اللّٰهُمَّ مُجِرِّی السَّحَابِ  
وَمُنْزِلَ الْکِتَابِ وَهَازِمَ  
الْاَحْزَابِ اَعِزِّمْهُمْ  
وَانصُرْ نَا عَلَیْهِمْ  
اے اللہ! تو جو بادلوں کو چلانے والا ہے  
اور کتاب کو اتارنے والا ہے۔ اور جو باطل  
قوتوں کو شکست دینے والا ہے اب ان  
کو شکست دے اور ہمیں ان پر نصرت  
عطا فرما۔

مسلمانوں نے دنیا میں عدل و انصاف قائم کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں غلبہ عطا کیا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر پچاس سال کے عرصہ میں آدھی دنیا پر مسلمانوں کو تسلط حاصل ہو چکا تھا۔ حالانکہ قوموں کی زندگی میں پچاس سال کے عرصہ کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کی یہ رواں دواں ترقی جنگ صفین پر آ کر رک گئی جب حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان تنازعہ پیدا ہوا۔ اور صفین کے مقام پر آپس میں لڑائی



ہوئی۔ اسلام کی صداقت تو ہمیشہ قائم رہی۔ دین اپنے برہان اور حجت کے ساتھ تو ہمیشہ غالب رہا مگر پچاس سال کے قلیل عرصہ میں اللہ تعالیٰ نے پورے عکس طور پر بھی دنیا کے وسیع خطے پر نڈیہ عطا کیا۔

امام ابو بکر جصاصؒ متوفی ۳۷۰ھ قرآن پاک کے عظیم مفسر ہوئے ہیں انہوں نے "احکام القرآن" کے نام سے صرف فقہی مسائل کی حد تک قرآن پاک کی تفسیر پیش کی ہے۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام ابو بکر جصاصؒ کی تفسیر اور حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حجتہ اللہ البالغہ ایسی کتب ہیں جنکی مثال گزشتہ بارہ صدیوں میں نہیں ملتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اسلام کا فلسفہ اور نظام سمجھایا ہے۔ اور امام ابو بکرؒ نے قرآن پاک کی بہت بڑی تفسیر لکھی ہے۔ آپ مسلک احنفی تھے۔ آپ دو واسطوں سے امام محمدؒ کے شاگرد بنے ہیں اور تین واسطوں سے امام ابو حنیفہؒ سے سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ امام ابو بکر جصاصؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ سلطنت عطا کرنے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے انصاف قائم کرنے والوں کے ساتھ کیا ہے، کافر، مشرک، اور ظالم شخص امت کی راہنمائی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کافر اس کا اہل نہیں اور فاسق اس کا پابند نہیں۔ ایسے لوگوں سے حق و انصاف کی بجائے ملوکیت، شہنشاہیت، ڈکٹیٹر شپ اور ظلم و جور کی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ امت کی راہنمائی کے لیے ایماندار اور عادل لوگوں کی ضرورت ہے۔ شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ ایران کے کسری وغیرہ اور ان کے حواری عام لوگوں سے بیل اور گدھے کی طرح مشقت لیتے تھے اور انہیں اپنی فلاح و بہبود یا آخرت کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہ دیتے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی مشیت اسی میں بھنی کہ اس ظالمانہ نظام کو ختم کیا جائے اور بنی آخر الزمان کو مبعوث کیا جائے جو اسلام کا عادلانہ، توحید اور اطاعت پر مبنی نظام قائم کرے۔ چنانچہ جب تک مسلمان ان اصولوں پر قائم رہے۔ کوئی دوسری قوم ان کے مقابلے پر نہیں



آئی اور ساڑھے چھ سو سال تک مسلمان دنیا میں غالب رہے۔ پھر جب خود انہوں نے مجموعی طور پر اس نظام سے رد گردانی کر لی۔ تو انہی حالت بگڑنا شروع ہو گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دوسری قومیں ان کے مقابلہ میں کھڑی ہو گئیں۔

اے مالک الملک! حقیقی مالک تو ہی ہے۔ وَتَعِزُّ مَنْ عزت اور ذلت تَشَاءُ تو جسے چاہے عزت دیتا ہے۔ تو نے ہی اہل اسلام کو عزت بخشی۔ ایمان کی دولت دی۔ نیکی کا راستہ دکھایا۔ پیغمبر علیہ السلام کے اتباع کی توفیق بخشی اور پھر ظاہری اقتدار بھی عنایت کیا۔ وَنُذِرُ مَنْ تو جس کو چاہے ذلیل کر دیتا ہے۔ یہ بھی تیری ہی صفت ہے، کفر، شرک، نفاق، نافرمانی، بدعت سب ذلت کی چیزیں ہیں۔ جب اللہ کی طرف سے آزمائش آتی ہے تو لوگ سیدھے راستے سے بھٹک کر ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دعا کیا کہ تَسْتَعِزُّنَا اللَّهُمَّ اَنْقَلَبْنَا مِنْ ذُلِّ الْمُعْصِيَةِ اِلَى عِزِّ الطَّاعَةِ یعنی اے اللہ! ہمیں معصیت کی ذلت سے اٹھا کر اطاعت کی عزت میں پہنچا دے۔ بزرگان دین کا یہ بھی مقولہ ہے۔ مَنْ يَعِصِ اللَّهَ فَهُوَ السَّافِلُ یعنی کمنہ سفلہ کسی ذات یا خاندان سے نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر وہ شخص ذلیل ہے جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے۔

فرمایا يَا سَيِّدُ الْخَيْرِ مولا کریم! تیرے ہاتھ میں خیر ہے۔ مفسرین کرام فرماتے کہ جہاں خیر اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ وہاں شر بھی اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ وہ بھی اُسی کی پیدا کردہ ہے۔ مگر یہاں پر صرف خیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرو، شر کا یہاں ذکر نہیں۔ یہاں پر ایک اور مسئلہ بھی سمجھ لیا جائے۔ کہ جو چیز واقع میں شر نظر آتی ہے۔ وہ شر محض نہیں ہوتی۔ بلکہ شر اضافی ہوتی ہے۔ کیونکہ شر میں کسی نہ کسی طریقے سے فائدہ بھی ہوتا ہے۔ لہذا خالق



ہونے کے لحاظ سے دونوں چیزوں کا خالق وہی ہے۔ جیسے فرمایا جَعَلَ  
الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ یعنی اندھیرا اور روشنی اُس نے پیدا فرمائے۔ مجوسیوں  
کا یہ عقیدہ کہ خیر اور شر کا خالق علیحدہ علیحدہ ہے، سراسر باطل ہے۔ یہ تو ثنویت  
ہے جو سراسر شرک ہے۔ فرمایا اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ تو ہی ہر چیز پر  
قادر ہے۔ یہ تمام تغیرات اور تمام تقلبات تیرے ہی دستِ قدرت  
میں ہیں۔

دن اور رات

تَوَلَّجَ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں و تَوَلَّجَ  
النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں۔ یعنی شب و روز  
کو چھوٹا بڑا کرتا ہے۔ کبھی رات بڑی ہوتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا ہے۔  
اور کبھی دن لمبا ہوتا ہے اور رات مختصر ہوتی ہے۔ موسموں کے تغیر و تبدل  
میں یہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور  
دن کو پٹیاں دنیا اُسی ذات کا کام ہے۔ جب تک اس کو منظور ہے  
لیل و نہار کا یہ نظام چلتا ہے گا رات اور دن کی تشبیہ مصائب اور آسائش  
سے بھی ہو سکتی ہے۔ مَصَابِئُ عِنْدَ قَوْمٍ فَوَائِدٌ لِّعَيْنِ أَكْبَرٍ قوم کے مصائب  
آلام دوسری قوم کے لیے عیش و راحت کا سامان بن جاتے ہیں۔ جیسے روم  
اور ایران کے کفار کی شکست مسلمانوں کے لیے خوشی کا مقام تھا۔

وَنُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے  
جس طرح گھٹلی سے انا بڑا درخت پیدا کر دینا۔ اندھ مردہ ہے اُس سے  
زندہ بچہ پیدا کر دینا۔ بے جان قطرہ آب سے زندہ انسان کو پیدا کر دینا اور  
کافر سے مومن کی تخلیق کرنا سب کچھ تیرے ہی اختیار میں ہے۔ وَنُخْرِجُ  
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور تو چاہے تو مردہ کو زندہ سے نکال دے۔ جیسے  
زندہ جانور سے مردہ انا بڑا پید ہونا۔ نیکو کار بلکہ پیغمبر جیسی عظیم الشان ہستی  
سے کافر اور ناہنجار اولاد کا پیدا ہونا ظاہر ہے۔ اے اللہ! یہ تغیرات اور



تصرفات سب تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تو ہی ہر چیز کا مالک ہے۔

رزق ربانی

وَقَدْ رَزَقَ مَنْ مَشَاءُ وَبِغَيْرِ حِسَابٍ تو روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے۔ بعض کو آسانی کے ساتھ رزق پہنچاتا ہے۔ کہ انہیں کوئی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی اور ملتی بھی اتنی زیادہ ہے جو شمار سے باہر ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا "هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ" یہ سلطنت اور ہر چیز ہماری عطا کردہ ہے جس کو چاہو دے دو اور چاہو تو روک لو۔ یہ بغیر حساب کے ہے۔ آپ سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ کوئی مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ ہماری بخشش ہے اور آپ کو اختیار بھی دے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی رعایت فرمائی۔ مگر دوسری جگہ یہ بھی فرمایا "لَمْ يَخْشَ فِئْتَانِ مِنْ دُنَىٰ آلِهَةٍ وَلَا مِنَ النَّاسِ مَا مَلَأَهُ كِبَرًا" جسکی چاہے روزی تنگ کر دے۔ ساری دنیا کے ملوک چاہیں تو کسی کو ایک دانہ گندم کا نہ دے۔ اسکی مصلحت کو اس کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اسی لیے دعا کے انداز میں فرمایا۔ اے مولا! تو جسے چاہے روزی عطا کرتا ہے بغیر حساب کے یعنی بے حد و بے شمار۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس نہم ۹

الْاِمْسْرَانِ ۳

آیت ۲۸ تا ۳۰

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ  
 الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي  
 شَيْءٍ ۚ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۚ وَيُحَذِّرُكُمُ  
 اللَّهُ نَفْسَهُ ۚ وَاللَّهُ الْبَصِيرُ ۚ (۲۸) قُلْ إِنْ تُحِبُّوا  
 مَا فِي صُدُورِكُمْ ۖ أَوْثَبُودُوهُ يَعْلَمُ مَا فِي  
 السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ عَلَى  
 كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ (۲۹) يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا  
 عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ  
 سُوءٍ ۖ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ۚ  
 وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ۚ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۚ (۳۰)

وَمَا تَقْوَا

لَا يَمْلِكُونَ

ترجمہ: یہ مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں سوائے مومنوں کے۔ اور جو شخص  
 ایسا کرے گا۔ پس نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی چیز میں بھگت کہ تم  
 ان کافروں سے بچاؤ اختیار کرو۔ اور ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اپنے آپ سے  
 اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے (۲۸) اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ  
 دیجئے اگر تم چھپاؤ اس چیز کو جو تمہارے سینوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو۔  
 (مہر حال میں) اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور  
 زمین میں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے (۲۹) جس دن  
 حاضر پائے گا اپنے سامنے ہر ایک نفس جو کچھ اس نے عمل کیا ہے نیکی سے



اور جو اُس نے بُرائی کی ہے۔ اس کو بھی اپنے سامنے حاضر پائیگا۔ پس نہ کرے گا کاش اس کے اور بُرائی کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ تم کو ڈراتا ہے اپنے آپ سے۔ اور اللہ تعالیٰ شفقت کرنے والا ہے بندوں کے ساتھ (۳۰)

گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے دُعا کے رنگ میں فرمایا کہ تمام چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے۔ سلطنت کا قبضہ اور اختیار بھی اُسی کے پاس ہے۔ عزت اور ذلت اسی کے اختیار میں ہے۔ قدرتِ کاملہ کا مالک بھی وہی ہے۔ وہ جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ اختیارات، تصرفات اور تقلبات سب اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس جماعت کی دعوت یہ ہو، انسان کو اس کا ساتھ دینا چاہیے۔ اور اُسی گمروہ میں شامل رہنا چاہیے۔ اور وہ گمروہ ہے حضور خاتم النبیین علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کا۔ یہ جماعت دینی بھی ہے اور سیاسی بھی۔ ان کا عقیدہ وہ ہے جو بیان ہو چکا۔ اب جو لوگ اس عقیدے کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اُن کی جماعت میں شامل ہونا کسی طرح روا نہیں۔

اب اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے خطاب فرماتا ہے ہیں لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وہ مومن لوگ مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ کیونکہ کافروں کا پرہیزگار قرآن پاک کے خلاف ہے۔ وہ تو کفر کو غالب دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ اللہ نے ان کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ان میں یہود، نصاریٰ، مشرک، منافق سب شامل ہیں۔ کسی کے ساتھ دوستانہ جائز نہیں۔ اگر قیامت ہو سکتی ہے تو صرف مسلمانوں کے ساتھ جن کا مرکزی عقیدہ اور نقطہ نگاہ ایک ہے، پرہیزگار اور منزل مقصود ایک ہے۔ اس لیے اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ کافروں کی بجائے مومنوں سے دوستی کریں۔ فرمایا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ



جو کافروں سے دوستی کر لیا فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ وہ اللہ کے سامنے  
 کسی چیز میں نہیں ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا دین اور مذہب  
 ہرگز قابل اعتبار نہیں۔ ہاں ایک صورت میں روا ہے۔ اَلَا اَنْ تَتَّقُوا  
 مِنْهُمْ تَقَاتٌ کہ تم کافروں سے بچاؤ اختیار کرنے پر مجبور ہو جاؤ۔ ایسی صورت  
 میں تم ظاہری طور پر ان سے دوستی کا اظہار کر سکتے ہو، کیونکہ اضطراری حالت  
 میں تو مردار بھی کھایا جاسکتا ہے۔ ایسی حالت میں اجازت ہے، اضطراری حالت  
 کا مطلب یہ ہے کہ انسان بھوک میں مبتلا ہے۔ اور کوئی حلال چیز میسر نہیں۔ تو اس  
 وقت مردار، خنزیر کا گوشت یا شراب وغیرہ جو کچھ میسر ہو، اس قدر استعمال  
 کر سکتا ہے۔ جس سے جان بچ جائے۔ پیٹ بھرنے یا لطف اندوز ہونے  
 کی اجازت نہیں۔ اسی طرح اگر کسی وقت کافروں کو غلبہ حاصل ہو اور ان کے  
 شر سے بچنے کے لیے دوستی کا اظہار کر دیا جائے تو کوئی گرفت نہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراما ہے  
 کہیں اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کر بیٹھنا، ورنہ پھڑے جاؤ گے۔ کیونکہ  
 وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمُصِیْبُ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ایک ایک  
 چیز کا حساب لے لے گا۔

دوستی کی  
 تین قسم  
 حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ اپنی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔ کہ دوستی  
 کی تین اقسام ہیں۔ اول موالات جس میں دلی تعلق، لگاؤ اور محبت پائی جائے اور  
 یہ اعلیٰ درجے کی دوستی ہے۔ دوسری قسم مدارات ہے۔ جس میں دلی تعلق  
 تو نہیں ہوتا، تاہم فریقین، خوش اخلاقی سے پیش آتے ہیں۔ دوستی کی تیسری  
 قسم مواسات ہے، جس کی اساس ہمدردی اور غمخواری پر ہوتی ہے۔ ایسی  
 دوستی کے حامل دوست کو نفع پہنچانا چاہتے ہیں۔ اور کسی پر احسان کرنا  
 پسند کرتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ پہلی قسم یعنی موالات کسی بھی صورت میں کافر



سے روانہ ہیں۔ درلی لگاؤ اور محبت نہ یہودیوں سے ہو سکتی ہے۔ نہ نصرانیوں سے، نہ مجوسیوں سے، نہ ہنود سے اور نہ ہی مشرکین سے۔ اگر کوئی مومن اس قسم کی دوستی غیر مسلم سے کرے گا، تو اپنے دین کے زوال کا باعث بنے گا حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ کوئی شخص جس کسی کے ساتھ دوستی روارکھتا ہے وہ اُسی کے دین کی طرف ڈھل جاتا ہے۔ لہذا اس ضمن میں سخت احتیاط کی ضرورت ہے۔ جہاں تک مدارات یعنی خوش اخلاقی کا تعلق ہے۔ اس کی اجازت ہے بشرطیکہ ضرر سے بچنا مقصود ہو۔ غیر مسلموں کا غلبہ ہو تو ان کی ایذا سے بچنے کے لیے ظاہری طور پر خوش اخلاقی سے پیش آ سکتے ہیں۔ اس میں خاص طور پر دیکھا جائے گا کہ ناخوش اخلاقی کی وجہ سے ضرر پہنچنے کا خطرہ بدرجہ اتم موجود ہو، محض وہم کی بنا پر مدارات درست نہیں۔

یاد رہے کہ مدارات اور شیعوں کے تقیہ میں بڑا فرق ہے۔ ان کے نزدیک تسعة أعشار دین فی التقیة یعنی نو حصے دین تقیہ میں ہے۔ اور باقی ایک حصہ ظاہر ہے۔ وہ تو ہر حالت میں تقیہ کے قائل ہیں۔ وہ دین کو دوسروں کے سامنے چھپاتے ہیں۔ جو کہ غلط عقیدہ ہے۔ اور ایک قسم کا نفاق ہے۔

مدارات کی دوسری صورت یہ ہے کہ کافر کے فائدے کے پیش نظر اُس سے خوش اخلاقی سے پیش آئیں۔ مومن سمجھتا ہے کہ اگر کافر کے ساتھ حسن سلوک اور خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا جائے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے مدارات کی یہ صورت بھی جائز ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس ایک برہمن آکر بیٹھا کرتا تھا۔ آپ طلباء کو پڑھاتے اور وہ بیٹھ کر سنتا رہتا۔ آپ اُس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ جب آپ کا آخری وقت قریب آیا۔ تو شاہ اسحاقؒ کو وصیت کی۔ کہ اس برہمن کا خیال رکھنا، اس کو ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا اور نہ اس کو درس سے نکالنا۔ آپ کی اس مدارات کا یہ اثر ہوا کہ وہ



بدھن اپنی وفات سے تین دن قبل ایمان سے مشرف ہو گیا۔  
 دوستی کی تیسری قسم مواسات یعنی دوسرے کو نفع رسانی کی مثال اللہ تعالیٰ  
 نے سورۃ ممتحنہ میں بیان فرمائی ہے۔ اُن کافروں کو نفع پہنچانا رو ہے۔ جو  
 مسلمانوں کے تحت رہتے ہوں۔ جنہ ادا کرتے ہوں۔ خود امن و امان کی  
زندگی بسر کرنا چاہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ نہ لڑائی پر آمادہ ہوں اور نہ ان کے خلاف  
سازشوں میں ملوث ہوں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ نیکی کرنا، احسان کرنا اور نفع  
پہنچانا جائز ہے۔

یہ بات تو واضح ہے کہ کافر کے ساتھ دلی دوستی، کسی صورت میں نہیں  
 ہو سکتی۔ بلکہ کوئی کافر کسی مسلمان کا سر پرست بھی نہیں ہو سکتا۔ امام ابو بکر جصاصؒ  
 لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اسلام ترک کر کے کفر اختیار کر لے۔ تو اس کا بچہ  
 اس کی سرپرستی سے خارج ہو کر مسلمان ماں کے تابع ہو جائے گا۔ اور مسلمان ہی  
 سمجھا جائے گا۔ باپ کو اس بچہ پر تصرف حاصل نہیں ہے گا۔ تاہم اگر کفار  
 نقصان پہنچانے کے لیے ہوں تو اپنے بچاؤ کی خاطر ان سے دوستی کا اظہار درست  
 ہے بشرطیکہ دل مطمئن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ نحل میں فرمایا کہ کافر کے ضرر  
 سے بچنے کے لیے کلمہ کفر بھی زبان پر لایا جاسکتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے صحابی  
 حضرت عمارؓ نے ایسا کیا تھا۔ آپ نے فرمایا کوئی بات نہیں۔ دل تو ایمان سے  
 معمور ہے۔ فرمایا اگر کفار تنگ کریں تو زبان سے ایسا کلمہ کہہ دیا کرو۔ اور اگر کوئی  
 شخص کفر کا کلمہ زبان پر لانے کی بجائے عزیمت اختیار کرے۔ تو اس کا مقام  
 بڑا اونچا ہے۔ حضرت خدیجؓ سے کفار کلمہ کفر کہلانا چاہتے تھے۔ مگر انہوں  
 نے سولی پر لٹکنا پسند کر لیا مگر کلمہ کفر زبان پر نہیں لائے۔ یقیناً اُن کا درجہ  
 حضرت عمارؓ سے بڑھ کر ہے۔

امام ابو بکر جصاصؒ لکھتے ہیں کہ میلہ کذاب نے دو مسلمانوں کو بچہ طیار ایک  
 سے پوچھا اَلشَّهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ حضرت



محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا ہاں۔ پھر اس نے  
 کہا اَتَشْهَدُ اَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ کیا تم یہ بھی گواہی دیتے ہو کہ میں بھی اللہ کا  
 رسول ہوں، تو اس نے کہا ہاں۔ لہذا مسئلہ کذاب نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ  
 دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہوا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے  
 رسول ہیں۔ تو اس نے جواب دیا، ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ پھر پوچھا کیا میرے متعلق  
 بھی ایسی ہی شہادت دیتے ہو۔ تو وہ شخص کہنے لگا، میرے کان بہرے ہیں۔  
 میں تمہاری یہ بات نہیں سن سکتا۔ مسئلہ نے تین چار دفعہ اپنا سوال دہرایا، مگر  
 ہر بار ایک ہی جواب پا کر اس کو قتل کمرہ دیا۔ جب اس واقعہ کی اطلاع حضور علیہ السلام  
 کے پاس پہنچی، تو آپ نے فرمایا۔ ایک شخص نے رخصت سے کام لیا۔ اور جان  
 بچانے کے لیے ایسا کام کیا، جس کی اس کو اجازت تھی۔ دوسرے شخص نے  
 عزیمت سے کام لیا۔ اس کو اللہ نے بلند مقام عطا کیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ انسان کسی وقت مجبور ہو جاتا ہے۔ کہ اللہ اور اس شخص کے درمیان معاملہ ہے۔ اس میں قاضی یا مفتی کا کوئی دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی مجبور ہو گیا ہے تو وہ معذور سمجھا جائے گا۔ اگر شخص بہانہ بنا رہا ہے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت بھی بڑی سخت ہے۔ اس لیے انسان کو ڈرایا گیا ہے۔ کہ یہاں حیلہ بہانا نہیں چلے گا۔ تمہارا فیصلہ اس دنیا تک ہی محدود نہیں بلکہ وَاللّٰهُ الْمُصِیْبُ اَسَّ اللّٰہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ قیامت کے دن وہاں ٹھیک ٹھیک فیصلہ ہو گا۔

فرمایا قُلْ إِنْ تَحْفَظُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَتَىٰ كُم بِبَشِيرٍ أَوْ نَذِيرٍ مِّن لَّدُنِّي فَإِنَّ عَذَابِي لَهُ شَدِيدٌ  
مَّن لَّا يَحْفَظْهُ فَأَنَّى يُكَفِّرُ عَنْ ذُنُوبِهِ وَهِيَ الْعِثَّةُ لِمَن تَعْلَمُونَ



جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ  
اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک  
سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں خواہ وہ کائنات کے کسی کونے میں موجود ہو۔  
حتیٰ کہ وہ ہر شخص کے دل میں چھپی ہوئی بات سے بھی واقف ہے۔ وہ  
جانتا ہے کہ منافق کون ہے جس کے دل اور زبان میں تضاد ہے۔ وہ اپنی  
مناقت سے دوسرے لوگوں کو تو دھوکا دے سکتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ  
تو اس کی نیت تک سے واقف ہے۔ وہ اپنی بدینتی اور بدعملی کی سزا ضرور  
بھگتے گا۔

خیر و شر  
کا بدلہ

فَرَمٰۤا یَوْمَ تَحْجٰدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا  
قیامت کا دن آنے والا ہے۔ جس روز ہر شخص دنیا میں کیے گئے ہر نیک  
عمل کو اپنے سامنے موجود پائے گا۔ قرآن پاک میں دوسرے مقام پر موجود ہے  
وَوَجَدُوا مَّا عَمِلُوْا حَاضِرًا اَمْ اَبْرَآءُ اَمْ اَعْمَلٌ حَاضِرٌ ہُوْکَا۔ لوگوں  
کے اعمال ان کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ اور اس طرح وَمَا  
عَمِلْتُمْ مِنْ شَیْءٍ سَوْفَ یُحْجَرُ عَنْکُمْ لَیْلًا یُّبَیِّنُ لَکُمْ اَمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا  
آجائے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کو خود دیکھے گا۔ بڑے اعمال کو دیکھ  
کر اس کے دل میں حسرت پیدا ہوگی کہ کاش کہ اُس نے یہ عمل نہ کیا ہوتا۔  
تَوَدُّکُوْۤا اَنْۢ بَیْنَہَا وَبَیْنَکُمْ اَمَدٌ اَبْعَدًا اَمْ اَسَدًا اَوْ اَمَدٌ اَقْرَبًا  
وہ پسند کرے گا۔ کاش کہ اس کی برائی اور اس کے درمیان لمبا چوڑا  
فاصلہ ہوتا۔ یعنی اس کی بدعملی اس کے قریب نہ ہوتی۔ مگر اُس وقت کی  
آرزو کوئی فائدہ نہ دیگی۔ اور اُسے برائی کی سزا مل کر رہے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ  
نے خبردار کیا۔ وَیُحْذِرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَکُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی  
سے ڈراتا ہے۔ اپنے اعمال کا محاسبہ اسی دنیا میں کر لو۔ تاکہ قیامت  
کے دن حسرت و ناامیدی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔ ہاں اللہ تعالیٰ بلا و حبہ کسی



پر زیادتی بھی نہیں کرتا۔ وَاللّٰهُ رَعُوْفٌ بِالْعِبَادِ وہ تو اپنے بندوں کے ساتھ  
 شفقت رکھتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان اپنے اندر ایمان  
 کا نور پیدا کرے۔ اپنے مالک کی طرف رجوع کرے، چھوٹے موٹے گناہوں سے  
 توبہ کرے۔ اور اپنے اندر اطاعت کا جذبہ پیدا کرے۔ ایمان اور توحید خداوندی  
 کی تصدیق کرے۔ اللہ تعالیٰ چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی قبول فرماتا ہے اور اس  
 کا اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ بندہ خود قصور وار ہے۔ اللہ تعالیٰ تو نہایت ہی شفیق اور  
 رحمدل ہے۔ وہ اپنے بندوں سے اچھا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اور اس  
 کے لیے کوئی بڑی مشراط بھی پیش نہیں کرتا۔ انسان اپنی توجہ کامر کر اللہ تعالیٰ  
 کو منسلک کرے تو اس کی رحمت کے دروازے دنیا اور آخرت دونوں حلقہ کھل جائیں



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس دہم ۱۰

الْاِعْمَانِ ۳

آیت ۳۱ تا ۳۲

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحِبُّكُمْ  
 اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③۱  
 قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا  
 يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ③۲

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ کہ دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو،  
 تو میرا اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہارے گناہ  
 معاف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا ہے ③۱ آپ  
 کہ دیجئے، اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اگر تم اعراض  
 کرو گے، تو بے شک اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ③۲  
 ربط آیات گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفر کا رد فرمایا اور توحید پر ایمان لانے کی  
 ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا قانون بتلایا۔ اب ان  
 آیات میں ایمان بالرسالت کا تذکرہ ہے۔ جس طرح اللہ کی وحدانیت پر  
 ایمان لانا ضروری ہے۔ اور اس سے انکار بمنزکہ کفر ہے۔ اسی طرح رسول کی رسالت  
 پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ جس طرح اللہ کی اطاعت فرض ہے، اسی طرح  
 رسول کی تابعداری بھی ضروری ہے۔

دعویٰ محبت نزولِ قرآن کے زمانے میں مشرکین عرب یہود اور نصاریٰ محبت الہی کا دعویٰ  
 کرتے تھے۔ جب مشرکین سے کہا جاتا کہ تم شرک کیوں کرتے ہو، تو جواب دیتے  
 مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی ۚ اِنَّمَا ان معبودوں کی  
 عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا قرب دلا دیں گے۔ یعنی بتوں



کی پرستش تقرب الہی کے لیے ہے۔ اور حبیب یہی سوال نصاریٰ سے کیا جاتا کہ تم کیوں مشرک میں مبتلا ہو۔ تو وہ بھی محبت الہی کا دعوے کرتے اور کہتے کہ مسیح علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے اور اس کی پرستش اللہ کی محبت کے لیے ہے۔ نصاریٰ حضرت مریمؑ کو مادرِ خدا، یا خود خدا تسلیم کرتے، یا تین خدا مانتے تو ان کا ادعا جیسا کہ آگے آئے گا، اللہ کی محبت میں غلطان ہونا تھا۔ یہود بھی کہتے تھے "نَحْنُ ابْنَاءُ اللَّهِ وَ أَحِبَّاءُ" ہم اللہ کی اولاد ہیں کیونکہ اس کے مقرب انبیاء کی اولاد ہیں۔ گویا وہ بھی اللہ کے محبوب ہونے کے دعویدار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل دعاوی کا رد فرمایا ہے اور اپنی محبت کا معیار مقرر فرمایا ہے۔ جو کوئی اس معیار پر پورا اترے گا، وہی حقیقی محبوب ہوگا، اس کے علاوہ کفر و شرک ہوگا۔ اس کے بعد اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ محبت رکھنے والے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن میں حضرت مسیح علیہ السلام، حضرت مریمؑ اور آل عمران کی مثال بیان فرمائی ہے مشرکین اور اہل کتاب کی تردید کی ہے۔ کیونکہ وہ معیار محبت پر پورے نہیں اترتے ارشاد ہوتا ہے فَلَا يَغْنِبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ آپ کہ دیجئے اِنْ كُنْتُمْ تَحِبُّونَ اللَّهَ اور اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو اور اس کے دعویدار ہو، تو اس کا ایک ہی معیار ہے فَاتَّبِعُونِي میرا اتباع اختیار کر لو۔ گویا پہلی بات تو رسالت کے متعلق آگئی کہ اللہ کی محبت بنی کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مرضیات اور نامرضیات بنی کی اطاعت کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتیں۔ لہذا رسالت پر ایمان لانا ضروری ٹھہرا۔ اللہ تعالیٰ پر اس لیے ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ خالق ہے۔ مالک ہے اور معبود ہے اور رسول پر ایمان لانا اس لیے لازمی ہے کہ خدا تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات اس کے واسطے سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ چیزیں انسان محض اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ رسول پر ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا جب تک



اس کا اتباع نہیں ہوگا۔ اس کے بغیر محبت کا دعویٰ باطل محض ہے۔ لہذا جو کوئی رسول کا اتباع کرے گا۔ وہ اللہ کی محبت کو پالے گا، اور اللہ کا محبوب بن جائے گا۔

**حُبِّ رُسُل** جیسے کہ عرض کیا ہے یہود و نصاریٰ کا دعویٰ محبت باطل تھا، وہ تو کفر و شرک کے مرتکب تھے۔ بنی علیہ السلام کا اتباع کہاں کرتے تھے۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا یُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ یُکُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جَنَّتْ بِهِ تَمَّ مِنْ سَعَىٰ کَوْنِی کَامِلًا لِّیْمَانِ ہو ہی نہیں سکتا جب تک وہ اس چیز کا اتباع نہ کرے جسے میں لایا ہوں۔ نیز یہ کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی میرے ساتھ محبت تمام مخلوق سے زیادہ نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مطاع مطلق ہے اور رسول اللہ کی محبت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ لہذا اس کا اتباع بھی ضروری ہے۔ اور اس کے ساتھ محبت بھی لازمی ہے۔ کسی ذات کے ساتھ محبت اس کے جمال، کمال اور احسان کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مالک حقیقی اور محسن حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا کمال بھی ہے اور جمال بھی ہے۔ اور مخلوق میں سب سے زیادہ محسن اللہ کا بنی ہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جو اللہ کی رضا کا ذریعہ اور جنت تک پہنچانے والی ہو کہ تم کو نہ بتلائی ہو۔ اور اسی طرح کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو خدا تعالیٰ کے غضب کا ذریعہ ہو، تم کو نہ بتلائی ہو۔ مقصد یہ کہ میں نے ہر اچھی اور بُری چیز کی نشاندہی کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ خالق مالک اور محبوب حقیقی ہے۔ لہذا اہل ایمان کی سب سے زیادہ محبت اللہ کے ساتھ ہونی چاہیے۔ جیسا فرمایا وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ اور مخلوق میں سے النَّبِیُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ اللہ کا بنی مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے بھی زیادہ لگاؤ رکھتا ہے۔



یعنی مسلمانوں کا اپنا نفس ان کے لیے اتنا مفید اور خیر خواہ نہیں ہے جتنا اللہ کا رسول ہے۔ وہ ہمیشہ اہل ایمان کی بھلائی چاہتا ہے۔ لہذا اس پر ایمان لانا اور اس کا اتباع کرنا ضروری ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں امام بیہقی کی روایت موجود ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام وضو فرما رہے تھے کہ کچھ لوگ آپ کے بارِ مستعمل کو اپنے جسموں پر مل رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو، تو انہوں نے جواب دیا۔ حُبُّ اللہِ وَرَسُولِہِ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی بنا پر ایسے کرتے ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ تمہاری محبت اس وقت ثابت ہوگی، جب زبان سے سچ بولو گے، امانت میں خیانت نہیں کرو گے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دینے والی کوئی بات نہیں کرو گے۔ ظاہر ہے کہ سچ بولنا بڑا مشکل کام ہے، امانت دار ہونا بھی بڑی بات ہے۔ پڑوسی کو ایذا سے محفوظ رکھنا بھی ایمان کی نشانی ہے تو جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا اتباع نہیں ہوگا محض زبانی محبت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ غرضیکہ تکمیل ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اتباع رسول میں فرق نہ آنے پائے۔

بہر حال فرمایا اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ يُحِبُّكُمُ اللہُ وَرَسُولُہُ اللہ تم سے محبت کرے گا۔ اور اتباع رسول کی تکمیل اس وقت ہوگی۔ جب اس کو زندگی کے ہر شعبہ میں اختیار کیا جائیگا۔ صرف نماز پڑھنے سے اتباع کا حق ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ تجارت، معاملات، اخلاق، لین دین، عبادات، سیاسیات، جہاد، جنگ، صلح، شادی، غمی غرضیکہ معاشرہ میں پیش آنے والے ہر معاملہ میں اتباع رسول کو لازم پکڑنا ہوگا۔ اب تو وقت یہاں تک پہنچا ہے کہ عبادات بھی اپنی خواہش کے مطابق ہونے لگی ہیں۔ رسول کے طریقے کی کوئی پروا نہیں کی جاتی، چہ جائیکہ دیگر معاملات



میں سنت رسول کی پیروی کی جائے۔  
 ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کی خدمت  
 میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا، حضور! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا ذرا  
 سوچ سمجھ کر بات کرو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور! میں خدا  
 کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم  
 اپنے دعوے میں سچے ہو، تو فقر کو اپنی زندگی کا جزو بنا لو، کیونکہ میرے ساتھ محبت  
 کرنے والوں کے پاس فقر اس قدر تیزی سے آتا ہے کہ سیلاب بھی اپنے  
 منہ کی طرف اتنی تیزی سے نہیں جاتا، غریبہ حب رسول کا دعویٰ مال جمع نہیں  
 کر سکتا۔ وہ ہمیشہ محتاج رہے گا۔ اگر کوئی شخص عیش و عشرت میں زندگی گزارتا ہے  
 بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔ اور پھر محبت کا دعویٰ بھی کرتا ہے، تو وہ اپنے  
 دعوے میں سچا نہیں کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ معیار محبت کے  
 خلاف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والا کسی نہ کسی ابتلا میں ضرور  
 مبتلا ہوگا۔ اسی طرح رسول کی محبت کا دعویٰ فقیر ہوگا، مال و دولت اور محبت رسول  
 متضاد چیزیں ہیں۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ لوگ نوع النان کے ساتھ ہمدردی  
 اور غمخواری کریں۔ ان کی جائز حاجات کا خیال رکھیں، اگر ان چیزوں کی طرف  
 دھیان دے گا تو اس کے پاس مال جمع نہیں ہو سکتا، لہذا فقیر ہوگا۔

الغرض! فرمایا کہ اتباع رسول کا نتیجہ یہ ہوگا کہ يُحِبُّكُمْ اللَّهُ تم اللہ کے  
 محبوب بن جاؤ گے اور پھر اللہ کی محبوبیت کا تقاضا یہ ہے۔ وَيَغْفِرْ لَكُمْ  
ذُنُوبَكُمْ وہ تمہاری غلطیاں، لغزشیں اور گناہ معاف فرما دے گا۔ گناہ  
 کی معافی کا قانون اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان کر دیا ہے کہ  
 خالی گناہ تو استغفار سے ہی معاف ہو جاتے گا۔ سچے دل سے توبہ کر لی  
 تو اللہ نے معاف فرما دیا۔ اگر فرائض میں کوتاہی ہوئی ہے۔ تو پہلے ان کو ادا  
 کرو۔ پھر اللہ سے معافی مانگو، اللہ معاف کر دے گا۔ نماز رہ گئی ہے،

اللہ کی  
 محبوبیت



روزہ قضا ہو گیا۔ پہلے انہیں ادا کر لو۔ اور اگر حقوق العباد میں کوتاہی کی ہے  
 کسی کا حق غصب کیا ہے۔ تکلیف پہنچائی ہے تو پہلے اس کا حق ادا کر لو  
 یا اس سے معافی مانگ کر جان چھڑا لو۔ اگر اس دنیا میں حقوق العباد ادا نہیں کر  
 سکے، تو پھر قیامت کے دن اس کے بدلے میں اپنی نیکیاں نماز، روزہ، خیرات  
 وغیرہ حقدار کو دینا ہوں گی اور اگر نیکیاں ختم ہو گئیں، تو حقدار کے گناہ حق دہندہ  
 کے سر پر ڈالے جائیں گے۔ جس کا نتیجہ جہنم کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ لہذا حقوق العباد  
 کا فیصلہ اسی دنیا میں کر جاؤ۔ اور اللہ سے معافی مانگ لو **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**  
 اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے۔  
 کہ اپنے نبی کو بھیجا، کتاب نازل فرمائی، اور ہدایات کا سامان پیدا کیا۔ تاکہ انسان  
 گناہ سے بچ جائے۔ اور پھر جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو جائے۔

عصمتِ انبیاء

اس کے بعد فرمایا **كُلُّ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ** آپ کہ  
 دیکھئے کہ اللہ کی تابعداری کرو، کیونکہ وہ خالق، مالک اور معبود برحق ہے  
 اس کی اطاعت فرض مطلق ہے۔ اور اس کے ساتھ رسول کی تابعداری کرو۔  
 کہ وہ خدا کی اطاعت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ جب تک رسول کی اطاعت  
 نہیں ہوگی۔ خدا کی اطاعت ممکن نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے  
 اسی آیت سے عصمتِ انبیاء کی دلیل پکڑ لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور  
 اپنے رسول کی اطاعت مطلقہ کا حکم دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رسول  
 غلطی نہیں کرتا۔ اگر غلطی کا امکان ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ اطاعت مطلقہ کا حکم  
 نہ دیتا۔ خود حضور علیہ السلام کا واقعہ آتا ہے۔ آپ نے کسی موقع پر مزاح  
 فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔ آپ اللہ کے رسول ہو کر مزاح فرماتے ہیں۔ فرمایا  
 ہاں، مگر ایسی حالت میں بھی میری زبان سے کوئی باطل بات نہیں نکلتی بلکہ لا  
**اَقُوْلُ اِلَّا الْحَقَّ** میں حق کے سوا کوئی بات نہیں کرتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی مزاح کے انداز میں فرمائی ہوئی ایک بات سے فقہاء نے ایک مسئلہ نکالا ہے



اللہ نے نبی کی زبان پر ایسا حق جاری فرمایا غرضیکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ یہ جو بعض لوگوں کا خیال ہے۔ کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ نبی سے اپنی حفاظت اٹھا لیتا ہے اور بعض غلطیاں بھی سرزد ہونے دیتا ہے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ آپ بھی بشر اور مخلوق ہیں، یہ عقیدہ درست نہیں ہے۔ نبی سے عصمت کی حفاظت کسی وقت نہیں اٹھائی جاتی۔ ورنہ رسول پر اعتماد ہی ختم ہو جائے گا۔ نبی کو تو گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اس کی زبان پر ہمیشہ حق ہوتا ہے۔ غلطی سرزد نہیں ہوتی۔ بعض معمولی لغزشیں ہوتی ہیں۔ جو کہ عام لوگوں کے لیے تو وہ گناہ نہیں ہوتا مگر انبیاء کے لیے وہ بھی قابلِ مواخذہ ہوتی ہیں۔ تاہم وہ گناہ کی فہرست میں نہیں آتا نبی گناہ سے ہمیشہ پاک ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے ساتھ نبی کی اطاعت مطلقہ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔

فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْاْ اَکْرَمُ رُوْکُرُوْا نِیْ کُرُوْکُ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ  
تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا فرض ہے اسی طرح نبی پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔ ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہوگا۔ نبی پر ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس پر محض ایمان لایا جائے اور اعلیٰ درجہ ایمان کا یہ ہے کہ اس کے ساتھ محبت ہو۔ اور محبت کا تقاضا ہے کہ اتباع ہو۔ اگر دعویٰ محبت کے ساتھ اتباع نہیں تو دعویٰ جھوٹا ہے۔ یہ بھی کافرانہ بات ہے۔ جیسا کہ عورتوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ کفران کرتی ہیں۔ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ہاں فَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَیْنَ یہ خاوند کی ناشکرا گزاری کرتی ہیں۔ اس کو کفر یا اللہ نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ کفرانِ نعمت ہے۔ مشرکین، یہود و نصاریٰ، کافر تو صریح کفر ہے۔ کہ وہ حضور علیہ السلام پر ایمان ہی نہیں لائے۔ مگر جو مسلمان محبت کا دعویٰ کرنے کے باوجود اتباع نہیں کرتا، وہ کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اُن کا دعویٰ محبت درست نہیں ہے۔ لہٰذا ایسے



لوگ قابلِ مواخذہ ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔  
 پھر اگر یہ روگردانی کریں، تو اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا  
 کافر خواہ کفر باللہ کرنے والا ہو یا کفر ان نعمت کرنے والا ہو۔ محبوبِ خدا نہیں  
 بن سکتا۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْ عَمَّكَ ۳

درس یازدهم ۱۱

آیت ۳۳ تا ۳۴

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ  
عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ  
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا آدم (علیہ السلام) کو، اور نوح (علیہ السلام) کو  
اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو جہاں والوں پر ﴿۳۳﴾ یہ اولاد تھی بعض بعض سے  
اور اللہ تعالیٰ سُننے والا — اور جاننے والا ہے ﴿۳۴﴾

رابط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار بیان فرمایا پھر  
حضور علیہ السلام کی محبت اور اس کے جواب میں آپ کے اتباع کو معیار قرار دیا۔ گویا  
اللہ تعالیٰ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کا اتباع اختیار کرنے  
کی ترغیب دلائی۔ اتباع رسول ہی دین اور مذہب کا بنیادی اصول ہے۔ سورہ  
بقرہ میں سُننے والوں کی طرف تھا، اور سورہ آل عمران میں نصاریٰ کی اصلاح  
کا پہلو غالب ہے۔ گزشتہ سورہ میں یہودیوں کی چالیس خرابیوں کا تذکرہ کئے  
اللہ تعالیٰ نے انہیں تنبیہ فرمائی اور انہیں اصلاح کی طرف متوجہ کیا۔ اب اس  
سورہ میں نصاریٰ کی اصلاح مطلوب ہے۔ تاہم ابتدائے سورہ میں توحید

کا مسئلہ سمجھایا گیا ہے۔ بہر حال نصاریٰ کا تذکرہ دُور تک آئیگا اور اس ضمن میں بہت سی باتیں  
آئیں گی جنہیں اہل ایمان کے لیے بھی بہت سی نصیحت اور عبرت کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بڑے عظیم  
اصول بیان فرمائے ہیں۔ آج کا درس آئندہ آنے والے مضامین کی تمہید سمجھ لیجئے  
جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورہ آل عمران کا مرکزی موضوع نصاریٰ  
کی اصلاح ہے۔ نزول قرآن کے وقت ان میں دو قسم کی خرابیاں پائی

ظلم و ستم  
کا دور



جاتی تھیں۔ پہلی خرابی تو ان کے دین میں تھی۔ یعنی عقیدہ مشرکانہ تھا۔ مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا، خود خدایا تینوں میں سے تیسرا خدا کہتے تھے۔ اور دوسری خرابی ان کی سیاسی نوعیت کی تھی۔ اُس زمانے میں دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ ایک ایرانی سلطنت تھی، جس کے فرمانروا مجوسی تھے۔ یہ آتش پرست تھے اور ہزاروں سال سے حکمران چلے آئے تھے۔ ہندوستان، پاکستان، افغانستان روس، چین وغیرہ سب ایرانی سلطنت کسری کے تابع اور زیر اثر تھے اور انہیں ٹیکس ادا کرتے تھے۔ دوسری بڑی طاقت روم کی تھی جو سینکڑوں سال سے وہاں پر مسلط تھی۔ باقی نصف دنیا ان کے زیرِ نگیں تھی تمام دنیا ان دو حکومتوں کے رحم و کرم پر تھی۔ یہ جب اور جہاں چاہتے تھے اپنی مرضی کے مطابق انقلاب برپا کر دیتے تھے۔ ہر طرف ظلم و ستم کا دور دورہ تھا۔ کمزور ریاستوں کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ بڑی طاقتیں جو چاہتیں کر گزرتی تھیں۔ ان کے عوام ظلم کی چکی میں پسے جا رہے تھے۔ معاشی طور پر نہایت پس ماندہ تھے ظاہر ہے۔ کہ جہاں عدل و انصاف کا فقدان ہو گا۔ وہاں ایسے حالات ہی رونما ہوں گے عوام و خواص کی حالت خراب ہو جائیگی، رشوت خوری، چور بازاری عام ہوگی۔ ہر طرف جسکی لاکھٹی اُس کی بھینس والا معاملہ ہو گا۔ دنیا میں امن و امان اُس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک عدل و انصاف کی حکمرانی نہ ہو۔ آج ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔ کہ کمرہٴ ارض کے کسی خطے میں عدل و انصاف کا پرچم بلند نظر نہیں آتا۔ کہنے کو ہم اچھی دُور میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہر طرف مادی ترقی کا دور دورہ ہے۔ مگر کوئی کونہ ایسا نہیں جہاں ظلم و ستم کا بازار گرم نہ ہو۔ ایک سے ایک بڑھ کر ظالم موجود ہے۔ کمزوروں کو کچلنا طاقتوروں کا مشغلہ بن چکا ہے۔ امریکہ اور روس کی کشمکش میں ویٹ نام کے دس لاکھ آدمی ہلاک ہوئے یہ ظلم و ستم بیس سال تک جاری رہا۔ آخر وہ بھی تو انسان ہی تھے مگر انسانیت کی ٹھیکیداری بڑی طاقتیں انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگتی ہیں۔ مگر ان کے



دل کے کسی گوشہ میں جذبہ رحم موجود نہیں۔ انہیں اپنی سیاست اور اپنی بالادستی سے غرض ہے چاہے انسان گاجر مولیٰ کی طرح کھٹے رہیں۔ گذشتہ چھ سال سے افغانستان میں کیا ہو رہا ہے۔ روسی فوجیں مجاہدین پر کس طرح بمباری کر رہی ہیں لاکھوں افغانی موت کے گھاٹ اتار دئے جا چکے ہیں۔ تیس پچیس لاکھ ملک بدر ہو چکے ہیں۔ جن کی غالب اکثریت پاکستان میں پناہ گزین ہے۔ باقی ایران میں ہیں۔ دنیا کی سپر پاور ہونیچی حیثیت سے کیا روس کا یہی فرض بنتا ہے۔ یہ سب ظلم و جور ہے جو بے گناہ لوگوں پر ڈھایا جا رہا ہے۔

اُدھر مصر اور فلسطین پر نگاہ ڈالیے۔ اسرائیل امریکہ کا پالتو درندہ ہے۔ جب چاہتا ہے فلسطینی مہاجرین پر چڑھ دوڑتا ہے۔ مسلمانوں کی ہزاروں لڑکیاں انہی جیل میں ہیں جن سے ظالمانہ سلوک ہو رہا ہے۔ صدر ایوب کے زمانے میں قبرصی مسلمانوں کا یہ حال ہوا کہ یونان کے عیسائیوں نے بیس ہزار ترکوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، ان کو وہاں سہنے کی اجازت نہیں دی جا رہی وہاں پر عیسائیوں کی اکثریت ہے۔ جو مسلمانوں کو کسی صورت زندہ دیکھنا نہیں چاہتے، فلیپائن میں مھوڑے سے مسلمان ہیں۔ مگر ان کا عرصہ حیات بھی تنگ کیا جا رہا ہے۔ ان کو مور و مسلمان یعنی ڈاکو اور قزاق کے نام سے پکارا جاتا ہے ان کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ تعداد میں مھوڑے ہیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دے سکتے، ان کا کوئی جائز حق ان کو نہیں مل سکتا۔

غرض! قوموں کے بگاڑ کی یہ تمہید بیان ہو رہی ہے۔ کہ قوموں کی خرابی یا تو عقیدے میں ہوتی ہے یا سیاست میں۔ جب تک عدل و انصاف کا دور دورہ نہیں ہو گا۔ مظلوم ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے۔ اور جب تک عقیدہ درست نہیں ہو گا۔ لوگوں کی اصلاح ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے ابتداء کر کے حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور آل عمران کا ذکر فرمایا ہے۔ پھر مسیح ابن مریم علیہ السلام کا ذکر ہو گا۔ اور پھر



تمام اقوام کی اصلاح کے اصول بتائے جائیں گے۔

شرف انسانی  
اور آدم علیہ السلام

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ بَيْنَ النَّاسِ اللہ تعالیٰ نے پسند کیا، منتخب کیا آدم علیہ السلام کو۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق تو بے شمار تھی ارض و سما، چاند، سورج، ستارے، اشجار، حجر، فرشتے، جن سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ مگر اس کے علم محیط، حکمت بالغہ اور قدرتِ تامہ کے ساتھ جو مقام حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے توسط سے نسل انسانی کو حاصل ہونے والا تھا، وہ کسی اور مخلوق کے حصہ میں نہ تھا۔ انسان کی برتری اور فوقیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو منتخب کیا۔ اور نظامِ خلافت آپ کے سپرد فرمایا۔ یہ کام ملائکہ کے سپرد بھی نہیں کیا بلکہ نظر انتخاب آدم علیہ السلام پر پڑی۔ اللہ نے ان کو یہ فضیلت اور شرف عطا فرمایا۔ اور سب سے بڑی فضیلت اصطفیٰ بالنبوت ہے۔ یعنی آپ کو نبوت جیسے اعلیٰ منصب کے لیے منتخب فرمایا۔ انسانیت کے لیے سب سے بلند مقام نبوت ہی ہو سکتا ہے۔ جو کہ اللہ نے آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو عطا فرمایا۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے بنی آدم علیہ السلام ہیں۔ اور سب سے آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ایک روایت کے مطابق کلمہ بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے تین سو پندرہ رسول ہیں۔ باقی سب نبی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا آدم علیہ السلام کو و نوحاً اور نوح علیہ السلام کو۔ دنیا میں سب سے پہلے صاحبِ شریعت رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ اور آپ ہی کی قوم کو سب سے پہلے ہلاک کیا گیا۔ اس سے پہلے کوئی امت عذاب میں مبتلا نہیں ہوئی۔ قیامت کے دن جب لوگ آپ کے پاس سفارش کے لیے جائیں گے تو آپ کو ان الفاظ سے ساتھ پکاریں گے يَا نُوحُ إِنَّكَ أَوَّلُ الْمُرْسَلِينَ اے اہلِ الارض اے نوح علیہ السلام! آپ اللہ کے پہلے رسول ہیں۔ جنہیں شریعت دے کر اہل زمین کی طرف بھیجا گیا۔ آپ ہماری سفارش کریں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہماری حالت کیا ہے الْأَثَرُ إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ



نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ آج اللہ تعالیٰ اس قدر ناراض ہے کہ اس سے پہلے کبھی ایسا ناراض نہیں ہوا۔ اور نہ آج کے بعد کبھی ہوگا۔ اس وقت قہری تجلیات اتر رہی ہوں گی، کوئی شخص دم نہیں مارے گا۔ آپ کہیں گے ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ۔ غرضیکہ حضرت نوح علیہ السلام پہلے صاحب شریعت رسول ہیں۔ آپ کی امت کو مکمل طور پر ہلاک کر دیا گیا۔ پھر طوفان کے بعد جو آدمی بچ گئے۔ ان کی اولاد سے آگے نسل انسانی چلی۔ اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو بھی منتخب فرمایا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے بعد فرمایا **وَالْاٰلِ اِبْرٰہِیْمَ** ابراہیم یعنی آل ابراہیم کو منتخب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کو اس قدر شرف بخشا ہے کہ انبیاء کی ایک جماعت ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے پیدا فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بعض امور میں آزمایا اور آپ پورے اترے تو اللہ کریم نے فرمایا اے ابراہیم علیہ السلام "اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" میں تمہیں لوگوں کا امام یعنی پیشوا بنانے والا ہوں، مطلب یہ ہے کہ میں آپ کو منصب نبوت پر فائز کرنے والا ہوں کیونکہ تمام انبیاء اپنی اپنی امت کے امام ہوتے ہیں۔ مگر ابراہیم علیہ السلام تو ابوالانبیاء ہیں۔ تاہم آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی "وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ تُکْمِلُ لِّیْکَ" جس طرح تو نے مجھے امامت سے نوازا ہے۔ اسی طرح یہ منصب میری اولاد میں بھی عطا کر۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ اللہ کریم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل میں لاتعداد انبیاء مبعوث فرمائے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام ایسے جلیل القدر پیغمبر پیدا کیے، جن میں سے بعض



کو دنیاوی سلطنت بھی عطا کی اور وہ وقت کے حکمران بھی ہوئے۔ اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے بنی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سلسلہ نبوت ہمیشہ کے لیے بند کیا۔ اسی لیے یہاں پر فرمایا کہ ہم نے آلِ ابراہیم علیہ السلام کو منتخب فرمایا۔

آلِ عمران

فرمایا وَالْعَمْرَأَةُ اور اللہ تعالیٰ نے آلِ عمران کو منتخب فرمایا۔ مفسرین کرام فرماتے۔ کہ عمران دوہیں۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے والد کا نام بھی عمران ابن یسہر تھا۔ یہ بھی مؤمن مرد تھے۔ جو فرعون کے زمانے میں ہوئے۔ تاہم یہاں پر جس عمران کا ذکر ہے۔ وہ حضرت مریم کے والد ہیں۔ آپ بھی نیک اور صالح آدمی تھے۔ نہایت عباد گزار اور مہیکل مقدس کے امام تھے۔ بیت المقدس میں نماز پڑھتے تھے۔ تاہم بنی نہیں تھے قرآن پاک کے اس مقام پر چونکہ حضرت مریم اور حضرت مسیح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اس لیے آلِ عمران سے مراد حضرت مریم کے والد ہیں۔ ان دونوں عمرانوں کے درمیان ایک روایت کے مطابق اٹھارہ سو سال کا وقفہ ہے۔ تاہم ایک ہزار سال سے بہر حال زیادہ ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے آلِ عمران کو بھی منتخب فرمایا عَلَى الْعَالَمِينَ جہاں والوں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو باقی لوگوں پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔

اب عقیدے کی اصلاح کے لیے بات سے بات نکلے گی۔ فرمایا ذَرِيَّةً كَبَعْضُهَا مِنْ كَبَعْضٍ تمام انسان ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ جیسے نوح علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ نیز حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ، حضرت نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ اور دونوں عمران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت مریم، عمران کی بیٹی ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام مریم کے بیٹے ہیں۔ چونکہ وہاں پر

نیل النانی



باپ نہیں ہے۔ لہذا اس سلسلہ نسب ماں کی طرف سے چلتا ہے۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ  
 نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یحییٰ ابن مَرْیَمَ کہہ کر پکارا۔ اور امام بخاریؒ  
 فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن بھی آپ کو اسی نام سے مخاطب کیا جائے گا  
 جب کہ باقی مخلوق کی نسبت باپ کی طرف کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں  
 گے۔ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوا مِنِّي اِلٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ  
 کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ معبود بنالو؟  
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ سن کر عیسیٰ علیہ السلام کپکپا اٹھیں گے اور اللہ جل جلالہ  
 کے سامنے اپنی صفائی پیش کریں گے۔ صاحب روح المعانی اور دیگر  
 مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانچ سو سال تک کپکپی کی حالت  
 میں رہیں گے۔ اس کے بعد ان کے حواس بجاں ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ  
 کے سامنے عرض کریں گے قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِيْ اَنْ اَقُولَ مَا لَيْسَ  
 لِيْ بِحَقِّكَ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں وہ بات کیسے کہہ سکتا ہوں۔  
 جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ سب  
 لوگ بعض اولاد ہیں بعض کی۔

بشریت انبیاء  
 اب یہیں سے تمام انبیاء علیہم السلام کی بشریت بھی ثابت ہوتی ہے۔  
 اور عیسائیت کی جڑ کھٹی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے فرزند  
 ہیں۔ اور آپ کا سلسلہ نسب حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام  
 تک پہنچتا ہے۔ وہ اللہ کے بیٹے (غور باللہ) کیسے ہوئے۔ سارے بنی انسان  
 اور بشر تھے، بشر ہونا کوئی توہین کی بات نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا ہم نے بشر  
 کو مٹی سے پیدا کیا۔ اور یہ سب ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔ بشر سے مراد اللہ  
 کی وہ مخلوق ہے جس کی کھال نظر آتی ہے۔ یہ گندمی رنگ والا انسان مراد ہے۔  
 اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے مٹی سے انسان کو بنایا۔ یہ تو عزت  
 کا مقام ہے۔ اہل بعثت مولویوں نے لوگوں کے ذہن خراب کر دیے ہیں



کہ بنی کو بشر تسلیم کرنے سے ان کی نعرہ زبانی توہین ہو جاتی ہے۔ لہذا انبیاء کو نور  
تسلیم کر دو۔ پھر یہیں تک ختم نہیں کیا۔ بلکہ **نُورٌ مِّنْ نُورِ اللّٰهِ** کا عقیدہ بنایا۔  
بنی کو اللہ کا جزو بنا کر عیسائیوں کے عقیدے کی تصدیق کر دی۔ انہوں نے حضرت  
عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا، انہوں نے نور من نور اللہ کہہ دیا۔ **وَجَعَلُوا اللّٰهَ**  
**مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا** اللہ کے بندوں میں سے ہی اس کا جزو بنا دیا۔ کتنی  
لغو اور یہودہ بات ہے۔ یہ تو معاذ اللہ اللہ کی توہین اور اس کی بغاوت ہے  
اور اپنی فکر کو فاسد کرنا ہے۔ خود اللہ کے نیک بندوں کی توہین ہے فرمایا  
**وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ** اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سنتا ہے اور جانتا ہے۔  
آج کے درس کی ابتدائی آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے اصطفیٰ کا ذکر فرما  
کر اس بات کی تمہید باندھ دی ہے۔ کہ ساری نسل انسانی حضرت آدم علیہ السلام  
کی اولاد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس اشرف المخلوق کو برگزیدگی عطا فرمائی ہے۔  
اس کے بعد حضرت مریمؑ کی برگزیدگی کا ذکر آئیگا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے  
اصطفیٰ کا ذکر بھی جزوی طور پر ہوگا۔



بِسْمِ الرَّسُولِ ۳

درس دوازدهم ۱۲

الْعَمَلُ ۳

آیت ۳۵ تا ۳۷

إِذْ قَالَتْ أُمُّرَاتُ عَمْرُكَ رَبِّ إِلَٰهِي نَذَرْتُ لَكَ  
 مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ  
 السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ③۵ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ  
 رَبِّ إِلَٰهِي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ  
 وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِلَيَّ سَعْيُهَا مَرِيمَ  
 وَإِلَيَّ أُعِيدُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتُهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ③۶  
 فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ ۖ وَأَنْبَأَهَا نَبَأًا  
 حَسَنًا ۖ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا  
 الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَ هَارِزُقَاهُ قَالًا يَمْرُؤًا إِلَىٰ  
 لَيْكَ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ  
 مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ③۷

ترجمہ :- جب عمران کی بیوی نے کہا، اے پروردگار! میں نے تیرے لیے نذر  
 مانی ہے۔ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا۔ پس قبول فرما مجھ سے بیشک  
 تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ③۵ اور جب اس کو جتا تو کہنے لگی اے  
 پروردگار! میں نے جنابہ اس کو لڑکی۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، جو کچھ  
 اُس نے جنابہ۔ اور نہیں ہے لڑکا مثل لڑکی کے۔ اور بے شک میں نے  
 اس کا نام مریم رکھا ہے۔ اور میں اس کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اور اسکی



اولاد کو شیطان مردود سے (۳۶) پس قبول کیا اُس کو اس کے پورے درگاہ  
نے اچھی طرح قبول کرتا۔ اور بڑھایا اُس کو اچھی طرح بڑھانا۔ اور کفیل بنایا اُس کا  
زکریا علیہ السلام کو۔ جب زکریا علیہ السلام اس کے پاس حجرے میں داخل ہوتے  
تو اُس کے پاس روزی پاتے، تو انہوں نے کہا، اے مریم! یہ روزی تیرے  
پاس کہاں سے آئی، تو وہ کہتی، یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ  
روزی دیتا ہے جس کو چاہے بغیر حساب کے (۳۷)

جیسا کہ گذشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے غلط عقائد کی خاص طور پر تردید فرمائی ہے۔ آج کے درس میں  
حضرت مریمؑ کی ولادت سے موضوع سخن کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد  
ہوتا ہے کہ اُس واقعہ کو اپنے ذہن میں لاؤ، اِذْ قَالَتْ اٰمْرٰتِ عِمْرٰنَ  
جب عمران کی بیوی نے کہا رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا۔  
اے مولا کریم! میں نے تیرے لیے یہ نذر مانی ہے کہ جو کچھ میرے پیٹ  
میں ہے، وہ میں نے محض تیری عبادت کے لیے آزاد کر دیا۔ مفسرین کرام  
فرماتے ہیں مُحَرَّرًا یعنی آزاد کرنے سے مراد ہے مُخْلِصًا لِلْعِبَادَةِ  
یعنی ہونے والے بچے کو خالص اللہ کی عبادت کے لیے مختص کر دیا جائیگا۔  
کسی دنیوی کام میں نہیں لگایا جائیگا۔ بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں  
کہ آزاد کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ پہلا معنی اتو عام فہم ہے یعنی غلامی سے  
آزاد کر دینا۔ اور دوسرا معنی کسی معاملہ میں کتابت یا تحریر کر لینا ہے۔ جب  
کوئی چیز تحریر میں آجاتی ہے۔ تو معاملہ صاف ہو کر کسی ممکنہ فساد واضطراب  
سے آزادی حاصل کر لیتا ہے۔

اس بات کا تذکرہ بھی پہلے ہو چکا ہے کہ تاریخ میں دو ایسے اشخاص  
کا تذکرہ آتا ہے۔ جن کے نام عمران ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا  
نام بھی عمران ہے۔ اور حضرت مریمؑ کے والد بھی عمران ہیں۔ دونوں نیک



اور صالح آدمی تھے، مگر بنی نہیں تھے۔ اس مقام پر جس عمران کا تذکرہ ہے۔ وہ  
 مریمؑ کے والد ہیں۔ امام بیضاویؒ اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اُن کی بیوی  
 کا نام حنہ بنت فاقوس تھا۔ وہ بھی صالحہ خاتون تھیں۔ بعد میں اُن کے نام پر  
 گمرجے بھی بنے۔ اُس علاقے میں ذریعہ حنہ وغیرہ مشہور تھے۔ اسی طرح حضرت مریمؑ  
 کے نام پر بھی گمرجے اور عبادت خانے مشہور تھے۔ حنہ زوہدہ عمران عمر رسیدہ  
 ہو گئیں مگر اولاد سے محروم تھیں۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مفسرین بیان کرتے  
 ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے چمڑیا کو دیکھا۔ کہ اپنے بچے کو دانہ کھلا رہی ہے  
 یہ دیکھ کر اُن کے دل میں بھی اولاد کی خواہش پیدا ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ سے  
 عجز و انکساری کے ساتھ دعا کی۔ جو اللہ نے قبول فرمائی۔ جب وہ اس کمرہ  
 میں حاملہ ہو گئیں تو انہوں نے شکرانے کے طور پر یہ مہنت مانی کہ وہ پیدا  
 ہونے والے بچے کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ اُنکی  
 دلی خواہش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کرے، تو وہ اُسے اللہ کی راہ میں آزاد  
 کر دیں گی۔ یہ نذر ماننے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کی فَتَقَبَّلْ حُصْنِي  
 اے اللہ! مجھ سے یہ نذر قبول کر لے۔ میں پیدا ہونے والے بیٹے کو تیری  
 عبادت اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گی۔ اِنَّكَ  
 اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ بیشک تو سننے والا ہے اور جاننے والا  
 ہے۔ مقصد یہ تھا کہ میں اس مکمل یقین کے ساتھ دعا کر رہی ہوں کہ تو میری  
 التجا کو سن رہا ہے۔ اور میری اس نذر اور اس میں پائے جانے والے  
 خلوص کو جانتا بھی ہے۔

امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ جو نذر عمران کی بیوی نے مانی تھی، ایسی  
 نذر ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔ آج بھی کوئی شخص مہنت مانے کہ  
 میں اپنے بیٹے کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دوں گا۔ وہ علم دین  
 یعنی قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ سیکھے گا۔ اُسے کسی دنیا کے کام میں نہیں لگاؤں گا۔

جائزہ اور

ناجائزہ نذر



تو ایسی نذر ماننا بالکل درست ہے۔ اور اُس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی معصیت کی نذر مانے، کسی ناجائز کام کے لیے منّت مانے، تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوتا۔ بلکہ ایسی نذر کو توڑ دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ نَذَرَ أَنْ يُطِيعَ اللَّهَ جَسَ شَخْصٍ الشَّرِّ كِي اطَاعَتِ كِي نَذَر مَانِي تَوَاسُ كُو وَه نَذَر پُورِي كَمَرَنِي چاہیے۔ اور لازماً اللہ کی اطاعت كَمَرَنِي چاہیے۔ برخلاف اس کے اگر کسی نے اللہ کی نافرمانی كَمَرَنے كِي نذر مانی تو منہ مایا فَ لَا يَعْصِ اللَّهَ۔ ایسے شخص کو نافرمانی نہیں كَمَرَنِي چاہیے۔ بلکہ ایسی غلط نذر کو توڑ کر اُس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیے۔ كَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ الْيَمِينِ نذر توڑنے کا کفارہ قسم توڑنے کے برابر ہے۔ یعنی دس مساکین کو کھانا کھلانے یا انہیں کپڑے پہنانے یا تین دن کے متواتر روزے رکھے۔

بہر حال کسی نیک کام کے لیے نذر ماننا بمنزلہ عبادت ہے اور درست ہے۔ کسی کو دین کی خدمت یا مسجد کی خدمت کے لیے وقف کیا جاتے۔ یہ نذر صحیح ہے اور جائز ہے۔ البتہ کسی قبر کا مجاور بننے کی منّت درست نہیں۔ کیونکہ اس سے شرک و بدعت کی آبیاری ہوتی ہے۔ اور یہ معصیت کی نذر تصور ہوگی۔ اسی طرح قبروں پر چمڑھاوا چڑھانے اور وہاں پر نذر و نیاز پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں یہ شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ اور بعض صورتوں میں بدعت ہوتی ہے۔ لہذا درست نہیں۔ تاہم عمران کی بیوی نے جو نذر مانی تھی، اس سے بیت المقدس کی خدمت مقصود تھی۔ اُس نے مانے میں اس قسم کے کام کے لیے لڑکوں کو وقف کیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لیے لڑکیوں کو وقف کرنے کا رواج نہیں تھا۔ ان کی خواہش اور دعا تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ لڑکا عطا کرے تو وہ اسے اللہ کے گھر کی خدمت پر مامور کر دیں گی۔ امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ مجہول کی نذر بھی درست ہے۔ یعنی اعجبی علم ہی نہیں کہ پیدا ہونے والا لڑکا ہے یا لڑکی۔ مگر یہ نذر صحیح



ہے۔ کہ جو بھی اللہ تعالیٰ عطا کرے گا، اُس وقت کر دیا جائے گا۔

حضرت مریم  
کی ولادت

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا جَبَّ عِمْرَانُ كِي يَمُوتُ نَے جَنَّا، تَوَدَّ لَهَا لُطْ كِي مَحْتٰی۔ قَالَتْ  
كُنْ لَکِي، رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی اے پور دگار! مِیں نَے تَو لُطْ كِي  
كُو جَنَم دِیَا هَے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ اور اللہ خوب جانتا هَے  
جو كچھ اُس نَے جَنَّا هَے۔ كَہتے كا مقصد یہ تھَا۔ كہ مِیں نَے تَو نذر مانی مَحْتٰی كہ لُطْ كا  
هوَ گا۔ تَو اُسے بَیت المقدس كِي خَدْمَت كے لَیے وَقت كَر دَوْنِ كِي مَگَر لُطْ كِي كُو  
اِیسے كا م كے لَیے مقرر كَر نا مناسب نِہیں۔ وَلَیْسَ الذَّكْرُ كَا لَاحُضًا  
اور لُطْ كا لُطْ كِي طَرَح تَو نِہیں هَے۔ لُطْ كِي وَه مَشَقَّت كا كا م نِہیں كَر سَکتی جو لُطْ كا  
كَر سَکتا هَے۔ بَہر حال لُطْ كِي جَنَن كے بَعْد اُنہوں نَے كہا۔ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا  
مَرْكِيہ اور مِیں نَے اِس كا نا م مَرْكِيہ رَکھا هَے۔ مَرْكِيہ كا مَعْنٰی لُجْنُ نَزْدِیك  
عَابِدَہ یعنی عِبَادَت كُزَار هَے اور لُجْنُ كے نَزْدِیك خَادِمَہ هَے۔

امام ابو بکر جصاص اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ كہ عمران حضرت مریم  
كِي پیدائش سے پہلے ہی فُوت ہو چكے تھے۔ اور اُن كِي بیوی ہی نو مولود كِي كُفیل  
اور سر پرست تھی۔ لَہٰذا بچی كا نا م اُنہوں نَے خُود رَکھا۔ جِس سے ثابت ہوا۔ كہ  
ماں كو بھی بچے كا نا م رَکھنے كِي اجازت هَے خصوصاً اُس وَقت جب كہ باپ  
موجود نہ ہو۔ امام ابن كثیر فرماتے ہیں۔ كہ بچے كِي پیدائش كے دِن  
ہی اُس كا نا م رَکھ دیا جائے۔ تاہم ساتویں دِن بال اتارنا، عقیقہ كَرنا اور نا م رَکھنا  
بھی درست هَے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ كے بھائی كِي ولادت ہوئی۔ اُسی دِن اُس  
كو اٹھا كر حضور علیہ السلام كِي خَدْمَت مِیں پیش كیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نَے  
نو مولود كو گُڑھ صُتّی دی اور عبد اللہ نام بھی رَکھا، خود حضور علیہ السلام كے ہاں ماریہ قبطیہ  
كے بطن سے رات كو بچہ پیدا ہوا۔ طَبع آپ نَے فرمایا كہ رات میرے ہاں  
لُطْ كا تولد ہوا هَے۔ اور اِس كا نا م مِیں نَے اپنے چَد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام  
كے نا م پر رَکھا هَے۔ كُو یا بچے كا نا م اِس كے باپ نَے رَکھا۔ مَگَر حضرت



مریمؑ کا نام ان کی والدہ نے رکھا۔ کیونکہ باپ موجود نہیں تھا۔ بعض مفسرین نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ باپ کی عدم موجودگی میں تو ماں سرپرست بن سکتی ہے۔ مگر اس کی موجودگی میں نہیں بن سکتی۔

نام رکھنے کے ساتھ ہی فرمایا۔ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ اے اللہ! میں اس بچی کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردوسے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تاکہ شیطان کسی قسم کی دخل اندازی نہ کئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ شیطان نے ہر نو مولود کو چوکا لگایا سولے حضرت مریمؑ اور عیسیٰ علیہ السلام کے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ یہ انہی والدہ کی دعا کی وجہ سے ان کی خصوصیت تھی فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ پس قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح قبول کرنا یعنی لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی، تو اسے ہی عبادت کے لیے قبول فرمایا وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا اور بڑھایا اس بچی کو اچھی طرح بڑھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی نشوونما فرمائی۔ کہ حضرت مریمؑ عام معمول سے بہت جلدی بڑی ہو گئی۔ اور آپ کی صحت بھی بہت اچھی تھی۔

وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا اس کی قرأت دو طرح سے آتی ہے یعنی كَفَّلَهَا اور كَفَّلَهَا۔ كَفَّلَهَا کا معنی ہے کفیل بن گیا یا ضامن بن گیا۔ گویا زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے کفیل بن گئے۔ اور كَفَّلَهَا کا معنی ہو گا کہ اللہ نے زکریا علیہ السلام کو حضرت مریم کا کفیل بنا دیا۔ بہر حال دونوں طرح مقصد ایک ہی ہے۔ بچی کا باپ موجود نہیں۔ ماں اس کو لے کر ہیکل مقدس میں آگئی۔ تو وہاں پر موجود ہر شخص نے خواہش ظاہر کی کہ اس بچی کو اپنی کفالت میں لے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت منظور تھی۔ آپ نیک اور صالح آدمی تھے اور بیت المقدس کے امام بھی تھے۔ اُدھر آپ حضرت مریم کے رشتہ دار بھی تھے۔ یعنی ان کے خالو سمجھتے تھے۔ آپ کے گھر میں حنہ کی بہن ایشاع بنت لے طبری ص ۲۴۲ (فیاض)

حضرت مریم کی کفالت



فاقہ کی تھی۔ لہذا انہیں کفالت کا زیادہ حق تھا۔ ایسا ہی واقعہ حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی پیش آیا۔ جب حضرت حمزہؓ کی بچی کو مدینہ لایا گیا۔ تو حضرت اعلیٰ حضرت زید اور حضرت جعفر رضوان اللہ علیہم نے بچی کی پرورش کرنے کی پیش کش کی۔ حضرت جعفرؓ کے گھر میں بچی کی خالہ تھی۔ لہذا حضور علیہ السلام نے اُن کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور فرمایا الخالۃ بمنزلۃ الام۔ یعنی خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔ لہذا کفالت کی وہی زیادہ حقدار ہے۔

الغرض! حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریمؓ کے کفیل مقرر ہوئے۔ انہوں نے مریم کے لیے بیت المقدس میں الگ کمرہ بنا دیا۔ جہاں وہ دین بھر عبادت میں مصروف رہتی اور رات کو اُسے اپنے گھر لے جاتے۔ آپ کی تعلیم و تربیت بھی کرتے۔ یہ اللہ کی قدرت تھی۔ کہ حضرت مریم کے لطن سے حضرت مسیح کی ولادت مقصود تھی۔ بخاری شریف میں آتا ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ کیونکہ آپ محطور اہبت کام کرتے تھے۔ اور زیادہ وقت منصب نبوت کی ادائیگی میں صرف کرتے تھے اس لیے کبھی کھانے کو کچھ مل جاتا اور کسی دین فاقہ بھی برداشت کرنا پڑتا۔ عام طور پر انبیاء علیہم السلام کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت مریمؓ کی پرورش بھی جلد از جلد منظور تھی۔ کیونکہ آپ کے لطن سے جلیل القدر پیغمبر تولد ہونے والے تھے۔

اس کا انتظام اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا کہ لَمَّا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ جَبَّ زَكَرِيَّا عَلَيْهِ السَّلَامُ حَضْرَتِ مَرْيَمَ خَاكِ كَمْرَةٍ فِي مِثْلِ دَاخِلٍ هُوَ وَجَدَ عِنْدَ هَارِثًا تَوَاسُّلَ كَے پاس روزی پاتے۔ حضرت زکریاؓ کے پاس تو اس قدر وسائل نہ تھے۔ مگر وہ دیکھتے کہ حضرت مریمؓ کے پاس بے موسم پھل موجود ہیں۔ سردیوں کے پھل موسم گرما میں اور گرمیوں کے پھل موسم سرما میں حضرت مریمؓ کے پاس نہیں ہوتے۔ یہ حضرت مریمؓ کی کرامت تھی۔

حضرت مریم  
کی کرامت



کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ اور قدرت تامہ سے انہیں روزی پہنچاتا تھا۔

جو خرقِ عادت فعلِ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ وہ معجزہ ہوتا ہے اور جو اولیاء کے ہاتھ پر ظاہر ہو، وہ کرامت ہوتی ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اولیاء اللہ کی کرامت بہ حق ہے۔ اس سے انکار کی مجال نہیں۔ عقائد کی کتابوں میں نبی کے معجزے اور ولی کی کرامت کو عقیدے میں شامل کیا گیا ہے۔ البتہ کسی ولی اللہ کے ساتھ جھوٹ موٹ کرامت منسوب کرنا غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے ہاتھ پر بہت سی کرامات ظاہر فرمائیں۔ ان کا ذکر تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے مگر کشتی کا بارہ سال والا قصہ جھوٹا اور من گھڑت ہے بعض دیگر بزرگانِ دین کی طرف بھی لوگوں نے بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کر دی ہیں، جو درست نہیں۔

بہر حال جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے پاس پھل دیکھے تو فرمایا تَاللّٰہِ اِنِّیْ لَکَ ہٰذَا اے مریم۔ یہ کہاں سے آگئے  
قَالَتْ ہُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے آئے ہیں۔ یہ اسکی خاص عنایت تھی۔ تاکہ حضرت مریمؑ جلد از جلد سن بلوغت کو پہنچیں۔ اور آگے نبوت کا سلسلہ جاری ہو۔

مسند ابی یعلیٰ کے حوالے سے امام ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام کئی روز سے فلتے سے تھے۔ آپ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لائے اور کھانے کے لیے طلب کیا۔ جواب ملا، اباجی! آج تو گھر میں کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ اتفاق سے بھڑی ہی دیر بعد کسی پڑوسن نے دو چھوٹی چھوٹی روٹیاں اور گوشت کا ایک ٹکڑا حضرت فاطمہؑ کو ہدیہ بھیجا۔ وہ کھانا آپ نے بچوں کو کھلانے کی بجائے حضور علیہ السلام کے لیے رکھ لیا اور آپ کو پیغام بھیجا۔ آپ تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ نے کپڑے



کے نیچے رکھا ہوا کھانا نکال کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضور نے فرمایا  
 کہ کھوڑی دیہ پہلے تو گھر میں کوئی کھانا نہ تھا۔ اب کہاں سے آگیا۔ تو حضرت  
 فاطمہؓ نے وہی الفاظ کہے جو حضرت مریمؑ نے کہے تھے۔ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ  
 کہ یہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کھانے میں اس قدر بہت  
 ڈال دی کہ وہ مختصر سا کھانا حضور علیہ السلام نے خود تناول فرمایا۔ حضرات حنینؓ اور  
 اور حضرت علیؓ نے کھایا۔ آپ کی تمام ازواج مطہراتؓ نے کھایا۔ پھر بھی بچ گیا تو  
 پڑوسیوں میں تقسیم کیا گیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فاطمہ! تمہیں  
 اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کا شبیہ بنایا ہے۔ انہوں نے بھی یہی کہا۔ کہ کھانا  
 اللہ نے بھیجا ہے اور تو نے بھی یہی بات کی ہے۔ حقیقت یہ ہے۔  


---

إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا  
 ہے بغیر حساب کے رزق عطا کرتا ہے یہ اس کی خاص مہربانی ہے۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاَعْمُرَانِ ۳

درس سیزدہم ۱۳

آیت ۳۸ تا ۴۱

هٰذَاكَ دَعَا زَكْرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ  
 لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ③۸  
 فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي  
 الْمِحْرَابِ اَنْ يَّاتِيَ اللّٰهُ بِبَشْرٍ لَّكَ بِيْحٰى مُصَدِّقًا  
 بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُوْرًا وَنَبِيًّا  
 مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ③۹ قَالَ رَبِّ اَنۡىٰ يَكُوْنُ لِيْ غُلَامٌ وَّكَدُّ  
 بَلَغَنِى الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ  
 مَا يَشَآءُ ④۰ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ط قَالَ اٰتِيْكَ  
 اَلَّا تَكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمَزًا وَاذْكُرْ  
 رَبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاَبْكَارِ ④۱

۴۰/۳۸

ترجمہ: اس موقع پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے دُعا  
 کی اور عرض کیا۔ اے میرے پروردگار! بخش دے مجھ کو اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد  
 بیشک تو دُعا کا سننے والا ہے ③۸ پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز  
 دی۔ جب کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے کمرے کے اندر۔ بیشک  
 اللہ تعالیٰ تجھ کو کبھی بیٹے کی خوش خبری دیتا ہے۔ جو تصدیق کرنے والا ہوگا  
 اللہ کے کلمے کی۔ اور جو سردار ہوگا۔ اور جو خواہشات سے بچل طرز پر سکے والا  
 ہوگا۔ اور نبی ہوگا۔ نیکوں میں سے ③۹ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض  
 کیا، اے پروردگار! کس طرح ہوگا میرے لیے لڑکا اور تحقیق پہنچ چکا ہے



مجھ کو بڑھاپا، اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اللہ اسی طرح کرتا ہے، جو چاہے (۴۰) عرض کیا، اے پروردگار! بنائے میرے لیے نشانی، فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین دن کلام نہیں کر سکے گا۔ مگر اٹھائے سے۔ اور یاد کر اپنے پروردگار کو کثرت کے ساتھ۔

اور تسبیح کر پچھلے پر اور صبح کے وقت (۴۱)

ربط آیات عمران کی بیوی کا خیال تھا۔ کہ اس کے ہاں لڑکا ہوگا، تو وہ اُسے دین اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقت کم دیگی۔ اور وہ بچہ دنیا کے اشغال سے بالکل آزاد ہوگا۔ اور ہمیشہ عبادت میں مصروف رہیگا۔ مگر جب وضع حمل ہوا۔ تو لڑکی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اس بات کا ذکر اپنے پروردگار سے کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے بیٹی کو ہی قبول فرمایا۔ اور اس کی نشوونما کے لیے بہتر سامان پیدا کر دیا۔ اس کے لیے غیر معمولی روزی کا بندوبست کیا۔ جب حضرت زکریا علیہ السلام اُس بچی یعنی حضرت مریمؑ کے گھرے میں داخل ہوئے۔ تو وہاں انہوں نے بے موسم کے پھل دیکھے۔ عجیب کیفیت تھی۔ انہوں نے مریمؑ سے پوچھا کہ یہ پھل کہاں سے آئے ہیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ کی جانب سے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور حضرت مریم کی کرامت تھی۔

نیک اولاد کیلئے دعا جب یہ واقعہ پیش آیا اُس وقت حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر ستر سال یا بعض روایات کے مطابق سو سال تھی۔ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی، بیوی بھی عمر رسیدہ اور بانجھ تھی۔ مگر حضرت مریمؑ کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر انہیں خیال پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ وہ بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے تو موزوں عمر اور بیوی کی صلاحیت کے بغیر بھی اولاد عطا کر سکتا ہے۔ اس کے لیے ایسا کرنا بالکل آسان ہے۔ چنانچہ یہی خیال حضرت زکریا علیہ السلام کا اپنے حق میں اولاد کی دعا کرنے کا سبب بن گیا۔ اور آپ نے دعا کیلئے



ہاتھ اٹھائیے۔ هٰذَا لَكَ دُعَاؤُكَ يَا رَبِّهٖ اَسْ موقعہ پر حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً عرض کیا اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا کر۔

اُن ایام میں حضرت زکریا علیہ السلام سخت پریشان تھے۔ عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ بھائی بندوں سے خطرہ تھا۔ خاندان کے لوگ نالائق تھے۔ انہیں اپنے بعد تبلیغ و ہدایت کا کام جاری رکھنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ لہذا انہوں نے اپنے لیے نیک اولاد کی دعا کی۔ بزرگان دین اسی سے یہ چیز اخذ کرتے ہیں۔ کہ سلسلہ رشد و ہدایت کو آگے چلانے کے لیے تمنا کرنا انبیاء علیہم السلام کا مشن ہونے کی بنا پر اُن کی سنت پر عمل کرنا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا مفصل ذکر سورۃ مریم میں آتا ہے۔ اِذْ نَادٰی رَبُّكَ نِدًا خَفِيًّا "جب انہوں نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا، اور عرض کیا۔ اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھا پے سے بھڑک اٹھا ہے۔ میں تجھ سے دعا کرتا کہ کبھی نامراد نہیں رہا۔ مجھے اپنے بعد بھائی بندوں کی برائیوں کا ڈر ہے۔ اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو اپنے فضل سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا بھی وارث ہو اور آل یعقوب کا بھی وارث ہو اور اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔

اس مقام پر اُن کی دعا کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا۔ کہ اے پروردگار! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ هَبْ یا هَبْ سے مراد ہے۔ کسی کو کسی چیز کا بلا قیمت مالک بنادینا۔ اس کا عام فہم معنی بخشنا یا عطا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح عرض کیا۔ اور ساتھ یہ بھی کہا اِنَّكَ سَمِيعٌ اللہ تعالیٰ بیشک تو دعا کو سننے والا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان فرمائی کہ تو ہر چھوٹے بڑے کی دعا کو سنتا ہے لہذا میری دعا کو بھی شرف قبولیت بخش اور اولاد عطا کر۔ جو پاکیزہ ہو



جس کے اخلاق، اعمال، عادات اور خصائل پاکیزہ ہوں۔ دوسرے مقام پر فرمایا رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ یعنی نیکوں میں سے عطا فرما۔ کیونکہ رشد و ہدایت کے مشن کو نیک اور پاکیزہ اولاد ہی آگے چلا سکتی ہے۔ بُری اولاد تو الٹا وبالِ جان بن جاتی ہے اسی لیے تو شیخ سعدیؒ نے فرمایا کہ بری اور ناہموار اولاد بننے سے یہ بہتر ہے کہ عورتیں سانپ کے بچے جتنی رہیں۔ سورۃ فرقان میں اللہ تعالیٰ نے متقی لوگوں کی دُعا کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ یوں دُعا مانگتے ہیں رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا اے ہمارے پروردگار! ہم کو ایسی بیویاں اور ایسی اولاد عطا کر جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ اور ہمیں متقیوں کا امام اور پیشوا بنائے۔ جو نیک اولاد اچھے اخلاق کی حامل ہو۔ نیک کام کرتی ہو۔ وہ بلاشبہ والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے۔ اور جو اولاد ناہنجار ہو، کھیل تماشے میں مشغول ہے اور بُری عادات کا شکار ہو۔ وہ والدین کے لیے ذہنی کوفت کا سبب بنتے گی۔ اسی لیے زکریا علیہ السلام نے پاکیزہ اولاد کی دُعا کی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ جس کا تذکرہ اس طرح بیان ہوا۔ فَتَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز دی۔ کس وقت؟ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ جب کہ وہ کمرے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ یہاں پہ مِحْرَاب سے مراد مسجد کا محراب نہیں بلکہ کمرہ مراد ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ تک بھی مساجد میں موجودہ محراب نہیں ہوا کرتے تھے، جہاں امام کھڑے ہوتا بلکہ یہ طریقہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کے زمانے میں رائج ہوا۔ بہر حال فرشتوں نے آپ کو آواز دے کر کہا کہ تمہاری دُعا قبول ہو گئی ہے اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ الَّذِي تَخْتَصِي بِهٖ اللّٰهُ تَعَالٰی تجھے کجی بیٹے کی بشارت دیتا ہے۔ سورۃ مریم میں یہ بیان اس طرح ہے لِيُزَكِّرَنَّكَ بِرَبِّكَ اَنَا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ذَا سَمَةٍ يَحْيٰی ہم تمہیں کجی بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام بھی ہم نے خود کجی بخوینہ کیا ہے۔ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا اور یہ ایسا نام ہے۔ جو



اس سے پہلے کسی اور کا نام نہیں ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے چند اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں مُصَدِّقًا لِّكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔ کلمہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ کلمۃ اللہ اُن کا لقب ہے کیونکہ اُن کی ولادت براہِ راست اللہ کے کلمے کی تاثیر سے ہوئی تھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گم بیان میں پھونک ماری تو اس کلمہ کی تاثیر سے اللہ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ آپ کی پیدائش میں باپ کا توسط نہیں ہے۔ عام مخلوق کی پیدائش میں ماں اور باپ دونوں کا توسط ضروری ہے مگر یہاں یہ صرف ماں کا توسط ہے، باپ کا نہیں۔ لہذا آپ کلمۃ اللہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کے نبی اور رسول ہونے کی تصدیق سب سے پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کی۔ اسی لیے فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام جیسے بیٹے کی بشارت ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا۔

فرمایا اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام وَسَيِّدًا سید یعنی سردار ہوگا۔ سید اس شخصیت کو کہا جاتا ہے جس کے حکم کی تعمیل ضروری ہو۔ حضرت سعد بن معاذؓ بیمار کی حالت میں یہودیوں کا فیصلہ کرنے کے لیے حضور علیہ السلام کی مجلس میں آئے تو آپ نے انصار سے فرمایا قُومُوا إِلَىٰ سَيِّدِكُمْ اپنے سردار کی طرف کھڑے ہو جاؤ۔ کیونکہ وہ بیمار ہیں، زخمی ہیں اور معذور ہیں۔ اٹھ کر انہیں گدھے سے اتار دو۔ گویا آپ نے حضرت سعد کو سید کے لفظ سے پکارا۔ خود حضور علیہ السلام نے حضرت حسنؓ کے متعلق فرمایا إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ میرا بیٹا سردار ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ اسی طرح نبی عامر کا ایک وفد حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو ان لوگوں نے کہا أَنْتَ سَيِّدُنَا فذو طول علیٰ



آپ ہمارے سردار ہیں اور آپ ہم پر طاقت رکھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات تکلفاً  
 کہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا حقیقت میں سیدہ تو اللہ ہے۔ دیکھو! شیطان  
 تمہیں اپنی خواہشات میں نہ ڈال دے۔ تکلف سے بات نہیں کرنی چاہیے۔  
 حضور علیہ السلام تو تمام نسل انسانی کے سردار ہیں۔ آپ نے فرمایا اَنَا سَيِّدُ  
 قُلْدِ اَدَمَ وَلَا فَخْرٍ میں نسل انسانی کا سردار ہوں، مگر اس پر فخر نہیں ہے۔  
 یہ تو اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ اس کے باوجود نبی علیہ السلام کا بنی عامر کے لوگوں کو  
 یہ فرمانا کہ حقیقت میں سیدہ اللہ ہے۔ اس وجہ سے تھا۔ کہ وہ لوگ تکلفاً  
 سیدہ کہہ رہے تھے۔ اور ڈرتے تھے کہ سیدہ سیدہ کہہ کر شرک میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس  
 طرح شیطان ان کو اپنی خواہشات کے پیچھے نہ چلا لے۔ اسی لیے ایک  
 دوسری حدیث میں فرمایا لَا تَقُولُوا لِلْمَنْفِقِ سَيِّدٌ یعنی منافق کو سیدہ  
 کا لقب نہ دو۔ اگر منافق تمہارا سردار ہوگا۔ تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کوئی منافق،  
 فاسق، فاجر مسلمانوں کا سردار نہیں ہو سکتا۔ سیدہ وہ ہونا چاہیے جو نیک سیرت  
 اور پاکیزہ اخلاق کا حامل ہو تاکہ اس کی اطاعت کی جاسکے۔

پھر فرمایا وَ حَصَوْرٌ اَیْچھلی بنی حضور یعنی خواہشات سے مکمل طور پر  
 رکتے والا ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس بیٹے کی بشارت  
 دی جا رہی ہے۔ وہ عورت کے بالکل قریب نہیں جائیگا۔ چنانچہ حضرت  
 یحییٰ علیہ السلام نے زندگی بھر شادی نہیں کی۔ اس بات کی وضاحت ضروری ہے  
 کہ حضور کا معنی ایہ نہیں ہے کہ آپ شادی کے قابل نہ تھے۔ بلکہ بتلانا یہ مقصود  
 ہے کہ آپ تمام تر مردانہ قوی کی موجودگی میں عبادت و ریاضت میں اس قدر  
 منہمک رہتے تھے کہ دنیوی خواہشات خاص طور پر عورت کی طرف ان کی  
 توجہ ہی نہیں ہوتی تھی۔ آپ کی یہ شان ہے کہ ہر قسم کی خواہشات پر آپ کو  
 مکمل کنٹرول حاصل تھا۔ لہذا آپ کا لقب حضور تھا۔ اس کے علاوہ یحییٰ علیہ السلام  
 کی ایک صفت یہ بھی تھی۔ وَ سَيِّدٌ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ آپ نیکو کاروں



میں سے اللہ کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر پر نبوت کا تاج رکھ دیا تھا۔ الغرض فرشتوں نے بشارت دیتے وقت بتایا کہ اے زکریا (علیہ السلام) آپ کا بیٹا ان چار صفات کا حامل ہوگا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے خود ہی بیٹے کے لیے دعا کی۔ دعا کی قبولیت پر جب فرشتوں نے خوشخبری دی تو آپ استعجاب میں مبتلا ہو گئے کہ بظاہر اسباب ایسے نہیں ہیں کہ اولاد ہو سکے۔ کیونکہ وہ خود بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور بیوی بھی بانجھ تھی۔ تاہم وہ کیفیت معلوم کرنا چاہتے تھے جس میں ان کے ہاں اولاد ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے قَالَ حضرت زکریا علیہ السلام نے عرض کیا رَبِّ اَنِّیْ یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ اے پروردگار! میرے ہاں بچہ کیسے تولد ہو گا۔ کیونکہ ظاہر صور حال یہ ہے وَقَدْ بَلَغَنِی الْکِبَرُ مجھ پر بڑھاپا وارد ہو چکا ہے۔ وَاُمْرَاَتِیْ عَاقِرٌ اور بیوی بانجھ ہے۔ اولاد جننے کے قابل نہیں مگر تو قادرِ مطلق ہے۔ جو بے موسم پھل عطا کر سکتا ہے۔ وہ ہماری میاں بیوی کی جسمانی طاقت بھی تبدیل کر کے اولاد کے قابل بنا سکتا ہے۔ تو بدیع اور موجد ہے۔ تیری قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کو اسباب کی ضرورت بھی نہیں ہے تاہم میں جاننا چاہتا ہوں کہ مجھ پر یہ غنایت کیسے ہوگی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا قَالَ کَذٰلِکَ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اللہ اسی طرح کرتا ہے جو چاہے۔ یعنی اسباب کی ضرورت تو مخلوق کو ہوتی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی ذات تو اسباب و علل کی پابند نہیں۔ اس نے بیٹا عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ تو جس طریقے سے چاہے گا عطا کر دے گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے پھر عرض کیا کہ مولا کہیم! یہ تو مجھے علم ہے کہ تو جو چاہے کر سکتا ہے۔ مجھے بیٹا بھی عطا کر دے گا۔ مجھے میرے اطمینان قلب کے لیے یہ تو بتائے قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِیْ اٰیۃً میرے لیے کوئی نشانی بنا دے جس سے پتہ چل جائے کہ میری بیوی حاملہ ہو چکی ہے۔

استقرارِ حمل  
کی نشانی



تک اس پر میں تیرا مرید شکمہ ادا کروں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی موت و حیات کا  
مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ تو عرض کیا تھا۔ مولا کریم مجھے مشاہدہ کرائے کہ تو مرنے والوں  
کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَرْكَعْ تَوَّصُّنْ لِّمَا تَجْهَسُ اس بات  
کا یقین نہیں ہے۔ عرض کیا۔ یقین تو بیشک ہے وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي  
مگر میں اطمینان قلب کے لیے نظارہ کرنا چاہتا ہوں۔ تم و بیش ہی کیفیت  
حضرت زکریا علیہ السلام کی تھی۔ انہیں بیٹا ہونے کی بشارت تو مل گئی تھی۔ مگر  
وہ نشانی معلوم کرنا چاہتے تھے جس سے ان کو اطمینان قلب حاصل ہو جائے  
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قَالَ اٰيٰتِكَ اِلَّا تَكْلِمَ النَّاسَ ثَلٰثَةً  
اَيَّا هِرَ لَآرَمٰنًا تمہاری نشانی یہ ہوگی۔ کہ تین دن اور تین رات تم کسی سے  
بات نہیں کر سکو گے۔ میں تمہاری زبان روک دوں گا۔ البتہ اللہ کا ذکر کرنے  
اور عبادت کرنے کے لیے زبان جاری ہے گی۔ بعض مفسرین نے اس  
آیت کا یہ مطلب لیا ہے۔ کہ تم خود روزہ رکھ لینا اور چپ کرنا۔ یعنی چپ  
کا روزہ رکھ لینا۔ یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ خود تمہاری زبان کو  
کلام کرنے سے روک دے گا۔ انجیل میں بھی اسی طرح آتا ہے۔ کہ تم تین دن  
تک کلام نہیں کر سکو گے فرمایا ان تین ایام کے دوران وَ اَذْكُرْ يَوْمًا  
كَثِيْرًا اپنے رب کا کثرت سے ذکر کرو۔ وَ سَبِّحْ بِالْعِشِيِّ وَالْاُبْحَارِ  
اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح بیان کرو۔ یہ اس بات کی نشانی ہوگی تمہاری  
بیوی کو استقرار حمل ہو چکا ہے۔ اور پھر قریبی زمانہ میں اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے گا۔



يَمْرِيْمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ  
الرَّكَعِيْنَ ۝ (۴۳) ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ  
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيْهُمْ  
يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۝ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ  
يَخْتَصِمُوْنَ ۝ (۴۴)

ترجمہ: اور جب فرشتوں نے مریمؑ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ اے مریمؑ  
بیشک اللہ تعالیٰ نے تجھ کو منتخب کیا ہے۔ اور تجھ کو پاکیزہ بنایا ہے۔ اور  
تجھ کو بزرگی عطا فرمائی ہے۔ سب جہان والی عورتوں پر (۴۲) اے مریم! اپنے  
پہ در دگاہ کی اطاعت کرو۔ اور سجدہ کرو۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ  
رکوع کرو (۴۳) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔ ہم اس کو آپ کی طرف  
وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب کہ وہ اپنے قلموں کو  
ڈالتے تھے۔ کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے۔ اور آپ ان کے  
پاس نہیں تھے۔ جب کہ وہ آپس میں جھگڑتے تھے (۴۴)

فرشتوں کا  
غیر نبی سے  
کلام

گزشتہ سے پیوستہ دروس میں حضرت مریمؑ کی ولادت کے متعلق ذکر تھا  
کہ کس طرح ان کی والدہ نے منت مانی۔ کہ ان کے ہاں لڑکا ہوگا، تو وہ اُسے  
خدمت دین کے لیے وقت کر دیں گی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔  
کہ لڑکے کی بجائے انہوں نے حضرت مریمؑ کو جنا۔ پھر ان کی کفالت کا ذکر ہوا۔

ربط آیات



کہ قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا۔ انہوں نے اچھی طرح پرورش شروع کی۔ مگر حضرت مریمؑ کے گھرے میں بے موسم کے پھل دیکھ کر سخت حیران ہوئے۔ پوچھا اے مریم! یہ کہاں سے آئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا **هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** یہ اللہ کے ہاں سے آئے ہیں۔ اس پر حضرت زکریا علیہ السلام کو خیال پیدا ہوا کہ جو مالک الملک بے موسم پھل حضرت مریم کو بھیج سکتا ہے۔ وہ اس بڑھاپے میں مجھے اولاد بھی عطا کر سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لیے دعا کی۔ تو اللہ نے انہیں سچی بیٹے کی بشارت دی۔ اور فرشتوں نے ان کے پاکیزہ اوصاف بھی بیان کیے۔ آج کے درس میں روئے سخن پھر حضرت مریمؑ کی طرف ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے انتخاب اور ان کے مناقب کا بیان ہے۔ اور پھر آئندہ درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت، ان کے اوصاف اخلاق حمیدہ اور معجزات کا تذکرہ ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **وَإِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ** اور جب فرشتوں نے کہا، اے مریم! یہ ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ بنی نہیں ہیں۔ بلکہ غیر بنی ہیں۔ تو یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فرشتوں کا غیر انبیاء سے کلام جائز ہے۔ انبیاء کے پاس تو فرشتے ہمیشہ وحی لاتے رہے ہیں اور ان سے کلام کرتے ہیں۔ مگر غیر بنی سے فرشتوں کے کلام کی کیا حیثیت ہے اس سلسلے میں مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کا غیر بنی سے کلام ممنوع نہیں ہے۔ البتہ وحی صرف نبیوں پر ہی نازل ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے احکام اور شریعت ہوتی ہے۔ جسے آگے لوگوں تک پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس لیے وحی صرف انبیاء تک محدود ہوتی ہے۔ البتہ فرشتوں کا عام لوگوں کے ساتھ کلام روا ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بنی نہیں تھیں۔ مگر قرآن پاک میں ان



کے ساتھ فرشتوں کا کلام مذکور ہے۔ حضرت مریمؑ بھی بالاتفاق بنی نہیں ہیں۔  
 کیونکہ قرآن پاک میں تصریح موجود ہے ”وَمَا أَدْمَلْتَكَ مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا  
 رَجَالًا تُفِجِي إِلَيْهِمْ“ آج تک جتنے بھی بنی ہوئے ہیں۔ سب مرد تھے  
 اللہ تعالیٰ نے نبوت کا منصب عورتوں کو عطا نہیں فرمایا۔ البتہ بنی کے بعد  
 صدیقیت کا درجہ بعض عورتوں کو عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں حضرت  
 مسیح علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم کے متعلق صراحتاً موجود ہے ”أُمُّهُ صِدِّيقَةٌ“  
 ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں۔  
 سب سے پہلے بنی، پھر صدیق، پھر شہید اور پھر صالحین بنی کے بعد صدیق کا درجہ  
 ہے۔ اور حضرت مریمؑ کے لیے یہ اعزاز قرآن پاک سے ثابت ہے اسی  
 طرح جب فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بشارت لے کر آئے  
 تو حضرت سارہؑ بھی وہاں موجود تھیں۔ مریمؑ کو بھی فرشتوں نے حضرت  
 عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ حضرت عمران ابن حصینؑ حضور  
 کے اونچے درجے کے صحابی ہیں جن کا ذکر مسلم شریف میں موجود ہے۔ (اور  
 قوت القلوب والے نے لکھا ہے کہ حضرت عمرانؑ تین سال تک صاحب  
 فراش ہے۔ آپ کو ناسور اور شدید قسم کا بواسیر لاحق ہو گیا تھا) بیماری کی حالت  
 میں فرشتے آکر ان کو سلام کرتے تھے۔ انہوں نے علاج کے طور پر زخم پر  
 آگ سے داغ لگوایا۔ تو فرشتوں کا سلام موقوف ہو گیا۔ جب انہوں نے یہ  
 طریقہ علاج ترک کر دیا۔ تو سلام پھر ہونے لگا۔ فرشتوں کا سلام کہنا بھی ان کا  
 کلام کہنا ہی ہے۔ اور یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ الغرض! فرشتوں کا  
 غیر بنی سے کلام کہنا ثابت ہے جو کہ اعلیٰ درجے کی فضیلت ہے۔

حضرت مریمؑ  
 کے مناقب

ہیاں پر اللہ تعالیٰ نے ان مناقب کا تذکرہ فرمایا۔ جو فرشتوں نے حضرت  
 مریمؑ سے بیان کیے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ بِشَکِّ اللّٰهِ تَعَالٰی نے تجھ  
 کو پسند فرمایا ہے یا منتخب فرمایا ہے یا برگزیدہ بنایا ہے۔ آپ کی پہلی



برگنہیدگی تو یہ تھی کہ آپ کی والدہ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ آپ کو عبادت الہی اور بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقت کیا گیا۔ چنانچہ بیت المقدس میں ہی آپ کی رہائش کا بندوبست ہوا۔ اور وہیں آپ بچپن میں مصروف عبادت رہیں۔ پھر فرمایا و طهرک اور آپ کو پاکیزہ بنایا۔ پاک اور صاف بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی طہارت عطا فرمائی۔ حضرت مولانا عثمانیؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے دن سے ہی مستحب کر لیا تھا۔ آپ کو نیکی اور ایمان کے ساتھ پاک بنایا۔ کیونکہ النان کو ایمان اور نیکی کے ساتھ طہارت حاصل ہوتی ہے، پھر اچھے اخلاق و عادات اور اچھے اعمال طہارت کا ذریعہ ہیں۔ بد اخلاق اس کے برے اعمال، برے اخلاق، کفر اور شرک نجاست اور گندگی کا سبب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو ان تمام برے خصلتوں سے پاک فرمایا۔ اس پر ہمہ تن عبادت میں مصروفیت مزید باطنی طہارت کی دلیل ہے۔ ہماری شریعت میں بھی ہر مومن مسلمان مرد اور عورت کے لیے طہارت ضروری ہے۔ یہ طہارت عقیدے اور اعمال یعنی ظاہر و باطن ہر طرح سے ہوتی چاہیے۔

فرمایا و اصطفک علی نساء العالمین فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو یہ بھی خوشخبری سنائی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہاں بھر کی خواتین پر برگنہیدگی عطا فرمائی ہے۔ پہلے اصطفیٰ سے مراد بچپن کی فضیلت تھی۔ اب اس دوسرے اصطفیٰ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بلا واسطہ باپ والدہ بننے کا شرف ہے دوسری خواتین پر کہ بغیر لمس بشر کے آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر اور صاحب کتاب پیغمبر پیدا ہوئے۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی اور عورت پر حاصل نہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مردوں میں تو بہت سے کالین گزرے ہیں۔ سلسلے کے سائے انبار، اس کے بعد صدیق اور دوسرے لوگ مگر خواتین میں صرف چند عورتیں کالین میں شمار ہوتی ہیں۔ ان میں مریم بنت عمران ہیں۔ حضور علیہ السلام



کی زونہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔ فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی  
 موشتہ اور کالمین میں سے تھیں اس کے بعد حضرت فاطمہ سیدۃ النسا اہل الحجۃ ہیں۔  
 اور پھر حضرت عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے، جیسے شہید کھانے کی  
 دوسرے تمام کھانوں پر بعض روایات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمیشہ کا بھی  
 ذکر آتا ہے۔ یہ سب عورتیں کالمین میں شامل تھیں۔

حضرت ہونیم  
 کو نصیحت

بشارت سنانے کے بعد فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بعض نصیحتیں بھی  
 کیں۔ جس سے مراد اس رب العالمین کا شکر ادا کرنا ہے جس نے انہیں اس قدر  
 بہتر می عطا فرمائی۔ چنانچہ فرمایا: مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ اے مریم! اپنے  
 رب کی عبادت کرو۔ قرآن پاک میں قنوت کا لفظ جہاں بھی مذکور ہے، اس سے  
 مراد اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ اللہ نے اپنے پیارے بندوں کی صفات  
 بیان فرماتے ہوئے فرمایا: وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت  
 کرنے والے مرد اور اطاعت کرنے والی عورتیں۔ دوسری جگہ فرمایا: وَقُومُوا  
لِللّٰهِ قَانِتِينَ اللہ کے سامنے اطاعت کے جذبے کے ساتھ کھڑے  
 ہو جاؤ۔ اسی سورۃ میں تیجھے گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی فہرست  
 میں جن لوگوں کو شامل کیا ہے۔ ان میں صابرین۔ صادقین کے بعد قَانِتِينَ  
 یعنی اطاعت گزار بھی شامل ہیں۔ الغرض! فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ  
 کی ہمیشہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کی وصیت کی۔

اس کے بعد فرمایا: وَاسْجُدْ وَاقْبُدْ مَعَ الرَّكْعَيْنِ اور سجدہ کرو۔  
 اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ یہاں پر سجدہ کا ذکر پہلے ہے  
 اور رکوع کا بعد میں ہے۔ اس کی توجہ یہ مفسرین کرام خصوصاً امام بیضاویؒ یوں  
 فرماتے ہیں کہ جن دو چیزوں کو حرف و کے ساتھ اکٹھا بیان کر دیا جاتا ہے۔  
 ان میں ترتیب ملحوظ نہیں رکھی جاتی ہے۔ اس لیے سجدے اور رکوع کے  
 آگے تیجھے آجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تاہم نماز پڑھتے وقت پہلے رکوع



ہی کیا جائے گا۔ اور اسی طریقے پر عمل کیا جائیگا۔ جو حضور علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ امام  
 بیضاویؒ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ واکسبجدی سے مراد مکمل نماز پڑھنا ہے۔  
 چونکہ سجدہ نماز کا ایک اہم رکن ہے۔ اس لیے صرف اس کا ذکر کر کے مراد  
 نماز لیا گیا ہے۔ بعض اوقات صرف تسبیح کہہ کر مراد پوری نماز لی جاتی ہے۔  
 بہر حال امام صاحب فرماتے ہیں۔ کہ سجدہ سے مراد یہاں پر نماز ہے۔ اور رکوع  
 سے مراد خشوع و خضوع ہے۔ گویا عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ  
 آپ کے مطابق پورے جملے کا مفہوم یہ ہو گا۔ کہ نماز نہایت خشوع و خضوع اور  
 عاجزی کے ساتھ ادا کرو۔

بعض فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں میں یہ طریقہ رائج تھا۔ کہ سجدہ پہلے کرتے  
 تھے اور رکوع بعد میں اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہی ترتیب ملحوظ رکھی  
 بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہودی سجدہ تو اہتمام کے ساتھ کرتے  
 تھے۔ مگر رکوع کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے  
 خاص طور پر ہدایت کی کہ رکوع کرو۔ رکوع کرنے والوں کے ساتھ۔ اس میں  
 کوتاہی نہ کرو۔ آج کے دور میں بعض لوگ رکوع کا خیال نہیں کرتے۔ سجدہ کے  
 لیے پیشانی تو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ مگر رکوع پوری طرح ادا نہیں کرتے،  
 نہ پیٹھ کو پوری طرح ہموار کرتے ہیں۔ اور نہ رکوع سے سیدھا کھڑا ہوتے  
 ہیں۔ بلکہ جلدی ہی سجدہ میں چلے جاتے ہیں۔ اس لیے رکوع کی خاص طور پر  
 تلقین کی گئی ہے۔ بعض فرماتے ہیں۔ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز باجماعت  
 ادا کرو۔ نماز میں سجدہ اعلیٰ درجے کی تعظیم ہے اور رکوع ادا کرنے کے  
 کی ہے۔ سجدہ کا مرتبہ زیادہ بلند ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔  
 اقرب ما یكون العبد من ربه وهو ساجد  
 بندہ سجدے کی حالت میں اپنے رب سے قریب تر ہوتا ہے۔ اس  
 لیے سجدہ کی فضیلت کے پیش نظر اس کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔



غیب کی  
خبریں

حضرت مریمؑ کے تذکرہ کے بعد اب حضور خاتم المرسلین کی نبوت کی صداقت کا بیان ہے۔ اس کے بعد اگلے درس میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری کا بیان ہوگا۔ تاہم درمیان میں حضور علیہ السلام کے تذکرہ کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کی نبوت سے متعلق بعض شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔ جن کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ یہ واقعہ جو ہم نے بیان کیا ہے، غیب کی خبروں میں سے ہے۔ نُوحِيهِ إِلَيْكَ جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ یعنی آپ کو اس واقعہ کا علم تھا۔ اور نہ آپ جانتے تھے۔ اور آپ غیب دان بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ علم غیب خاصہ خداوندی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی غیب نہیں جانتا۔ اور جب حضرت مریمؑ کا یہ واقعہ پیش آیا۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ آپ ان کے پاس بھی نہیں تھے۔ جو اس واقعہ کو ذاتی طور پر ملتے ہوں۔ اور یہ اس وقت کی بات ہے۔ إِذْ يُلقُونَ أَقْلَامَهُمْ جب کہ وہ لوگ اپنی قلمیں ڈال رہے تھے۔ یعنی اس بات میں قرعہ اندازی کر رہے تھے کہ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ حضرت مریمؑ کی کفالت کون کرے۔ یہ اس وقت ہوا۔ جب ان کی والدہ نے بتایا کہ انہوں نے نذرمانی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے گا۔ تو وہ اُسے بیت المقدس کی خدمت اور اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دیں گی۔ چونکہ عمران فوت ہو چکے ہیں۔ اس لیے بیت المقدس کے سارے زعمانے حضرت مریمؑ کی کفالت اپنے ذمے لینے کی خواہش ظاہر کی۔ وہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ بڑی بابرکت بچی ہے۔ جسے اس کی ماں نے خدمت دین کے لیے وقف کر رکھا ہے، جب ان لوگوں کے درمیان کفالت کے مسئلہ پر جھگڑا پیدا ہوا۔ تو انہوں نے اس کا فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی کرنے پر اتفاق کر لیا۔ قرعہ اندازی کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کہ ہر خواہش مند نے اپنی اپنی وہ قلمیں نہریں ڈال دیں جن سے وہ تورات لکھا کرتے تھے۔ حضرت مریمؑ کے خالو حضرت زکریا علیہ السلام بھی قرعہ ڈالنے



والوں میں شامل تھے۔ چنانچہ جب قلمیں پانی کے بہاؤ کی طرف ڈالی گئیں تو سب کے قلم بہاؤ کی طرف بہ نکلے۔ سوائے حضرت زکریا علیہ السلام کے قلم کے، جو بہاؤ کی الٹی طرف چل پڑا۔ چنانچہ قرعہ کا فیصلہ آپ کے حق میں ہو گیا۔ اور اس طرح حضرت مریمؑ ان کی کفالت میں چلی گئیں۔

ہماری شریعت میں بھی قرعہ اندازی ایسے حقوق کے سلسلے میں جائز ہے۔ جو دوفریقوں کی اپنی رائے کے سپرد ہوں۔ اگر شریعت نے خود حقوق متعین کر دیے ہیں۔ تو پھر قرعہ اندازی درست نہ ہوگی۔ مثلاً کوئی جائداد بعض آدمیوں کے درمیان مشترک ہے۔ وہ اس بات پر قرعہ اندازی نہیں کر سکتے۔ کہ جس کے نام کا قرعہ ہوگا۔ وہ ساری جائداد لے لیگا۔ یہ تو قمار یا سود کی قسم ہے۔ اس طرح ایک دوسرے کی حق تلفی ہوتی ہے۔ ہاں ایسے معاملات میں قرعہ اندازی اس طور پر جائز ہے کہ کوئی جائداد برابرہ برابر تقسیم کے بعد شمالی جنوبی یا شرقی غربی حصے کا معاملہ ہو۔ کہ دونوں حصوں میں سے کون سا حصہ ایک حصہ دار لیگا۔ اور کونسا دوسرا حصہ دار وصول کرے گا۔ اسمیں رہنما اصول یہ ہے۔ کہ قرعہ اندازی ان امور میں جائز ہے جن میں بغیر قرعہ اندازی کے بھی معاملہ کا فیصلہ ہو سکے۔ جیسے کوئی معتبر آدمی یا حاکم وقت متنازعہ حصص کو تقسیم کر دے۔

قرعہ اندازی کی بعض مثالیں حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی ملتی ہیں۔ فتح خیبر کے بعد یہودی اناج جمع کرتے تھے۔ تو حضرت عبداللہ بن رواحہؓ اس کو دو برابر ڈھیروں میں تقسیم کر کے ان کو اختیار دیتے تھے۔ کہ جو نسا چاہو اٹھا لو، خود حضور علیہ السلام سفر پر جاتے وقت اپنی ازواج مطہرات میں قرعہ ڈال لیتے تھے۔ کہ کسے ساتھ لے جائیں۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کو عام اجازت تھی کہ جس زوجہ مطہرہ کو چاہیں اپنی رفاقت میں ساتھ لے جائیں۔ مگر آپؐ انہی مایہ ناز قلوب کے لیے قرعہ ڈال لیتے تھے۔ چنانچہ بعض اوقات آپ کے ساتھ حضرت عائشہؓ ہوتی تھیں، بعض دفنہ حفصہؓ رفیقہ سفر ہوتیں اور بعض اوقات

قرعہ کی  
شرعی حیثیت







تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس پانزدہم ۱۵

الْإِمْرَانُ ۳

آیت ۲۵ تا ۲۸

إِذْ قَالَتِ الْمَلِكَةُ لِمَرْيَمَ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ  
 بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ  
 مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ  
 الْمُقَرَّبِينَ ۝ (۲۵) وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ  
 وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝ (۲۶) قَالَتْ رَبِّ أَنَّى  
 يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرٌ قَالَ  
 كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا  
 فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ (۲۷) وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ  
 وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ (۲۸)

ترجمہ: اُس واقعہ کو سامنے لاؤ، جب فرشتوں نے مریم سے کہا، بیشک  
 اللہ تعالیٰ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے ایک کلمے کی اس کی طرف سے، جس کا نام  
 مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ وہ وجاہت والا ہوگا دنیا میں اور آخرت میں اور مقربین  
 میں سے ہوگا ۝ (۲۵) اور وہ کلام کہہ گیا لوگوں کے ساتھ گوارے میں اور ادھیڑ  
 عمر میں اور نیکو کاروں میں سے ہوگا ۝ (۲۶) مریم نے عرض کیا، اے پروردگار  
 کہاں سے ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ نہیں ہاتھ لگایا مجھے کسی آدمی نے،  
 اُس نے فرمایا، اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے جو چاہے۔ جب وہ کسی  
 بات کا فیصلہ کرتا ہے، تو پھر وہ اُسے کہتا ہے ہو جا، پس وہ بات ہو جاتی  
 ہے ۝ (۲۷) اور سکھائے گا اُس کو کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل ۝ (۲۸)

درجہ آیت

گزشتہ درس میں حضرت مریمؑ کے کچھ مناقب بیان ہوئے تھے۔ کہ



اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم پیغمبر کی پیدائش کے لیے ان کا انتخاب کیا۔ اور اس  
 ضمن میں انہیں تمام جہان والی عورتوں پر فضیلت بخشی۔ اس کے علاوہ انہیں  
 ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے پاکیزہ بنایا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور  
 اس کی عبادت کرنیکی نصیحت کی گئی۔ اور پھر یہ اصول بھی بیان کر دیا کہ جو واقعات  
 بیان کیے جاسکتے ہیں۔ وہ عقیب کی خبروں میں سے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ  
 بذریعہ وحی انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے ہیں۔ اس بات کی وضاحت کی گئی کہ  
 حضرت مریمؑ کی کفالت کے متعلق جب قرعہ اندازی ہو رہی تھی تو نے پیغمبر  
 آخر الزمان علیہ السلام آپ وہاں موجود نہیں تھے۔ نہ آپ عقیب دان ہیں۔ بلکہ  
 آپ تک یہ خبریں پہنچانے کا ہمارا اپنا انتظام ہے۔ اب آج کے درس میں حضرت  
 عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق خوشخبری اور آپ کے بعض معجزات کا  
 تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ مریمؑ کے اس استعجاب کا بیان ہے۔ جو  
 انہیں بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری پہ ہوا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مریمؑ کی پرورش اللہ تعالیٰ نے خاص  
 طریقہ سے فرمائی اور وہ جلدی جلدی بڑھی ہوئے لگیں۔ پھر جب وہ سن بلوغت  
 کو پہنچ گئیں تو فرشتوں نے آکر آپ کو بشارت دی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اِذَا  
 قَالَتِ الْمَلَاِئِكَةُ اَسْ وَاَقْعَہُ کو وھیان میں لاؤ، جب فرشتوں نے آکر  
 مریمؑ سے کہا یٰمَرْیَمُ اے مریمؑ! اِنَّ اللّٰہَ یُبَشِّرُکَ بے شک  
 اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دیتا ہے۔ بِکَلِمَةٍ مِّنْہٗ اپنی طرف  
 سے ایک کلمہ کی۔ بشارت اس خبر کو کہا جاتا ہے۔ جس میں خوشی ہو۔ خبر سن  
 کر سرور حاصل ہو۔ جیسے سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ  
 اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنْ لَّهُمْ جَنَّٰتٌ جُوْا لَہُمْ اِیْمَانِ  
 لائے اور اچھے اعمال کیے، اُن کو جنت کی بشارت دے دیجئے۔ ظاہر  
 ہے کہ یہ نہایت ہی خوشی کی بات ہے کہ کسی کے لیے جنت مقدر کر



دی جائے تاہم بعض اوقات بشارت سے مراد محض خبر بھی ہوتا ہے۔ جیسے  
 کفار کے متعلق فرمایا "فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ" انہیں دردناک  
 عذاب کی خبر دے دو۔ تاہم یہاں یہ بشارت سے مراد اچھی اور خوش کن خبر ہے  
 کہ اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے  
 اس مقام پر کلمہ کا لفظ حضرت مسیح علیہ السلام پر بولا گیا ہے۔ آپ کو اللہ کا کلمہ  
 اُس خصوصیت کی بنا پر کہا گیا ہے۔ جو آپ کی ذات میں بن باب کے پیدائش  
 کی وجہ سے ہے۔ قرآن میں بعض دوسری چیزوں کی نسبت بھی خصوصی طور پر  
 اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔ جیسے سورۃ شمس میں نَاقَةَ اللَّهِ یعنی اللہ کی  
 اونٹنی کا ذکر آیا ہے۔ اونٹنیاں اور تمام چیزیں تو سب کی سب اللہ ہی کی ہیں۔  
 مگر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو خاص طور

پر اللہ کی اونٹنی اس لیے کہا گیا ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کی پیدائش خاص طریقہ سے کی تھی۔ یہ اونٹنی کسی ماں  
 کے پیٹ کی بجائے چٹان سے نکالی گئی تھی۔ اس لیے اس کو اللہ کی اونٹنی کہا گیا  
 اسی طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ شریف یعنی اللہ کا گھر کہا گیا ہے۔ حالانکہ  
 تمام مساجد اللہ ہی کے گھر ہیں۔ اس کے علاوہ کائنات کی ہر چیز اسی کی پیدا کردہ  
 ہے لہذا اُسی کی ہے۔ مگر بیت اللہ کو بیت اللہ اس لیے کہا گیا ہے۔ کہ  
 وہاں پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی تجلیات ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں۔ عام مساجد میں  
 بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی ہوتی ہے۔ اس لیے وہ بھی اللہ کے گھر ہیں۔  
 تو بہر حال فرشتوں نے حضرت مریم کو اللہ کے کلمے کی بشارت یعنی خوشخبری دی۔  
 امام ابو بکر حباصؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے  
 کی ایک وجہ تو یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بغیر باپ کے توسط کے  
 پیدا کیا۔ گویا آپ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اس  
 لقب کی دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ پہلی کتابوں میں مسیح علیہ السلام کے متعلق



پیش گوئی موجود تھی۔ کہ آپ اپنے مقررہ دور میں آکر ہدایت کا ذریعہ بنیں گے۔ تو یہ وہی کلمۃ اللہ

ہیں۔ جن کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔ کلمۃ اللہ کی تیسری توضیح یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو کَلِمَاتٍ بَلَدٍ یعنی اللہ کے کلمے کہا ہے۔ اور یہ لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل فرمایا ہے۔ اسی طرح چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کو بھی مخلوق کے لیے ذریعہ ہدایت بنایا، لہذا ان کا نام بھی کلمۃ اللہ رکھ دیا۔

فرمایا اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے کلمے کی خوشخبری دیتا ہے۔ اِسْمُ الْمَسِيحِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ اُس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ لفظ مسیح عبرانی اور سریانی زبان کے اشتقاق سے آیا ہے اور اس کا معنی مبارک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے بعد پہلے ہی دین آپ کی زبان سے کہلوادیا تھا۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ ”وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ“ سورة مریم میں جہاں بھی ہوں، مجھے برکت والا بنایا ہے۔ لہذا آپ کا لقب مسیح قرار دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کا لقب یسوع بھی ہے جو یثوع سے آیا ہے اور اس کا معنی سردار یا سید ہے۔

عربی زبان میں مسیح کا معنی سیاح ہے۔ دجال کے ساتھ مسیح کا لفظ بھی انہی معانی میں آیا ہے۔ مسیح دجال یعنی سیاحت کرنے والا دجال کہتے ہیں کہ دجال چالیس دن میں پوری دنیا کے گرد گھوم جائیگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مسیح اس لیے کہتے ہیں۔ کہ آپ بھی سیاحت کرتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر سہنے کے لیے اپنا گھر تین بنایا بلکہ ہمیشہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ مسیح کا اطلاق مسیح پر بھی ہوتا ہے۔ جس کا معنی ہاتھ پھیرنا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام مادر زاد اندھوں اور کورھوں



کو ہاتھ لگاتے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا کر دیتا۔ یہ ذکر آگے معجزات میں آئے گا۔  
 دجال کے ساتھ فقط مسیح، مسح کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے۔ جو کہ مفعول  
 کا صیغہ ہے۔ مَمْسُوحُ الْعَيْنِ اُس شخص کو کہتے ہیں جس کی ایک ہی  
 آنکھ ہو یعنی مٹائی ہوئی آنکھ والا۔ دجال کی دائیں آنکھ بالکل مٹی ہوئی ہوگی اور انگوڑ  
 کے پھٹے ہوئے دانے کی مانند ہوگی۔ اس کی بائیں آنکھ میں بھی عیب ہوگا۔ اس لیے  
 اس کو مسح کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مسح بگڑی ہوئی فطرت والے کو  
 بھی کہتے ہیں۔ دجال مسح الفطرت یعنی بگڑی ہوئی فطرت والا ہوگا۔

عیسائیوں کا  
 باطل عقیدہ

عیسیٰ ابن مریمؑ کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اُس باطل عقیدہ کی تردید فرمائی  
 ہے۔ جس کے مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے تیسرا  
 کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر واضح کر دیا ہے۔ کہ عیسیٰ ابن مریمؑ ہے جس  
 کو اللہ نے ایک عورت کے لطن سے پیدا فرمایا۔ جو شخص کسی عورت کے  
 پیٹ سے پیدا ہو۔ وہ الہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ تو خود مخلوق ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام  
 اللہ کے بندے، اس کے بنی اور برگزیدہ انسان ہیں۔ "لَعَزِيدٌ وَلَكَمْ  
 يُؤْتِي تَوْشَانِ خَدَوْنِیْ" ہے۔ یہ صفت کسی مخلوق میں کیسے ثابت کی جا  
 سکتی ہے۔ بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دینا ہے۔  
 سورۃ مریم میں موجود ہے۔ کہ یہ اتنا بڑا کلمہ ہے کہ "كَادُ السَّمَوَاتِ  
 يَنفَطَرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا"  
 قریب ہے کہ آسمان بھٹ جائیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ  
 ہو جائیں۔ اس بات پر کہ "أَنْ دَعَوُا لِلرَّحْمَنِ وَلَكِنَّهُمْ لَا يَسْمَعُونَ"  
 کے لیے بیٹے کو پکار رہے ہیں۔ یہ اس قدر باطل عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 کا بیٹا ثابت کرنا۔ یہ تو اس کی تنزیہ کے ہی خلاف ہے۔

عیسیٰ ابن  
 مریم

قرآن پاک میں حضرت مسیح علیہ السلام کا لقب عیسیٰ ابن مریمؑ کی مقامات  
 پر آیا ہے۔ آخرت میں بھی آپ کو اسی لقب سے پکارا جائے گا جب



محاسبہ کی منزل آئے گی، تو اللہ تعالیٰ آپ کو اسی نام سے مخاطب کریں گے۔  
 سورۃ مائدہ میں آتا ہے "وَلَاذُ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْكِمٍ وَأَنْتَ  
 قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَمَا تَمُنَ  
 لوگوں سے کہا تھا۔ کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو۔ تفسیر  
 روح المعانی میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ علیہ السلام کو اس طرح خطاب  
 فرمائیں گے، تو آپ پر دہشت طاری ہو جائیگی اور آپ پانچ سو سال تک  
 کپکپاتے رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو حوصلہ دیگا۔ تو عرض کریں گے  
 "قَالَ سُبْحَانَكَ" اللہ! تیری ذات پاک ہے۔ میں ایسی بات  
 کیسے کہہ سکتا ہوں۔ جس کا مجھے حق ہی نہیں پہنچتا۔ تو تو دلوں کی باتوں کو بھی  
 جانتا ہے، مخفی ارادوں تک سے واقف ہے۔ اگر میں نے ایسی بات کی  
 ہے تو تجھ سے تو پوشیدہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وہ ایسا دن  
 ہوگا، کہ اُس دن سچوں کو اُن کی سچائی فائدہ دے گی۔ یہ سب سورۃ مائدہ میں  
 آ رہا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن ہر شخص کو باپ کی  
 نسبت سے پکارا جائے گا۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کو ماں کے نام سے پکارا  
 جائے گا۔ یعنی عیسیٰ ابن مریم۔ کیونکہ آپ کے لیے باپ کا توسط نہیں ہے  
 اسی طرح سورۃ مریم میں جہاں سچائی علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ وہاں "وَبِكْرًا  
 يُوَالِدِي" کے الفاظ آتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے والدین یعنی  
 ماں اور باپ دونوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والا۔ مگر جہاں  
 عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ وہاں فرمایا "بَنَّا" بوالہدی اللہ نے  
 مجھ کو میری ماں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے والا بنایا ہے۔ اس طرح  
 گویا اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے اُس عقیدے کا رد فرمایا ہے جس کے  
 مطابق وہ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا تین خداؤں میں سے تیسرا خدا مانتے ہیں  
 یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کی حد درجہ تحقیر کرتے تھے۔ انہوں نے



آپ کی والدہ پر حرام کاری کا الزام لگا کر اُن کو بدکار عورت تک کہا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو جرمی بچہ کہہ دیا۔ حتیٰ کہ آپ کو سزا سننے موت دلانے کے لیے عدالت میں لے گئے اور راستے میں جاتے ہوئے العیاذ باللہ آپ کے چہرے پر بھٹو کا۔ یہ بد بخت لوگ بگڑی ہوئی ذہنیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی بُری توہین کی۔ حتیٰ کہ انہیں سولی پر لٹکانے کے لیے تیار ہو گئے۔ انہوں نے تو ایسا کمرہ نے ہیں کوئی کسر نہ اٹھا چھوڑی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے آپ کو اپنی طرف اٹھا کر یہودیوں کے مذموم ارادے سے آپ کو بچا لیا۔ انجیل میں موجود ہے کہ یہودیوں کے عالم بڑے بد بخت تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو سانپ کے بچوں سے تشبیہ دی ہے۔ آپ نے فرمایا، تم کیسے بد بخت لوگ ہو، جو لوگوں کو گمراہی میں ڈالتے ہو۔ اور ہدایت کی بات کو سنتے ہی نہیں۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام کو دجال بھی کہتے تھے۔ کہ یہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اُن کے عقیدے بگاڑتا ہے۔ مرد جبریموں کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ اسی بنا پر وہ آپ کے دشمن بن گئے اور پھر آپ کے قتل کے درپے ہوئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے قریب جب دجال ظاہر ہوگا۔ تو اُس کو مسیح سمجھتے ہوئے اُس کے پیچھے لگ جائیں گے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اصفہان کے ستر ہزار (۷۰۰۰) چنے پہنے ہوئے یہودی دجال کے پیچھے چلیں گے۔

حضرت مسیح کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس دشمنی کے مناقب کا پردہ چاک کیا ہے۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جس مسیح عیسیٰ ابن مریم کی بشارت حضرت مریم کو دی وہ وَجِیْہًا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ دُنْیَا وَآخِرَتِیْنِ میں وجاہت والا ہوگا۔ یعنی عزت اور مرتبہ والا ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی تمام تر دشمنی اور ہرزہ سرائی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الزامات سے بری قرار دیا۔ اور ان ناپاک لوگوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ جس کو اللہ تعالیٰ عزت کا اعلیٰ مقام عطا کرے اُسے کون ذلیل کر سکتا ہے۔ آپ تو دونوں جہانوں میں صاحبِ عزت ہیں۔ ان کی عزت کرنے والے کھڑے ہیں اور اربوں لوگ موجود ہیں۔ عیسائیوں کا اگرچہ عقیدہ مشرکانہ ہے۔ مگر وہ آپ کی عزت

تو کرتے ہیں۔ دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے یہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کو سچا نبی تسلیم کرتے ہیں۔ جس کی اس آدمی عزت کرنے والے ہوں، اُس کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں تو اربوں کی تعداد میں مسیح علیہ السلام کو سچا رسول ماننے والے موجود ہیں۔ لہذا آپ عزت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی لوگوں نے طرح طرح کے الزام لگائے ان کی طرف غلط باتیں منسوب کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط الزامات سے بری قرار دیا۔ **يَا بُنَيَّ أَتَأْتِيكَ الْمَلَأُ مَا تُلَوُّا**، نیز یہ بھی فرمایا **وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا** وہ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی **وَجِيهًا** کا لفظ استعمال کیا۔ کہ آپ بڑے عزت والے اور بڑے وقار والے تھے۔ یہودیوں کی الزام تراشیاں جو اس محض تھیں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آپ کو نبوت کے مقام پر سرفراز فرمایا۔ اور آخرت میں آپ اپنے صحیح ماننے والوں کی شفاعت کریں گے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا عزت اور وجاہت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام دنیا اور آخرت میں وجاہت والے ہوں گے۔

مقربین  
الہی

**وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ** عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہوں گے۔ انہیں خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوگا، جو بہت بڑا مرتبہ ہے۔ ہر صاحبِ ایمان اپنے مالک کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ عبادِ ریاضت، قربانی، صدقہ خیرات سب اس واسطے سے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ



راضی ہو کر اپنا تقرب عطا کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے علیہ السلام کو مقربین میں سے بنایا۔ بعض فرماتے ہیں کہ مقرب وہ ہے جو نہایت اونچے درجے کے کام کرتا ہو، اور اس میں غایت درجے کا خلوص پایا جائے۔ ”اِذْ قَسَىٰ بَكَ فَسَبَّانًا“ میں یہی بات ہے۔ دو بھائیوں نے قربانی کی۔ جس قربانی میں زیادہ خلوص اور صلاحیت تھی، اللہ نے اسے قبول کر لیا۔ اور جو بُرا تھا، اس کی قربانی قبول نہ کی۔ شیخ ابوطالب مکیؒ اپنی تصوف کی مشہور و معروف کتاب قوت القلوب میں فرماتے ہیں۔ مقرب وہ ہوتے ہیں جن کی نگاہ ازل کے فیصلے پر پڑھتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ پتہ نہیں ہمارا حساب کیا ہوگا۔ بزرگان دین کی نگاہ ازل کے اُس فیصلے پر پڑھتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو دو ٹھٹیوں میں بند کر کے فرمایا تھا ہذہ للجنة ولا ابالی فہلذہ للنار ولا ابالی یعنی اس مٹھی والے لوگ جنت میں جائیں گے اور مجھے کچھ پورا نہیں اور یہ لوگ دوزخی ہیں۔ مجھے کچھ پورا نہیں۔ اللہ کے مقربین کو ہمیشہ یہ فکر لگی رہتی ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ الایمان بین الخوف والرجی ایمان خوف اور امید کے درمیان ہے جب کسی شخص کا آخری وقت آتا ہے موت کا فرشتہ اس کے قریب آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے کہ اے مولا کریم! یہ شخص اہل ایمان میں سے ہے یا اہل نار میں سے مجھے حکم دے کہ میں اس کی روح کو ایمان کے ساتھ قبض کروں یا کفر کے ساتھ، تو اللہ کے بندے اپنے آخری وقت کو یاد کر کے فکر مند ہوتے ہیں کہ الہ العالمین ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارا خاتمہ کیسے ہوگا۔ یا اللہ! ہمیں ایمان کی موت عطا کرنا۔ غرضیکہ مقربین الہی وہ لوگ ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ اپنے مالک کی طرف لگی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ علیہ السلام کے متعلق بھی فرمایا کہ آپ مقربین میں سے ہوں گے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعض اوصاف بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ



نے آپ کے بعض معجزات کا تذکرہ بھی کیا ہے، ارشاد ہوتا ہے وَيَكَلِّمُ  
النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا آپ لوگوں سے کلام کریں گے گوارے  
 میں (یا گود میں) اور ادھیڑ عمر میں۔ یہ بشارت تھی جو فرشتوں نے حضرت مریمؑ  
 کو دی۔ اور پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ تو یہ بشارت حرف  
 بحرف پوری ہوئی۔ سورۃ مریمؑ میں موجود ہے۔ کہ پیدائش کے پہلے ہی دن  
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے باتیں کیں۔ جب حضرت مریمؑ نو مولود بنے حضرت  
 عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر قوم کے پاس آئیں تو قوم نے سخت غصے کا اظہار کیا۔ اور  
 کہا، اے ہارون کی بہن! تیرے والدین تو ایسے نہیں تھے، تو یہ بچہ کہاں سے لے  
 آئی۔ تو حضرت مریمؑ نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا، گوارے یا گود میں  
 پڑا بچہ ہمارے ساتھ کیسے بات کرے گا۔ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام نے بول کر  
 کہا إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب عطا کی گئی ہے اور نبی بنایا  
 گیا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بعض  
 دیگر بچوں نے بھی کم سنی میں کلام کیا ہے۔ حضرت جبریلؑ ایک نیک آدمی تھے  
 ان پر تہمت لگائی گئی۔ کہ وہ زنا کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ایک فاحشہ عورت  
 نے اپنے نو مولود بچے کی نسبت ان کی طرف کی۔ لوگ آپ کو گھسیٹ کر  
 عبادت خانے سے باہر لے آئے۔ آپ کو مارا پیٹا اور عبادت خانہ تباہ کر  
 دیا۔ اُس اللہ کے بندے نے زندگی کی

آخری نماز پڑھی۔ اور پھر اُس بچے کے پیٹ پر انگلی رکھ کر کہا کہ خدا کے حکم سے  
 بتاؤ، تمہارا باپ کون ہے۔ اللہ نے اُس بچے کو قوت گویائی دی اور اُس  
 نے بول کر کہا۔ کہ میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت پشیمان ہوئے  
 کہ انہوں نے ایک نیک آدمی کو ناحق تکلیف دی ہے۔ کہنے لگے اگرچہ چاہو  
 تو تمہارا عبادت خانہ، سونے اور چاندی سے تعمیر کر دیں۔ حضرت جبریلؑ نے



فرمایا۔ مجھے سونے چاندی کے محل کی ضرورت نہیں۔ میرا جھونپڑا ویسا ہی مٹی سے بنا دو جیسے پہلے تھا۔ (بخاری مسلم)

قرآن پاک میں موجود ہے وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا  
جب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی، تو ایک چھوٹے بچے نے ہی آپ کی بدیت کی گواہی دی تھی۔ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کرنے والی عورت مومنہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان تھا۔ جب کنگھی اس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑی تو اس نے جسٹس اللہ کہہ کر دوبارہ اٹھائی۔ اس پر فرعون کی بیٹی بگڑ گئی۔ فرعون کو پتہ چلا کہ یہ لوگ میرے علاوہ کسی اور خدا کو بھی مانتے ہیں۔ تو اُسے تانبے کا ایک بڑا گھوڑا تیار کرایا۔ اور پھر اس کو گرم کمر کے خاندان کے سب افراد کو اس کے پیٹ میں ڈال دیا۔ چھوٹے بچے کی ماں اپنے بچے کو جلتا ہوا دیکھ کر سخت پریشان ہوئی۔ مگر اُس بچے کو اللہ نے قوت گویائی عطا فرمائی۔ اُس نے بول کر کہا، ماں! گھبرو نہیں۔ جس چیز کو تم آگ سمجھ رہی ہو، وہ تو باغ و بہار ہے۔ آؤ تم بھی اس آگ میں کود جاؤ تم حق پر ہو۔

قرآن پاک میں اصحاب الاخذ و ذکر کا واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی بعثت سے ستر سال قبل پیش آیا ہے۔ مین کے بادشاہ فرعون نے اہل ایمان کی سرکوبی کے لیے بڑے بڑے گڑھے کھدوائے ان میں خوب آگ جلائی اور پھر ہزاروں ایمان والوں کو اس آگ میں زندہ جلا دیا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک ایماندار عورت لائی گئی جس کی گود میں بچہ بھی تھا۔ آگ کے شعلے دیکھ کر عورت کو درد پیدا ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے بچے کو قوت گویائی دی اور وہ کہنے لگا يَا أُحْيِ اصْصَبِي اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ یعنی اے ماں! صبر کرنا، بلاشبہ تم حق پر ہو۔

بخاری شریف اور بعض دیگر احادیث میں ایک اور بچے کا واقعہ بھی آتا



ہے۔ ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ پاس سے کچھ لوگ گزرتے، جو ایک عورت پر چوری اور بدکاری کا الزام لگا کر اُسے پیٹتے جا رہے تھے مگر وہ زبان سے یہی کہہ رہی تھی۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ۔ دودھ پلانے والی عورت نے اس معتبوب عورت کی حالت زار دیکھ کر اپنے بچے کے متعلق کہا، خدا تجھے ایسا نہ بنائے۔ بچہ فوراً دودھ چھوڑ کر بولا اللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِثْلَهَا اے اللّٰہ! مجھے ایسا ہی بنا دے۔ کھوڑی دیر بعد ایک بڑا مفرد اور سرکش آدمی گھوڑے پر سوار گزرا۔ ماں اُس سوار کی شان و شوکت دیکھ کر کہنے لگی۔ اے اللّٰہ! میرے بچے کو بھی ایسا ہی بنائے۔ بچہ دودھ چھوڑ کر پھر بولا، یا اللّٰہ! مجھے ایسا نہ بنانا، بہر حال تاریخ میں بعض دیگر بچوں کے حالات بھی ملتے ہیں جنہوں نے کم سنی میں اسی طرح کلام کیا، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدائش کے پہلے ہی دن کلام کر کے اپنی ماں کی بدیت کی۔

حکیمانہ  
کلام

بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں، کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور کہولت میں کلام کرنے سے مراد حکیمانہ کلام ہے۔ عمر کے دونوں حصوں میں آپ کا کلام حکمت سے لبریت ہو گا۔ چنانچہ بعض آثار میں آتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام بارہ سال کی عمر میں تبلیغ کرتے تھے۔ اور ایسی حکیمانہ باتیں کہتے تھے، کہ بڑے بڑے فلاسفر اور دانا حیران رہ جاتے تھے۔ تفسیر بیضاوی اور تفسیر روح المعانی میں حضرت سعید ابن مسیب اور حضرت زید بن اسلم جو تابعین میں سے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ مسیح علیہ السلام کو ۳۳ سال کی عمر میں آسمان پر اٹھایا گیا۔ آپ دو ستر آسمان پر ہیں۔ معراج والی حدیث میں موجود ہے۔ کہ دو ستر آسمان پر حضور علیہ السلام کی ملاقات حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ اور دوسری طرف یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ سن کہولت چالیس سال کے بعد ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک تو دنیا میں کھڑے ہی نہیں۔ پھر کہولت میں کلام کرنے سے کیا



مراد ہے۔ اسی لیے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام کرنا تو مکمل ہو گیا مگر آپ کا کہولت یعنی ادھیڑ عمر میں کلام کرنا ابھی باقی ہے۔ اسکی تکمیل اُس وقت ہوگی جب قرب قیامت میں آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے، تو اس عمر میں بھی حکیمانہ کلام کریں گے۔ ایک تسوے زیادہ احادیث موجود ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ آنے کا ذکر ہے۔ بخاری، مسلم اور دیگر کتب میں یہ بھی ہے کہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، تو حکومت کریں گے۔ دنیا میں عدل و انصاف قائم کریں گے۔ چالیس سال یا کم و بیش کا عرصہ دنیا میں ٹھہریں گے۔ بعض روایات میں سات سال کا ذکر بھی ہے۔ اس عرصے میں آپ نکاح کریں گے، اولاد ہوگی۔ اور پھر طبعی وفات بھی ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ ہی دفن ہوں گے۔ ترمذی شریف میں یہ حدیث موجود ہے جو درجہ حسن کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَمِنَ الصَّالِحِينَ یعنی عیسیٰ علیہ السلام صاحبین میں سے ہوں گے۔ صالح کا معنی نیکو کار ہے۔ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ صالح اُس شخص کو کہتے ہیں جو نیکی کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے حقوق ادا کرتا ہو۔ اور کسی کا حق ضائع نہ کرتا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔ آپ اللہ کے اولوالعزم پیغمبر اور صاحب کتاب رسول ہیں۔ لہذا فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو بشارت دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ جس کلمۃ اللہ کی بشارت دی جا رہی ہے۔ وہ نیکو کاروں میں سے ہوگا۔ گذشتہ آیت کے آخر میں ذکر کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقربین میں سے ہوں گے اس آیت کے آخر میں فرمایا کہ وہ صاحبین میں سے ہوں گے۔

حضرت مریمؑ کی پریشانی

جب حضرت مریمؑ نے فرشتوں کی زبان سے بیٹے کی پیدائش کی بشارت سنی تو بہ مقتضائے بشریت گھبرا گئیں۔ بات ہی ایسی تھی۔ وہ ایک



عابدہ و زائدہ دو شیرہ لڑکی ہے، نکاح ہوا نہیں، تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ کیا نکاح ہوگا۔  
 اگر نہیں ہوگا۔ تو بچہ کیسے۔ حضرت مریمؑ کو طرح طرح کے خیالات آنے لگے۔  
 آخر پریشان ہو کر کہنے لگیں قَالَتْ رَبِّ اَلْیَ بَسْکُوْنٌ لِیْ وَ کَدْ اے پروردگار!  
میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا و کَدْ یَسْکُوْنُ بَشْرٌ مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ  
 نہیں لگایا۔ عادت اللہ تو یہ ہے کہ مرد و زن کے ملاپ سے بچہ پیدا ہوتا ہے  
 مگر نہ تو میرا نکاح ہوا ہے۔ نہ کسی ناجائز طریقے سے مرد کی قربت حاصل ہوئی  
 ہے۔ تو بچہ کیسے پیدا ہوگا۔ فرشتوں نے جواب دیا قَالَ کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَخْلُقُ  
مَا یَشَآءُ اسی طرح اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، جو چاہے۔ اس سے پہلے  
 جب یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت کا ذکر آیا تھا۔ تو وہ وہاں فرمایا  
 تھا۔ کَذٰلِکَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ اسی طرح کرتا  
 جس طرح چاہے۔ مگر یہاں پر یَفْعَلُ کی بجائے یَخْلُقُ کا لفظ استعمال  
 کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہاں پر بڑھے میاں بیوی سے بچہ پیدا کرنا مقصود  
 تھا۔ جو کہ عام عادت کے خلاف ہے۔ مگر ممکن ہے۔ پچھلے دنوں اخبارات  
 میں آیا کہ ہندوستان کے کسی علاقے میں سو سال کی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا  
 اگرچہ یہ عام طور پر دشوار ہے مگر ناممکن نہیں۔ کیونکہ میاں بیوی دونوں موجود ہیں  
 اگرچہ بڑھے ہو چکے ہیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت میں یَخْلُقُ کا لفظ  
 اس لیے استعمال کیا۔ کہ یہاں پر باپ بھی موجود نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے  
 بچہ پیدا ہوا۔ آگے آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ وہاں نہ ماں ہے  
 اور نہ باپ ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کلمہ کن کے ساتھ آدم علیہ السلام کی تخلیق  
 فرمادی۔ اِذْ قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهُ کُنْ فَاَیْکُوْنُ جب  
 وہ کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہو جاتا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی  
 کام کے کرنے کے لیے اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اس کا حکم  
 ہی کافی ہوتا ہے۔



صفت یہ بھی ہوگی۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور اللہ تعالیٰ اُسے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور حکمت سکھائیگا۔ عام مفسرین کہہ ام کتاب سے مراد کھنا لیتے ہیں اور حکمت سے دانائی۔ مگر بہت سے دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ مسلم شریف میں امام ابن ابی ذئب کی روایت میں ہے کہ جب مسیح علیہ السلام دنیا میں دوبارہ نازل ہوں گے۔ تو وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن و سنت کا علم بھی بلا واسطہ دیں گے۔ آپ کسی استاذ سے نہ تفسیر پڑھیں گے اور نہ سنت سیکھیں گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چیزیں خود سکھائیگا۔

وَالْتَّوْرَةَ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تورات کا علم بھی دیا۔ تورات کا معنی قانون ہے اور یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ فرعون کی غلامی سے نجات پانے کے بعد آپ کی امت نے درخواست کی کہ ہم غلامی کے قانون سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اس لیے اب ہمارا اپنا قانون ہونا چاہیے، تو اس فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی۔

وَالْإِنْجِيلَ اور عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل کا علم بھی دیا گیا۔ انجیل کا لفظی معنی بشارت ہے۔ اور یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی اور آپ کو اس بات کا پابند بنایا کہ تم جہاں بھی جاؤ لوگوں کو خوشخبری سناؤ مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِيهِمْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (سورہ صف) یعنی میں تم کو خوشخبری سنانے والا ہوں کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ سریانی زبان میں یہ نام فارقلیط ہے جو کہ اب عیسائیوں نے انجیل سے حذف کر دیا ہے۔ ان دونوں



الفاظ کا معنی ایک ہی ہے یعنی ستورہ جہاں تشریعت والا نبی۔ وہ آنو اللا ہے  
 اور اس کی تشریعت ابد تک رائج رہیگی۔ اس کے بعد کوئی نیا قانون اور  
تشریعت نہیں آئیگی۔ اس لیے اس کا نام ہی انجیل رکھا۔ اس میں اخلاق حکمت  
 اور نصیحت کی باتیں ہیں۔

---



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

ال عمران ۳

درس شانزدہم ۱۶

آیت ۴۹ تا ۵۰

وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ  
بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ  
كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا  
بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَاجْعَلِ  
الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَانْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ  
وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ  
لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾ وَ  
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ  
وَأَحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ  
بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝٥٠

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ اس کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا (اور وہ  
ان سے کہے گا) بیشک میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف  
سے۔ (اور وہ یہ ہے) کہ میں بناتا ہوں تمہارے سامنے گارے سے پرندے  
کی شکل کی طرح۔ پس میں بھونک مارتا ہوں اس میں، پس وہ ہوتا ہے اڑنے  
والا، اللہ کے حکم سے۔ اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص  
والے کو۔ اور میں زندہ کرتا ہوں مردوں کو۔



کے حکم سے۔ اور میں بتلاتا ہوں تم کو جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ بنا کر رکھتے ہو، اپنے گھروں میں بیشک البتہ اس میں نشانی ہے تمہارے لیے، اگر تم ایماندار ہو (۴۹) اور میں تصدیق کرتے والا ہوں اس کی جو مجھ سے پہلے ہے تو رات۔ اور میں اس واسطے آیا ہوں کہ میں حلال کردوں تمہارے لیے بعض چیزیں جو تم پر حرام قرار دی گئی ہیں اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے۔ پس اللہ سے ڈرو۔ اور میری بات مانو (۵۰)

گزشتہ درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بشارت ربطیات کا ذکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتوں نے حضرت مریمؑ کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ جو کلمہ تجھ کو عطا کرے گا، اس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔ بڑی عزت والا اور دنیا و آخرت میں مقربین میں سے ہوگا۔ نیز یہ کہ وہ گود میں اور ادھیڑ عمر میں کلام کرے گا۔ اور نیچو کاروں میں سے ہوگا۔ حضرت مریم نے تعجب کا اظہار کیا۔ کہ اس کے ہاں بچہ کیسے ہوگا جب کہ نہ اس نے نکاح کیا ہے۔ اور نہ وہ کسی لغزش کا شکار ہوئی ہے۔ بلکہ کسی مرد نے اس کو چھوا تک نہیں تو اللہ کی جانب سے ارشاد ہوا۔ کہ اُس کے لیے بغیر باپ کے بچہ عطا کر دینا کچھ مشکل نہیں۔ وہ جو چاہے کر پاتا ہے۔ صرف اُس کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے کام ہو جاتا ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل کے لیے اسباب و علل کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ پھر یہ بھی فرمایا۔ کہ اُس پیدا ہونے والے بچے کو اللہ تعالیٰ برہ راست کتاب و حکمت کی تعلیم دیگا۔ اور اُسے تورات اور انجیل بھی سکھائیگا۔

رسول  
بنی اسرائیل

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ کہ جس کلمۃ اللہ کی بشارت دی گئی ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہوگی وَرَسُولًا إِلَىٰ مَنِ اسْتَأْذَنَ اللہ تعالیٰ اُسے بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا۔ نبوت اور رسالت اللہ تعالیٰ کے اعلیٰ ترین مناصب ہیں جسے عطا ہو جائیں۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حصے میں بھی رکھ دیا کہ وہ رسول ہونگے۔ مگر



بہی اسرائیل کی طرف۔ آپ کی نبوت و رسالت تمام اقوام عالم کے لیے نہیں بلکہ صرف قوم بنی اسرائیل کے لیے ہے۔ یہ تو انجیل میں بھی موجود ہے کہ ایک عورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی۔ اور عرض کیا، حضرت! میں آپ سے فیض حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ آپ نے دریافت کیا، تو کس قبیلہ سے تعلق رکھتی ہے عرض کیا کنعان قبیلہ سے متعلق ہوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس عورت کی رہنمائی کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا، میں تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھٹیروں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس عورت نے بڑا اصرار کیا مگر آپ نے اس کی بات نہ مانی۔ جب وہ عورت چلی گئی تو آپ کے شاگردوں نے عرض کیا کہ آپ نے اس عورت کو کیسے محروم رکھا، فرمایا، میں تو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھٹیروں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے فرمایا، کیا میں انسانوں کی غذا کتوں کے آگے ڈال دوں، انجیل میں موجود ہے کہ اس عورت نے پھر عرض کیا کہ کتے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اور انہیں بھی فیاض لوگوں کی میز سے گھرے ہوئے ٹھکڑے مل جاتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے عورت! تیرا ایمان بڑا مضبوط ہے۔ الغرض عیسیٰ علیہ السلام نے صاف کہہ دیا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔ اسی لیے آج کل کے عیسائیوں کی دعوت عامہ غلط ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے رسول ہیں۔

البتہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت تمام اقوام عالم کے لیے ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے۔ "وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا" ہم نے آپ کو تمام بنی نوع انسان کیلئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے کہلویا "قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَلِیْكُمْ جَمِیْعًا" آپ کہیں کہ اے دنیا جہان کے



کے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ آپ نے خود بھی فرمایا  
بُعِثْتُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ اللہ نے مجھے ہر سیاہ و سرخ کی طرف  
 رسول بنا کر بھیجا ہے۔ غرضیکہ آپ علیہ السلام کی نبوت عامہ ہے اور امت عام  
 بنی نوع انسان کے علاوہ جن وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں۔ حضور علیہ السلام سے  
 قبل آپ کے جدا مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تمام اقوام کی طرف بنی بنا کر بھیجے گئے۔ ایسی  
 تصریح قرآن پاک میں موجود ہے۔ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا اللہ تعالیٰ نے  
 فرمایا۔ میں تمہیں ساری دنیا کا امام بنانے والا ہوں۔

فرمایا جس عظیم المرتبت رسول کی پیش گوئی کی جا رہی ہے۔ وہ آکر کے گا۔  
أَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ رَبِّكُمْ میں تمہارے پاس  
 تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ نشانی سے مراد وہ معجزات  
 ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کو عطا کئے۔ حدیث  
 شریف میں آتا ہے۔ کوئی نبی ایسا نہیں ہوا، جس کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی  
 نشانی نہ عطا کی ہو۔ معجزے عام بھی ہوتے ہیں اور خاص بھی۔ مادی بھی اور روحانی  
 بھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اللہ نے جو خاص معجزہ مجھے عطا فرمایا ہے۔  
 وہ قرآن کریم ہے۔ اس لیے مجھے امید ہے۔ کہ قیامت کے دن میرے  
 ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ میرا یہ معجزہ دائمی ہے۔ اور ہمیشہ لوگوں  
 کے درمیان موجود رہے گا۔ لوگ اس کو پڑھیں گے، اس پر ایمان لائیں گے۔  
 ہدایت اختیار کریں گے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں میں شمار ہوں  
 گے، یہ آپ کا زندہ معجزہ ہے۔ باقی معجزات وقتی نوعیت کے تھے، جو اپنے  
 اپنے وقت تک ہی قائم رہے۔

مصنوعی  
 پمندرہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے معجزات لوگوں کے سامنے  
 پیش کیے۔ سب سے پہلے معجزے کے متعلق فرمایا إِنِّي أَخْلُقُ  
لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَانْفُخُ فِيهِ



میں تمنا سے سامنے مٹی سے ایک پرندے کی شکل بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں۔ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ پس وہ اللہ کے حکم سے اڑنے لگتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ خاص معجزہ تھا۔ آپ مٹی کا پرندہ بناتے اس میں پھونک مارتے تو وہ پھر سے اڑ جاتا۔ اب ہماری شریعت میں کسی جاندار کی تصویر یا مجسمہ بنانا جائز نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَعَنَ اللَّهُ الْمُصَوِّرِينَ تصویر کشی کرنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔ وہ اس کی رحمت سے دور ہیں۔ حضور علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا جس گھر میں تصویر اور کُتّا ہو، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ بہر حال عیسیٰ علیہ السلام نے تصویر سازی معجزہ کے طور پر ہی کی۔

فرمایا میرا دوسرا معجزہ یہ ہے وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ میں مادرِ زانو اندھوں اور بے ص یا کوڑھ کے مریضوں کو اچھا کر دیتا ہوں۔ بصر پھلپھری یا جزام پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہ لاعلاج بیماریاں ہیں۔ یونانیوں کے زمانے سے لے کر آج تک حکماء نے ان بیماریوں پر قابو پانے کی بڑی کوشش کی ہے مگر پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے۔ جزام ایسی خطرناک بیماری ہے کہ اس کے مریض کے ہاتھ پاؤں کی انگلیاں اور ناک وغیرہ گل جاتے ہیں اور پھلپھری کے داغ بھی جب پیدا ہو جائیں تو رفع نہیں ہوتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطور معجزہ ان مہلک بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔ اُس زمانے میں طبابت کا بڑا چرچا تھا۔ بقراط اور جالینوس جیسے بڑے بڑے حکیم اسی زمانہ کے قریب گزرے ہیں۔ ایک سے ایک بڑا طبیب تھا۔ مگر مذکورہ

بیماریاں لاعلاج تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے علاج کا دعوے کیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں میڈیکل سائنس نے بہت زیادہ ترقی کی ہے۔ خاص طور پر سرجری میں بڑی مہارت حاصل کی ہے۔ مگر پھر بھی لاتعداد کیس ایسے ہیں کہ بیماری کی سمجھ ہی نہیں آتی، علاج تو بعد کی بات ہے۔ بہر حال

شفائے  
بیماریاں



یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ لاعلاج بیماریوں کا علاج کرتے تھے۔  
 دراصل معجزہ کا مطلب ہی عاجز کر دینے والی نشانی ہے۔ یعنی ایسی چیز جس  
 کا عام لوگ جواب پیش کرنے سے عاجز آجائیں۔ خود قرآن پاک نے اپنے آپ  
 کو بطور معجزہ پیش کرتے ہوئے چیلنج کیا اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا  
 عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهٖ اَگرتو تمہیں قرآن پاک کے کلام الہی  
 ہونے میں کوئی شک ہے۔ تو اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا کر لاؤ۔ مگر فصاحت  
 و بلاغت کا کوئی ماہر اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ بلکہ سب عاجز آ گئے۔ اسی طرح  
 حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طبابت کا بڑا چہرہ چلتا۔ مگر مذکورہ بیماریوں  
 کے سامنے سب عاجز تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے زندگی سے  
 مایوس مریضوں کو شفا ملنے لگی۔

احیاء موتی

اس سے بھی بڑھ کر آپ نے تیسرے معجزے کا اعلان کیا وَاحِی الْمَوْتِی  
 بِاِذْنِ اللّٰهِ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں، اللہ کے حکم سے۔ مفسرین کرام نے  
 چار ایسے مردوں کا ذکر کیا ہے۔ جنہیں عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے  
 زندہ کیا۔ پہلا واقعہ آپ کے عاذر نامی دوست کا تھا۔ جس کا گھر آپ سے  
 کئی دن کی مسافت پر تھا، وہ سخت بیمار ہوا، تو اس کی بہن نے آکر حضرت  
 عیسیٰ علیہ السلام سے اس کی حالت زار بیان کی۔ آپ دو تین دن کا سفر طے  
 کیر کے اس کے گاؤں پہنچے، تو دوست فوت ہو چکا تھا، اور اسے دفن  
 کیا جا چکا تھا۔ آپ نے اس کی قبر پر جا کر کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ کے  
 حکم سے کھڑے ہو جاؤ۔ تو وہ مردہ زندہ ہو گیا۔ اچانک موتی کا دوسرا  
 واقعہ ایک عورت کا بیٹا تھا۔ اُس عورت نے آپ کی بڑی منت سماجت  
 کی۔ تو آپ نے اس کو زندہ کر دیا۔ اسی طرح ایک چنگی والے کی مردہ بیٹی کو  
 زندہ کیا۔ چوتھا واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کا ہے۔ آپ نے  
 اس کی قبر پر جا کر کہا قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ کہا تو وہ گھبرائے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔



ان کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا۔ کہنے لگے، کیا قیامت برپا ہو گئی ہے۔ آپ نے نفی میں جواب دیا۔ اُس زمانے میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سفید ہونا شروع ہوئے۔ گویا دنیا بحیثیت مجموعی اُس وقت تک جوان تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے بڑھایا آنا شروع ہوا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سام سے پوچھا تمہارے بال کیسے سفید ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا، بزرخ میں دہشت کی وجہ سے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا، کیا دوبارہ اُسی حالت میں جانا پسند کرتے ہو، انہوں نے کہا ہاں، بشرطیکہ مجھ پر سکرات موت کی تلخی دوبارہ وارد نہ ہو۔ چنانچہ وہ دوبارہ اُسی حالت پر چلے گئے۔ باقی تین مردوں کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انہوں نے کافی عرصہ دوبارہ زندگی گزار دی، بلکہ بعض کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوئی۔ وہ پھر اپنے اپنے وقت میں ختم ہو گئے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے احیائے موتی کا معجزہ بھی مسیح علیہ السلام کو عطا فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس معجزے کا بھی تذکرہ کیا وَ اَنْبِئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ میں تم کو بتلاتا ہوں جو کچھ تم گھر سے کھا کر آتے ہو وَمَا تَدْخِرُوْنَ فِيْ بُيُوتِكُمْ اور جو کچھ تم گھر میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو۔ کسی مجلس میں لوگ بیٹھے ہوتے تو عیسیٰ علیہ السلام بائیت کہ فلاں شخص اپنے گھر سے یہ چیز کھا کر آیا ہے اور فلاں چیز اس کے گھر میں باقی رکھی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے معجزہ عطا کیا تھا، اس کے علاوہ باقی چیزوں کی آپ خبر نہیں دیتے تھے فرمایا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اس میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم یقین رکھتے ہو، یقین دہانی کے لیے اس قسم کے الفاظ قرآن پاک میں متعدد بار آئے ہیں کسی نبی کے ہاتھ پر کوئی خارق عادت فعل سرزد ہو تو معجزہ کہلاتا ہے۔ اور کسی ولی کے ہاتھ پر ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔ تاہم یہ سب کچھ باذن اللہ یعنی اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ کسی انسان، نبی، ولی کا اپنا اختیار نہیں ہوتا۔

خوراک  
کی خبر



معجزات  
کا انکار

موجودہ زمانے کے بعض منکرین معجزات نے ایسی آیات کی عجیب و غریب تاویلیں کی ہیں۔ انہوں نے اس آیت میں مذکورہ پندوں سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری لیے ہیں، جنہیں آپ نے تیزی سے جانے کا حکم دیا تھا۔ انہوں نے مادر زادہ انھوں سے جاہل لوگ مراد لیے ہیں۔ اسی طرح وہ کوڑھی سے گندے اور غلیظ لوگ مراد لیتے ہیں۔ پندینہ جیسے منکرین نے کمال الٹے معنی لئے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں معجزات کا صریح تذکرہ موجود ہے مثلاً پتھروں سے پانی نکالنا اور اڑھنی کا چٹان سے پیدا ہونا، عکھا، ید بیضا وغیرہ۔ اس کے علاوہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے کئی ایک معجزات کا ذکر صریح الفاظ میں موجود ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جلائی جانے والی آگ کا معجزہ بڑا واضح ہے۔ یہ تمام معجزات اہل ایمان کے ایمان کا حصہ ہیں اور ان سے انکار کی مجال نہیں۔ مگر کتنے ہی دہریے، نیچری، قادیانی، لاہوری، سرسید احمد خاں اور پندینہ وغیرہ ہم گمراہ لوگ ہیں۔ جو صریح معجزات کی بیوردہ تاویلیں کرتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہی یقین نہیں کہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ان منکرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بغیر باپ کے پیدائش کا بھی انکار کر دیا ہے۔ یہ کھنر کی باتیں ہیں۔ مومن کی شان یہ ہے۔ آمنا و صدقاً کہہ کوئی چیز انسانی شعور میں نہ بھی آئے، تو اس پر ایمان لانا چاہیے۔ انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ ہم ہر چیز کو عقل سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اعلیٰ دماغ والے لوگ معجزات کی حقیقت سے آگاہ ہو سکتے ہیں مگر عام لوگوں کے سامنے ایسی چیزوں کا اظہار مناسب نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ میں اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ ہر نبی اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس نبی سے چاہیں کسی پہلے نازل شدہ حکم کو منسوخ کر دیں۔ اللہ تعالیٰ



نے حضرت مسیح علیہ السلام سے کہلوا یا کہ میں تو رات کا مصدق ہوں، اُس کا  
منحرف نہیں ہوں۔

فرمایا مجھے یہ فرض بھی سونپا گیا ہے۔ وَلَا حِلَّ لَكُمْ بِعُضِّ  
الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ مَا فِي مَنَاسِكِ الْفَنَاءِ لِيُتَمَّ بِمَا لَكُمْ وَتَعْلَمُوا  
بِأَنَّكُمْ كُنْتُمْ فِي غَلَطٍ عَظِيمٍ۔ ان اشیا کو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
کے ذریعے حلال قرار دیا۔ یہ بات قابل وضاحت ہے کہ حلت و حرمت  
کی نسبت جب نبی کی طرف ہوتی ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ نبی  
حلت و حرمت کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔ وگرنہ کسی چیز کی حلت و حرمت  
اللہ تعالیٰ کی صفات خاصہ میں سے ہے۔ نبی اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال  
یا حرام قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُس کے پاس اس بات  
کا قطعی علم آگیا ہے کہ فلاں چیز حلال ہے یا حرام ہے۔ عیسائیوں نے اسی  
مقام پر غلطی کی۔ جب یہ منصب انہوں نے اپنے پادریوں کو سونپ دیا تو اللہ  
تعالیٰ نے اُسے شرک قرار دیا اَرْجَا بَا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ یہی تو ہے کہ حلال و حرام  
کے اختیارات اپنے پیر پادری یا مولویوں کے سپرد کر دیے جائیں۔ تو نبی کا  
حلال و حرام بظہر انوار اصل اللہ کے احکام کا اعلان ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّنْ  
رَّبِّكُمْ فِي مَنَاسِكِ الْفَنَاءِ لِيُتَمَّ بِمَا لَكُمْ وَتَعْلَمُوا بِأَنَّكُمْ كُنْتُمْ فِي غَلَطٍ  
عَظِيمٍ۔ اس لیے میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں فَاتَّقُوا اللّٰهَ اللّٰهُ سے ڈ جاؤ  
وَاطِيعُونَ اور میری بات مانو، کیونکہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اور اسی کا  
حکم تم کو سناتا ہوں۔

اگلی آیت میں تمام اقوام اور ادیان کا بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس ہفتم ۱۷

الْ عَمْرَانُ ۳

آیت ۵۱ تا ۵۴

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ  
 مُسْتَقِيمٌ ⑤۱ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمْ  
 الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ط فَتَالَ  
 الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ  
 بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ⑤۲ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا  
 الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ⑤۳ وَمَكَرُوا  
 وَمَكَرَ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكِرِينَ ⑤۴

الْ عَمْرَانُ ۳

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس اُسی کی  
 عبادت کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے ⑤۱ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں  
 کی طرف سے کفر محسوس کیا، تو کہا کون میری مدد کرنے والا ہے، اللہ کی راہ میں  
 حواریوں نے کہا ہم ہیں۔ اللہ کے مددگار۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور تو بھی  
 گواہ بن جا کہ بیشک ہم فرمانبردار ہی کہنے والے ہیں ⑤۲ حواریوں نے کہا اے  
 ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے ہیں اس چیز پر جس کو تو نے نازل کیا ہے  
 اور ہم نے رسول کی تابعداری کی ہے۔ پس لکھ لے ہم کو گواہی دینے والوں  
 میں ⑤۳ اور ان لوگوں نے مخفی تدبیر کی اور

اللہ نے بھی مخفی تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر (پوشیدہ) تدبیر کرنے والا ہے ⑤۴

گزشتہ درس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض معجزات کا تذکرہ تھا  
 جن کے متعلق آپ نے اپنے مخاطبین سے کہا کہ میں تمہارے پاس تمہارے

بنیادی  
 عقیدہ



رب کی طرف سے نشانیاں لے کر آیا ہوں، اس لیے میرا تم سے مطالبہ ہے۔ کہ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ قرآن پاک شاہد ہے۔ کہ جن انبیاء کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ ان سب نے اپنی اپنی قوم سے یہی کہا کہ اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حضرت صالح، حضرت ہود، حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات سے یہی پتہ چلتا ہے۔ یہ بنیادی عقیدہ تخلیق آدم سے لے کر ہر دور میں ہر امت میں پایا گیا ہے۔ اور انبیاء اسی عقیدے کی تعلیم دیتے آئے ہیں۔ یہاں پر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسی عقیدے کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ بِيْشَكَمِ اور تمہارا رب اللہ ہی ہے۔ وہی خالق ہے، وہی مالک ہے اس لیے فَاعْبُدُوْهُ عبادت بھی اُسی کی کرو۔ یہ عقیدہ دین کی اساس ہے اور تمام انبیاء کی بنیادی تعلیم ہی ہے۔ اسی سے عیسائیوں کے باطل عقیدہ کا بھی رد ہوتا ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خود خدا مانتے ہیں، میرا اور تمہارا سب کا رب تو ایک وحدہ لا شریک ہے۔ تم خواہ مخواہ مجھ میں ربوبیت کی صفت ماننے ہو۔ یہاں پر دو باتیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہیں۔ پہلی بات ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ امام بیضاوی فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام اس بیان کے ذریعے سمجھانا یہ چاہتے ہیں۔ کہ دیکھو بھائی! ہم سب مخلوق ہیں۔ میرا اور تمہارا سب کا رب ایک ہی ہے ہماری سب کی منزل بھی ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت پر ایمان لانا۔ اور یاد رکھو! جب تک کسی شخص کا اعتقاد برحق نہ ہو، اس کی قوت عقلی اور علمی کامل نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس قوت کو کامل بنانے کے لیے اعتقاد کی سچائی اور اس کی پختگی ضروری ہے۔ اور پھر اعتقاد برحق کی آخری منزل اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر کامل ایمان لانا ہے اگر عقیدے میں شرک شامل ہو گیا، تو عقیدہ فاسد ہو جائیگا اور قوت علمی ضائع ہو جائے گی۔ اور انسان کو مطلوبہ کمال کبھی حاصل نہیں ہو سکے گا۔

اعتقاد  
اور عمل



اہم صاحب فرماتے ہیں کہ اس آیت کرمیہ میں دوسری بات فَاعْبُدُوهُ ہے۔ اور یہ چیز قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لیے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرے اس کے اوامر و نواہی پر عمل کرے۔ اس طرح اس کی قوتِ عملی بھی کمال کو پہنچ جائے گی۔ پھر جب قوتِ علمی اور قوتِ عملی دونوں اپنے معیار کو پہنچ جائیں گی تو فرمایا هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس کی طلب ہر مسلمان ہر نماز میں کرتا ہے اور کہتا ہے إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ یہی وہ راستہ ہے جسکی تعلیم تمام انبیاء کرام فرماتے آئے ہیں۔ هَذَا صِرَاطٌ عَلَى مُسْتَقِيمٍ۔ یہ اساسی اعتقاد ہے۔ جس کو چھوڑ کر یہودی گمراہ ہو گئے۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ برخلاف اس کے عیسائیوں نے اللہ کے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الوہیت کے درجے تک پہنچایا۔ وہ بھی صراطِ مستقیم سے جھٹک گئے۔ اور ناکام ہوئے۔ جب تک یہ اساسی عقیدہ درست نہیں ہوگا، کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔

حضرت عیسیٰ  
کے حواری

فرمایا فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمْ الْكُفْرَ جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان لوگوں کی طرف سے کفر محسوس کیا۔ یہ لوگ آپ کے سخت مخالف تھے۔ آپ کو طرح طرح سے تکالیف پہنچاتے تھے۔ جب ان کی عداوت حد سے بڑھ گئی تو آپ نے فرمایا قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ کون ہے جو میری مدد کرے اللہ کی راہ میں بعض فرماتے ہیں کہ چونکہ یہودیوں نے عیسیٰ کی بات نہ مانی، اس لیے آپ نے غیر نبی اسرائیل کے لوگوں سے خطاب کیا کہ مطلقاً میری مدد کرنے والا کون ہے۔ اس موقع پر قَالَ الْحَوَارِيُّونَ حواریوں نے کہا نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ہم اللہ کے مددگار ہیں۔

حواری وہ مخلص لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ حواری سفیدی کو کہتے ہیں، یعنی وہ چیز جو خالص ہو۔ یہ لوگ بھی چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے



ساتھ مخلص تھے، اس لیے ان کو حواری کہا گیا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ لوگ دھوبی تھے اور کپڑے دھویا کرتے تھے۔ اُن پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گزیر ہوا، تو پوچھا کیا کرتے ہو، عرض کیا، ہم کپڑوں کو میل کچیل سے صاف کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم کپڑوں کو صاف کرتے ہو، آؤ! میں تمہیں دلوں کی صفائی کا راز بتاؤں۔ وہ لوگ آپ کے معتقد ہو گئے۔ اور آپ کی مدد کرنے لگے۔ یہ بات حتمی طور پر نہیں کہی جاسکتی کہ وہ بنی اسرائیل سے تھے یا غیر بنی اسرائیل سے۔ تاہم زیادہ قسری قیاس یہی ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اور تعداد میں بارگاہ تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں مختلف مقامات پر تبلیغ کے لیے بھیجتے اور یہ اللہ کا پیغام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منشاء کے مطابق لوگوں تک پہنچاتے۔ بہر حال حواری مخلص دوست پر بولا جاتا ہے۔ اور حواری بمعنی سفید اس لیے کہ ان کے دل پاک اور سفید تھے۔ توحید سے لبریز تھے اور ہر قسم کی کدورت سے پاک تھے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لَکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیٌّ ہر نبی کا کوئی مخلص دوست اور ساتھی ہوا کرتا ہے۔ اور میرا حواری زبیرؓ ہے، جو آپ کے پھوپھی زاد اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ بڑے بہادر مجاہد تھے اللہ تعالیٰ نے اتنا حوصلہ اور قوت ایمان دی تھی کہ جنگ یرموک میں لاکھوں دشمنوں کی صفوں میں تنہا گھس گئے۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عروہ سے کہا، میرے جسم میں ایک اسبج جگہ بھی ایسی نہیں جہاں تیرا تلوار کا زخم نہ آیا ہو۔ ایک دفعہ نیزہ آپ کے کندھے سے پار ہو گیا تھا۔ زخم پوری طرح بھر نہیں تھا۔ بلکہ کندھے میں سوراخ بن گیا تھا۔ عروہ اس میں ہاتھ ڈال کر کھینچا کرتے تھے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے حضرت زبیرؓ کو اپنا حواری بتایا۔ الغرض! حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، یعنی ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ



جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی مدد کرے۔ ہے۔ اللہ کو اپنی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو غنی ہے اور وہ خود ہر ایک کا مددگار ہے۔ اللہ کی مدد سے مرد اللہ کے دین، اس کی کتاب، اس کے نبی، اس کی شریعت اور عقیدہ حق کی مدد ہے، اللہ کے دین کی اشاعت کے لیے تن من دھن کی بازی لگانا ہی اللہ کی مدد ہے۔

حواریوں نے اپنے اس دعوے کی تائید میں کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں، یہ بھی کہا اَمَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے وَاشْهَدُ بَاَنَا مُسْلِمُونَ آپ بھی گواہ بن جائیں کہ ہم خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ اس طرح حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان کا گواہ بنایا۔

حواریوں  
کی دعا

عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے اللہ رب العزت کے حضور دعا بھی کی۔ رَبَّنَا اَمَّا بِمَا اَنْزَلْتَ اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم ایمان لائے ہیں۔ اس چیز کے ساتھ جو تو نے نازل کی ہے یعنی کتاب وَابْعَثْنَا الرَّسُولَ اور ہم نے رسول (عیسیٰ علیہ السلام) کی پیروی کی ہے فَاکْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِینَ لَنْدَاہِمِیں بھی گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔ گویا کتاب سنت کے ساتھ اپنا تعلق محکم کرنے کے بعد اللہ کے ہاں اپنے ایمان کی رجسٹری کر لے رہے ہیں۔ تاکہ قیامت کے دن اپنے ایمان کا پورا پورا بدلہ پاسکیں۔ یہ ہے وہ نقشہ جو قرآن پاک نے حواریوں کا کھینچا ہے۔ البتہ انجیل میں ان حواریوں کا بالکل معکوس نقشہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے تو حواریوں کا ایمان بھی ثابت نہیں ہوتا۔ یہ حواریوں کا قصور نہیں، بلکہ اُن یہودیوں کی تحریف کا نتیجہ ہے، جن کے ہاتھ میں تورات اور انجیل رہی۔ یہ دونوں کتابیں تحریفات سے پرہیز نہیں۔ خود عیسائی پادریوں کا بیان ہے کہ انجیل میں تین ہزار غلطیاں موجود ہیں۔ تحریف شدہ تورات میں انبیاء سے بڑی غلط باتیں منسوب کی گئی ہیں، حتیٰ کہ کفر و شرک اور بے حیائی



"ہک اُن سے منسوب ہے مُجَرَّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ"  
 یہ لوگ بائبل کے ہر ایڈیشن میں کوئی نہ کوئی تبدیلی کرتے رہے ہیں۔ اس طرح انہوں  
 نے خدا کی کتابوں میں رد و بدل کر دیا ہے۔ خود اُن کی اپنی ذہنیت بگڑ چکی ہے  
 مفسد اور سازشی ذہن رکھتے ہیں اور ہمیشہ بنی نوع انسان کی برائی کی تدبیریں سوچنے  
 والے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمام لوگ اُن کے دایم فریب میں پھنس جائیں۔  
 اور پھر وہ انہیں جس طرح چاہیں گمراہ کرتے رہیں۔ یہ کھم سبقت ایسی ایسی سیکھیں  
 یہودیوں تیار کرتے ہیں۔ جن کے نتائج سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال بعد سامنے آئیں۔  
 کی سازش شام و فلسطین کے یہودی شاہ روم کی عمل داری میں تھے تاہم انہیں مقامی طور  
 پر کچھ آزادی بھی حاصل تھی بالکل ایسے ہی جیسے کسی وفاق میں صوبوں کو صوبائی معاملات  
 میں قدم قدم پر خود مختاری ہوتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام ان بد بختوں کی برائیوں کی نشاندہی  
 کرتے تھے، جس کی وجہ سے یہ اُن کے مخالف تھے، آپ کو گالیاں دیتے، پتھر  
 مارتے، آپ کے خلاف غلط پراپیگنڈا کرتے، اُن کے خلاف سازشیں کرتے بغرض  
 آپ کی ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے کہتے کہ یہ شخص تورات  
 کا انکار کر کے دین کو بگاڑ رہا ہے۔ آپ پر ملحد ہونے کا الزام لگایا گیا اور آپ کے  
 لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا گیا۔ بہر حال انہوں نے ایک مخفی تدبیر کی۔ کہ عیسیٰ  
 کو عدالت میں پیش کر کے آپ کو سزائے موت دلائیں۔ اس ضمن میں آپ  
 کو ایک مکان میں بند کر دیا گیا، تاکہ آپ اُن کی گرفت سے نکل نہ سکیں۔ آپ کے  
 خلاف اسی سازش کا تذکرہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَهَكَرَوا  
 اور امتوں نے خفیہ تدبیر کی۔ بعض اوقات لفظ مکہ سے غلط فہمی ہوتی ہے۔  
 اردو اور پنجابی میں مکہ سے مراد فریب اور دھوکا ہے۔ جب کہ عربی زبان میں  
 یہ لفظ خفیہ تدبیر کے لیے بولا جاتا ہے۔ بہر حال یہودیوں نے خفیہ تدبیر کی، کہ  
 کسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔ اور اُدھر اللہ تعالیٰ آپ کی  
 حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسی اشارے کے متعلق فرمایا وَهَكَرَ اللہ



اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ وہ اپنے بندے کو یہودیوں کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس طرح آسمانوں پر اٹھالیا اُس کا ذکر آگے آئیگا۔ فرمایا وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَكِرِیْنَ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ یہ مشہور مقولہ ہے۔ کہ جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے۔

(چاہہ کندہ راجاہ درپیش) وہ خود اُسی میں گمراہ ہے۔ جو کسی کے لیے بُری تدبیر کرتا ہے، وہ خود اُس کا شکار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔ اللہ نے انہیں وہاں سے صحیح سلامت نکال لیا۔ اور یہودی اپنی سازش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آگے آپ کے آسمان پر اٹھانے جانے کی تفصیلات آئیں گی۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس ہشتردہم ۱۸

الْاِعْمُرَان ۳

آیت ۵۵ تا ۵۷

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ  
وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ  
اَتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِلَیْ یَوْمِ الْقِیَمَةِ  
ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاحْکُمْ بَیْنَكُمْ فِیْ مَا  
کُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۵۵ فَاَمَّا الَّذِیْنَ  
کَفَرُوْا فَاَعْذِبْهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی  
الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرٍ ۝۵۶ وَ  
اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَاِتَوَفَّیْهِمْ  
اَحْسَنُ مِمَّا وُعدُوا وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ۝۵۷

ترجمہ: اور وہ وقت بھی قابلِ فکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے عیسیٰ! بیشک میں تجھ کو قبض کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پاک کرنے والا ہوں، اُن لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ اور میں بنانے والا ہوں تیرے اتباع کرنے والوں کو اور پر اُن لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا قیامت کے قریب تک، پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹ کر آنا ہوگا۔ پھر میں فیصلہ کروں گا تمہارے درمیان ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۝۵۵ پس بہر حال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، پس میں اُن کو سزا دوں گا۔ سخت سزا دینا دنیا اور آخرت میں، اور اُن کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا ۝۵۶ اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے اچھے کام کیے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ، پورا پورا دے گا



اُن کو اُن کا بدلہ اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۵۷

گزشتہ درس میں اُن سازشوں کا ذکر تھا، جو یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کیں۔ انہوں نے آپ کو قتل کروانے کے لیے بادشاہ وقت کے کان بھرے کہ یہ شخص تورات کو بدلنا چاہتا ہے یہ لوگوں کو بے دین بنا دیگا لہذا اسے سزا ملنی چاہیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے بھی مخفی تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی تدبیر کی۔ اور اللہ ہی سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں وہ یہودیوں کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے بلکہ خود اپنی منشاء کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کریں گے۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ کہ یہودیوں کی سازش کے تحت فَبَعَثَ فِي طَلَبِهِ اَنْ يَّاْخُذَهُ وَيَصْلُبَهُ وَيَتَّكِلَ عَلَيْهِ بادشاہ نے حکم دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ انہیں سولی پر لٹکایا جائے۔ اور انہیں عبرتناک سزا دی جائے تاکہ آئندہ کوئی اس قسم کی جرأت نہ کر سکے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِعِيسٰى وَهُوَ قَابِلٌ ذِكْرِہٖ جِب اللّٰہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ میں تجھ کو قبض کرنے والا ہوں۔

عربی لغت میں توفیٰ - وَفِیْہَا مَعْنٰی ہوتا ہے اَخَذَ الشَّیْءُ مُوَفِّاً یعنی کسی چیز کا مکمل طور پر وصول کر لینا ہے۔ کسی چیز کو قبض کر لینا مراد ہوتا ہے چنانچہ شیخ الحدادؒ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں "جس وقت اللہ تعالیٰ نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام! میں نے لوں گا تجھ کو اور اٹھاؤں گا تجھ کو اپنی طرف جو کہ بالکل صحیح ترجمہ ہے۔ البتہ مجازی طور پر اس کا اطلاق موت اور نیند پر بھی ہوتا ہے جیسے فرمایا اللّٰہُ یَتَوَفِّیْ الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا اللّٰہ تعالیٰ موت کے وقت نفسوں کو قبض کر لیتا ہے۔" وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا اور جو نیند کے وقت نہیں مرتی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔ گویا توفیٰ

توفیٰ کا  
معنی



کا لفظ نیند کے لیے بھی استعمال ہو گیا۔ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَاللَّهُ تَعَالَى  
 رَاتٍ كَوْنُهَا رُوحُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ  
 بِاللَّيْلِ وَاللَّهُ تَعَالَى رَاتٍ كَوْنُهَا رُوحُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ كَوْنُكُمْ  
 کے تین معنی ہو گئے۔ اصل معنی وصول کرنا اور مجازی معنی موت اور نیند ہو گیا۔  
 تو بعض اس کا مجازی معنی کرتے ہیں۔ اور پھر اس سے یہ اخذ کرتے  
 ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بالفرض  
 اگر توفی کا معنی موت بھی لیا جائے۔ تو پھر مُتَوَفِّكَ وَرَافِعُكَ اِلٰی سَائِرِ تَقْدِیْمِ  
 تاخیر مانتی پڑیگی۔ یعنی عمل کے لحاظ سے رَافِعُكَ اِلٰی سَائِرِ پہلے ہو گا اور مُتَوَفِّكَ  
 کا عمل بعد میں۔ اس طرح معنی یہ ہو گا۔ کہ اے عیسیٰ علیہ السلام میں (اس وقت) تجھ  
 کو اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور پھر (اپنے وقت پر) موت دینے والا ہوں  
 حضرت عبداللہ بن عباسؓ توفی کا معنی موت کرتے ہیں۔ مگر ان سے یہ روایت  
 بھی صراحتاً منقول ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کِیْمَتْ  
 عِیْسٰی یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو موت نہیں آئی۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ  
 نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا ہے۔ آپ قیامت کے قریب دوبارہ نزول کریں  
 گے۔ اور زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دیں گے۔ جیسے وہ اس  
 سے پہلے ظلم اور نا انصافی سے بھر ہو گئی! البوداؤد شریف کی روایت میں یہ بھی ہے  
 کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ نزول کے بعد چالیس سال تک زمین پر حکومت کریں گے بعض  
 روایات میں آتا ہے کہ آپ نکاح بھی کریں گے۔ بچے پیدا ہوں گے۔ پھر آپ کی  
 وفات کا ذکر بھی ہے۔ ترمذی شریف کی روایت میں ہے۔ کہ جب عیسیٰ علیہ السلام  
 وفات پائیں گے تو میرے پاس ہی دفن ہوں گے۔ چنانچہ حجرہ مبارک میں چوتھی  
 قبر کی جگہ اب بھی موجود ہے۔ اس وقت وہاں یہ تین قبریں ہیں یعنی حضور علیہ السلام  
 حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ۔ چوتھی قبر عیسیٰ علیہ السلام کی بنے گی۔  
 اِنْ اَحَادِیْثِ کے علاوہ اگلی سورۃ نسا میں "بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ" کے



صریح الفاظ موجود ہیں، جس کا معنی یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی بلکہ اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ اور وہ دوبارہ نازل ہوں گے۔  
حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں کہ حیات مسیح علیہ السلام کے بارے میں روایات اس کثرت سے ہیں کہ وہ تو اتر کا درجہ رکھتی ہیں۔ تو اتر چار قسم کا ہوتا ہے یعنی لفظی، معنوی، طبقہ اور قوارہ۔ اور یہ چاروں درجات ان لحاظ میں پائے جاتے ہیں۔ جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نزول کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ غرضیکہ تو اتر کے راوی اتنی کثرت سے ہوتے ہیں کہ آدمی کی عقل تصور نہیں کرتی کہ اتنے آدمی جھوٹ بول سکتے ہیں۔

ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں لہ ریشٹ فی کفرہ اثنان یعنی آپ کو دو آدمی بھی ایسے نہیں ملیں گے، جنہیں ایسے شخص کے کفر میں شک ہو، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آپ کے دوبارہ نزول پر یقین نہ رکھنا ہو۔ یعنی پوری امت کے علمائے دین ہیں سے کوئی بھی اس معاملہ میں متردد نہیں ہے۔

اس مسئلہ کا ایک دوسرا طریقہ سے تجزیہ بھی ضروری ہے۔ کہ ایک منٹ کے لیے فرض کر لیا جائے کہ متوفی کا معنی موت دینا ہے۔ تو پھر گذشتہ آیت کی تکذیب لازم آئے گی۔ گذشتہ آیت میں گنہگار چکا ہے۔ کہ مخالفوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مارنے کی تدبیر کی۔ اور اُدھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بچانے کی تدبیر کی۔ اگر مخالفین آپ کی جان لینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر ”خَيْرُ الْمَكْرُورِينَ“ کا کیا معنی نکلا۔ اس سے مراد تو یہ ہے کہ اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کو بچا لیا گیا۔ اور اگر ان کو موت ہی دے دی گئی، تو پھر اللہ تعالیٰ اور مخالفوں کی تدبیر ایک ہی ہوئی اور یہ بات قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر کی کامیابی کا اعلان کیا ہے، جو حیات مسیح پر قطعی دلیل ہے۔



قادیانیوں کی  
غلط تاویل

توفی کے لفظ سے قادیانیوں نے بڑا غلط مفہوم لیا ہے۔ وہ اس کا معنی موت کرتے ہیں۔ اور پھر اس دعویٰ کی دلیل میں سورۃ مائدہ کی یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں "فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ" اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے، اے مولا کریم، جب تو نے مجھے فوت کر دیا۔

موت سے دی، تو تو ہی اُن پر نگران تھا۔ مرزائی پھر اس سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اس لیے اُن کے دوبارہ نازل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک کی بہت سی آیات کے علاوہ حضور علیہ السلام کی احادیث بکثرت موجود ہیں، جن میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نازل ہونے کا ذکر ہے، تو کہتے ہیں کہ ان احادیث کی رو سے دوبارہ آنے والے مسیح ابن مریم نہیں ہو گا بلکہ منیل مسیح یعنی اس کے مشابہ ہو گا۔ اور وہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے جس کے متعلق روایات میں آتا ہے کہ وہ دنیا میں ہدایت کا سامان پیدا کرے گا۔ لہذا مسیح موعود آچکا ہے۔ اب کسی مسیح کا انتظار نہیں ہے۔ یہ ہے وہ بنیادی مسئلہ جس پر قادیانی گزشتہ تقریباً سو سال سے جھگڑا کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کا یہ دعوے صریحاً کھڑے ہیں۔

مسئلہ ختم نبوت

علمائے امت نے اس مسئلہ میں قادیانیوں کا ہر طرح سے رد کیا ہے بڑے بڑے مناظرے ہوئے اور کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مولانا سید انور شاہ کشمیری جو بیس سال تک مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث رہے ہیں انہوں نے ختم نبوت پر فارسی زبان میں بہت عمدہ کتاب لکھی ہے۔ آپ کا مسلم چونکہ زیادہ عمیق تھا اس لیے کتاب ذرا مشکل ہے، مگر قادیانیوں کا بڑے اچھے طریقے سے رد کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ ذرا محنت کر کے پڑھنے والے اس کتاب سے خوب فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ آپ نے حجاب مسیح پر بھی عربی میں دو کتابیں لکھی ہیں اور ان میں مسئلہ کی پوری تحقیق



کے ساتھ وضاحت کی ہے۔ مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی کتاب میں مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول کے متعلق ایک سو حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔ جو تواتر کے درجہ کی ہیں۔ عربی زبان میں یہ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ جو دمشق میں طبع ہوئی۔

موجودہ زمانے کے علمائے کرام میں سے مولانا ابوالحسن علی ندوی نے عربی زبان میں القادیانید لکھی ہے۔ جس سے مشرق وسطیٰ میں اس مسئلہ کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف اوقات میں علمائے امت نے چھوٹی بڑی بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں قادیانیت کا رد کیا گیا ہے۔

حق باطل

اس وقت مسیح علیہ السلام کے متعلق دنیا میں تین مذاہب پائے جاتے ہیں یہود، نصاریٰ اور اہل حق، یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا۔ آگے سورۃ نسا میں اس کا مفصل ذکر آئیگا۔ اللہ تعالیٰ نے تردید کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا گیا اور نہ سوئی دی گئی۔ لہذا یہودیوں کا عقیدہ باطل بھڑا نصاریٰ کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا اور وہ سات گھنٹے تک مردہ رہا۔ اس کے بعد زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے۔ تیسرا عقیدہ اہل حق کا ہے۔ ”وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ“ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کرنے میں کامیاب ہو سکے اور نہ سوئی دینے میں کامیاب ہوئے۔ اور نہ ہی ان کی طبعی موت واقع ہوئی ”بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ“ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صحیح سلامت باعزت اپنی طرف اٹھالیا۔ تو اس آیت میں بھی یہی بات ہے ”إِلَىٰ مُتَوَفِّيكَ“ میں تجھے اپنے وقت پر فوت کمرہوں گا۔ سر درست میں تجھ کو رافِعُكَ إِلَيْكَ اپنی طرف اٹھانے والا ہوں یہ بشارت اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی زندگی میں ہی سنادی جس کا یہ ذکر حضور علیہ السلام سے کیا جا رہا ہے۔

واقعہ ارتفاع

اس کے بعد نَسْرَیَا وَمُطَهَّرُكَ اے عیسیٰ علیہ السلام! میں تجھ کو پاک کرنے والا ہوں مِنَ الذِّیْنِ کَفَرُوا ان لوگوں سے جنہوں نے



کفر کیا۔ یعنی کافروں کے ناپاک ہاتھ تجھ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ روایا میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے والے آئے۔ آپ کے ساتھی برادھر اُدھر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ آپ جس مکان میں محصور تھے۔ دشمنوں نے ایک شخص کو اُس مکان کے اندر بھیجا تاکہ وہ آپ کو گرفتار کر سکے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے عیسیٰ علیہ السلام کو اس مکان کے روشندان کے راستے اٹھوا لیا۔ اور جو آدمی پکڑنے گیا تھا اُس پر مسیح علیہ السلام کی شبیہ ڈال دی وہ شخص کافی دیر تک تلاش کرنے کے بعد جب خود باہر نکلا تو لوگوں نے اُسے ہی مسیح سمجھ لیا اور پکڑ کر لے گئے۔ اُس نے بڑا شور مچایا کہ وہ مسیح نہیں ہے مگر اس کی بات کون سُناتا تھا۔ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ذَاكَ هِيَ مَطْلَبُ ہے کہ اُن پر شبہ ڈال دیا گیا اور وہ اپنے ہی آدمی کو مسیح سمجھ بیٹھے اور اُسے سولی پر چڑھا دیا۔

عیسیٰ علیہ السلام کی ذاتی حفاظت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ بشارت بھی سنائی۔ وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اور میں تیرے متبعین کو قیامت تک کے لیے کفار کے اوپر بلند کر دلا ہوں۔ یعنی غالب کرنے والا ہوں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو وعدہ فرمایا کہ تیرا اتباع کرنے والوں کو قربِ قیامت تک کفار پر غالب رکھوں گا۔ اب غور فرمائیے کہ اتباع کرنے والے کون ہیں اور کفر کرنے والے کون۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں دو گروہ واضح ہیں۔ پہلا درجہ آپ کے ابتدائی دور کے حواریوں کا ہے۔ جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کو خدا کا سچا نبی تسلیم کیا۔ موجودہ مسلمان بھی اسی گروہ میں شامل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ کامل متبعین ہیں۔ البتہ متبعین کا دوسرا گروہ نصاریٰ کا ہے۔ جو اگرچہ کامل متبعین نہیں ہیں۔ مگر وہ عزت تو کرتے ہیں۔ تو بہر حال اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ



ان دو گروہوں کو قیامت کے قریب تک غالب رکھوں گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں آج تک مسلمان یا عیسائی ہی غالب ہے ہیں اُن لوگوں پر جنہوں نے کفر کیا۔ اور آپ کا کفر کرنے والے یہودی ہیں۔ جنہوں نے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت سے عیسیٰ علیہ السلام کو اُن کے ناپاک ہاتھوں سے بچالیا۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہودی مغلوب ہی ہے ہیں۔ پوری دنیا میں ان کا کوئی وطن ہی نہیں تھا اور کوئی حکومت نہیں تھی۔

اب قریبی زمانہ میں یہودیوں کی حکومت بھی قائم ہو گئی ہے۔ اور انہوں نے اسرائیل کے نام پر اپنا علیحدہ وطن حاصل کر لیا ہے کیا اب اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط ہو گیا ہے؟ نہیں، بلکہ اللہ کا وعدہ قائم ہے۔ یہودیوں کی موجودہ حکومت کوئی مستقل حکومت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ملک دنیا کی سپر پاورز امریکہ، روس، فرانس اور برطانیہ کی مشترکہ چھاؤنی ہے۔ روس کے علاوہ باقی تینوں طاقتیں عیسائی ہیں۔ جب کہ روس بگڑا ہوا یہودی اور عیسائی ہے، دہریہ اور ملحد ہے اگر اسرائیل کو ان عالمی طاقتوں کی پشت پناہی حاصل نہ ہو تو یہ ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان کو امن اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ یا تو خدا پر ایمان لے آئیں یا دوسری قوموں کے ماتحت ہو کر رہیں۔ اس زمانے میں یہ لوگ غیر اقوام کی ماتحتی میں ہیں اور اَلَا يَجِبُ لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْمَسِيحِينَ کے مطابق غیروں کی سرپرستی میں گزارہ کر رہے ہیں۔ حقیقت میں ان کی اپنی ذاتی حیثیت صفر کے برابر ہے جب بھی انہیں ان کی حمایت سے محروم ہوں گے، مسیح علیہ السلام کے متبعین کے مغلوب ہی ہوں گے۔

الغرض! فرمایا، میں تیرا اتباع کرنے والے لوگوں کو تیرے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں پر غالب بنانے والا ہوں۔ اور یہ سلسلہ قیامت کے قریب تک اسی طرح ہے گا۔ ثُمَّ اِلَىٰ مَا مَرَّجُكُمْ پھر قیامت کے بعد تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہو گا۔ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ



فَنِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ پھر میں تمہارے درمیان اُن چیزوں  
میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

عذاب اور ثواب فرمایا فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پس بہر حال وہ لوگ جنہوں نے  
کفر کیا فَاَعَذَّ بِهِمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

پس اُن کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا۔ ایسے لوگ دنیا میں بھی  
طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو کر ذلیل و خوار ہوں گے اور آخرت کا عذاب  
تو قطعی ہے وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِيْنَ اور اُن کا کوئی مددگار بھی نہیں  
ہوگا۔ جو مشکل وقت میں اُن کو عذاب الہی سے بچا سکے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال انجام  
دیے فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ اُن کو اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وَاللّٰهُ

لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو پسند  
نہیں کرتا۔ ایسی قوم اور ایسا شخص سزا کا مستحق ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ضرور  
آئے گا۔ دیکھ لیجئے وَفِيّ کالفظ یہاں بھی آیا ہے۔ اور معنی وہی ہے اخذ  
الشیء وافیا کسی چیز کو مکمل طور پر لے لینا۔ اس لفظ کا لغوی معنی موت

نہیں ہے۔ بلکہ موت پر یہ مجازاً بولا جاتا ہے۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس نوزدہم ۱۹

اِلٰی عِمْرَانَ ۳

آیت ۵۸ تا ۶۰

ذٰلِكَ نَنْتَلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ⑤۸  
 اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْتَهُ  
 مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ⑤۹ الْحَقُّ  
 مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ⑥۰

ترجمہ: یہ بات ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں، یہ آیتیں ہیں اور محکم بیان ⑤۸  
 بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہے جیسی آدم علیہ السلام کی مثال  
 اس کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس نے فرمایا ہو جا، پس وہ ہو گیا ⑤۹  
 حق وہ ہے جو تیرے پروردگار کی طرف سے ہے پس آپ شک کر نیوالوں  
 میں نہ ہوں ⑥۰

گزشتہ درس میں عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھانے جانے کا ذکر ہو۔ <sup>رفع عیسیٰ علیہ السلام</sup>  
 چکا ہے۔ اس درس میں اس موضوع پر بعض دلائل ہوں گے اور واقعہ رفع کی مزید <sup>پر دلائل</sup>  
 تفصیلات پیش کی جائیں گی۔ چنانچہ معترضین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
 کے اٹھانے جانے کا واقعہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر جو  
 معجزات ظاہر فرمائے، وہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے  
 ساتھ غیر معمولی سلوک کر رہا ہے۔ پہلے گمزر چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پندے  
 کی شکل بناتے، پھر اس میں پھونک مالتے تو وہ اللہ کے حکم سے زندہ پرندہ بن  
 کھڑا جاتا۔ آپ کا دوسرا معجزہ یہ تھا کہ آپ لا علاج بیماریوں کا علاج کرتے۔  
 جن امراض سے دنیا بھر کے اطباء عاجز آچکے تھے، عیسیٰ علیہ السلام ہاتھ لگاتے  
 تو اللہ تعالیٰ شفا دے دیتا۔ اسی طرح آپ کا آسمان کی طرف اٹھانے جانا بھی عین



ممکن ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں نفخہ جبرائیلیہ کا اثر تھا۔ اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کے گریبان میں پھونکا تھا۔ تو اس کے اثر سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی گویا آپ کو فرشتوں کے ساتھ کامل مناسبت ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام جن کا لقب روح القدس ہے وہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وَإِيذُنَا بِرُوحِ الْقُدُسِ** یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی روح القدس سے تائید فرمائی آپ کی اس غیر معمولی حیثیت کی بنا پر آپ کے ارتفاع پر حیرت کا اظہار کسی طور مناسب نہیں۔ اس معاملہ میں شک کرنے والے لوگ نہ تو معجزات کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے پر یقین ہے۔ ایسے لوگ دہریے، پرویزی یا نیچری تو ہو سکتے ہیں۔ کوئی مومن اس شبہ میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے اور دوبارہ نزول کا سلف میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ حضرت قتادہؒ جو تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں **فَطَارَ عَلَى الصَّلَاةِ وَهُوَ مَعَهُمُ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ** فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہوئے گئے اور فرشتوں کے ساتھ اڑنے میں کسی کو تعجب نہیں ہوتا۔ فرشتے آسمانوں میں اڑتے ہیں، عرش الہی کے گرد چکر لگاتے ہیں اور ایسا کرنے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام میں چاروں صفات پائی جاتی ہیں، یعنی انبیاء، ملک، سماویا اور ارضیاء۔ آپ انسان ہیں۔ آپ میں ملکی صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ آپ سماوی بھی ہیں اور ارضی بھی ہیں۔ فرشتے کے روح پھونکتے کی بنا پر آپ سماوی ہیں اور والدہ کی نسبت سے ارضی ہیں۔ لہذا آپ کے آسمان پر چلے جانے پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت قتادہؒ کے علاوہ مفسر قرآن حضرت ضحاکؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت عکرمہؒ، سعید ابن جبیرؒ، سعید ابن مسیبؒ، حضرت حسن بصریؒ، محمد ابن سیرینؒ یہ سب تابعین میں سے ہیں اور بڑے پائے کے لوگ ہیں۔ یہ سب رفع نسیح



کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔ آپ نے اٹھٹھ صحابہؓ کی زیارت کی ہے اور چار سے روایت بھی بیان کرتے ہیں۔ چار مسلمہ فقہاء میں سے یہ مشرف صرف امام ابو حنیفہؒ کو حاصل ہوا ہے۔ آپ بھی یہی فرماتے ہیں۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے میں کسی قسم کا استعجاب نہیں ہونا چاہیے۔ تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے متعلق فرمایا ذَلِكَ نَسَلُوهُ عَلَيْكَ مِنْ الْآيَاتِ یہ باتیں جو ہم عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پڑھ کر سنا ہے ہیں۔ یہ آیات الہی میں سے ہیں۔ اس سے پیشتر حضرت مریمؑ اور زکریاؑ علیہ السلام کے واقعات کے متعلق بھی آچکا ہے ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ إِلَيْكَ یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں، جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان کے پاس نہیں تھے جب وہ قرعہ ڈال رہے تھے۔ کہ مریم کی کفالت کون کرے اور نہ اس وقت آپ ان کے پاس تھے، جب وہ جھجھک رہے تھے۔ وہاں پہ بھی یہ باتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر بیان کی گئی تھیں اور یہاں پہ بھی نَسَلُوهُ عَلَيْكَ میں آپ کی رسالت کی صداقت کا تذکرہ ہے۔

قرآن پاک میں آیت کا لفظ کئی معنوں میں آیا ہے۔ آیت کا معنی ثانی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر آیت سے مراد یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے متعلق جو صحیح صحیح واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ آپ کی صداقت کی نشانی ہے۔ اور آیت کا معنی دلیل بھی ہوتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الذِّبَابُ اس میں عقلمندوں کے لیے دلائل ہیں۔ اسی طرح آیت کا معنی معجزہ بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا ہے، آیات سے مراد احکام اور مسائل بھی ہوتے ہیں اور قرآن پاک میں کئی مقامات پر یہ لفظ ان معانی میں استعمال ہوا ہے۔

فرمایا وَالذِّكْرُ الْحَكِيمُ یہ جو کچھ ہم پڑھ کر سنا ہے یہ یہ

نشانات  
صداقت



محکم بیان بھی ہے۔ بیان کا معنی STATEMENT یعنی مسیح علیہ السلام کے متعلق وضاحت ہے۔ اور حکیم سے مراد مضبوط اور مستحکم ہے۔ اس سے مراد حکمت والا بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک سلیم الفطرت انسان جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے، وہ یقیناً یہی اعتقاد رکھے گا کہ مریمؑ اور مسیح علیہ السلام الہ نہیں بلکہ انسان ہیں۔ یاد ہے کہ حواس ظاہرہ سے مراد آنکھ، کان، ناک اور لمس وغیرہ ہیں۔ اور حواس باطنہ میں وہم، خیال، فکر اور حس مشترک وغیرہ آتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص نظام کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ اور یہ اللہ کی خاص مخلوق ہے۔ باقی ہر چیز عام مخلوق ہے۔ مخلوق خاص ہو یا عام یہ اللہ کی بنائی ہوئی ہے۔ اور مصنوع کسلائی ہے اللہ تعالیٰ اس کا بنانے والا یعنی صانع ہے۔ قرآن پاک میں اس کے لیے بدیع کا لفظ آیا ہے۔ فاطر اور خالق کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ صانع کا لفظ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ كُلَّ صَانِعٍ وَصَنَعْتَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے ہر صانع یعنی کاریگر اور اسکی صنعت کو پیدا کیا ہے۔ اب دیکھئے جس طرح باقی اشیاء مصنوع ہیں، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام بھی مصنوع ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کا صانع ہے۔ اور ہر صاحبِ عقل سلیم جانتا ہے کہ ہر مصنوع چیز خواہ وہ مشینری ہو، بہن ہو، کپڑا وغیرہ ہو، اپنے صانع کی دلیل، علامت اور نشانی ہوتی ہے۔ اور اگر کسی مصنوع کو ہی صانع بنا دیا جائے تو اعتقاد باطل ہو جائے گا۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے یہاں پر لفظ آیت سے سمجھائی ہے کہ ذرا غور کرو مسیح علیہ السلام مصنوع ہیں، صانع نہیں ہیں اُن کو اللہ یا خدا کا بیٹا یا تیسرا خدا بنانا باطل عقیدہ ہے۔ اس طرح تو ساری حکمت ہی باطل ہو جائے گی۔ یہ عقل انسانی اور فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہے کائنات میں پائی جانے والی تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی کاریگری اور صنعت کی نشانیاں ہیں

صانع اور  
مصنوع



نَسَبَ فِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ اَيْتُهُ تَدُلُّ عَلَى اَنَّهُ وَاحِدٌ  
 جو یقیناً بتاتی ہے کہ اس کا پیدا کرنا لا خدائے واحد ہے شیخ سعدی نے بھی کہا ہے ۔  
 ہر گیا ہے کہ اند زمین روید      وحدۃ لا شریک لہ گوید  
 جو بھی گھاس زمین سے پیدا ہوتی ہے ۔ وہ زبانِ حال سے وحدۃ لا شریک  
 کہتی ہے ہر ہر پتہ اور ہر ہر ذرہ اپنے صانع یعنی خالق کی وحدانیت کا اقرار  
 کرتا ہے ۔ ہر چیز خود بخود معرضِ وجود میں نہیں آگئی ۔ بلکہ اس کو ظاہر کرنا الہی  
 کوئی ہستی موجود ہے ۔ مولانا رومیؒ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی  
 ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

یہی چیزے خود بخود چیزے نہ شد

یہی آہن خود بخود تیغے نہ شد

کوئی چیز خود بخود نہیں بن جاتی جس طرح کوئی لودھا خود بخود تلوار کی شکل اختیار  
 نہیں کرتا ۔ بلکہ اس کا کوئی صانع ہوتا ہے ۔ مقصد یہ کہ ہر مصنوع کا کوئی صانع ہوتا  
 ہے ۔ اور ہر مصنوع اپنے صانع کی نشانی ہوتی ہے ۔ اسی طرح مسیح علیہ السلام بھی  
 اپنے پیدا کرنے والے اللہ کی نشانی ہیں ۔ وہ خود الہ نہیں ہیں ۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے جانے کے متعلق مفسرین  
 روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے بادل کو مقرر کیا ۔ وہ  
 بادل قریب آیا تو آپ اس میں داخل ہو گئے ۔ جب بادل آپ کو لیکر اوپر اٹھا ،  
 تو آپ کی والدہ قریب ہی تھیں ، انہوں نے آپ کو پکڑ لیا اور چلانے لگیں  
 مگر آپ نے فرمایا کہ اب ہمارے اکٹھا ہونے کا وقت ختم ہو چکا ہے ۔

اِنَّ الْقِيَامَةَ تَجْمَعُ اب قیامت ہی کو ہم اکٹھے ہوں گے ۔ تفسیر  
 جلالین میں یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ واقعہ لیلۃ القدر کی رات  
 پیش آیا ۔ اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ۳۳ سال تھی ۔ آپ کی والدہ  
 محترمہ صدیقہ مریمؑ آپ کے اٹھانے جانے کے بعد چھ سال زندہ رہیں ،

رفع کی  
مزید تفصیل



پھر وفات پائیں۔

نزل مسیح

بخاری اور مسلم شریف کی روایت میں ہے یہ نزل بقرب القیامۃ  
 مسیح علیہ السلام قیامت کے قریبی زمانہ میں زمین پر نازل ہوں گے۔ محکم  
 بشیعة نبینا ہمارے نبی کی شریعت کے مطابق حکم جاری کریں گے  
 کیونکہ ان کی اپنی شریعت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ وہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ  
 وسلم کے نائب، امتی اور قابل جبریل کی حیثیت سے زمین پر آئیں گے، قرآن و سنت  
 کے مطابق فیصلے کریں گے۔ اور جیسا کہ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔  
 و جال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے اور جزیہ کو موقوف  
 کریں گے۔ مسلم شریف کی ایک اور روایت کے مطابق آپ سات سال تک  
 زمین پر پھریں گے۔ ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کی  
 زمین پر پھرنے کی کل مدت چالیس سال ہے۔ آپ ۳۳ سال عمر گزار چکے ہیں۔ اور باقی  
 سات سال دوبارہ نزول پر گزاریں گے۔ ایک اور روایت میں یہ بھی آتا ہے۔  
 کہ نزول ثانی پر یتزوج و یولد لہ آپ نکاح کریں گے اور اولاد ہوگی۔ ابن  
 ابی شیبہ اور مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ جب تک عیسیٰ علیہ السلام زمین پر  
 دوبارہ نازل نہیں ہوں گے لَا تَقُومُ السَّاعَةُ قیامت برپا نہیں ہوگی۔  
 آپ اتریں گے اس حالت میں کہ حکماً فیصلہ کرنے والے ہوں گے۔ بمقتضا  
 انصاف قائم کرنے والے ہوں گے اور اماماً عادلاً عادل امام بن کر آئیں گے۔  
 خلافت بھی آپ کے ہاتھ میں ہوگی اور آپ عادل خلیفہ ہوں گے۔ فَمَنْ كَفَرَ  
 الصَّلِيبِ آپ صلیب کو توڑیں گے اب صلیب کا نشان عیسائیوں کے باطل عقیدہ کی نشانی ہے۔  
 اُن کا ایمان ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس صلیب پر لٹک کر لوگوں کا کفار بن  
 گئے۔ اسی لیے وہ اس کی پوجا کرنے لگے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا  
 کہ صلیب بت ہے اور شرک کی نشانی ہے۔ گلے میں لٹکا کر اور گر جے میں رکھ  
 کر اس کی تعظیم کی جاتی ہے جو اس کی پرستش کے مترادف ہے۔ حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام

اے مسلم شریف ص ۸۷ (فیاض)



کو نہ سولی پر چڑھایا گیا، اور نہ وہ ہلاک ہوئے۔

خنزیرہ کو قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ عیسائیوں کو ذلیل کریں گے  
کیونکہ جب رومی بادشاہ نے عیسائیت قبول کی تو اس زمانے میں انہوں نے  
خنزیرہ کو حلال قرار دیا۔ ورنہ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام  
کے بعد تمام شریعتوں میں خنزیرہ حرام رہا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کفار  
سے جزیہ وصول کرنے کی مدت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک ہے۔ چنانچہ  
آپ کے دوبارہ نزول پر یہ مدت ختم ہو جائے گی اور آپ جزیہ کو موقوف  
کردیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں کریں گے، لہذا  
یا تو سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے یا تہ تیغ ہو جائیں گے۔ صحیحین میں آتا ہے  
کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بدترین دشمن یہودیوں کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ جس پتھر  
یا درخت کے پیچھے چھپنا چاہیں گے، وہ پتھر یا درخت خود بول کر کے گاکہ  
اے مسلمان! دیکھ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے۔ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ  
نزول کے زمانے میں مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ کوئی شخص صدقہ  
خیرات قبول نہیں کرے گا۔ ابو داؤد کی ایک روایت میں آتا ہے کہ یٰٰنِزِلُ عِیْسٰی اِنَّ  
مَرْکَبَ عِنْدَ الْمَنَادَةِ الْبَيْضَاءِ شَوْقًا وَشَوْقًا آپ دمشق سے مشرقی جانب  
سفید مینارے پر اتریں گے۔ وہ سفید مینار بیت المقدس میں ہے۔ جو دمشق  
سے بجانب مشرق ہے۔

حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا قیامت سے پہلے دس بڑی نشانیاں  
ظاہر ہوں گی، ان میں سے ایک مسیح علیہ السلام کا نزول بھی ہے۔ اس کے  
علاوہ دجال کا خروج، یاجوج ماجوج کا ظہور، سورج کا مغرب کی جانب سے  
طلوع، لوگوں کا زمین میں دھنیا جانا، آگ کا نکلنا اور دابة الارض وغیرہ  
بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ حضور  
علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ یعنی عیسیٰ علیہ السلام



نے وفات نہیں پائی فَنَاتُ رَاجِعٌ إِلَيْكُمْ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ  
 کیونکہ وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف دوبارہ لوٹ کر آئیں گے۔ ابن ماجہ  
 کی روایت میں معراج کے واقعہ کے متعلق آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب  
 قیامت کا تذکرہ ہوا تو سب انبیائے نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ قیامت کب  
 آئیگی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا اَمَّا وَجِبَتْهَا فَلَا يَعْلَمُهَا  
 إِلَّا اللَّهُ قیامت کے وقوع کے وقت کا سوائے اللہ کے کسی کو علم نہیں۔  
 مجھے تو اتنی بات بتائی گئی ہے کہ میں زمین پر اُتروں گا اور دریاں کو قتل کرونگا  
 مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ قرآن پاک میں جہاں یہ آیت آئی ہے وَانْتَهَ لَعْنُهُمْ  
 لِلْسَّاعَةِ اُس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں اسی طرح  
 آگے آیت آرہی ہے وَلَنْ مِّنْ اَهْلٍ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ  
 قَبْلَ مَوْتِهِ اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں، مگر وہ مسیح علیہ السلام  
 کی موت سے قبل ایمان لائے گا۔ اہل کتاب ابھی تک تو ایمان سے محروم ہیں  
 ظاہر ہے کہ یہ پیش گوئی اُن کے دوبارہ نزول کے بعد پوری ہوگی۔ اُس  
 وقت جتنے لوگ ہوں گے یا تو ایمان لے آئیں گے یا پھر ختم ہو جائیں گے۔  
 مسیح علیہ السلام کے بارے میں یہ مختصر سی بات میں نے عرض کر دی۔

تخلیق عیسیٰ  
 پر مثال

حدیث شریف میں آتا ہے کہ وفدِ نجران کے عیسائیوں نے حضور علیہ السلام  
 پر اعتراض کیا تھا۔ لَوْ تَسُبُّ صَاحِبَنَا کہ آپ ہمارے صاحب یعنی  
 عیسیٰ علیہ السلام کو گالی کیوں دیتے ہیں تَقُولُ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ آپ انہیں اللہ  
 کا بندہ کہتے ہیں، حالانکہ وہ تو خدا کے بیٹے ہیں اور الہ ہیں۔ نصاریٰ کی اس  
 احمقانہ بات پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ  
 كَمَثَلِ اٰدَمَ اللّٰهُ کے ہاں عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے  
 یعنی جس طرح آدم علیہ السلام کا ماں باپ نہیں تھا، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام  
 کا باپ بھی نہیں ہے۔ یہاں ماں تو موجود ہے، آدم علیہ السلام کی ماں بھی نہیں



عم لوگ بندگی کے ذریعے اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسکی عبادت کا اقرار کرتے ہیں، کہ ہم تیرے محتاج بندے ہیں، تو ان کو بھی قرب الہی حاصل ہوتا ہے۔ یہ قرب کی مختلف صورتیں ہیں۔

بعض چیزیں قرب خداوندی کے منافی ہوتی ہیں۔ مثلاً شہوات قرب الہی سے محروم کر دیتی ہیں۔ جو شخص خواہشات میں مبتلا ہو گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو گیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شریعت میں ایسے احکام مقرر فرمائے ہیں جنکی بجا آوری سے بندوں کو اللہ کا قرب ملتا رہتا ہے۔ نماز ہی کو لے لیجئے۔ یہ ایسی عبادت ہے جس کی ادائیگی سے دنیاوی خواہشات زائل ہو کر قرب خداوندی کا سبب بنتی ہے زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ ایسا شخص مال خرچ کرنے پر دلیر ہو جاتا ہے، جسکی وجہ سے قرب خداوندی حاصل ہوتا ہے۔ روزہ کے ذریعے انسان خورد و نوش کی خواہشات پر قابو پاتا ہے۔ اور قرب الہی حاصل کرتا ہے حج کافر بیضہ ادا کرنے سے انسان کی خوش پوشی کی خواہش کو دھچکا لگتا ہے۔ کیونکہ احرام کی حالت میں ہر شاہ و گدا ایک ہی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں۔ یہ بھی قرب خداوندی کی نشانی ہے۔ جہاد عیسیٰ عبادت سے لذات اور تنوعات سب ختم ہو جاتے ہیں اور قرب الہی حاصل ہو جاتا ہے یہ قرب خداوندی کی مختلف شکلیں اور اس کے درمیان رکاوٹیں ہیں۔

قبولیتِ دعا

دعا کی قبولیت کے ضمن میں دو باتیں بڑھی اہم ہیں۔ ایک بات دعا کرنے کے متعلق ہے۔ اور دوسری اس کے مبادی کے سلسلہ میں ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ دعا کی قبولیت رزق حلال کے ساتھ مشروط ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ حلال رزق کھاؤ گے تو دعا قبول ہوگی۔ دوسری چیز یہ ہے کہ دل کی پوری توجہ ساتھ ہونی چاہیے۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ دُعَاءَ مَنْ قَلْبٌ لَّاهٍ غَافِلٍ یعنی اللہ تعالیٰ اُسی دعا کو قبول فرماتے ہیں جو عاجزی کے ساتھ دل کی گہرائیوں اور پوری توجہ کے ساتھ کی گئی ہو۔ جو



فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُصْتَزِينَ پس آپ شک کرنے والوں میں نہ ہوں  
 یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہو رہا ہے۔ مگر بات سب کو سمجھانی جا رہی ہے  
 کہ کسی مومن کو اس بات میں شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ مسیح علیہ السلام  
 اللہ کے بندے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو مریم جیسی کنواری عورت کے  
 لہجے سے پیدا فرمایا، وہ الہ نہیں ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے  
 باوجود اگر یہ لوگ جھگڑا کریں گے، تو پھر آپ کے مباہلہ کا چیلنج بھی آ رہا ہے۔



والی کوئی مصیبت طحال دی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب بندہ کی دعا نکلتی ہے۔ تو وہ اُس نے والی مصیبت کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ اور وہ اُسے نیچے نہیں اُتے دیتی حتیٰ کہ صور اسرافیل بھونکا جائے۔ فرمایا دعا کی قبولیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ اُسے دعا کرنے والے کے لیے ذخیرہ آخرت بنا کر رکھ دیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن دعا گو کو پتہ چلے گا کہ دعاؤں کے کتنے ذخیرے اس کے لیے موجود ہیں۔ اُس دن بندہ خواہش کرے گا کہ دنیا میں اُس کی کوئی دعا قبول ہی نہ ہوتی اور وہ سب کی سب اُس کے لیے آخرت کا ذخیرہ ہی بن جاتی۔

فرمایا جب میرے بندے آپ کے میرے متعلق سوال کریں تو میں تو قریب ہوں میں ہر پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے۔

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي پس چاہیے کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کریں۔ وَلْيُؤْمِنُوا بِي اور چاہیے کہ وہ مجھ پر یقین رکھیں مجھ پر ایمان کامل رکھیں لَعَلَّكُمْ تَرْضَوْنَ تاکہ وہ راضی رہیں۔ یعنی انہیں نیک راہ اُس وقت نصیب ہوگی جب وہ تعمیل حکم کریں گے اور ایمان لائیں گے۔



اللہ نے بغیر ماں اور باپ کے پیدا فرمایا۔ اگر آدم علیہ السلام الوہیت کے درجے کو نہیں پہنچے، تو عیسیٰ علیہ السلام الہ کیسے بن گئے۔

نجران کے عیسائی وفد کا تذکرہ ابتدائے سورۃ بھی ہو رہا ہے جب حضور علیہ السلام کے ساتھ عیسائیوں کی بحث نے طول پکڑا، اور جھگڑا بڑھ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر وفدِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی۔ ارشاد فرمایا فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ پس جو شخص اس معاملہ میں آپ کے جھگڑا کرے، بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے فَقُلْ تَعَالَوْا پس آپ اُن سے کہیں آؤ، سَدْعُ آبَتَانَا وَآبَتَاكُمْ ہم اپنی اولادوں کو بلا رہے ہیں، تم اپنی اولادوں کو بلاؤ۔ وَنِسَاءُنَا وَنِسَاءَكُمْ ہم اپنی عورتوں کو بلا رہے ہیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ۔ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ہم خود آتے ہیں تم بھی خود آؤ۔ ثُمَّ نَبْتَهِلْ پھر ہم سب گڑ گڑائیں اور التجا کریں۔ فَنَجْعَلَ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کر دیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مباہلہ کرنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ کہ اگر واضح دلائل دینے کے باوجود یہ لوگ حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ تو پھر آپ انہیں چیلنج کریں کہ آؤ تم خود بھی آ جاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی میدان میں لے آؤ۔ پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے نہایت عاجزی اور انکاری کے ساتھ دعا کریں۔ کہ مولا کریم! جو فرق جھوٹا ہے۔ اس پر تیری لعنت ہو۔ ایسا کر وہ تیرے عذاب میں گرفتار ہو۔ جب حضور علیہ السلام نے نصاریٰ کو یہ دعوت دی۔ تو کہنے لگے، ہم آپس میں مشورہ کرنے کے بعد جواب دیں گے۔ اس واقعہ کی تفصیل امام بیضاویؒ یوں بیان فرماتے ہیں لَمَّا دُعُوا إِلَى الْمَبَاهِلَةِ فَتَالُوا نَنْتَظِرُ جب انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی تو کہنے لگے، ہم ہمشورہ کرتے ہیں۔ فَلَمَّا تَخَالَوْا جب وہ علیحدگی میں ملے۔ تو ان میں سے جو



گذشتہ پیر سے

حصول تقویٰ کے کئی ایک ذرائع ہیں۔ منجملہ ان کے روزہ بھی ایک ہے۔

اس سے پہلے روزے کی فرضیت اور اس کے لیے دنوں کے تعین کا بیان ہو چکا ہے اس کے بعد حدیث فطر کا مسئلہ اور رمضان المبارک کی فضیلت کا بیان ہوا۔ پھر قرآن کریم کے نزول کا ذکر اور رمضان کے مسائل کا تذکرہ ہوا اللہ تعالیٰ کی تکمیل بیان کرنے اور اس کا شکر ادا کرنے کا حکم ہوا۔

شان نزول

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے روزے کے بعض دیگر مسائل بیان فرمائے ہیں۔ فرضیت رمضان سے پہلے یہود و نصاریٰ جو بیس گھنٹے کا روزہ رکھتے تھے اور سحری نہیں کرتے تھے۔ جب مسلمانوں پر رمضان کے روزے فرض ہوئے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَرَّقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحْرِ یعنی ہمارے روزے اور اہل کتاب کے روزے میں سحری کھانے کا فرق ہے۔ فرضیت رمضان کے ابتدائی عرصہ میں ہماری شریعت میں بھی یہ قانون تھا کہ رات کو نماز عشاء کے بعد یا ایک دفعہ سو جانے کے بعد کھانا پینا اور مباشرت منع تھی۔ عشاء کی نماز یا سونے سے پہلے پہلے کھانا پینا اور مباشرت جائز تھی۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی قیس بن صرمہ انصاریؓ کا شت کار تھے۔ دن بھر کی مشقت کے بعد گھر آئے تو بیوی سے کھانا طلب کیا۔ عورت نے خود روزہ رکھا ہوا تھا، گھر میں کھانا نہیں تھا۔ وہ اپنے پڑوس یا رشتہ داروں کے ہاں کھانا لینے چلی گئی۔ واپس آئی تو شوہر نیند کے غلبہ کی وجہ سے سو گیا تھا۔ اُسے سخت افسوس ہوا کہ سونے کے بعد اٹھ کر اب کھانا کھانا جائزہ نہیں، لہذا صحابی رسول کو اگلے دن کا روزہ بغیر کھائے پینے رکھنا پڑا۔ دوپہر تک صحابی رسول پر غشی طاری ہو گئی۔ سخت موسم اور مسلسل دور روز کے روزہ کی وجہ سے نڈھال ہو چکے تھے بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی جس میں آسانی پیدا کر دی گئی۔ اور رات کے وقت کھانا پینا اور عورت سے مباشرت جائز قرار دے دی گئی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ خود حضرت عمرؓ کے ساتھ اس قسم کا



صلح نامہ کر لیا کہ وہ مسلمانوں کے ماتحت رہ کر جزیرہ یاد کرتے رہیں گے۔ تاہم اپنے مذہب اور اپنی رسومات پر قائم رہیں گے۔ اس معاہدے کے تحت سحران کے عیسائیوں نے سالانہ ٹیکس کے طور پر دو ہزار جوڑے کپڑے جو علمہ یا بعض روایات کے مطابق حمراء قسم کے طے پائے۔ ان میں سے ایک ہزار سوٹ صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں واجب الادا قرار پائے۔ اس کے علاوہ تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور لڑائی میں استعمال ہونے والے ہر قسم کے تیس تیس ہتھیار منجملہ تلوار، نیزہ وغیرہ بھی بطور جزیرہ ادا کرنے کا معاہدہ ہوا۔

صلح نامہ طے پا جانے کے بعد نصاریٰ نے کہا کہ اُن کے ہمراہ کوئی دیندار عامل بھیج دیا جائے، جو ایک ٹوٹیکس کی اشیاء وصول کرے اور دوسرے ہمارے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات کا تصفیہ کرے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ ہاں! میں تمہاری طرف ایک نہایت ہی امانتدار آدمی بھیجوں گا۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو اس کام پر مامور فرمایا، اور فرمایا لَکُمُ اُمَّةٌ اَمِیْنٌ ہر امت میں کوئی خاص امانتدار ہوتا ہے۔ اور میری امت کا سب سے بڑا امانتدار ابو عبیدہؓ ہے۔

بخاری اور ترمذی شریفین میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت منقول ہے کہ ایک دفعہ ابو جہل نے اعلان کیا کہ اگر گمہ میں نے محمدؐ کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو اُن کی گمہ دن روند ڈالوں گا۔

لَا طَنَنَّ عَلٰی عَنفَدَ۔ جب حضور علیہ السلام کو یہ خبر پہنچی، تو فرمایا کہ اگر یہ بد بخت ایسی حرکت کرے گا، تو فرشتے اُس کو پھٹالیں گے اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُس کو اس قبیح حرکت کی طاقت نہیں دے گا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہودیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ لوگ زندگی میں بڑے عرصے ہیں۔ ان کا سچتا ایمان ہے۔



مشابہت دی۔ اس کے علاوہ ایک تیسرا اخلاقی پہلو بھی ہے۔ عورت اس لحاظ سے لباس ہے۔ کہ یہ انسان کے عیوب کو چھپانے کا ذریعہ بھی ہے۔ انسان کو حیوان کے مقابلہ میں ایک تمدنی حیثیت حاصل ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت آپس میں نکاح کرنے کے بعد اپنے فطری جذبہ کو پورا کرتے ہیں۔ اس لیے عورت اور مرد کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سابقہ لغزش  
کا معافی

اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی سابقہ لغزشوں کی کلیتاً معافی دے دی۔ فرمایا عَلِمَ اللّٰهُ اَنْتُمْ كُنْتُمْ تَخْتَلَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اللّٰهُ جَانِتُمْ۔ کہ تم اپنی باتوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے۔ یعنی تم میں سے بعض لوگ سونے کے بعد یا بعد از نماز عشر اپنی بیویوں کے پاس چلے جاتے تھے۔ جو کہ ممنوع تھا۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ پس اللہ تعالیٰ نے مہربانی کے ساتھ تم پر رجوع فرمایا ہے۔ تَابَ کا معنی توبہ بھی ہوتا ہے اور رجوع کرنا بھی۔ جب بندہ کوئی غلطی کرتا ہے۔ تو وہ بُرائی یا لغزش سے واپس پلٹ جاتا ہے اور جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے۔ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربانی کے ساتھ رجوع فرماتا ہے۔ اس مقام پر بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری لغزش کو جانتے ہیں۔ مگر انہوں نے کمال مہربانی سے تم پر رجوع فرمایا ہے وَعَفَا عَنْكُمْ اور تمہیں معاف کر دیا ہے نیز آئندہ کے لیے اجازت دے دی ہے فَالَّذِينَ بَشِرُوا هُنَّ کہ اب تم عورتوں سے مل سکتے ہو یعنی ان سے مباشرت کر سکتے ہو۔

حصولِ اولاد

یہ اجازت دینے کے بعد ایک جملے کا اضافہ کر دیا وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے اُسے تلاش کرو۔ مقصد یہ کہ مباشرت سے مطلوب محض خواہش نفسانی کی تکمیل ہی نہیں بلکہ حصولِ اولاد ہے جو اللہ نے تمہارے مقدر میں کر دی۔ اور نکاح کا اصل مقصد بھی یہی ہے۔ کہ نسل انسانی قائم رہے۔ چونکہ متعہ میں نسل انسانی کی بقا مقصود نہیں ہوتی اس لیے اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں کہ متعہ سے نسل انسانی



ہے۔ تاہم پہلی مذکورہ روایت میں باقی تین حضرات اور ان کی اولاد کا ذکر نہیں ہے۔  
 دونوں روایات کو جمع کرنے سے پوری صورت حال سامنے آجاتی ہے۔  
 شیعہ حضرات تو حقائق کو اس حد تک مسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ  
 حضرت فاطمہؑ کے علاوہ حضور علیہ السلام کی کسی دوسری بیٹی کو تسلیم ہی نہیں کرتے  
 حالانکہ آپ کی تین صاحبزادیاں حضرت فاطمہؑ کے علاوہ تھیں جو واقعہ مباہلہ سے  
 قبل فوت ہو چکی تھیں۔ حضرت رقیہؑ ۲۷ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ غزوہ بدر  
 کے لیے تشریف لے گئے تو رقیہؑ مدینہ میں فوت ہو گئیں۔ آپ ان کے جنازے  
 میں بھی شریک نہیں ہو سکے۔ بدر سے واپس آکر ان کی قبر پر جاکر دعا کی۔ اس کے  
 بعد ام کلثومؑ کا حضرت عثمان غنیؓ سے نکاح ہوا، مگر کچھ عرصہ بعد وہ بھی وفات  
 پاگئیں۔ پھر آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؑ ۱۸ھ میں فوت  
 ہوئیں، اس کا ذکر احادیث میں موجود ہے۔ واقعہ مباہلہ ۹ھ یا ۱۰ھ میں  
 پیش آیا، جب کہ آپ کی تین صاحبزادیاں ۱۷ھ تک فوت ہو چکی تھیں۔ مگر  
 نہایت افسوس کا مقام ہے کہ شیعہ سوائے حضرت فاطمہؑ کے آپ کی کسی اور  
 صاحبزادی کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔

ان حضرات کا معتبر مصنف ملا یاقر مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب میں  
 لکھتا ہے کہ جب حضور علیہ السلام مباہلہ کے لیے نکلے تو مہاجرین اور انصار سب  
 آپ کے ساتھ تھے۔ قرآن پاک نے ازواج مطہرات کو صریحاً اہل بیت فرمایا  
 ہے خود حضور علیہ السلام نے ایک

---

موقع پر ازواج کو اہل بیت میں شریک کیا تھا۔ لہذا

شیعوں کا عقیدہ باطل ہے۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تو  
 مباہلہ فرمایا، کیا یہ آپ کے بعد بھی ہو سکتا ہے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف  
 ہے۔ ہمارے بزرگوں میں سے محقق فرماتے ہیں کہ مباہلہ اب بھی جائز ہے۔ مگر

مباہلہ کی  
 مشروعیت



دن کا روزہ نہ رکھیں بلکہ روزہ رکھتے وقت ہر روز سحری کھانا مستحب ہے۔ اور بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے فقہائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگر بھوک نہ بھی ہو تو ایک دو لقمے ہی کھا لینا چاہیئے۔ یا دو گھونٹ پانی ہی پی لینا چاہیئے تاکہ سحری میں ثمولیت حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سحری کھانے والوں پر رحمت فرماتا ہے۔ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں کے لیے مسلسل دعائیں مانگتے ہیں۔ سحری کھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ اہل اسلام اور اہل کتاب کے روزے میں واضح تفریق پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا سحری ضرور کھانی چاہیئے۔ یہ بڑی بابرکت چیز ہے۔

صوم وصال

صوم وصال حضور علیہ السلام کا معمول تھا۔ آپ کئی کئی دن بغیر سحری کھاتے اور افطار کئے روزہ رکھتے۔ جب صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کے اتباع میں صوم وصال شروع کر دیا، تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ روحانی غذا دیتا ہے جسکی طاقت سے میں ایسا روزہ رکھ لیتا ہوں، مگر تم میں اتنی قوت برداشت نہیں ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ روحانی طاقت خاص خاص آدمیوں میں ہوتی ہے ایسے لوگ صوم وصال رکھ سکتے ہیں۔ عام لوگوں کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔ چونکہ عام لوگ اتنی مشقت برداشت نہیں کر سکتے، لہذا ان کے لیے صوم وصال مکروہ ہے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا آخری روزہ چالیس دن کا تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے روحانی طاقت سے نوازہ اٹھا۔ آپ بالائی منزل سے نیچے اتر کر مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اتنے لمبے روزے کے باوجود ان کے فرائض میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ بعض دوسرے بزرگوں کے واقعات میں بھی صوم وصال کا ذکر ملتا ہے۔ بہر حال یہ خاص لوگوں کا شیعہ ہے، عام لوگوں کے لیے مکروہ ہے۔

اعتکاف  
فی المساجد

فرمایا کہ اپنے گھروں میں تمہیں اجازت ہے۔ کہ رمضان کی راتوں میں بیویوں سے مقاربت نہ کر سکتے ہو، مگر وَلَا تَبْكَاسِ شُرُوهُنَّ وَانْتُمْ عِکْفُونَ لَا فِي الْمَسَاجِدِ جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھنے والے ہو، تو پھر تم اپنی عورتوں



مگر یہ صرف انہی معاملات میں ہو سکتا ہے، جن کا قطعی ثبوت موجود ہو۔ اب مباہلہ میں عورتوں اور بچوں کو شریک کرنا بھی ضروری نہیں۔ اور اس قسم کا عذاب آنا بھی لازمی نہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ مباہلہ پر آتا۔ تاہم اس وقت مباہلہ اتمام حجت اور بکبت و مباہلہ کو ختم کرنے کی ایک صورت ہے۔

مولانا عثمانیؒ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ میرے خیال میں مباہلہ ایک عام کاذب کے ساتھ نہیں بلکہ کاذب معاند (غنا و کفر نیوالا) کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا اَنْ تَبَاہِلَ مَنْ عَانَ الْحَقَّ فِيْ اَمْرِ عِيسٰی بَعْدَ ظُهُورِ الْبَيَانِ کہ آپ اے شخص کے ساتھ مباہلہ کریں جو عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حق کے ساتھ غنا درکھتا ہے۔ جب کہ دلائل و براہین کے ساتھ بات بالکل واضح ہو چکی ہے۔ اور تمام قرآن سے ثابت ہو گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے پیدا کیے ہوئے اس کے بندے ہیں، وہ خود الہ نہیں ہیں، بہر حال مباہلہ اب بھی جائز ہے مگر اس قسم کے مٹوس معاملات میں۔ بعض لوگ معمولی مسائل مثلاً فاتحہ خلف امام یا آمین وغیرہ میں مباہلہ پر تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے

حق بات

فرمایا اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ بے شک البتہ یہ بیان ہے سچا مسیح علیہ السلام کے متعلق جو واقعات بیان ہوئے ہیں، یہ بالکل صحیح ہیں۔ قصص قصہ کی جمع ہے اور قصہ واقعہ کہتے ہیں۔ قصص قصص بیان کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس مقام میں قصص مصدقہ بمعنی بیان کرنے کے قصص کا اصل معنی نقش قدم کو تلاش کرنا ہے قاص و لفظ کو بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی واقعات کے پیچھے چلتا ہے الغرض فرمایا کہ مسیح علیہ السلام کے متعلق یہ دعویٰ کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، بالکل صحیح بیان ہے وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہ یعنی مستحق عبادت نہیں ہے وہ نافع اور ضار ہے، خالق، قیوم، قادر مطلق اور علیم کل ہے۔ وہ جو چاہے کرے وہ انہی ابدی قائم و دائم ہے۔ وہی بگڑی بنانے والا ہے۔ وہی مشکل کشا اور راحت دہا



کو توڑنے کی کوشش مت کرو۔ بلکہ مومن کی شان تو یہ ہے۔ کہ وہ اللہ کی حدود کی حفاظت کرتا ہے۔ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ظاہر ہے۔ کہ اگر ان حدود کو توڑ دو گے تو تقویٰ سے محروم ہو جاؤ گے۔ ترقی رک جائے گی اور خرابیاں پیدا ہونے لگیں گی۔ لہذا ان حدود کے قریب بھی نہ جاؤ۔ ان کی نگرانی کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ یہ قانون بتلادیا ہے۔ فرمایا۔ كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ اسی طریقے سے اپنے احکام اور آیات لوگوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔ تاکہ وہ بچ جائیں۔ براہمنوں سے کنارہ کش ہو کر متقی بن جائیں۔ ابتداء میں روزے کا مقصد بھی یہی بتایا تھا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر مالی حقوق کے متعلق بھی فرمایا حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ اور یہاں بھی آخر میں تقویٰ ہی کو بنیاد بنایا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳  
درس بست یکا

آل عمران ۳  
آیت ۶۴

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ  
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ  
بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا  
مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا  
مُسْلِمُونَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، اے اہل کتاب! آؤ ایک کلمے کی طرف جو تمہارے  
اور ہمارے درمیان برابر (مسلم) ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور کسی  
چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور نہ بنائیں ہم میں سے بعض بعض کو رب  
اللہ کے سوا۔ پس اگر یہ لوگ اعراض کریں (قبول نہ کریں) تو (اے مسلمانو!) تم ان سے  
کہ دو، تم گواہ رہو، بیشک ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۶۴﴾

بطایات جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سورۃ بقرہ میں روئے سخن زیادہ تر یہودیوں  
کی طرف تھا۔ اور اس سورۃ آل عمران میں زیادہ تر عیسائیوں کے عقائد باطلہ کی تردید  
ہے۔ اس سورۃ میں تقریباً ۸۳ آیات نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہیں  
جو حضور علیہ السلام سے بحث مباحثہ کرنے کے لیے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ مگر جب  
آپ نے مباہلہ کا چیلنج پیش کیا، تو انہوں نے قبول نہ کیا۔ بلکہ جزیہ ادا کرنے پر  
رضا مند ہو کر صلح کر لی۔ اور واپس چلے گئے۔ اہل کتاب کے ان دونوں گروہوں  
کے عقائد باطلہ کی بیخ کنی کی گئی ہے۔ اور دلائل کے ساتھ ان کا رد کیا گیا ہے  
آج کی آیت میں یہود و نصاریٰ دونوں کو مخاطب کر کے عقیدہ توحید کی دعوت  
دی گئی ہے۔ جو کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔



مقصود طہارت نفس اور طہارت بدن ہے۔ اب اس آیت میں مالی تذکرے سے مراد مال کی طہارت ہے۔ اُس وقت تک مسلمان کا تذکرہ نہیں ہو سکتا جب تک روح و جسم کے علاوہ اُس کا مال بھی پاک نہ ہو۔ اس آیت میں حرام مال کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور اس میں یہ لطیف نکتہ پوشیدہ ہے کہ روزہ کی حالت میں تو حلال چیز بھی اتنے وقت کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ مگر حرام مال تو مدت العمر یعنی ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ گویا ایک مسلمان حرام مال کی طرف سے ساری عمر کے لیے روزے دار ہے۔ وہ اس کے قریب کیسے جاسکتا ہے۔ چنانچہ آیت زیر درس کو مسائل روزے کے ساتھ یہ مناسبت ہے۔

شیخ الہند کا  
ترجمہ قرآن

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ کو عالم اسلام میں اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ یہ میرے سامنے آپ ہی کا ترجمہ قرآن پاک ہے۔ آپ حضرات کے پاس جو ترجمہ ہے۔ یہ حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کا ہے۔ یہ دونوں تراجم دراصل شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ کی آسان صورت ہے جو ان حضرات کے ہاتھوں انجام پائی۔ برصغیر میں سب سے پہلا بخاور اردو ترجمہ شاہ عبدالقادرؒ کا ہی ہے۔ تاہم اس میں آج سے اڑھائی سو سال پرانی اردو استعمال کی گئی تھی اور اس میں ہندی اور بعض دوسری زبانوں کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جو آجکل کی اردو میں استعمال نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر شاہ صاحب نے اللہ الصمد کا ترجمہ ”نزدادھار“ کیا ہے جو کہ خالص ہندی یا سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اسی طرح واجتنبوا الطاعوت میں طاعوت کا ترجمہ ”ہڑدنگا“ کیا ہے۔

مولانا سید  
عزیز گل

مولانا شیخ الہندؒ نے یہ ترجمہ مالٹا کی جیل میں قید کے دوران کیا تھا۔ آپ اور آپ کے پانچ ساتھیوں پر بغاوت کا مقدمہ چلا تھا۔ اگرچہ آپ سزائے موت سے بچ گئے تاہم قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ آپ نے اس تنہائی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ قرآن پاک کا ترجمہ آسان اردو میں پیش کر دیا۔ آپ کے پانچ ساتھیوں میں سے اس وقت صرف حضرت مولانا سید عزیز گلؒ فاضل دیوبند زندہ ہیں۔ مولانا شیخ الہندؒ



میں لکھتے ہیں لَا وَثْنَا وَلَا صَلَیْبًا وَلَا صُنَمًا وَلَا طَاغُوتًا وَلَا نَارًا وَلَا  
 شَیْئًا یعنی آؤ ہم اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ہم اللہ کے ساتھ نہ بت کو شریک  
 بنائیں گے، نہ صلیب کو، نہ طاغوت کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو۔ طاغوت  
 کے متعلق قرآن پاک کی تعلیم موجود "وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ" طاغوت سے  
 بچو۔ شاہ عبدالقادرؒ نے طاغوت کا معنی "ہڑ دنگا" کیا ہے۔ یعنی وہ شخص جو کسی کے  
 بنانے سے نہیں بلکہ خود ہی چودھری بن جائے۔ اور یہ شیطان کی خصلت ہے  
 بلکہ ساری باطل طاقتیں اسی قبیل سے ہیں۔

مقصد یہ کہ اہل کتاب کو دعوت دی گئی ہے کہ آؤ ہم سب مل کر اپنی  
 عبادت اللہ ہی کے لیے مخصوص کر دیں۔ چنانچہ ہر مومن، ہر نماز کی ہر رکعت  
 میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اے مولا کریم! اَيَّاكَ نَعْبُدُ ہم تجھے ہی  
 عبادت کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔ لَا نَعْبُدُ غَيْرَكَ ہم تیرے سوا  
 کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ مگر  
 عیسائیوں نے اقنوم ثلاثہ کا عقیدہ گھڑ لیا یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس  
 تین مل کر ایک خدا بنتے ہیں۔ پھر تینوں الگ الگ بھی خدا ہیں۔ عجیب مغویہ ہے  
 بالکل مشرکانہ عقیدہ۔ نہ تو تین خدا ہیں اور نہ تینوں ایک ہیں۔ یہ سب بناوٹی  
 عقیدے ہیں۔ یہ باتیں پولس نے عیسائیوں کے عقیدے میں داخل کیں۔ انجیل  
 کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ نہ کوئی خدا کا اوتار ہے اور نہ کوئی اس کا منظر  
 ہے۔ یہ تو ہنود کا عقیدہ ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی اُن کے ساتھ ملتا جلتا ہے۔  
 کہ خدا کسی انسان کے روپ میں آکر ظاہر ہوتا ہے۔ اس طرح وہ شخص اوتار یا  
 منظر خدا کہلاتا ہے۔ کہیں مریم پرستی ہو رہی ہے۔ حضرت مریمؑ کی تصویریں  
 کو گمروں میں رکھ کر اُن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ اُن کو مادرِ خدا کہتے ہیں۔ اُن کے  
 نام کی نذر و نیاز دیتے ہیں۔ سیح پرستی کے علاوہ موجودہ عیسائیوں میں پاپائیت  
 بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنے بڑے راہنماؤں کو الوہیت کے درجے پر پہنچا



ہو جائے۔ اس قوم نے بڑی مادی ترقی کی ہے اور بڑے لمبے عرصہ تک دنیا میں چھوٹ  
 کی ہے۔ اس کا ستارہ چھ سو سال تک بام عروج پر رہا، امریکہ اور روس تو انگریزوں کے  
 بچے ہیں۔ جس طرح کسی زمانے میں روسیوں کا دنیا میں رعب و داب تھا، اسی طرح  
 ماضی قریب میں انگریزوں کو عروج حاصل تھا۔ ان میں بڑے بڑے فلاسفر، سائنس دان، انجینئر  
 اور قانون دان پیدا ہوئے ہیں۔ تاہم عیسائی ہونے کے ناطے اسلام کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔  
 شیخ سعدیؒ کا زمانہ ساٹویں صدی ہجری ہے۔ آپ کی گلستان پڑھیے معلوم  
 ہوتا ہے کہ انگریزوں نے شیخ صاحب کو بھی قید کر ڈالا تھا۔ آپ کے ساتھ یہودی قیدی  
 تھے۔ کہتے ہیں کہ میں خندق کی تعمیر کے سلسلے میں گارہ اٹھا اٹھا کر لارہا تھا۔ حلب  
 کا کوئی رئیس آپ کا واقف تھا۔ اُدھر سے گزرا تو آپ کو پہچان لیا۔ پوچھا کیا  
 بات ہے شیخ سعدیؒ نے کہا کہ میں تو لوگوں سے تنگ آکر باہر جنگل میں نکل  
 گیا تھا تاکہ بھڑکی سے اللہ اللہ کر سکوں، مگر شومی قسمت کہ قید فرنگ میں مبتلا ہو گیا  
 اُس رئیس نے انگریزوں کو فدیہ دے کر شیخ صاحب کو رہائی دلادی۔

شیخ صاحب اپنے زمانے کے بہت بڑے شاعر تھے۔ فارسی کی غزل گوئی  
 میں آپ کی مثال نہیں ملتی۔ آپ کی کتابیں گلستان اور بوستان بڑی مقبول ہوئیں۔  
 یہ ابتدائی جماعتوں کو اُسی زمانہ سے پڑھائی جا رہی ہیں۔ آپ نے پاکیزہ زبان استعمال  
 کر کے نصیحت آموز باتیں کی ہیں جن میں مزاح کا رنگ بھی پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے  
 اس بات پر اعتراض کیا کہ آپ نے کتاب میں ہنسی مذاق کو بھی جگہ دے دی ہے تو آپ  
 نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے اس میں ظرافت اور خوش طبعی کو اس لیے جگہ دی  
 ہے تاکہ لوگ اُسے آسانی سے قبول کر لیں۔ بعض اوقات کڑوی گولی چینی میں بند کر کے  
 کھلائی پڑتی ہے تاکہ اس سے مریض کو شفا ہو۔ اسی اصول کے تحت میں نے نصیحت آموز  
 باتیں ہنسی مذاق کے خول میں بند کر کے دی ہیں تاکہ یہ لوگوں کے ذہن میں اتر سکیں۔  
 گلستان کے بارے میں انگریزوں کا عقولہ ہے کہ یہ کسی ایک شخص کی تحریر  
 معلوم نہیں ہوتی، بلکہ یہ کسی کمیٹی یا کمیشن کا کام ہے۔ اس میں اتنے تجربات اور نصیحتیں



کا حکم ہوا، تو عرض کیا۔ حضرت! وہاں تو سید میراں حسین زنجانیؒ تبلیغ دین میں مصروف ہیں میں وہاں جا کر کیا کروں گا۔ فرمایا، جاؤ میرے حکم کی تعمیل کرو۔ چنانچہ آپ لاہور تشریف لے آئے۔ جب آپ شہر میں داخل ہوئے تو ایک جنازہ نظر پڑا۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ کہ سید میراں حسین زنجانیؒ کا جنازہ جارہا ہے۔ غرضیکہ خواجہ اجمیریؒ نے ہندوستان میں دین کی بہت بڑی خدمت کی۔ ان کے متعلق شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی شخص ان کی قبر پر یا سالار مسعود غازیؒ کی قبر پر اس غرض سے جاتا ہے کہ ان سے کوئی حاجت طلب کرے، وہ قتل اور زنا سے زیادہ سنگین جرم کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسی طرح لاہور میں حضرت علی ہجویریؒ بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ ان کی بلندی درجات کے لیے دعا کرنا تو جائز ہے مگر فوق الاسباب کبھی کی مراد پوری کرنا اور حاجت روائی کرنا تو صرف شان خداوندی ہے۔ یہ ان بزرگوں کی شان نہیں ہے۔ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کے طریقے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے واسطے سے ہمارا خاتمہ بالآخر ہو۔ جنت میں ان کی معیت نصیب ہو۔ ایصالِ ثواب کرنا ہے۔ تو اپنے گھر پر ہی مساکین کو کھانا کھلا دو کپڑے پہنا دو۔ دیگر ضروریات مہیا کر دو اور دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر خواجہ معین الدین چشتیؒ کو یا خواجہ مسعود سالار غازیؒ کو یا حضرت علی ہجویریؒ کی روح مبارک کو پہنچائے۔ ان کے درجات بلند کرے۔ یہ سب کچھ اپنے مقام پر بھی ہو سکتا ہے وہاں چل کر جانے کی کیا ضرورت ہے۔

حکام پستی اور ملوک پستی بھی شئیائیں شامل ہے اور شرک ہی کی قسم ہے۔ جاپانی شینٹو ازم یعنی ملوک پستی میں مبتلا تھے۔ وہ لوگ اپنے بادشاہ کو الہ کا درجہ دیتے تھے۔ بادشاہ کو کلی اختیار تھے، جو چاہے کرے، اس پر کوئی قدغن نہ تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ کہ دیجئے کہ مسئلہ بات یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شرک یا نہ ٹھہرائیں۔ نہ کسی کو حاضر و ناظر مانیں، نہ مختار کل،

شرک کی  
لعنت



رہا، تاہم انگریزوں کے ماتحت ہی رہا۔ اب امریکہ کے زیر اثر ہے۔ اسی کی پالیسی پر گامزن ہے  
 جب انگریز زوال پذیر ہوا، تو امریکہ کو عروج حاصل ہونے لگا۔ دنیا میں اس کی اجارہ داری  
 قائم ہو گئی۔ دوسری طرف روس نے غلبہ حاصل کر لیا۔ اب یہ دو طاقتیں دنیا کی متحارب  
 قوتیں ہیں۔ یہ آپس کی سرد جنگ میں مبتلا ہیں۔ دنیا کے باقی ممالک دونوں میں سے  
 کسی نہ کسی گروپ میں شامل ہو کر ان کے دستِ نگر ہیں۔ اب یہ سپر طاقتیں سازشوں  
 میں مصروف ہیں۔ ان کی نگاہیں مشرق وسطیٰ اور اسلامی ممالک پر ہیں کہ ان کو کس طرح تقسیم  
 کیا جائے۔ امریکہ کا ہر آنے والا صدر سابقہ پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے اسرائیل کی  
 پشت پناہی کرتا ہے اور اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ناسور کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یہ امریکہ  
 برطانیہ اور فرانس کا مشترکہ پیرودہ ہے۔ جس کی وساطت سے مسلمانوں کو ذلیل و رسوا  
 کیا جا رہا ہے۔

ہدایہ در گلستان

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ ہمارے اس آخری دور کے بہت بڑے  
 محدث ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ آپ ہمارے دور کے  
 حیدر تہمین محدث ہیں جیسی مثال نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا کمال درجے کا حافظہ دیا تھا  
 کہ جب کوئی کتاب ایک دفعہ دیکھ لی تو پوری زندگی یاد رہی، بھولتے نہیں تھے۔ بخاری  
 شریف پوری کی پوری یاد تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی کتاب دنیا سے ناپید  
 ہو جائے تو میں اسے دوبارہ لکھ سکتا ہوں۔ مگر دو کتابیں ایسی ہیں جن کو دوبارہ لکھنے پر میں  
 قادر نہیں ہوں، ان میں سے ایک ہدایہ ہے اور دوسری شیخ سعدیؒ کی گلستان ہے  
 اس کے آٹھ باب ہیں اور تین سو صفحات پر مشتمل ہے، ہدایہ فقہ کی بلند پایہ کتاب ہے۔  
 صاحب ہدایہ نے اسے انسی جلدوں سے مختصر کر کے چار جلدوں میں محفوظ کر دیا ہے  
 اہم محدث کی جامع صغیر اور ابوالحسنؒ کی قدوری ہدایہ کی اصل ہیں۔ یہ بہت اچھی شرح ہے  
 انسان کا کوئی کام حتمی نہیں ہوتا، غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ سو سے پاک تو اللہ تعالیٰ کی ذات  
 ہے۔ بہر حال صاحب ہدایہ نے یہ گمراہ قدر خدمت انجام دی ہے اور علامہ انور شاہ صاحب  
 کشمیریؒ نے شیخ سعدیؒ کی گلستان کو اس کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔



صرف اور صرف خدا تعالیٰ ہی ہے۔ لہذا اُس کے سوا کسی کو رب نہ بنائیں۔  
 شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ کہ توحید کے دو درجے تو مشرک  
 بھی مانتے ہیں یعنی واجب الوجود اور خالق۔ وہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ خدا کی ذات  
 واجب الوجود ہے اور وہی ہر چیز کا خالق ہے۔ مگر خرابی تیسرے اور چوتھے درجے  
 میں جا کر پیدا ہوتی ہے۔ تیسرے درجہ تدبیر کا ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ ہی مدبّر ہے۔ وہی ہر  
 چیز کی تدبیر کرتا ہے۔ مگر مشرک لوگ یہاں آکر پھسل جاتے ہیں۔ نجومی ستاروں کو  
 بھی تدبیر کنندہ سمجھتے ہیں۔ عیسائی اسکی نسبت مسیح علیہ السلام کی طرف کرتے ہیں  
 یہودی عزیر علیہ السلام کی طرف اور باقی مشرک کسی اور طرف۔ اور اس طرح مشرک  
 میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ توحید کا چوتھا درجہ عبادت ہے۔ اس کا مطلب  
 یہ ہے کہ پورے خلوص کے ساتھ انتہائی درجے کی تعظیم صرف خدا کی ہی ہو سکتی ہے  
 کوئی دوسری ہستی مستحق عبادت نہیں ہے۔ مگر حال یہ ہے۔ کہ لوگ مالی اور  
 جانی ہر قسم کی عبادتیں خدا کے علاوہ دوسروں کے سامنے انجام دیتے ہیں۔ اور  
 اس طرح مشرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے اپنے پیروں کو امام  
 جعفر صادقؒ سے عرض کیا۔ اے رسول اللہ کے فرزند! یہ فرمائیں۔ کیا اللہ تعالیٰ  
 نے اپنی ربوبیت بھی کسی کے سپرد کی ہوئی ہے انہوں نے کہا، معاذ اللہ اللہ  
 نے اپنی ربوبیت کسی کے سپرد نہیں کی۔ ربوبیت کے کام وہ خود انجام دیتا ہے  
 لوگوں کی حاجات پوری کرنے کا اُس نے کسی کو اختیار نہیں دیا۔ ابن جریرؒ فرماتے  
 ہیں کہ گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت کرنا اور غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنا بھی بعض کو  
 بعض کا رب بنانا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے شاگرد حضرت عکرمہؒ کا قول ہے۔ کہ بنیادی  
 طور پر اَرْبَابًا هُنَّ دُونِ اللّٰهِ تحلیل و تحریم کے بائے ہیں۔ اس کا  
 پتہ خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک کے ایک واقعہ سے چلتا ہے۔ حاتم طائیؒ

تحلیل و  
تحریم



مسلمانوں کے بہت بڑے لیڈر اور سہمہ دہیں۔ ہمیشہ آپسے رابطہ رکھتے تھے۔

تحریک ریشمی  
رومال

۱۹۱۵ء میں ریشمی رومال کی تحریک چلی۔ یہ یکم بھی حضرت شیخ الہندؒ کی تھی۔ آپ کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح انگریز کو ہندوستان سے نکال باہر کیا جائے، اس وقت برصغیر کی آبادی چالیس کروڑ تھی، مگر پانچ چھ لاکھ انگریز حکومت کر رہے تھے کیونکہ طاقت ان کے ہاتھ میں تھی۔ مگر مسلمانوں کی غداری کی وجہ سے یہ تحریک بھی کامیاب نہ ہو سکی، اس کا راز قبل از وقت فاش ہو گیا تھا۔ مقصد یہ کہ برصغیر کی آزادی کے سلسلے میں علماء کی جدوجہد تو پرانی ہے اس وقت ہندوؤں کو تو خواب بھی نہیں آیا تھا کہ انگریزوں کو یہاں سے نکالنا ہے اور مسلم لیگ بعد کی پیداوار ہے۔ اس زمانے میں اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس میں نواب قسم کے لوگ شامل تھے۔ آخر میں جب لوگ انگریز اور ہندوؤں سے تھک چکے تھے تو مسلمان سٹرجنرل کی قیادت میں یکجا ہو گئے اور بات بن گئی۔ ان کی جدوجہد تو صرف پانچ سات سال کی ہے۔ جب کہ علمائے کرام کی تحریک حریت ڈیڑھ صدی پہ محیط ہے۔

تذکیہ مال

بہر حال بات حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن کی ہو رہی تھی۔ آپ نے سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء کا حاشیہ بھی لکھا۔ باقی حاشیہ آپ کے شاگرد رشید مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا ہے۔ تو مولانا محمود الحسنؒ نے مختصر الفاظ میں بہت بڑی بات سمجھا دی کہ اس آیت میں طہارت مال کا بیان ہے۔ جب کہ اس سے پہلی آیات میں روزہ کا بیان تھا جس سے مقصود کَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ یعنی نفس اور جسم کی طہارت تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کا اس وقت تک مکمل تمذکیہ نہیں ہو سکتا جب تک اس کا مال بھی پاک نہ ہو۔ تو اس آیت زیر درس میں مال کی پاکیزگی کا قانون بیان کیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو حلال اور پاکیزہ مال کھانے اور حلال بیوی سے متمتع ہونے سے صرف روزے کے دوران منع کیا گیا ہے مگر حرام سے اُسے ہمیشہ کے لیے منع کر دیا گیا ہے۔ وہ ساری عمر ایسے مال کے کیسے قریب جاسکتا ہے۔ یہ تو تمذکیہ کے اصول کے منافی ہے۔



شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو حلال یا حرام مٹھرانا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے ہے۔ البتہ جب اس کی نسبت بنی کی طرف ہوتی ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ کسی چیز کی حلت یا حرمت کی قطعی علامت ہے۔ بنی خود حلال و حرام نہیں کرتا۔ بلکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کرتا ہے۔ جس چیز کو مجتہد حلال یا حرام مٹھرائے ہیں، اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ فیصلہ قرآن و سنت کی روشنی میں دیا ہے۔ انہیں خود ایسا کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا بنی کو اختیار نہیں، مجتہد کو کیسے ہو سکتا ہے۔

شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ یحسون مایشاءون و یحرمون مایشاءون یعنی ان کے امام معصوم ہیں وہ جس چیز کو چاہیں حلال قرار دیں اور جس کو چاہیں حرام کہہ دیں۔ ممکنہ حقیقت یہ ہے کہ معصوم صرف بنی کی ذات ہے۔ یہ گارنٹی صرف اُسے حاصل ہے کہ اُس سے گناہ سرزد نہیں ہونے دیا جائے گا۔ لہذا شیعوں کا عقیدہ اس معاملے میں درست نہیں ہے۔

شاہِ روم کے نام خط حضور علیہ السلام نے مختلف ممالک کے فرمانرواؤں کو بذریعہ خطوط و مکتوبات اسلام کی دعوت دی۔ ان خطوط میں ایک خط قیصر شاہِ روم کے نام بھی تھا یہ دعوت نامہ آپ نے مکہ میں وحید ابن خلیفہ کلبیؓ کے ہاتھ گورنر شام کی معرفت بھیجا تھا اس خط کے الفاظ یہ ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ مِنْ مُحَمَّدٍ الرَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰی ہِرَقْلَ عَظِیْمِ الرَّوْمِ سَلَامٌ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی یہ خط محمدؐ کی طرف سے رومیوں کے بادشاہ ہرقل جو عظیم رومیوں کا کی طرف ہے۔ سلامتی ہو اُس پر جس نے ہدایت کی تابعداری کی اما بعد فَاسْلِمُوْا قَسْلَمُ اِسْلَامُ لے آؤ، سلامتی پا جاؤ گے۔ وَاسْلِمُوْا لِقَوْلِکَ اللّٰہِ اَجْرُکَ مَرَّتَیْنِ اِسْلَامٌ تَبُوْلُ کہ لو، اللہ دو ہزار اجر دیگا۔ عیسائیت کے بعد اگر ایمان لے آؤ گے تو عیسائیت کا اجر بھی ملے گا اور اسلام لانے کا



اگر کسی نے ناجائز طریقے سے جاگیر حاصل کر رکھی ہے۔ تو پھر وہ معاوضے کا قطعاً  
 حقدار نہیں۔ وہ حقدار کو ملنی چاہیے۔ اور اگر کوئی جائداد وراثت میں ملی ہے یا جائز  
 ذرائع سے خریدی گئی ہے، تو پھر اس کا پورا پورا معاوضہ ملنا چاہیے۔ وہ بھی اس  
 صورت میں کہ اسلامی ریاست اس جائداد کو حاصل کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ کسی جائداد  
 پر زبردستی قبضہ، جو یا ناجائز بیع کے ذریعے حصول جائداد بالکل درست نہیں  
 یہ حرام ہے۔

آگے فرمایا وَ تَدْلُوْا بِهَا اِلَى الْحُكَّامِ اور ایسے مال کو حاکموں تک  
 نہ پہنچاؤ۔ مقصد یہ کہ کوئی جائداد یا کوئی مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے کے لیے  
 حکام وقت کی امداد حاصل نہ کرے۔ نہ اُن کو رشوت پیش کرے اور نہ اُن کے پاس سفارش  
 لیکر جاؤ۔ اب تو حکام کے علاوہ یہ سلسلہ اُن کی بیگمات تک وسیع ہو گیا ہے۔  
 مٹھائی اور فروٹ کی ٹوکھیاں پیش کی جاتی ہیں۔ کپڑے اور زیورات کے  
 تحائف دیے جاتے ہیں۔ تاکہ کسی دوسرے کے مال پر غاصبانہ قبضہ کیا جاسکے  
 یہ سب حرام ہے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مال حاصل کرنے کے لیے جھوٹا دعویٰ  
 دائر کرنا یا کسی ایسے معاملہ میں جھوٹی گواہی دینا بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور حرام کھانے  
 کے مترادف ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ لَبَسَ اَكْلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ  
 النَّاسِ بِالْاِثْمِ حکام کے پاس اس غرض سے مت جاؤ کہ لوگوں کا مال غلط  
 طریقے سے کھا جاؤ۔ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ حالانکہ تم جانتے اور ناجائز کو اچھے طرح  
 جانتے بھی ہو، پھر غلط کام کرتے ہو۔ یہ قطعاً حرام ہے اس سے بچو۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاِعْمُرَان ۳

درس بست و دو ۲۲

آیت ۶۵ تا ۶۸

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّونَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا  
 اُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهَا فَلَا  
 تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵ هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا  
 لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فَيَخَالِسَ لَكُمْ  
 بِهِ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶  
 مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ  
 كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷  
 اِنَّ اَوَّلِيَ النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَ  
 هٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۸

ترجمہ: اے اہل کتاب! تم کیوں جھگڑا کرتے ہو ابراہیم (علیہ السلام) کے بارے میں  
 حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل مگر ان کے بعد کیا تم عقل نہیں رکھتے ۝۶۵  
 سنو اے لوگو! جھگڑا کیا تم نے اس چیز میں جس کا تمہیں علم تھا۔ اب کیوں جھگڑا کرتے  
 ہو اس چیز میں جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم  
 نہیں جانتے ۝۶۶ ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی مگر وہ حنیف  
 (سب طرف سے ہٹ کر ایک طرف لگنے والے) اور مسلمان (اللہ کے فرمانبردار)  
 تھے اور وہ مشرک کرنے والوں میں نہیں تھے ۝۶۷ بیشک لوگوں میں سے  
 ابراہیم (علیہ السلام) کے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا اور  
 یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا ولی (کارساز)



اور چاند۔ اب سورج ہمیشہ ایک ہی ہیئت میں رہتا ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی  
برخلاف اس کے چاند ہمیشہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے سوال  
کیا تھا۔ یَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِؕ لَوْ كُنَّا اِیَّیْكَ سَمِعْنَا لَعَلَّیْ نَكْفُرُ بِكَ وَلَیْسَ لَكَ اَنْتَ  
بِیْهِمْ بِشَیْءٍ۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نبی علیہ الصلوٰۃ  
والسلام قُلْ اَیُّكُمْ یَكْفُرُ یَعْنِیْ اَنْ كُفِّرَ سَمْعًا وَنَسْمًا وَلَوْ اَنَّیْكُمْ لَعَلَّیْ نَكْفُرُ  
بِیْهِمْ وَلَیْسَ لَكَ اَنْتَ بِیْهِمْ بِشَیْءٍ۔

امام بیضاویؒ

اس مسئلہ پر امام بیضاویؒ نے اپنی تفسیر میں بحث کی ہے۔ بیضاویؒ ایران کے  
ایک مقام کا نام ہے، جس سے نسبت کی بنا پر آپ کو بیضاوی کہا جاتا ہے۔  
آپ بہت

بڑے فاضل اور صالح بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کی تفسیر بیضاوی عربی کی مشکل تفاسیر  
میں شمار ہوتی ہے۔ علم اصول میں بھی آپ کی ایک کتاب موجود ہے۔ تاہم تفسیر میں  
آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ نے اپنی تفسیر میں صرف، نحو، علم کلام، اور علم قرأت  
وغرضیکہ تمام علوم کی روشنی میں قرآن کریم کا مقصد اور نشان بیان کیا ہے۔

آپ قاضی کے عہدے پر فائز تھے۔ مگر اپنے پیر و مرشد شیخ محمد کتانیؒ  
کے حکم پر یہ عہدہ چھوڑ دیا تھا۔ اور تحصیل علم میں لگ گئے۔ ان کے کہنے پر ہی آپ نے قرآن  
پاک کی تفسیر کی، اس کو تحریر یہی صورت میں پیش کیا اور پھر لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دی۔ یہ زمانہ  
مسلمانوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اور علم ترقی کے منازل طے کر رہا تھا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ سوال تو یہ تھا کہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔  
جب کہ سورج کی جہامت میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ اس میں کون سی حکمت کا فرما  
ہے۔ مگر جواب یہ دیا گیا کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے اوقات کا نظام ہے  
مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ اس قسم کا جواب علی طریق اسلوب حکیم کہلاتا ہے  
اور حکم جو ہوتا ہے۔ وہ موقع اور ضرورت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی مثال حدیث  
شریف میں موجود ہے کہ یہودیوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نو نشانوں

سوال جواب  
میں اختلاف



کے طریقے سے ہٹ چکے ہیں۔ لہذا ان کی خالی نسبت کا کچھ فائدہ نہیں۔

یہودیت اور نصرانیت کی ابتداء  
ارشاد ہوتا ہے يَا هٰٓؤُلَآءِ الْكِتٰبِ اے یہودیو اور عیسائیو! لِمَ تَحٰجُّوْنَ  
فِيْ اِبْرٰهِيْمَ تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو۔ یہودیوں  
کا دعویٰ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ حالانکہ آپ کو یہودیت سے کیا  
تعلق۔ یہودیت تو تورات کو مسیح کہنے سے پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے جس تورات  
کو نازل فرمایا یہودیوں نے اس میں تحریف کی۔ اس میں قطع بید کہنے کے بعد  
کچھ چیزیں اپنی طرف سے ملا لیں اور بعض اصلی احکام چھوڑ دیے۔ اس طرح تورات  
اپنی اصل حالت میں باقی نہ رہی۔ گویا یہودیت موسیٰ علیہ السلام کے بگڑے ہوئے  
دین کا نام ہے۔

اسی طرح عیسائیت انجیل کو بگاڑنے سے پیدا ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
کی زندگی میں آپ کے حواری تو آپ کو ملتے تھے اور آپ کے دین کی تبلیغ  
بھی کرتے تھے۔ مگر جب آپ کو آسمان کی طرف اٹھایا گیا، تو انجیل میں رد و بدل  
شروع ہو گیا۔ روم کے مشرک بادشاہ نے عیسائیت قبول کر لی۔ اس کے ساتھ  
اُس کی رعایا بھی اُسی دین میں شامل ہو گئی پھر انہوں نے بہت سی مشرکانہ رسوم  
عیسائیت میں داخل کر دیں۔ عقائد بھی بدل دیے۔ پوس کی تعلیم کے ذریعے  
ابنیت کا عقیدہ وضع کیا گیا۔ یعنی مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔ اسی طرح تین  
خداؤں کا عقیدہ ایجاد ہوا۔ غلط عقاید اور مشرکانہ رسوم نے اصل مذہب کو باقی نہ رہنے  
دیا اور اس طرح عیسائیت یا نصرانیت معرض وجود میں آئی۔ عیسائیوں کے مولیوں  
اور پادریوں نے انجیل کی تعلیمات کو بگاڑ دیا۔ خنزیر کو حلال قرار دینے کا مسئلہ  
قسطنطین کے زمانے میں پیدا ہوا۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جب رومیوں کا  
بادشاہ قسطنطین عیسائی ہو گیا تو خنزیر کو حلال قرار دے کر کھانا شروع کر دیا گیا  
حالانکہ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد آنے  
والے تمام انبیاء نے خنزیر کو حرام قرار دیا۔ اور یہ سب کچھ عیسیٰ علیہ السلام کے بہت



ہلال کہتے ہیں۔ وَهَذَا أَهْلٌ بِهِ لِنَفْسِ اللَّهِ میں بھی بیان ہو چکا ہے کہ جب کسی چیز کی نامزدگی غیر اللہ کے نام پر ہوتی ہے۔ تو اس میں بھی آواز بلند ہوتی ہے۔ کہ یہ چیز فلاں بزرگ کے نام کی ہے۔ لہذا یہ شرک میں داخل ہو جاتا ہے۔ عرض یہ کہ رہا تھا۔ کہ پہلے دن کا چاند ہلال کہلاتا ہے، اور پھر جب بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نام قمر ہو جاتا ہے۔ اور پھر جب چودھویں تاریخ کو بالکل پورا ہو جاتا ہے تو اسے بدر کہتے ہیں، اور آخر میں جب ڈوب جاتا ہے تو اسے محاق کہتے ہیں۔ اس کے بعد دو ایک دن نظر نہیں آتا۔ اور آخر پھر سے نیا چاند بن کر سامنے آتا ہے جس کا مطلب یہ کہ گذشتہ مہینہ ختم ہوا اور نئے مہینہ کی پہلی تاریخ ہو گئی۔ اس طرح ایک مکمل سال پورے بارہ ماہ میں پورا ہوتا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ "إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا" یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک سال بھر کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ گویا جب اللہ تعالیٰ نے زمین، آسمان، چاند سورج غرضیکہ پورا نظام شمسی قائم کیا تو مہینوں کی تعداد بارہ مقرر فرمائی۔

پھر فرمایا کہ ان بارہ مہینوں میں "مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ" چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان مہینوں میں کوئی گناہ کرنا دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ بڑا جرم ہے۔ ان مہینوں میں لڑائی کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ چار ماہ اللہ کے ہاں بڑے باعزت مہینے ہیں۔ اگر غیر مسلم خود مسلمانوں سے جنگ کا آغاز کریں تو پھر انہیں بھی اجازت ہے کہ اپنا دفاع کریں ایسی صورت میں ان پر کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا۔ ان چار مہینوں میں ذمی قعدہ، ذمی الحج اور محرم اکٹھے ہیں۔ اور رجب کا مہینہ ذرا الگ ہے۔ یہ چار مہینے حرمت والے ہیں۔

الغرض! فرمایا کہ چاند کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے مختلف امور کی ادائیگی کے لیے اور خاص طور پر حج کے لیے اوقات کا تعین ہوتا ہے۔ انسان کوئی مزدوری کرتا ہے، کسی چیز کے کرایہ کا معاملہ طے کرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس

حرمت والے  
مہینے

ادائیگی کا  
تعیین



تم نے اُس چیز میں تو جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو تمہیں کچھ تھوڑا بہت علم تھا۔ کہ اُن پر نازل شدہ کتابیں کسی نہ کسی شکل میں تمہارے پاس موجود تھیں۔ لہذا اُن کے متعلق تمہارا اختلاف

رائے کسی حد تک قبول کیا جاسکتا ہے۔ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ

لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ مگر تم اُس چیز کے متعلق کیوں جھگڑا کرتے ہو۔ جس کا

تمہیں سرے سے علم ہی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی صحیح صحیفہ تمہارے

پاس نہیں۔ اُن کی کسی تعلیم پر تمہارا عمل نہیں۔ لہذا اُن کی طرف غلط باتیں کیوں منسوب

کرتے ہو۔ کہ وہ یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اس بارے میں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے۔

فرمایا مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ كِيَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا ابراہیم علیہ السلام

نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا بلکہ وہ تو حنیف

اور مسلمان تھے۔ حنیف اُس کو کہتے ہیں۔ جو سب طرف سے ہٹ کر ایک

طرف لگ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی تعلیم دی حَنِيفًا لِلّٰهِ اللہ

کیلئے حنیف بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر صرف اُسی کی اطاعت میں آ جاؤ اور

مشرک نہ بنو۔ چنانچہ ابراہیم (علیہ السلام) تو حنیف ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے

سامنے عرض کیا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ میں نے ہر طرف سے منہ

موڑ کر اپنا رشتہ اُس اللہ جل جلالہ سے جوڑ لیا ہے۔ جو آسمان و زمین کا خالق

ہے۔ اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ حنیف سے مراد وہ شخص ہے جو ابراہیم

کو ماننے والا ہے۔ فارسی تفسیر فتح الرحمن کے حاشیے پر لکھا ہے کہ حنیف وہ

شخص ہے۔ جو کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہے۔ جو بیت اللہ کا حج کرتا

ہے۔ جو ختنہ کرتا ہے، جو شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی وحدانیت

ابراہیم علیہ السلام  
حنیف تھے



حج کے لیے  
جلدی

اہمیت حاصل ہے۔ سورۃ بقرہ جامع سورۃ ہے۔ اس میں تمام عبادات کا ذکر آگیا  
یعنی اصلاح عقیدہ کے بعد نماز کا بیان آیا۔ پھر زکوٰۃ کا بیان ہوا، اس کے بعد روزہ  
کے احکام آئے اور اب اس آیت میں حج کا بیان بھی آگیا ہے۔ تو گویا تمام عبادات  
کا تعلق قمری تقویم سے ہے۔ اور ایک مسلمان کے لیے اس کے بغیر چارہ نہیں۔  
اس آیت میں حج کا اشارتاً ذکر کیا ہے۔ آگے تفصیل آئے گی۔ اَلْحَجُّ  
اَشْهُرٌ مُّعْتَمَرَاتٍ یعنی حج کے مہینے معلوم ہیں۔ اور ان کا تعین بلاشبہ چاند سے  
ہی ہوتا ہے۔ حج ایک فرض عبادت ہے۔ ہر صاحب استطاعت پر عمر بھر  
میں ایک دفعہ حج کرنا فرض ہے۔ اس کے علاوہ جتنی دفعہ حج کرے گا، اجر و  
ثواب کا مستحق ہوگا۔ نماز ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ سال میں ایک  
دفعہ فرض ہے۔ اور روزے بارہ مہینوں میں ایک ماہ کے فرض ہیں۔ ارکان  
اسلام میں سے حج کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں مالی اخراجات کے  
علاوہ جسمانی مشقت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ لہذا جب کوئی مسلمان صاحب استطاعت  
ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کو حج کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو پھر اسے چاہیے کہ  
دیر نہ کرے بلکہ فوری طور پر ادائیگی کی کوشش کرے فَاِنَّكَ لَا يَدْرِيْ  
اَنْتَ اَعْلَمُ نَحْنُ۔ کہ آگے کس قسم کے حالات پیش آنے والے ہیں۔ لہذا اسے اس  
فرض سے جلد سبکدوش ہو جانا چاہیے۔ کوئی حادثہ پیش آسکتا ہے۔ انسان بیمار  
ہو سکتا ہے۔ مال ضائع ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ لہذا انسان کو حج کے معاملہ  
میں دیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اولین فرصت میں سفر حج پر روانہ ہو جانا چاہیے۔ اور پھر  
اس فرض کی ادائیگی میں سستی کرنے والوں کے لیے وعید بھی بڑی سخت آئی ہے  
حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص پر حج فرض ہو گیا اور اس کی ادائیگی میں کوئی امر  
مانع نہیں ہے اور وہ اس کے لیے کوشش نہیں کرتا تو ایسا شخص یہودی ہو کہ  
مرے یا نصرانی ہو کہ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

اسلام کا پانچواں رکن جہاد ہے۔ یہ حج سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ اس میں



یہ منسوب کرنا کہ وہ گانے بجانے کے قائل تھے، بالکل غلط ہے۔ اس برصغیر میں جس قدر اہل سنت و جماعت میں پایا گیا ہے، کسی اور مسلک میں نہیں ملتا۔ اسی میلے میں حضرت علی ہجویریؒ کا عرس منایا جا رہا ہے۔ مزار کو عرق گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔ حکومت کے نمائندے چادریں چڑھاتے ہیں۔ اب ان مزاروں پر گنبد بن گئے ہیں۔ چپس لگ گئے ہیں۔ عرس ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔ چوں کہ سرائے کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمان

اوقات میں آنے کا مقصد تو یہ تھا کہ لوگوں کی اصلاح کی جائے۔ شرک و بدعات سے منع کیا جائے۔ مگر اب خود مسلمان ہی یہ کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کو اس بُرائی سے کون روکے گا۔ یہاں تو آمدنی سے غرض ہے۔ چڑھاوے کی آمدنی کھانے پینے اور ملازموں کی تنخواہوں پر خرچ ہوتی ہے۔ جو شخص اپنی نسبت حضرت علی ہجویریؒ کی طرف کرتا ہے اور پھر شرک و بدعت کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ وہ خود بھی جھوٹا ہے اور اس کی نسبت بھی غلط ہے۔

خواجہ گیسو درازؒ گلبرگہ دکن میں رہتے ہوئے بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے ان کی کم و بیش سو کتابیں ہیں۔ ان میں قرآن پاک کی تفسیر بھی ہے۔ تصوف پر کتابیں ہیں۔ مکتوبات بھی ہیں۔ ان کتابوں میں شرک کی واضح تردید موجود ہے کہتے ہیں۔ کہ آپ کے پاس ایک جوگی کوئی عمل بتانے کے لیے آیا۔ مگر ہزار منت کے باوجود آپ نے وہ عمل نہیں سیکھا۔ فرمایا مجھے تہلے عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس اللہ کا قرب دلانے والے عمل موجود ہیں۔ ہم سونا بنانے کا عمل سیکھ کر کیا کریں گے آپ متوکل علی اللہ اور معلم تھے، خواجہ بختیار کاکیؒ عبادت و ریاضت کے شہید تھے۔ دو رکعت میں پورا قرآن کریم اور چار پائے تلاوت فرماتے تھے۔ خواجہ بختیار کاکیؒ کا مجاہدہ تھا کہ بیٹس برس تک زمین پر پشت لگا کر نہیں سوئے۔ غیند کا غلبہ ہوا تو بیٹھے بیٹھے ہی آرام کر لیا۔



سے، ہر صورت میں کامیابی کا راز صراطِ مستقیم پر چلنے میں مضمر ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان اس اہم قانون کی خلاف ورزی کئے کے کام ہوئے۔ انفرادی حیثیت سے لے کر نظام حکومت تک سب کی درستگی قرآن و سنت کا راستہ اختیار کرنے پر منحصر ہے۔ اسلام کے نفاذ کے لیے جب تک اسلام کا بتایا ہوا طریقہ اختیار نہیں کیا جائے گا، کامیابی نہیں ہو سکتی۔ پورے نظام حکومت کی تبدیلی محض بیوروکریسی کے ذریعے ممکن نہیں ہے۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لیے اسلام کا بتایا ہوا صراطِ مستقیم اختیار

کرنا پڑے گا

فرمایا یہ ہے کہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تقویٰ کا قانون قرآن پاک میں بار بار بیان ہوا ہے۔ کہیں فرمایا هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یعنی یہ ہدایت متقین کے لیے ہے۔ اگر یہ تقویٰ اختیار کرو گے تو فوز و فلاح کے دروازے کھلیں گے۔ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ۔ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ کامیاب ہو جاؤ۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس سبت و سہ ۲۳

الِ عَصْرَانِ ۳

آیت ۶۹ تا ۷۱

وَدَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ ۖ  
 وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۖ ⑥۹  
 يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأَنْتُمْ  
 تَشْهَدُونَ ۚ ⑦۰ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ  
 بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَكْلُمُونَ ۚ ⑦۱

۱۵

ترجمہ :- اہل کتاب میں سے ایک گروہ پسند کرتا ہے کہ وہ تم کو گمراہ کریں اور وہ  
 نہیں گمراہ کرتے مگر اپنی جانوں کو، اور وہ نہیں سمجھتے ⑥۹ اے اہل کتاب! تم  
 اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور تم گواہ ہو ⑦۰ اے اہل کتاب!  
 کیوں ملاتے ہو تم حق کو باطل کے ساتھ۔ اور تم حق کو چھپاتے ہو، اور تم جانتے ہو ⑦۱  
 گزشتہ درس میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا آپس میں جھگڑا یہ تھا  
 کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں کی تردید  
 فرمائی۔ اور فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے بلکہ وہ توحیف  
 اور مسلمان تھے۔ یہودیت اور نصرا نیت نام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ بلکہ یہ



استعمال ہوتا ہے۔ اور قتال خاص ہے۔ جس سے مراد جنگ ہے۔ جہاد ظاہری اور باطنی طاقت کو دشمن کے مقابلے میں بقائے امن اور قیامت میں کے لیے خرچ کرنے کا نام ہے۔ حضور علیہ السلام نے جہاد کی کئی شکلیں بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا جَاهِدْ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكَمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَالسُّبَّتِ كُمْ یعنی مشرکوں کے خلاف اپنے مال جان اور زبان کے ساتھ جہاد کرو۔ یہ صحیح حدیث مسند احمد اور ابوداؤد شریف میں موجود ہے۔ جان و مال کے ساتھ جہاد کی صورت تو واضح ہے۔ کہ کلمہ توحید بلند کرنے کے لیے انسان مال خرچ کر کے دور دراز کے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ تیر و تلوار اٹھاتا ہے اور پھر اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیتا ہے۔ البتہ زبان کے ساتھ جہاد مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ اور لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنا ہے تصنیف و تالیف کی ہے۔ دین کی کوئی کتاب لکھی ہے رسالہ ترتیب دیا ہے۔ بحث منظر کیا ہے۔ یہ سب چیزیں جہاد باللسان کا حصہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کا مبارک فرمان ہے لَوْ زُنْ مِدادُ الْعُلَمَاءِ بِدَمِ الشُّهَدَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَعِثَ دِینِ تصنیف و تالیف کا کام کرنے والے علماء کی سیاہی کا وزن قیامت کے روز شہیدوں کے خون کے ساتھ کیا جائے گا۔ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ ہونے والی سیاہی شہداء کے خون کے برابر مرتبہ رکھتی ہے۔ یہ اتنا بڑا کام ہے اور شہید کے متعلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے یُعْفَرُ بِأَوَّلِ الْقَطْرَةِ یعنی شہید اپنے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے معاف کر دیا جاتا ہے۔ بخش دیا جاتا ہے۔ اُس کے تمام حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں البتہ حقوق العباد کا بار اُس کے سر پر باقی رہتا ہے۔ کسی کے ساتھ لیں دین کیا ہو، کسی کی ایذا رسانی کی ہو، دل دکھایا ہو، اُس کا معاملہ فریق ثانی کے ساتھ ہے۔ اس لیے اسے حق کی معافی متعلقہ حقدار کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکتی ہے۔

اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کو اور بھی کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہ قبر کی آزمائش سے مامون ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ اُس کی سفارش بھی



ہے اور ایک نقطہ پر قائم ہے۔ آپ کے زمانے میں یہودی سازشیں کھینے لگے۔ عبداللہ ابن سبا یہودی تھا، جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ مگر مسلمانوں میں فرقہ بندی کی دوبارہ پیدا کر دی۔ شیعہ اسی کو مانتے ہیں۔

نصاری بھی مسلمانوں کے ساتھ برابر ٹکڑے رہے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا رَوْمٌ ذَوَاتِ الْقُرُونِ یعنی رومی عیسائی قرن ہا قرن تک قائم رہیں گے حتیٰ کہ مسیح ابن مریم نازل ہو جائیں۔ کبھی عیسائیوں کو غلبہ ہو گا۔ اور کبھی مسلمانوں کو۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلیبی جنگیں صدیوں جاری رہیں۔ گزشتہ دو سو سال میں بھی عیسائیت کا بڑا عروج رہا ہے۔ اس عرصہ میں برطانیہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت تسلیم کی جاتی تھی اور برطانیہ کو برطانیہ عظمیٰ کہا جاتا تھا۔ یہ سب عیسائی ہی تھے۔ آج اگرچہ امریکہ بڑی طاقت ہے۔ مگر یہ تو کل کا بچہ ہے۔ یہ بھی برطانیہ سے بھاگے ہوئے انگریز ہیں جنہوں نے نیا براعظم دریافت کیا۔ اور پھر وہیں آباد ہو گئے۔ تاہم مسلمانوں کو کمزور کرنے والے برطانوی عیسائی ہی تھے۔ جن کی سازش کافی حد تک کامیاب ہوئی۔

امیر شکیب ارسلان شام کے باشندے تھے اور وہاں کے جاگیردار تھے جنگ عظیم میں سلطنت ترکیہ کے ہسپتالوں کے انچارج تھے۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد میں بالفعل شریک ہوئے۔ جب انگریزوں نے ان کے علاقوں پر قبضہ کیا تو ان کی جاگیریں بھی ضبط کر لیں۔ آپ بین سال تک یورپ میں بھی مقیم رہے ہیں۔ جنگ عظیم کے بعد ایک امریکی نے مسلمانوں کی حالتِ زار پر انگریزی زبان میں کتاب لکھی۔ اس کا عربی ترجمہ کسی مصری عالم نے کیا۔ یہ کتاب امیر شکیب کے پاس پہنچی تو انہوں نے اس کا مقدمہ لکھا۔ اصل کتاب ایک جلد میں ہے۔ مگر اس کا مقدمہ تین جلدوں پر پھیل گیا۔ امیر شکیب نے دیکھا کہ اس کتاب میں جہاں مسلمانوں کے متعلق بعض صحیح باتیں لکھی گئی ہیں۔ وہاں کچھ غلط چیزیں بھی

مستشرقین کی سازش



یہ ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح پورے معاشرہ کی حفاظت کی خاطر کسی ناپسندیدہ عنصر کے خلاف قتال بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ اور ایسے شخص کو معاشرے سے کاٹ پھینکنا ہی معاشرے کے وسیع تر مفاد میں ہوتا ہے۔ لہذا اسلام نے دونوں قسم کے جہاد کی اجازت دی ہے۔ مسلمان دفاعی جنگ بھی لڑ سکتا ہے اور بوقت ضرورت حملے میں پہل بھی کر سکتا ہے۔ اسلام کے تیرہ سالہ ابتدائی مسیحی دور میں اہل ایمان نے کفار کے ہاتھوں بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کی، مگر ہاتھ نہیں اٹھایا، کیونکہ اللہ کا حکم تھا كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ اپنے ہاتھ روک رکھو۔ نماز قائم کرو اور جماعتی تنظیم کرو۔ پھر جب مدنی دور میں اسلام طاقتور ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے جہاد کی اجازت دے دی اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتِلُونَ کہ وہ بھی دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے چنانچہ اس کے بعد جہاد بالسیف کی ابتداء اور اللہ نے واضح حکم دے دیا۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ یعنی اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں

ظاہر ہے کہ یہ دفاعی جنگ کا حکم ہے۔ ان کی طرف سے پہل ہوگی تو ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم ہوا۔ اور ابتداء میں ایسا ہی ہوا۔ پہل کفار کی طرف سے ہی ہوئی۔ مشرکین نے تیرہ سال تک اہل ایمان کو مکہ میں ستایا، پھر ہجرت پر مجبور کیا۔ بہت سی جانوں کو تلف کیا حتیٰ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے پے ہوئے۔ ہجرت کے بعد بھی کفار نے مسلمانوں کا پیچھا کیا۔ جنگ بدر، جنگ احد اور جنگ احزاب وغیرہ اس اس بات کے واضح شواہد ہیں۔

لارڈ ہیڈلے پہلی جنگ عظیم کے زمانہ میں لندن میں ہوا ہے۔ عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ بعد میں اسلام کی دولت سے مشرف ہوا۔ بنیادی طور پر بیسٹر تھا، پھر دین کا علم بھی حاصل کیا، اس نے کہا تھا کہ غیر مسلم اقوام مسلمانوں کے مسئلہ جہاد کی وجہ سے انہیں بدنام کر رہی ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جنگ کی ابتداء مسلمان نہیں کرتے بلکہ وہ تو اپنا دفاع کرتے ہیں۔ وہ اپنے دشمن کو جغرافیائی طور پر ثابت کرتا ہے کہ



آپ دیکھ رہے ہیں۔ کہ مخالفین اسلام کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ پورے عالم اسلام میں کہیں بھی مسلمان اپنے دین پر قائم نہیں رہ سکے ان کے عقیدے بگڑ چکے ہیں اور نظریات فاسد ہو گئے ہیں۔ آج کی دنیا میں مسلمانوں نے بھی اپنی نظریات کو اپنا لیا ہے، جو غیر مسلمانوں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ آج کے اکثر نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ فاسد خیالات کا شکار ہیں۔ انگریزی تعلیم کے پروردہ ہونے کی بنا پر قرآن پاک کی تعلیمات کو توڑ موڑ کر پیش کرتے ہیں۔

آج کھیل تماشے، سریانی، فحاشی اور ایسی ہی دیگر قباحت کو فن کا نام دے دیا گیا ہے۔ اور پھر دعویٰ یہ ہے کہ اسلام ان کی مخالفت نہیں کرتا۔ گانا بجانا، راک رنگ، فلم اور ڈرامہ فن ہے اور اس میں حصہ لینے والے فنکار ہیں۔ یہ لوگ اپنے نام نہاد فن کے ذریعے ملک کی بہت بڑی "خدمت" کر رہے ہیں۔ ان کا دعوئے ہے کہ وہ عوام الناس کو سستی تفریح مہیا کرتے ہیں۔ جبکہ جبکہ فن کے مظاہرے ہوتے ہیں۔ بلکہ غیر ممالک کے طالب فنوں سے تبادلہ ہوتا ہے، اور اس طرح دنیا بھر کی قباحتیں تبادلہ میں ملتی رہتی ہیں۔ اب یہ چیزیں ہر گھڑی اس کثرت سے جاری ہیں کہ ان کی قباحت کا احساس تک باقی نہیں رہا۔ یہ سب یہود و نصاریٰ کا اثر ہے۔

تصویر سازی کا فن بھی عیسائیوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اور اب مسلمانوں کی زندگی کا بھی لازمی حصہ ہے، حالانکہ اسلام میں تصویر کشی بالکل حرام ہے۔ لعن اللہ المصوِّدین تصویر بنانے والوں پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے آج دنیا کے کسی ملک میں بھی مسلمان اسلام پر مکمل طور پر کاربند نہیں ہیں۔ اہل کتاب نے انہیں شکوک شبہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے عقیدے بگاڑ دیے ہیں اور نظریات فاسد کر دیے ہیں سب فحش چیزیں ہیں۔ "قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ" اللہ تعالیٰ تو تمہیں بے حیائی اور فواحش کا حکم نہیں دیتا۔ مگر آج اپنی قبیح چیزوں کو فن کا نام دیکر جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ ان تمام لغویات

س اور  
فحاشی



اس کے کہ کسی خاص ضرورت کے تحت ہو، محض غنیمت کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔

جہاد کا مقصد

مفسرین کرام نے وَلَا تَقْتُلُوا كَا اَیْک اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جہاد صرف دین کی خاطر کر دو، اس کے علاوہ جہاد کا اور کوئی مقصد نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی شخص شہرت حاصل کرنے کے لیے، بہادری دکھانے کے لیے یا مال و دولت اکٹھا کرنے کے لیے جہاد میں شریک ہو رہا ہے، تو یہ زیادتی ہوگی۔ اسی لیے فرمایا زیادتی مذکورہ، بلکہ خالص دین کی سر بلندی کے لیے جہاد میں حصہ لو۔ گویا اسلام کا جہاد انتہا پاکیزہ ہے۔ کہ دین کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے اس کی اجازت ہی نہیں دی گئی۔

اب اسلام کے جہاد پر اعتراض کرنے والے نام نہاد مستمدن لوگوں کا حال ملاحظہ فرمائیں۔ دنیا کی خاطر لڑی جانے والی جنگ میں ہزاروں لاکھوں بے گناہ جانوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ ہسپتالوں پر بمباری کر کے مر لیں تو تک کی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسری جنگ عظیم میں چھ کروڑ کے قریب انسان لقمہ اجل بن گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں دو کروڑ کے لگ بھگ آجانی تلف ہوئیں۔ اندھا دھند بمباری سے کھیت تباہ ہو گئے، جانور ہلاک ہوئے، عورتیں اور بچے بھی اس ہلاکت کا شکار ہوئے۔ آخر یہ کون سی تہذیب اور کونسا تمدن ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِلِینَ بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

جہاد کے اصول

اللہ تعالیٰ نے جہاد کے بھی کچھ اصول مقرر فرمائے ہیں، جن کے تحت ہی جنگ لڑی جاسکتی ہے۔ فرمایا وَاَقْتُلُوهُمْ حَتّٰی تَقْتُلُوْهُمْ یعنی جن لوگوں سے تمہیں جہاد کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ان سے جنگ کر دو۔ جہاں بھی انہیں پاؤ۔ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ اور تم بھی انہیں اس جگہ سے نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ مشرکین نے تمہیں مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ اب یہ بھی اسی سلوک کے مستحق ہیں۔ اور یاد رکھو وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ فتنہ تو قتل سے بھی زیادہ سخت ہے فتنہ سے مراد کفر و شرک کا غلبہ، بد نظمی، ظلم و زیادتی ہے۔ اگر یہ لوگ ان وجوہات کی بنا پر ایمان کے راستے



بِآيَاتِ اللَّهِ اے اہل کتاب! اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ یعنی اُن کو کیوں جھٹلاتے ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا نبی کیوں نہیں مانتے۔ قرآن پاک کے احکام پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ وَأَنْتُمْ قَسَاهُ دُونَ حالانکہ تم گواہ ہو۔ یعنی تم جانتے ہو کہ قرآن پاک اللہ کی سچی کتاب ہے۔ اور اس کے لانے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی ہیں، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ بنی اسماعیل میں سے تمہارے جیسا نبی برپا کروں گا، اور اُس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ قرآن پاک وہی کلام ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی نبی ہیں "يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ" جنہیں تم اسی طرح جانتے پہچانتے ہو جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اعراف میں فرمایا ہے "يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي الشُّرُوحِ وَالْإِنْجِيلِ" اہل کتاب حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ مگر اپنی ضد، عناد، حسد اور ذہنی فساد کی وجہ سے اُن پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔

اللہ مالک الملک نے فرمایا يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلِيْسُونَ الْحَقَّ يَا لِبَاطِلٍ اے اہل کتاب! حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو۔ اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں تحریف کے مرتکب کیوں ہوتے ہو۔ اُس کے احکام کو کیوں بدلتے ہو۔ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ تمہاری کتابوں میں نبی آخر الزمان کی کیا علامتیں ہیں تو اصل علامات کی بجائے غلط غلط علامتیں بتا دیتے ہو۔ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ اور تم حق بات کو چھپا جلتے ہو۔ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ یہود و نصاریٰ کو حق و باطل کے امتیاز میں کوئی شبہ نہیں مگر یہ لوگ دانستہ کتمان حق اور کذب بیانی کرتے ہیں۔ بیشتر کہیں تو لاعلمی اور اشتباہ کی وجہ سے گمراہی میں پھنسے ہوئے



لَا تَكُونَنَّ فِتْنَةً اِنْ كَسَا مَقَرَّ جَنَاحٍ كَرَّ وَحَتَّى كَلَّ كَوْنِي فِتْنَةً بَاقِيَةً هِيَ -  
 جہاد کی اصل غرض و غایت یہی ہے کہ دنیا سے فتنہ و فساد جنگ و جدل  
 بد امنی اور بد نظمی اور کفر و شرک کا قلع قمع کر دیا جائے۔ تاکہ غلبہ اسلام کے راستے  
 میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہ ہو سکے۔

وَيَكُونَنَّ الدِّينُ لِلَّهِ اور اطاعت صرف اللہ ہی کیلئے باقی رہے یعنی جو کوئی دین اسلام  
 میں داخل ہونا چاہے اُسے کوئی شخص رسد کنے والا نہ ہو اور وہ بلا خوف و خطر دین حنیف  
 کو اختیار کر سکے۔ فرمایا فَيَا فِتْنَانِ اُنْتَهُمَا اگر یہ لوگ اس قسم کی فتنہ انگیزی سے باز آجائیں  
 دین کے راستہ میں رکاوٹ نہ بنیں، زیادتی نہ کریں فَلَا عُدُوَانَا اِلَّا عَلَى  
 الظَّالِمِيْنَ تو ان پر کوئی زیادتی نہیں ہے۔ البتہ جو ظالم ہوگا۔ اس کے خلاف  
 جہاد کیا جائے گا تاکہ دنیا میں عدل و انصاف کو قائم کیا جاسکے۔ اور فتنہ و فساد کا دروازہ  
 ہمیشہ کے لیے بند کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام بھی بیان فرمادیے  
 فریضہ حج کے بعد اسلام کا یہ ایک اہم رکن ہے۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

اِلٰ عَمْرٰن ۳

درس بست و چہار ۲۲

آیت ۴۲ تا ۴۴

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنُوا بِالَّذِي  
 أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا  
 آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٢﴾ وَلَا تَوَهِّنُوا إِلَّا مَن  
 تَبَعَ دِينَكُمْ ط فُلْ إِنْ أَلْهَىٰ هَدَىٰ اللَّهُ  
 أَنْ يُوَلِّيَ أَحَدًا مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُجَاجِكُمْ  
 عِنْدَ رَبِّكُمْ ط فُلْ إِنْ أَلْفَضَلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ  
 مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٤٣﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ  
 مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿٤٤﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو  
 نازل کی گئی ہے اُن لوگوں پر جو ایمان لاتے ہیں، دن کے پہلے حصے میں اور کفر کرو  
 اُس کے ساتھ دن کے آخری حصے میں، شاید یہ لوگ پھر جائیں ﴿۴۲﴾ اور تم نہ تصدیق  
 کہو و مگر اسکی جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے بیشک ہدایت تو  
 اللہ کی ہدایت ہے۔ تصدیق نہ کہو اس وجہ سے کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو  
 تم دیے گئے ہو۔ یا وہ جھگڑا کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے لب کے پاس، آپ کہ  
 دیجئے، بیشک فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے دیتا ہے۔ اور  
 اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۴۳﴾ وہ خاص کرتا  
 ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۴۴﴾  
 ربط آیا گزشتہ درس کی طرح آج کے درس میں بھی اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ



قافلے پر امن گزر جاتے تھے، ان مہینوں کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا۔ یہ چار مہینے رجب ذی قعدہ، ذی الحج اور محرم ہیں۔

انہی محترم مہینوں میں سے ذی قعدہ سترہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ اس سفر میں چودہ سو کے قریب صحابہؓ آپ کے ہم سفر تھے۔ جب مکہ کے نزدیک حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے شہر میں داخل ہونے سے روک دیا۔ حالانکہ ہدی کے جانور صحابہؓ کے ہمراہ تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ قافلہ عمرہ کے ارادہ سے آیا ہے، نہ کہ جنگ و جدال کی نیت سے۔ حرمت والا مہینہ تھا۔ صحابہؓ نے احترام باندھے ہوئے تھے، مگر مشرکین نے آپ کو عمرہ ادا کرنے سے روک دیا، آخر گفت و شنید ہوئی، جس کے نتیجہ میں صلح کا معاہدہ لکھا گیا کہ اس سال مسلمان عمرہ ادا نہیں کریں گے، بلکہ آئندہ سال انہیں اجازت ہوگی۔ مگر تین دن سے زیادہ مکے میں قیام نہیں کریں گے۔ صحابہؓ اس معاہدہ کے حق میں نہ تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور کیا نعوذ باللہ آپ کا خواب غلط ہو گیا، آپ نے تو دیکھا تھا کہ ہم عمرہ ادا کر رہے ہیں حجامت بنوا رہے ہیں۔ مگر ہماری یہ حسرت تو پوری نہ ہو سکی۔ حضور نے فرمایا کہ میرے صحابہ! فکر نہ کرو۔ خواب بالکل سچا تھا۔ ہم ضرور عمرہ کریں گے کیونکہ خواب میں یہ تو واضح نہیں تھا۔

کہ ضرور اسی سال کریں گے۔ عمرہ آئندہ سال بھی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضور علیہ السلام اپنے صحابہ کے ہمراہ اگلے سال یعنی سترہ میں تشریف لائے اور عمرہ کیا۔ آپ کا یہ عمرہ، عمرۃ القضاء کہلایا کیونکہ پہلے سال احرام باندھ کر اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکے تھے۔ اور بغیر عمرہ کیے احرام کھول دیے تھے۔

سترہ میں جب حضور علیہ السلام عمرہ کے لینے دوبارہ تشریف لائے۔ جنگ کی تو اس وقت بھی کفار مکہ کے بد عہدی کرنے اور عمرہ سے روک دینے کا امکان تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گزشتہ سال مشرکین نے محترم مہینوں کا ادب نہ کیا تو

جنگ کی  
اجازت



عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ اِذَا هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ اُولَٰئِكَ اُمُّ الْيَمَانِ اُولَٰئِكَ اُمُّ الْيَمَانِ  
 کہ ایمان لاؤ اُس چیز پر جو اہل ایمان پر اتاری گئی ہے، دین کے پہلے حصے میں۔  
 ظاہر ہے کہ نازل ہونے والی چیز قرآن پاک ہے۔ مقصد یہ کہ صبح کے وقت مسلمان  
 ہو جاؤ۔ وجہ چہرے کو بھی کہتے ہیں۔ اور دین کے ابتدائی حصے کو بھی اس  
 کاثبت ایک عرب شاعر کے کلام سے ملتا ہے جو کہتا ہے: مَنْ كَانَ  
 مَسْئُورًا بِمَقْتَلِ مَالِكٍ فَلَيَاتِ نِسْوَتًا بِوَجْهِ نَهَارٍ۔  
 جو مالک کے مرنے پر خوش ہیں۔ انہیں دین کے ابتدائی حصے میں آکر دیکھنا  
 چاہیے۔ کہ ہمارے عورتیں مالک پر کس قدر نوحہ کر رہی ہیں اور وہ کس قدر غمگین ہیں  
 لہذا انہیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ لوگ مالک کی موت پر خوش  
 ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وجہ النہار سے دین کا پہلا حصہ مراد لیا ہے۔

غرض! فرمایا کہ دین کے پہلے حصے میں ایمان لے آؤ، وَاكْفُرُوا  
 الْاٰخِرَةَ اور دین کی آخری حصے میں انکار کر دو۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا۔ لَعَلَّهُمْ  
 يَرْجِعُونَ شاید اہل ایمان اپنے ایمان سے پھر جائیں۔ یہ خیال کریں۔ کہ اسلام  
 میں ضرور کوئی نقص ہے۔ جو یہ اہل علم ایمان لا کر پھر واپس اپنے دین پر چلے  
 گئے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اسلام سے متنفر ہو جائیں گے۔

یہ اہل کتاب کی دینی خیانت تھی۔ وہ لوگ جان بوجھ کر تصدیق حق سے  
 تصدیق حق سے انکار کر رہے تھے۔ حالانکہ یہ وہی رسول ہیں۔ جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام  
 نے دی، بلکہ سارے انبیاء نے دی۔ اور قرآن پاک وہی کتاب ہے۔ جو اللہ  
 کی آخری اور برحق کتاب ہے۔ مگر یہ لوگ گمراہی کے پیشوا بنے ہوئے ہیں۔  
 اور لوگوں کو صحیح دین سے پھیرنا چاہتے ہیں۔ اپنی حکمت عملی کو برے کار  
 لاتے ہوئے کہتے ہیں وَلَا تَتَّبِعُوا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِينَكُمْ  
 اور نہ تصدیق کرنا، مگر اس کی جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ یعنی صرف اپنے دین  
 کو ہی سچا ماننا، کہیں مسلمانوں کے دین کی تصدیق نہ کر بیٹھنا۔ مقصد یہ کہ جب



مقابل جائیں، زیادتی نہیں کرنا۔ یہ مسلمان کے لیے دائمی قانون ہے۔ برخلاف اس کے کفار و مشرکین نے ہمیشہ عہد کو توڑا یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ کے قانون کی پروا نہ کی اور ذلیل و خوار ہوئے۔ انہوں نے اللہ کا خوف نہ کھایا۔ میدان جنگ کے علاوہ عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ کیا۔ بوڑھوں پر ہاتھ اٹھایا۔ آج کی دنیا میں بھی امریکہ ہو یا برطانیہ روس ہو یا فرانس جب آتش انتقام بھڑکتی ہے۔ تو شہروں پر بمباری کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔ کتنے شہری ہیں جو لقمہ اجل بن جاتے ہیں۔ کتنے بیمار ہیں جو جانبر نہیں ہو سکتے۔ آج کی دنیا کے یہ نام نہاد تمدن لوگ جب درندگی پر اتر آتے ہیں۔ تو پھر تمام انسانی قدروں کو روند ڈالتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف ایک ہے۔ کہ یہ لوگ خود خدا سے عاری ہیں۔

جہاد جیسے اہم فریضہ کی ادائیگی کے لیے اخراجات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ مال و دولت کے بغیر جہاد کا کوئی تصور نہیں، اس لیے یہاں پر حکم ہوا۔ وَالْفُقُوٰۃُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس آیت کو سمجھنے میں بعض صحابہ کو اشتباہ ہوا تھا اور حضرت ابوالبیہ انصاریؓ نے اس عقدہ کو حل کیا تھا۔ یہ وہی جلیل القدر صحابی ہیں۔ جنہیں مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی میزبانی کا شرف اولین حاصل ہوا تھا۔ ہجرت کے موقع پر نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ میری اونٹنی مامور من اللہ ہے۔ یہ جہاں پہنچے جائے گی۔ اُسی کے ہاں میرا قیام ہوگا۔ چنانچہ یہ سعادۂ حضرت ابوالبیہ انصاریؓ کے حصہ میں آئی اور وہ آپ کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر لے گئے۔ جب تک مسجد نبوی اور آپ کا حجرہ تیار نہ ہو گیا، آپ اسی صحابی کے ہاں مقیم رہے۔ حضرت ابوالبیہؓ استنبول کے جہاد میں شریک ہوئے۔ وہیں آپ کی وفات ہوئی اور استنبول کی دیوار کے قریب دفن ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے اس جہاد کی پیش گوئی فرمادی تھی۔ کہ آخری زمانہ میں مسلمان استنبول جو ترکی کا دار الخلافہ ہے کو فتح کریں گے، پرانے زمانے میں اُسے قسطنطنیہ کہتے

اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالنا



آجائیں گے اور یہ یہودیت کی ناکامی کا باعث ہوگا۔ اور دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اگر تم نے اُن کی تصدیق کر دی تو وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے خلاف حجت قائم کریں گے کہ مولا کریم! ان لوگوں نے سچے دین کی تصدیق کرنے کے باوجود تیرے آخری نبی اور تیری آخری کتاب قرآن پاک کو تسلیم نہ کیا۔ اس طرح اہل اسلام قیامت کے دن اللہ کے حضور بھی تم پر غالب آجائیں گے، لہذا سلامتی اسی بات میں ہے۔ کہ صرف اُسی کی تصدیق کرو جو تمہارے دین کا متبع ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کی تصدیق مت کرو۔

بنی اسرائیل  
کی عارضی  
فضیلت

بنی اسرائیل کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو باقی تمام اقوام پر فضیلت بخشی ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے۔ اے بنی اسرائیل! میری نصیحتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم کو دیں۔ وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ اور میں نے تم کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ مگر یہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کی بات ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا۔ اُس وقت بنی اسرائیل ہی اللہ کے نزدیک بہتر تھے۔ چنانچہ انہیں فرعون سے نجات دلائی اور انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا کیں۔ پھر جب انہوں نے اپنے دین کو بگاڑ لیا۔ تعصب، حسد، ضد اور عناد کا شکار ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و خوار کر دیا۔ اُن کی فضیلت اور بہتری ختم ہو گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ نبوت ہمیشہ اُن کے خاندان میں رہیگی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک خاص مدت تک نبوت اُن کے خاندان میں رہیگی، نہ کہ قیامت تک، مگر یہودیوں نے اپنی نبوت، حکومت اور بہتری کو دائمی خیال کر لیا۔ حالانکہ جب وہ احکام الہی سے روگردان ہو گئے، تو نہ ان کے پاس حکومت رہی اور نہ بہتری۔ بلکہ نبوت بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کی طرف منتقل کر دی اور آخری نبی کے طور پر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما دیا۔ لہذا بنی آخر الزماں کی بعثت کے بعد فضیلت اور بہتری بھی آخری امت کو منتقل ہو گئی۔ قرآن نے



ہلاکت کا باعث نہیں بلکہ جہاد سے روگردانی کہ نہ ہلاکت کو دعوت دینا ہے۔  
اگر جہاد ترک کر دو گے، آرام طلب بن جاؤ گے، تو دشمن تم پر غالب آکر تمہیں  
ہلاکت میں ڈال دے گا۔

اہم ابو حنیفہؒ اور آپ کے جلیل القدر شاگردوں نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے اہم صاحب  
فہم حنفی تابعین میں سے ہیں۔ آپ کی ملاقات آٹھ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول  
ہے۔ آپ کے علاوہ باقی تین ائمہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ میں سے کسی کو  
تابعی ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔ پیشہ کے لحاظ سے اہم ابو حنیفہؒ تاجر تھے  
آپ کے کارخانہ میں کپڑا تیار ہوتا تھا، جبکہ آپ وسیع پیمانے پر تجارت کرتے  
تھے اللہ تعالیٰ نے مال بھی دیا تھا اور پھر اسے خرچ کرنے کا حوصلہ بھی عطا فرمایا تھا  
خصوصاً غریب طلباء کی اس طرح مدد کرتے تھے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلتا تھا۔ آپ  
کے شاگردوں کی تعداد شمار سے باہر ہے، جن میں بڑے قابل لوگ ہوئے ہیں۔  
خصوصاً اہم ابو یوسفؒ علم حدیث میں بڑی دسترس رکھتے تھے اور امام محمدؒ  
لغت دانی کے لحاظ سے بے مثال تھے۔ آپ اہم شافعیؒ کے استاد تھے  
امام احمدؒ کا قول ہے۔ کہ جس مسئلہ پر اہم ابو حنیفہؒ، اہم ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جمع ہو  
جائیں، تو پھر مخالفت نہیں ہو سکتی۔ ان تینوں کا اجماع گویا فقہ، حدیث اور زبان  
کا اجماع ہے۔ دنیا میں فقہ حنفی کی اس قدر پذیرائی اہم صاحب کے قابل شاگردوں  
کی انتھک محنت کا نتیجہ ہے۔ اہم ابو یوسفؒ اپنے دور میں ساٹھ لاکھ مروج  
میل پر محیط سلطنت خلافت کے چھٹے حبش تھے اس وقت اسلامی مملکت  
ایک طرف خراسان تک اور دوسری طرف افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ امام لیث  
ابن سعدؒ، امام مالکؒ کی طرح بڑے اہم تھے مگر ان کے شاگردوں میں کوئی  
قابل ذکر مہستی نظر نہیں آتی۔ اہم شافعیؒ کے شاگرد بڑے قابل تھے، لہذا ان  
کا مسلک دور دور تک پھیلا۔ امام احمدؒ کے شاگردوں نے بڑی محنت کی جسکی  
وجہ سے آپ کا مسلک بھی پھیلا۔



پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص کیا۔  
 اور پھر آخری دور میں اپنے آخری پیغمبر اور آخری امت کو اپنی رحمت کے ساتھ  
 خاص کیا۔ اُن کو فضیلت اور برتری عطا فرمائی۔ کیونکہ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ  
 اللہ تعالیٰ عظیم فضل و رحمت کا مالک ہے۔ اس کی رحمت تو ہر آن موجود ہے مگر  
 انسان عدم صلاحیت کی بنا پر اس سے محروم ہو جاتا ہے۔



ان سب میں خرچ کرنا چاہیے۔ اور سب سے بڑھ کر جہاد کی مدد ہے اگر اہل اسلام اس مدد میں خرچ نہیں کریں گے تو دشمن غلبہ پا جائے گا اور مسلمان ذلیل و خوار ہوں گے۔ اور پھر نہ صرف مال ضائع ہو گا بلکہ جانیں بھی تلف ہوگی۔ آپ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ تاتاریوں کے حملوں کے بعد مسلمانوں کے قدم نہیں جم سکے۔ وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں قربانی کا جذبہ باقی نہیں رہا۔ غیر مسلم اقوام زیادہ خرچ کرتی ہیں۔ اسلحہ سازی اور دوسری ٹیکنالوجی پر جو کچھ امریکہ اور روس خرچ کر رہے ہیں، اس کی مثال کہاں ملیگی۔

فضول خرچی

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رانی کی ایک مجلس میں یہ خبر موضوع بحث بنی کہ نجد کے کسی امیر نے فرانس سے تین لاکھ ریال میں بنانا یا حمام منگوایا ہے۔ آپ نے بڑے افسوس سے فرمایا، یہ مسلمانوں کی بد بختی ہے۔ کہ حمام پر اتنا خرچ کر دیا ہے۔ اگر اس رقم سے کوئی فیکٹری لگاتے تو ملک و قوم کا فائدہ ہوتا۔ حمام تو محض نمود و نمائش اور عیاشی کا سامان ہے۔ اس سے قوم کو کیا فائدہ پہنچا۔ اس زمانے کی بڑی بڑی عمارتیں اور ان میں تعیش کا سامان مسلمانوں کے کون سے کردار کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ بڑی بڑی قیمتی کاریں درآمد ہو رہی ہیں، غنیمت ملی عورتوں کی شادیاں ہو رہی ہیں لاکھوں روپیہ رنگ و ناموس کے نام پر بہ باد کیا جا رہا ہے مگر کیا مسلمان دنیا میں باعزت زندگی بسر کر رہا ہے۔ نہیں بلکہ بڑی طاقتوں کا دست نگر بن کر رہ گیا ہے۔ دنیا کے مختلف گوشوں میں انگریز نے کس قدر ذلیل کیا ہے روس اور امریکہ کیا کچھ کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس افرادی قوت ہے۔ بیشمار وسائل مہیا ہیں مگر سب عیاشی کی نذر ہو رہے ہیں۔ اتفاق فی سبیل اللہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ایک فیصد بھی صاحب ثروت آپ کو نہیں ملیں گے جو اپنے مال کا معقول حصہ دین کی حفاظت اور اس کی بقا کے لیے خرچ کر رہے ہوں۔

تبلیغ دین

انگریزوں کی آمد سے پہلے ہندوستان میں نواب نجیب الدولہ تھے اپنے دور میں پانچ سو علماء کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ یہ وظیفہ پانچ روپے سے لیکر پانچ سو روپے تک تھا۔ اُس وقت کے پانچ سو روپے آج کے پانچ ہزار سے



غرور میں مبتلا تھے۔ باقی لوگوں پر اپنے آپ کو بہتر سمجھتے تھے۔ بغض اور حسد میں مبتلا تھے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی مالی خیانت کا ذکر کیا ہے کہ وہ دنیا کے مال و دولت کے سلسلے میں کس قدر خائن ہیں۔

# مالی حیات

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَعُضٌ آثَرُ  
ایسے ہیں مَنَ اِنْ تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ اِگر آپ اُن کے پاس ڈھیر مال یا بڑا  
خزانہ امانت رکھیں يُؤَدِّهِ اِلَيْكَ تو وہ اُس کو واپس لوٹا دے گا۔ وَمِنْهُمْ  
اور اُن میں سے بعض ایسے بھی ہیں مَنَ اِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ اِگر آپ اُن کے  
پاس ایک دینار ایک اشرفی یا ایک پونڈ ہی امانت رکھیں لَا يُؤَدِّهِ اِلَيْكَ تو وہ  
اس کو بھی واپس نہیں کرے گا۔

بعض سے مراد اگر وہ اہل کتاب لیے جائیں، جو ایمان لے آئے، تو ظاہر ہے کہ ان کی امانت داری تو ایمان کی برکت کی وجہ سے ہوگی، اور اگر بعض سے مراد عام اہل کتاب لیے جائیں، تو یہ بھی ممکن ہے، کیونکہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ کچھ اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں اور کچھ بُرے بھی ہوتے ہیں۔ خود قرآن میں آگے آئے گا "لَيْسُوا سَوَاءً" وہ سارے برابر نہیں ہیں۔ دوسرا یہ بات بھی ہے۔ کہ قرآن کریم کو ماننے والے عام مسلمان متعصب نہیں ہیں۔ اگر کسی باطل دین والے میں بھی کوئی اچھی صفت ہوگی، تو وہ اس کی تعریف کریں گے تعصب کا اظہار نہیں کریں گے، کیونکہ یہ تو مشرکین اور اہل کتاب کا شیوہ ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں جہاں بھی اہل کتاب کی کسی اچھی بات کا ذکر ہے، وہاں اس کی تعریف کی گئی ہے۔ گو یا اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ہے کہ اچھی چیز کو چھپانا نہیں چاہیے۔ کہ یہ بددیانتی میں داخل ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مدینے میں دس بڑے عالم یہودی تھے، ان میں سے عبداللہ بن سلامؓ واحد عالم ہیں، جنہیں اللہ نے اسلام کی دولت نصیب فرمائی، باقی تو علماء اس نعمت سے محروم رہے۔ کسی شخص نے عبداللہ بن سلامؓ



وَاتَّبِعُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۖ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ  
 مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ  
 مَحِلَّهُ ۖ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ  
 فَفِدْيَةٌ مِّن صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ ۖ  
 فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ ۖ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ  
 فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ۚ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا  
 رَجَعْتُمْ ۚ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ  
 حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

### شَدِيدُ الْعِقَابِ ①۹۶

۲۴۷

ترجمہ: اور پورا کمر و حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے۔ پھر اگر تم روک دیے گئے تو جو  
 میسر ہو قربانی کرو۔ اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ یہاں تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے پر  
 پہنچ جائے۔ پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو، پس  
 فدیہ ہے روزے سے یا صدقہ ہے یا قربانی ہے۔ پس جب تم امن کی حالت  
 میں ہو، تو پھر جس شخص نے فائدہ اٹھایا عمرہ کا حج کے ساتھ، پس جو میسر ہو قربانی  
 سے جو شخص قربانی کا جانور نہ پائے پس وہ تین دن کے روزے حج کے ایام میں  
 رکھے اور سات روزے جب تم واپس لوگو۔ یہ دس روزے پورے ہیں۔ یہ حکم اس  
 شخص کے لیے ہے جس کا گھر بار مسجد حرام کے پاس نہ ہو۔ اور ڈرو اللہ تعالیٰ  
 سے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ①۹۶

اس سے پہلے نئے چاند کے متعلق ذکر آچکا ہے۔ کہ چاند اوقات اور گذشتہ پیر



درہم چاندی کا سکہ تھا، جو ساڑھے تین ماشے کا ہوتا تھا۔ قیصر و کسری کی سلطنتوں اور باقی دنیا میں یہی سکہ رائج تھا۔ تابعین میں ایک بزرگ عبد اللہ بن دینار نامی ہوئے ہیں۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ دینار و الفاظ پر مشتمل ہے، دین اور نار۔ دین کا معنی تو واضح ہے مذہب، عقیدہ وغیرہ اور نار کا معنی آگ ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔ مَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ فَهُوَ دَيْنٌ جو دینار کو حق اور جائزہ طریقے سے حاصل کرتا ہے، وہ اس کے لیے دین بن جاتا ہے، اور جو اس کو باطل طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ وہ اُس کیلئے آگ بن جاتا ہے۔ گویا دینار کے لفظ میں حق و باطل دونوں پہلو مضمر ہیں۔ اگر کھائی حلال طریقے سے کی ہے۔ اور جائزہ ضرورت پر خرچ کیا ہے۔ تو یہ اُس کے لیے دین بن گیا۔ اور اگر اس کا الٹ ہے، تو یہی مال اس کے لیے دوزخ کا باعث بن گیا۔

فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح دینار و الفاظ کا مجموعہ ہے، اسی طرح درہم بھی الفاظ سے بنا ہے یعنی در اور ہم۔ در کا معنی بہانا یا زیادتی ہے۔ اور ہم کا معنی اعظم ہے اس طرح درہم کا معنی ہو گا، اعظم کا باعث یا غم کو زیادہ کرنے والا ہے۔ یعنی مال و دولت بظاہر بڑی پرکشش چیز ہے۔ مگر حقیقت میں یہ غم کا باعث بنتی ہے اس کی وجہ سے اکثر مصائب آتے ہیں یا مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ کہ درہم یعنی مال و دولت ایسی چیز ہے۔ کہ اگر میسر نہ ہو تو بھی انسان غم میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور اگر مل جائے۔ تب بھی ہر وقت غم و فکر میں لگا رہتا ہے کہ فلاں کام کرنا ہے، فلاں رہ گیا ہے۔

بطل فلسفہ میں عرض یہ کر رہا تھا۔ کہ یہودیوں نے ایک باطل فلسفہ قائم رکھا تھا۔ کہ انہوں نے علم حاصل کرنے میں بڑی محنت کی ہے۔ مال صرف کیا ہے۔ تو اس کے عوضانے کے طور پر ان پڑھ لوگوں کا مال ان پر حلال ہے۔ جب یہ فلسفہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ کہ یہودیوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا كَذَبَ اَعْدَاءُ اللّٰهِ دشمنانِ خدا جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا



آپ نے اگلے سال یعنی سہ ماہ میں اس کو قضا کر کیا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کا اکٹھا حکم دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جہاد کا حکم بھی ہے۔ حج کے بعد جو زیادہ مشقت طلب عبادت ہے، وہ جہاد ہے۔ اس میں مال اور جان دونوں کی بازی لگانا پڑتی ہے چونکہ حج میں بھی مال و جان دونوں چیزوں کا حصہ ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے عورتوں سے فرمایا تھا چھاد کن الْحَجُّ تَمَارَا جہاد حج ہے۔ یعنی تم پر جہاد فرض نہیں ہے۔ تمہارے لیے حج ہی کافی ہے کیونکہ اس میں بھی جہاد کی طرح مال و جان کی ضرورت ہوتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: وَاقِمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ حج اور عمرہ کو اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرو۔ یعنی اگر سفر کے دوران تمہارا حج یا عمرہ مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ تو اس کو بعد میں پورا کر لو، یہ واجب ہے حج کا لفظی معنی 'قصد کرنے کا ہے'۔ اور مراد اس سے مخصوص ایام میں افعال مخصوصہ کا قصد ہے جو کہ بیت اللہ شریف اور اس کے مضافات میں خالص نیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ عمرہ کا معنی فقط زیارت ہے۔ اور یہ حج کے مخصوص ایام کے علاوہ پورے سال میں کسی وقت بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔

اللہ کا عام فہم معنی اللہ کی رضا کے لیے ہے۔ جس طرح دیگر عبادات نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ اللہ کی رضا کی خاطر ہی ادا کی جاتی ہیں۔ اسی طرح حج و عمرہ کے متعلق فرمایا کہ انہیں اللہ کی رضا کی خاطر پورا کرو، تاہم اس مقام پر ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ حج و عمرہ جیسی مشقت طلب اور صبر آزمائے عبادت صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے اس میں غرور و تکبر اور فخر و تفاخر کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیئے حج پر روانہ ہوتے وقت بینڈ بجے کا استعمال اور گلے میں ہاروں کے ذریعے تشہیر و تفاخر کی نشانی ہے۔ عام طور پر تو عزیز و اقارب ہی حاجی کو ہار پہناتے ہیں، مگر خود ستائی کا پہلو خاص طور پر اس وقت نمایاں ہوتا ہے۔ جب حاجی خود اپنے گلے میں ہار ڈال کر اپنی حیثیت کو نمایاں کرتا ہے حج سے واپسی پر بھی



حتیٰ کہ اُسے واپس مل جائے مگر اکثر اہل کتاب ایک دنیا رہی واپس کرنے کو تیار نہیں  
 ذَلِكْ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِيْ اْلَاْمْسِيْنَ سَبِيْلٌ ۚ كَيْنُكَ اِنْ كَا فِلْسَفَہ  
 یہ ہے کہ ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے میں ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
 وَيَقُولُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ یہ لوگ اللہ پر  
 جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کے اس باطل عقیدہ کی نسبت ان کے دین اور انکی  
 کتاب کی طرف ہوگی۔ اور کتاب کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ جس کا  
 مطلب یہ ہوگا۔ کہ خدا تعالیٰ نے ان کے لیے امیوں کا مال مباح قرار دیا ہے۔ ایسا  
 ہرگز نہیں۔ یہ لوگ دیدہ دانستہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 نے فرمایا لَا تَخْنُ مَنَ خَانَكَ جو شخص تیرے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ تو  
 اس کے ساتھ ایسا نہ کر۔ اپنے جرم کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ مگر تم اس گناہ کا اثر کتاب پر  
 اللہ نے فرمایا۔ بَلٰی مَنَ اَوْفٰ بِعَهْدِہ جو شخص اپنے عہد کو پورا  
 کرے گا۔ اگر کسی نے امانت رکھی ہے تو اس کو ادا کرے گا۔ وَاَتَّقِ اور ڈرتا ہے  
 گا۔ کفر شرک نفاق اور معصیت سے بچتا ہے گا۔ امانت میں خیانت نہیں کرے گا۔  
 بلکہ یہ ہیزگاری اختیار کرے گا۔ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ  
 متقیوں کو ہی پسند فرماتا ہے۔ دوسری جگہ موجود ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْخٰنِیْنَ  
 اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ وہ ایسے لوگوں سے نفرت  
 کرتا ہے۔ کفار، مشرکین، منافقین، متکبرین اور خائنین اس کی نظر میں بہت بڑے  
 مجرم ہیں۔

عہد کی  
پابندی

غرض! ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی گندی ذہنیت کا ذکر کیا  
 ہے۔ کہ انہوں نے ایک باطل فلسفہ خود ہی وضع کر رکھا ہے جس کی کوئی اصلیت  
 نہیں۔ مالی حقوق تو تو بہ سے بھی معاف نہیں ہوتے جب تک کہ صاحبِ حق  
 خود معاف نہ کرے۔ حقوق العباد بڑی اہم چیز ہے۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْإِمْرَانِ ۳

درس ہفت و شش ۲۶

آیت ۷ تا ۸

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا  
 قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يَكَلِّمُهُمُ  
 اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ  
 وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا  
 يَلُوفُونَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ  
 الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا  
 هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٨﴾

ترجمہ :- بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی سی قیمت خریدتے  
 ہیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہیں کرے  
 گا۔ اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا قیامت کے دن۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا۔  
 اور ان کے لیے دردناک عذاب ﴿۷﴾ اور بیشک ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ  
 ایسا ہے۔ جو موڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب کے ساتھ، تاکہ تم اسے کتاب سے  
 گمان کرو۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب  
 سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے اور یہ اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں اور یہ جانتے ہیں ﴿۸﴾

اس سے پیشتر اہل کتاب کی دینی اور مالی خیانت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی  
 آیات بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہیں اور ان میں اہل کتاب کی تیسری بڑی خیانت کا ذکر ہے۔ تیسری خیانت  
 یہ لوگ ان پیش گوئیوں کو چھپاتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں قرآن کریم اور  
 حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نازل فرمائی تھیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے



قرآن پاک میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اُس نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ اُن کے پاس جو نبی آئے گا اُس پر ایمان لائیں گے اور اس کا ساتھ دیں گے مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔

اور قرآن اُتتا شروع ہوا، تو ان لوگوں نے اپنے عہد کا کچھ پاس نہ کیا۔ آگے اس سورۃ میں مختلف قسم کے عہدوں کا ذکر آ رہا ہے۔ بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر تو سورۃ بقرہ میں بھی گنہ چکا ہے۔ اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آئے گا۔ مگر یہ ان کی بہت بڑی خیانت تھی کہ اپنے عہد کو بھول گئے اور نہ قرآن پر ایمان لائے اور نہ بنی آخر الزمان علیہ السلام کو تسلیم کیا۔ حالانکہ اُن کے عہد کا ذکر خود تورات میں بھی موجود ہے۔ مگر انہوں نے تحریف کر کے تورات کے احکام کو بھی بدل دیا۔ اور قرآن پاک کو بھی تسلیم نہ کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک صحابی اشعث بن قیسؓ کی کچھ زمین ایک یہودی کے قبضے میں تھی، جسے وہ چھوڑتا نہیں تھا۔ اس کی شکایت اُس نے آپ علیہ السلام کی خدمت میں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس کوئی گواہ ہے۔ جو گواہی دے کہ زمین واقعی تمہاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اَلْبَيْتَنَةُ عَلَى الْمَدْعَىٰ گواہ پیش کرنا مدعی پر لازم ہے۔ لہذا تم اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرو۔ صحابی رسول نے عرض کیا حضور! میرے پاس گواہ تو کوئی نہیں آپ نے فرمایا پھر مدعا علیہ کی قسم پر فیصلہ ہو گا۔ مسلمان کہنے لگا۔ کہ حضرت! یہ شخص تو فاجر ہے۔ یہ تو جھوٹی قسم بھی کھا جائیگا۔ اس کا کیا اعتبار ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں جس پر فیصلہ کیا جائے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا مَنْ حَلَفَ عَلَى يَمِينٍ فَاحِزَةٍ لِّقُطْعٍ بِهَا مَالٌ امْرُءٍ مُّسْلِمٍ لَّقِيَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ جو شخص کسی مسلمان کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم اٹھاتا ہے۔ قیامت کے دن



وہ اللہ تعالیٰ سے اس حالت میں ملاقات کرے گا کہ اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوگا۔ آپ نے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔ "إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ" حضرت اشعث بن قیسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے باپسے میں ہی نازل ہوئی ہے۔

اہل کتاب  
کی بد عہدی

ارشاد ربانی ہے "إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا جَوَلُوا فِي بَنِي عَمْدٍ" اور قسم کے بدلے دنیا کا حقیر مال خریدتے ہیں اُولَئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ اُن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں۔ دنیا کا مال جس قدر بھی زیادہ ہو۔ آخرت کے مقابلے میں بالکل حقیر ہے۔ مَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعٌ یہ دنیا کی زندگی تو تھوڑا سا بہتے کا سامان ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ آپ کہ دیں دنیا کا سارا مال اسباب آخرت کے مقابلے میں بالکل قلیل ہے۔ لہذا دنیا کے حقیر مال کو ناجائز ذرائع سے حاصل کرنے والوں کو آخرت میں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وَلَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ اور اللہ ان سے شفقت و مہربانی کے ساتھ کلام نہیں کرے گا۔ غصے اور باز پرس کی صورت میں تو ضرور کلام کرے گا۔ مگر لطف و کرم کے ساتھ گفتگو نہیں فرمائے گا۔ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اور نہ نگاہ شفقت سے ایسے لوگوں کی طرف دیکھے گا۔ وَلَا يُزَكِّيهِمْ اور اُن کو پاک بھی نہیں کرے گا۔ یہ ہمیشہ سنجاستوں میں لت پت رہیں گے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ اور وہ عذاب الیم کا شکار ہوں گے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے عہد لیا تھا کہ ہر نبی برحق کی حمایت کرے تا اس پر ایمان لانا اور اس طرح خدا تعالیٰ کے عہد کی پابندی کرنا۔ مگر ان لوگوں نے عہد کو توڑ دیا۔ انبیاء کی تکذیب کی اور اللہ کے احکام کو چھپایا۔ کلام الہی میں تحریف کی۔ جھوٹی قسم کھا کر دنیا کا مال حاصل کیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عہد کی پابندی کی سخت تاکید کی تھی، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "وَمَا كَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا" اللہ کے عہد کے متعلق باز پرس ہوگی۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ



نے عام حکم بھی دیا "أَوْفُوا بِالْعُقُودِ" اپنے عہد و پیمان کو پورا کرو۔ عہد سے روگردانی منافق کی نشانی ہے۔ اللہ کی نظر میں ایسے لوگ مبعوض ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے ساتھ کلام شفقت نہیں کرے گا، ان کی طرف نظر شفقت سے نہیں دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔

مبعوض  
لوگ

حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے ساتھ کلام شفقت کرے گا۔ نہ نظر رحمت سے دیکھے گا۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہے منع ابن السبیل فضل الماء جو کسی مسافر کو زائد پانی سے مستفید نہیں ہونے دیتا۔ کنواں یا چشمہ ہے پانی بھی اپنی ضرورت سے زیادہ ہے مگر وہ مسافر کو پانی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ روکتا ہے۔ فرمایا ایسا شخص اللہ کی نگاہ میں مبعوض ہے۔ اس گروہ کا دوسرا آدمی وہ ہے۔ جو نماز عصر کے بعد جھوٹی قسم اٹھا کر گاہک کو سودا خریدنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اور تیسرا آدمی وہ ہے۔ جو خلیفۃ المسلمین اور امام کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے۔ پھر اگر اس کا دنیوی مقصد پورا ہوتا ہے، تو عہد کی پاسداری کرتا ہے۔ اور یہ مقصد پورا نہ ہو تو بیعت کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ تین قسم کے آدمی اللہ کی نگاہ میں مبعوض ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں یوں بھی آتا ہے کہ وہ شخص بھی مبعوض ہو گا "كَبُرَ لَكُمْ بِوَالِدَيْهِ جَوَابُ" والدین سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔ ان کی خدمت کمر نہی بجائے، ان کے ساتھ احسان کرنے کی بجائے، ان سے نفرت کرتا ہے۔ فرمایا وہ شخص بھی مبعوض ہے "مَنْ جَاءَ بِوَلَدِهِ جَوَابُ" جو اپنی اولاد سے نفرت کرتا ہے۔ انہیں ان کی مطلوبہ شفقت و محبت مہیا نہیں کرتا۔ اور تیسرا آدمی وہ ہے کہ "أَنفَسَ عَلَيْهِ قَوْمٌ" اس کی قوم نے اس پر احسان کیا۔ مگر وہ ان کی ناشکری اور ناقدی کرتا ہے۔ فرمایا یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے نہ کلام کرے گا۔ نہ نظر شفقت سے دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔



صحیح احادیث میں آتا ہے کہ تین قسم کے آدمی اس زمرہ میں آتے ہیں الْمُسْبِلُ وہ شخص جو اپنے پاجامے یا تہبند۔ پتلون کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے۔ مردوں کے لیے مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ عورتیں مستثنا ہیں۔

دوسرا شخص وَالْمَنْفِقُ سلعۃ جو چھوٹی قسم اٹھا کر سودا بیچتا ہے۔ گاہک کو جھوٹا یقین دلاتا ہے۔ اور تیسرا شخص الْمَنَانُ ہے جو کسی پر احسان کر کے جلاتا ہے اس کا نہ صرف احسان ضائع ہوا۔ بلکہ وہ بھی بنو عرض گمراہ میں شامل ہو گیا۔ ایک حدیث میں منور بنی کریم کا ارشاد ہے تین شخص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے پہلا شخص

التَّاجِرُ الْخَلَّافُ یعنی قسمیں

کھانے والا تاجر ہے۔ وَالْفَقِيرُ الْمُحْتَالُ دوسرا شخص وہ ہے جو محتاج ہو کر غرور کرے۔ وَالْبَخِيلُ الْمَنَّانُ اور تیسرا شخص احسان جتانے والا بخیل ہے ان تینوں اقسام کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔

پھر فرمایا تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پہلا محبوب لوگ شخص وہ ہے جو دشمن کے مقابلے میں جہاد کرتا ہے۔ پھر یا تو فتح تک پہنچتا ہے یا شہید ہو جاتا ہے۔ فرمایا دوسرا محبوب آدمی وہ ہے جو کسی قافلے میں شامل ہو کر سفر پر جاتا ہے۔ پٹہ اوڑھے مقام پر قافلے والے سو جاتے ہیں اور وہ خدا کے حضور کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اللہ کے سامنے اپنی مناجات پیش کرتا ہے۔ پھر جب نماز فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ فرمایا تیسرا محبوب خدا وہ شخص ہے جو پڑوسی کی تکالیف پر صبر کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے موت آجائے یا وہاں سے علیحدگی اختیار کرے۔ ان اقسام کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

آیت زیرہ درس میں یہودیوں کا ذکر اُس گمراہ میں کیا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نفرت کرتا ہے۔ وہ مغرض لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا اور چھوٹی قسمیں کھائیں



قسم تو سچی بھی نہیں کھانی چاہیے۔ سوائے اس کے کہ برأت کے لیے ہو۔ محض دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کے لیے قسم اٹھانا باعث وبال ہے۔

تحریف لفظی

اگلی آیت میں یہودیوں کی ایک اور بڑی خصلت کا تذکرہ ہے۔ وہ جان بوجھ کر زبان کے ہیر پھیر سے اصل لفظ کو بگاڑ کر بولتے تھے۔ جس سے سننے والا کچھ اور مطلب سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ السِّنَّةَ بِالْكِتَابِ ان میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ کی کتاب زبان

کو مروڑ کر پڑھتا ہے۔ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ تاکہ تم گمان کرو کہ یہ اللہ کی کتاب میں سے ہے۔ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ حالانکہ وہ کتاب اللہ میں سے نہیں ہے۔ اہل کتاب کی اس قبیح حرکت کی مثال سورۃ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ جب یہ لوگ حضور کی مجلس میں آتے تھے۔ تو لفظ رَاعَيْنَا کی بجائے زبان کو گھما کر رَاعَيْنَا کہتے تھے حالانکہ دونوں لفظوں کے معانی میں زمین و آسمان کا فرق ہے رَاعَيْنَا کا معنی ہے کہ حضور! ہماری طرف توجہ فرمائیں، اور رَاعَيْنَا کا معنی چرواہا یا احمق ہے۔ اس طرح وہ لوگ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا ارتکاب کرتے تھے، یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ یہ کتنے خائن لوگ ہیں۔ جو اللہ کی کتاب اور نبی کے ساتھ بھی خیانت کرتے ہیں۔ اس قسم کی تحریف لفظی کی مثال تورات میں بھی موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے مروہ کے مقام پر لے گئے۔ مروہ چونکہ مکہ معظمہ میں ہے۔ اس لیے یہاں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی ثابت ہوتی ہے۔ جسکو یہودی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ تو اسحاق علیہ السلام کو ذبح اللہ کہتے ہیں۔ چنانچہ اس حقیقت سے بچنے کے لیے وہ لفظ مروہ کو موریہ کہہ بولتے تھے۔ تاکہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں انجام پانے والی قربانی مکہ میں ثابت نہ ہو سکے۔ بمقصد یہ کہ یہ لوگ اللہ کی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ اور اصل لفظ کو بگاڑ کر کچھ اور ہی بنا دیتے تھے۔



انجیل میں موجود لفظ فار قلیط کی جگہ مردگار یا شفیع لکھ دیا۔ اور دس ہزار کی بجائے لاکھوں لکھ دیا۔ اور اس طرح لفظی تحریف کی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اُس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا۔ آگے فرمایا مَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ یہ اس لیے فرمایا کہ ان بد بختوں نے تورات میں بھی رد و بدل کیا، تورات میں بھی موجود ہے کہ اللہ نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔ مگر ان لوگوں نے آگے لکھ دیا فاستراح (پھر اس نے آرام کیا) اللہ نے فرمایا یہ تو کفر کا کلمہ ہے۔ کیا خدا تعالیٰ تھک گیا تھا، جو آرام کی ضرورت پڑی۔ اللہ کے ساتھ ایسی بات منسوب کرنا صریح کفر ہے۔ مگر ان لوگوں نے محض ساتویں دن کی چھٹی ثابت کرنے کے لیے یہ لفظ بڑھا دیا۔ یہ بھی تحریف لفظی کی ایک مثال ہے۔ انہوں نے نہ صرف الفاظ کو تبدیل کیا، بلکہ معنوی طور پر بھی مطلب کچھ کا کچھ کر دیا۔

تحریف معنوی مسلمانوں میں سے اہل بدعت بھی اس بیماری کا شکار ہیں۔ یہ قرآن پاک کے الفاظ تو تبدیل نہیں کر سکے مگر مطلب سارا الٹ پلٹ کر دیا ہے۔ جس آیت سے چاہتے ہیں، اپنے مطلب کی بات نکال لیتے ہیں۔ دیکھیے میلاد کا موسم آتا ہے۔ پہاڑیاں بنائی جاتی ہیں۔ پوچھو بھائی یہ پہاڑیاں کھسی ہیں، کہتے ہیں قرآن میں صفا و مروہ پہاڑیوں کا ذکر آیا ہے اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ کہ یہ پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ اس قسم کی باتیں قرآن پاک میں صریح تحریف ہے۔ قطعاً ناجائز اور گمراہی کا باعث ہے۔

بہت سے واعظین اور خود ساختہ مفسرین بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ ایک صاحب نے بسم اللہ کی تفسیر لکھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اسم اللہ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے۔ حالانکہ اسم اللہ سے اللہ کا نام مراد ہے۔ اور اللہ کا نام لیکن ہی شریعہ کرنا چاہیے۔ مگر انہوں نے اس کا معنی تبدیل کر دیا۔ خود پر وفیسر ہیں، معلم ہیں، مگر تفسیر یہ کی ہے کہ مرزا قادیانی نے بھی تو یہی کہا۔ کہ میرا نام سورۃ فتح میں محمد رکھا گیا ہے اور رسول اللہ بھی لکھا ہے (العیاذ باللہ) یعنی لفظ



تو مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ہے مگر اُس نے کہا کہ اس سے مراد میری ذات ہے۔ اسی طرح حناتہ النبیین کا ترجمہ یہ کیا ہے۔ کہ حضور علیہ السلام مہر لگا لگا کر نبی بنا ہے ہیں۔ آپ کے بعد جو بھی نبی آئے گا وہ آپ کی مہر سے بنے گا۔ سب سے پہلے مرزا نے اپنے آپ کو اس قسم کا نبی شمار کیا۔ اسی کو تحریف معنوی کہتے ہیں جو کفر ہے۔

فرمایا اس قسم کی نفی و معنوی تحریف کہہ کے وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہتے ہیں۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ غلط معانی اور الفاظ کو اللہ کی طرف منسوب کرنا بدترین قسم کی خیانت ہے۔ اللہ پر چھوٹ باندھنا ہے۔ اسی لیے فرمایا وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وہ اللہ پر افتر باندھتے ہیں۔ اور کتمان حق بھی کرتے ہیں۔ آگے سورۃ مائدہ میں آئے گا کہ انہوں نے زنا کے حکم کو تورات میں چھپا دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے ذریعے ظاہر فرما دیا۔ مطلب بدلنے کا کام یہاں پر فضل الرحمن اور پروفیزر نے بھی کیا ہے۔ نماز کا معنی کچھ کہہ دیا۔ حج کا معنی عالمی کانفرنس کہہ دیا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح یہ لوگ الفاظ ثواب نہیں بدل سکتے مگر مفہوم بدل کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ حالانکہ وہ اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

بعض باطنی فرقے بھی اس قسم کی تحریف میں ملوث ہیں۔ انہوں نے حج سے مراد پیر کی زیارت لیا ہے۔ روزہ کا مطلب یہ ہے کہ پیر صاحب جو راز بائیں اُسے چھپا کر رکھا جائے۔ یہ عریضاً تحریف ہے۔ الفاظ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ ان الفاظ کا مفہوم بھی وہی لینا چاہیے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ اور جس کی وصحت اللہ کے نبی نے کی۔ یا نبی کے صحابہ یا ائمہ دین نے کی جنہوں نے حقیقتاً اس کا مطلب سمجھا ہے۔ اگر آیات قرآنی کا مطلب وہ لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی مراد ہے تو درست ہے، ورنہ سرسری گمراہی ہوگی۔ اللہ پر چھوٹ باندھنے کے مترادف ہوگا۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

اِلٰی عَمْرَان ۳

درس بست و ہفت ۲

آیت ۷۹، ۸۰

مَا كَانَ لِبَشِيٍّ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ  
وَالنَّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ  
مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّيِّنَ بِمَا  
كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ  
تَدْرُسُونَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا  
الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ  
بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾

۷۹/۸۰

ترجمہ: کسی انسان کے لیے یہ بات (مناسب) نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے۔ پھر وہ شخص لوگوں سے کہے کہ ہو جاؤ تم میرے بندے اللہ کے سوا۔ لیکن وہ یوں کہے گا کہ ہو جاؤ رب وائے۔ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو، اور اس وجہ سے تم اس کو پڑھتے ہو ﴿۷۹﴾ اور وہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دیگا، کہ تم اللہ کے فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دیگا، بعد اس کے کہ تم فرمانبردار ہو چکے ہو ﴿۸۰﴾

اہل کتاب کی مختلف خیانتوں کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ یہ لوگ دینی، دنیوی اور مالی ربطیات لحاظ سے خائن تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ اللہ کی کتاب کے احکام کو تبدیل کرتے اور حق کو چھپاتے تھے۔ الفاظ و معانی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے، خود مسائل گھڑ کر انہیں اللہ کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ یہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں صریح جھوٹ بولتے آخری



نبی علیہ السلام کے متعلق پیش گوئیوں کو چھپا جاتے۔ حق و باطل کو خلط ملط کرتے تھے اور دنیا کا حقیر مال حاصل کرنے کی خاطر اپنے عہد و پیمان کا کچھ لحاظ نہ رکھتے۔ اُن کی ان پخصلتوں کی وجہ سے اللہ نے اُن کی سزا بھی تجویز فرمادی کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہیں کرے گا، نہ اُن کی طرف نگاہ شفقت سے دیکھے گا۔ اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے گا۔ وہ ہمیشہ عذاب الیم میں مبتلا رہیں گے۔

شان نزول

گزشتہ دروس میں وفدِ نجران کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے کہ یہ وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کے لیے مدینہ طیبہ آیا تھا۔ جب بات چیت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو نبی علیہ السلام نے اُن کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور حذرہ دنیا قبول کر کے سمجھوتہ کر لیا۔ اُن کے قیامِ مدینہ کے دوران حضور علیہ السلام کی مجالس ہوتی رہتی تھیں جن میں ارکانِ وفد کے علاوہ صحابہ کرام بھی شامل ہوتے۔ ایسی ہی ایک مجلس میں نجران کے نصاریٰ، نبی علیہ السلام کے ساتھ مصروف گفتگو تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوالات کے جوابات دے رہے تھے۔ اس مجلس میں بنو قریظہ کا یہودی مولوی ابورافع بھی موجود تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ حضور علیہ السلام ہر بات میں عیسائیوں کو لا جواب کر رہے ہیں، تو وہ کہنے لگا کہ اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ ہم تمہاری پوجا کرنے لگیں جیسا کہ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ابورافع کے اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل فرما کر واضح کر دیا کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کا نبی لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے بلکہ وہ تو ہمیشہ ایک اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی ہی دعوت دیگا۔

کلام کا آغاز اس طرح ہوتا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يَشْرِيَ الْاِنْسَانَ كِي يَهْ شَان  
نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے۔ بشر سے مراد انسان، آدمی  
یا آدم کی اولاد ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر یعنی تمام انسانوں کے باپ ہیں  
اس لحاظ سے تمام انبیاء کرام بھی انسان ہیں مشرکین کا یہ بالکل غلط عقیدہ ہے کہ نبی بشر

بشریت انبیاء



نہیں ہوتا۔ حالانکہ حدیث شریف میں صریح الفاظ آئے ہیں۔ کسی نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے حضور علیہ السلام کے اخلاق کے متعلق سوال کیا۔ تو انہوں نے کہا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ یعنی حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ پوچھنے والے نے دریافت کیا تھا کہ حضور علیہ السلام کی گھڑیوں زندگی کیسی ہے۔ آپ کا اخلاق کیسا ہے۔ آپ گھر میں کیا کیا کام کرتے ہیں تو جواب یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں سے ایک انسان ہیں۔ جو کام عام آدمی گھر میں کرتے ہیں، وہ کام اللہ کا نبی بھی کرتا ہے۔ حدیث شریف میں بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ کا لفظ آتا ہے۔ نُوْرٌ مِّنْ نُّوْرِ اللَّهِ نہیں آتا۔ یہ تو عیسائیوں والا عقیدہ ہے۔ انہوں نے بھی مسیح علیہ السلام کو خدا کا جزو بنا دیا۔ اور آج کے مسلمان بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ الغرض! حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا، آنحضرت علیہ السلام گھر میں بکری کا دودھ دودھ لیتے، اپنے کپڑے صاف کر لیتے۔ جوتے کا ٹانکا لگا لیتے، گویا اپنا کام اپنے دست مبارک سے انجام دے لیتے تھے۔

بخاری، مسلم، ترمذی اور دیگر کتب احادیث میں یہ حدیث موجود ہے۔ کہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں ایک مقدمہ لائے تاکہ آپ اس کا فیصلہ فرمائیں۔ حضور علیہ السلام نے اُن سے فرمایا اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ! میں ایک انسان ہوں اور انسان عالم الغیب نہیں ہوتا۔ میں ظاہر میں تمہارا معاملہ سنوں گا۔ اور اس کے مطابق فیصلہ دوں گا۔ ہو سکتا ہے ایک فرق اپنا مقدمہ پیش کرنے میں بڑا چرب زبان ہو اور دوسرا فرق اتنا فصیح نہ ہو۔ فرمایا فَلَعَلَّكُمْ بَعْضُكُمْ لَمِنَ الْمُجْتَهِدِ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کی دلیل سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں۔ یاد رکھو! جو شخص کسی چیز کا مستحق نہیں ہے۔ وہ اس چیز کو مست لے۔ کیونکہ اُس کے حق میں وہ دوزخ کی آگ کا ٹکڑا ہو گا۔ فرمایا میں انسان ہوں۔ باطنی حالات تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جب وحی نازل ہوتی ہے۔ مالک الملک کی جانب سے علم دیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے۔ فرمایا تمام انبیاء علیہم السلام انسان ہیں اور انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔







نبی کا فہم، عقل اور ذکاوت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نبی عقل انسان ہوتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ فہم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کمال درجے کی صلاحیت و ولایت کرتا ہے۔ آگے فرمایا وَالْمُسَبُّوۃُ یعنی ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم کے علاوہ نبوت بھی عطا فرمائے۔ اس کی یہ شان نہیں ہے ثُمَّ یَقُولُ لِلنَّاسِ کہ وہ لوگوں سے کہے کو نوا عباداً لّی مِنْ دُونِ اللّٰہِ، اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ۔ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نبوت اور رسالت عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے کی بجائے اپنی بندگی کی طرف دعوت دے۔ یا کسی دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق کی عبادت کی تلقین کرے۔ یہ نہیں ہو سکتا اگر ایسی بات ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نعوذ باللہ، اللہ کا انتخاب ہی درست نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر جہالت لازم آئے گی (نعوذ باللہ) کہ اُس نے ایسے شخص کو نبی بنایا جو اس نبوت کا اہل نہیں تھا۔ نبی کا منصب تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کار بند ہو اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دے۔ دنیا کے معاملات میں بھی جب کسی شخص کو وزارت یا گورنری کے عہدہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ تو اس سے توقع ہوتی ہے کہ وہ حکومت کی پالیسی کے مطابق کام کرے گا۔ اگر کوئی شخص خلاف کرے تو اُسے ایک منظر کے لیے کسی اعلیٰ عہدے پر مبدعیت نہیں کیا جاتا۔ اللہ کا نبی تو اللہ کا کامل و قادر ہوتا ہے۔ دنیا میں منشاء ایزدی کی تکمیل اُس کا فرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ اپنی یا کسی دوسری مخلوق کی عبادت کی دعوت کیسے دے سکتا ہے۔

انبیاء کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اُن میں موجود بشریت کے تمام نقصان بہترین طور پر سنور جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تربیت ہی ایسی کرتا ہے۔ جس سے اُن کے تمام قومی درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اُن سے ایسی بات کا سرزد ہونا جو منشاء الہی کے خلاف ہو، ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ہم نے تم پر احسان کیا۔ تمہاری پرورش ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی



نبی کا فہم، عقل اور ذکاوت تمام انسانوں سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ نبی عقل انہیں ہوتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ فہم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں کمال درجے کی صلاحیت فرمادیتا ہے۔ آگے فرمایا وَالْمُسَبِّحُونَ یعنی ایسا شخص جسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم کے علاوہ نبوت بھی عطا فرمائے۔ اس کی یہ شان نہیں ہے ثُمَّ يَقُولُ لِلنَّاسِ کہ وہ لوگوں سے کہے كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ، اللہ کے علاوہ میرے بندے بن جاؤ۔ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نبوت اور رسالت عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف بلانے کی بجائے اپنی بندگی کی طرف دعوت دے۔ یا کسی دوسرے انسان یا کسی بھی مخلوق کی عبادت کی تلقین کرے۔ یہ نہیں ہو سکتا اگر ایسی بات ہو جائے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نعوذ باللہ، اللہ کا انتخاب ہی درست نہیں تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ پر جہالت لازم آئے گی (نعوذ باللہ) کہ اُس نے ایسے شخص کو نبی بنایا جو اس نبوت کا اہل نہیں تھا۔ نبی کا منصب تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کار بند ہو اور دوسروں کو بھی اسی کی دعوت دے۔ دنیا کے معاملات میں بھی جب کسی شخص کو وزارت یا گورنری کے عہدہ پر فائز کیا جاتا ہے۔ تو اس سے توقع ہوتی ہے کہ وہ حکومت کی پالیسی کے مطابق کام کرے گا۔ اگر کوئی شخص خلافت کرے تو اُسے ایک منسٹ کے لیے کسی اعلیٰ عہدے پر برداشت نہیں کیا جاتا۔ اللہ کا نبی تو اللہ کا کامل وفادار ہوتا ہے۔ دنیا میں منشا ئے ایزدی کی تکمیل اُس کا فرض ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے علاوہ اپنی یا کسی دوسری مخلوق کی عبادت کی دعوت کیسے دے سکتا ہے۔

انبیاء کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ اُن میں موجود بشریت کے تمام نقصان بہترین طور پر سنور جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تربیت ہی ایسی کرتا ہے۔ جس سے اُن کے تمام قوی درجہ کمال کو پہنچ جاتے ہیں۔ اُن سے ایسی بات کا سر نہ ہونا جو منشا ئے الہی کے خلاف ہو، ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا، ہم نے تم پر احسان کیا۔ تمہاری پرورش ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتی



ہوں گے وہ خدا سے ڈرنے والے ہوں گے۔

فرمایا اللہ کا بنی تو کہے گا، اللہ والے ہو جاؤ، رب والے ہو جاؤ، وَمَا كُنْتُمْ  
تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو۔ اور کتاب سکھلانے والے  
کی لازماً اصلاح ہونی چاہیے۔ اس میں خالص توحید اور جذبہ عبادت ہونا چاہیے۔  
بلکہ اُسے دوسروں کی اصلاح بھی کرنی چاہیے۔ وَمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ  
اور اس وجہ سے کہ تم خدا کی کتاب پڑھتے ہو۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ تم اللہ والے  
بن جاؤ۔

عبدیت  
کی غلط  
نسبت

کل ذکر کیا تھا کہ کتاب اللہ میں لفظی یا معنوی تحریف کرنا اہل کتاب کا کام تھا  
مگر اس زمانے میں یہ کام خود مسلمان بھی انجام دے رہے ہیں۔ بلکہ یہ تو ان سے بھی  
بدتر کام کر رہے ہیں۔ کلام اللہ کے ایسے غلط معانی و مطالب بیان کرتے ہیں جو نہ  
اللہ کی مراد ہے اور نہ رسول اللہ کی تشریح ہے۔ نہ خلفائے راشدین نے ایسے معنی  
کیے اور نہ ائمہ دین نے یہ مطلب سمجھا مگر آج کا پیر و نیز اور مرزا قادیانی عجیب و غریب  
تاویلات کرتے ہیں۔ اب دیکھتے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اس  
آیت "قُلْ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ" سے کیا مطلب نکالا  
ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں آپ اپنی طرف سے کہہ دیں  
اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ گویا حضور علیہ السلام اپنی امت  
کو میرے بندو کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں (نعوذ باللہ) اسی سے مولوی احمد رضا خاں  
یہ نکالتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کہہ کے نام رکھنا جائز ہے۔  
جیسے عبد الرسول، عبد المصطفیٰ، عبد البنی وغیرہ، حالانکہ یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا۔ آیت کا  
مطلب یہ ہے کہ اے نبی! آپ اللہ کی طرف سے کہہ دیں یعنی اللہ تعالیٰ یوں فرماتا  
ہے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت  
سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف فرما دیگا، اس کی مثال سورۃ مریم میں موجود  
ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت مریمؑ کی طرف یہ آیت دے کر بھیجا۔



قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا میں تیرے رب کا فرستادہ ہوں تاکہ میں تجھے کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ بظاہر عطا کی نسبت جبرائیل امین کی طرف ہے مگر حقیقت میں وہ خدا تعالیٰ کی طرف ہے کہ میں اللہ کی جانب سے آیا ہوں اور وہ اللہ تجھے بیٹا عطا کرنے والا ہے۔ اسی طرح اس آیت میں لُعْبَادِی سے مراد نبی کے بندو نہیں بلکہ اللہ کے بندو! ہے۔ ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں کہ عبد الرسول، عبد الحنین، عبد العلی وغیرہ نام رکھنے میں شرک کی بو پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پیر بخش، علی بخش وغیرہ نام نہیں رکھنے چاہیے۔ کسی پیر نبی، بندہ رک کی طرف عبدیت کی نسبت کرنا قطعاً روا نہیں۔ مگر لوگ باز نہیں آتے۔ قرآن پاک کا عجیب و غریب ترجمہ کہہ کے جگہ جگہ باطل عقیدے وضع کئے گئے ہیں۔ یہ سب چیزیں تحریف کا حصہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے جس کا نام عبد الشمس تھا، اس کا نام عبد الرحمن رکھا، نام رکھتے وقت عبدیت کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف ہونی چاہیے۔ یا کم از کم ایسے نام رکھو جس میں کسی قسم کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔

رب عن اللہ ہے کہ گاکہ اللہ نے بن جاو اس وجہ سے کہ تم کتاب سکھلاتے ہو اور اُسے پڑھتے پڑھاتے ہو۔ وَلَا يَأْمُرُكُمْ اللّٰهُ كَانِي تَمِيں ہرگز نہ حکم نہیں دے گا کہ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ اَرْبَابًا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بناؤ۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے کیا۔ اِتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ انہوں نے اپنے پیروں اور مولویوں کو اللہ کے علاوہ رب بنا لیا۔ گزشتہ دروس میں گزر چکا ہے۔ کہ عدی بن حاتم طائی نے کہا کہ حضور! ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے ان کو رب نہیں بناتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جس چیز کو تمہارے پیر اور عالم حرام کہتے ہیں تم حرام سمجھتے ہو، حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ حلال ہے اور جس چیز کو وہ حلال کہتے ہیں تم حلال سمجھتے ہو حالانکہ وہ اللہ کے ہاں حرام ہے۔ یہی رب بنانا ہے جب تحلیل و تحریم کا منصب غیر اللہ کے سپرد کر دیا جائے تو انہیں رب بنانے کے



مترادف ہے۔ کسی کو سجدہ کیا جائے، اندر نیاز پیش کی جائے، حاضر و ناظر سمجھا جائے  
 علیم کل سمجھا جائے، مافوق الاسباب، حاجت روا اور مشکل کشا سمجھا جائے، یہی شرک  
 ہے۔ اس قسم کا جو بھی عقیدہ اللہ کے علاوہ غیر کی طرف منسوب کیا جائے گا شرک ہوگا،  
فرمایا پیغمبر کبھی یہ حکم نہیں دے گا کہ تم فرشتوں یا انبیاء کو رب بناؤ۔ اَیَا مَرْکُمُ  
بِالْکُفْرِ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے سکتا ہے؟ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ  
مُسْلِمُونَ باوجود اس کے کہ تم فرمانبرداری اختیار کر چکے ہو۔ اللہ کی وحدانیت  
 کو اپنا چکے ہو۔ جب تم اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آچکے ہو تو پھر وہ تمہیں  
 ایسا حکم کیسے دیگا جس سے تم پھر کفر و شرک کی تاریکیوں میں غرق ہو جاؤ ایسا نہیں ہو  
 سکتا۔ اللہ کے نبی سے یہ توقع ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اہل کتاب نے نبی علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ  
 آپ کی عبادت کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ قانون بتلادیا  
 کہ اللہ کا نبی نہ اپنی عبدیت کی طرف دعوت دیتا ہے اور نہ کسی غیر اللہ کی۔  
 مسیح علیہ السلام نے بھی ربوبیت کی نسبت اللہ ہی کی طرف کرتے ہوئے  
 فرمایا تھا اَنْتَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ تَمِیْرًا اور تمہارا سب کا رب

اللہ ہے۔ میں بھی اسی کی عبادت کرتا ہوتا تم بھی اُسی کی عبادت کرو اللہ کا ہر نبی  
 یہی دعوت دے گا کہ اللہ والے بن جاؤ۔ رب والے بن جاؤ۔ اس کے سوا کسی  
 انسان کی پوجا نہ کرو۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

درس بست و ہشت ۲۸

الِ عَمْرَانِ ۳

آیت ۸۱ تا ۸۲

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ  
 مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ  
 مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ  
 قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ  
 إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۖ قَالَ فَاشْهَدُوا ۚ وَأَنَا مَعَكُمْ  
 مِنَ الشَّاهِدِينَ ۝ ۸۱ ۚ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ  
 فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ ۸۲

ترجمہ:۔ اور اُس وقت کہ وہ بیان میں لاؤ جب اللہ نے نبیوں سے پختہ عہد لیا  
 کہ جب میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی۔ پھر آیا تمہارے پاس رسول تصدیق کرنے  
 والا اسکی جو تمہارے پاس ہے، البتہ ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور البتہ ضرور اسکی مدد  
 کرو گے۔ فرمایا اللہ نے، کیا اقرار کیا تم نے، اور لیا تم نے اس بات پر میرا پختہ عہد۔  
 انہوں نے کہا۔ ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا، گواہ ہو جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ  
 گواہی دینے والوں میں ہوں ۝ ۸۱ پس جس نے اس کے بعد روگردانی کی۔ پس وہی  
 لوگ نافرمان ہیں ۝ ۸۲

رہنما آیات گزشتہ درس میں یہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام وفدِ نجران  
 کو بحث میں لا جواب کر رہے تھے، تو ایک یہودی نے کہا، کیا آپ یہ چاہتے ہیں



کہ ہم لوگ آپ کی پرستش شروع کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ جس انسان کو نبوت سے سرفراز فرمائے، اس کی یہ شان نہیں ہے۔ کہ وہ اللہ کی بجائے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلائے یہ اہل بات ہے کہ نبی ہمیشہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے۔ وہ تو کہتا ہے کہ اللہ والے ہو جاؤ۔ وہ ملائکہ یا انبیاء کی عبادت کا حکم نہیں دیتا۔ اس معاملہ میں انبیاء کی برہیت واضح کرنے کے بعد آیت میں اللہ تعالیٰ نے میثاق النبیین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یعنی اُس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی جماعت سے لیا تھا۔ کہ جب تمہارے پاس اللہ کا رسول آجائے۔ جو تمہارے پاس موجود چیز کی تصدیق کرے، تو اُس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

میثاق الست

قرآن پاک میں مختلف میثاقوں کا ذکر ہے۔ منجملہ ان کے میثاق الست ہے یہ وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے لیا تھا۔ اس کا ذکر سورۃ اعراف میں موجود ہے۔ **فَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ** اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا ہونے والی نسلِ آدم کو عالم ارواح میں متمثل فرما کر ان سے سوال کیا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ گویا یہ عہد اللہ نے اپنی الوہیت اور ربوبیت کے اقرار کے لیے اس دنیا میں آنے سے پہلے لیا تھا۔ پھر جوں جوں بنی آدم کو پیدا فرمایا اس عہد کی یاد دہانی کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ اور کتابیں نازل فرمیں۔

تمام انبیاء سے میثاق

دوسرا عہد میثاق انبیاء ہے جس کا ذکر آیت زیرہ درس میں آیا ہے۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے لیا۔ اس میثاق کی تشریح میں دو قول ہیں۔ پہلا قول حضرت علیؑ کا ہے جسے امام ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر طبری میں اور سیّد محمود الوسیؒ نے روح المعانی میں نقل کیا ہے۔ دوسرا قول امام طائوسؒ کا ہے۔ آپ تابعین میں سے ہیں اور مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ بلند پایہ فقیہ اور محدث تھے۔ امام صاحب کا یہ قول مصنف عبداللہ زقاق میں درج ہے۔ جو کہ علم حدیث کی معتبر کتاب



ہے۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود تھا۔ اب زمانہ حال میں یہ عظیم کتاب زیور طبع سے  
آراستہ ہوئی ہے۔ اس میں بائیس ہزار احادیث اور آثار مذکور ہیں۔ عبدالمزاقؒ امام بخاریؒ  
کے استاذ الاثاف اور امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی کوششوں  
سے ایک مسلمان نے چار لاکھ روپیہ صرف کمر کے اُسے بیروت سے طبع کرایا ہے  
اس کا حاشیہ ہندوستان کے ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ حبیب الرحمن عظمی  
بمیر ۸۵/۸۰ سال بقید حیات ہیں نے لکھا ہے اور کتاب کی تصحیح بھی کی ہے۔

بڑی عظیم کتاب ہے۔ اس میں امام طاؤسؒ کا یہ قول مذکور ہے کہ اس آیت میں جس  
مِثَاقِ الْبَنِيِّینَ کا ذکر ہے۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہرنی سے لیا تھا اَنْ لِّصَدِّقٍ  
بَعْضُهُمْ بَعْضًا یعنی ہرنی دوسرے بنی کی تصدیق کرے گا۔ چنانچہ ہرنی نے دوسرے  
بنی کی تصدیق ہی کی ہے، کسی نے کسی کی تکذیب نہیں کی۔ مفسرین کرام بیان فرماتے  
ہیں کہ سورۃ احزاب کی آیت ۷ اِذَا خَذْنَا مِنَ النَّبِيِّیْنَ مِیثَاقَهُمْ  
وَمِنْكَ اَحْزَابَ اَیْتِ ۙ یعنی اُس واقعہ کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے تمام  
انبیاء اور آپ سے بھی عہد لیا۔ وَمِنْ تُوْحٍ وَّ اِبْرٰهیمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ وَاٰدَمَ  
وَعِیْسٰی ابْنِ مَرْیَمَ اور نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام  
اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے بھی پختہ عہد لیا۔ یہ آیت بھی امام طاؤسؒ کے  
قول کی تشریح کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہرنی سے اس بات کا پختہ وعدہ لیا  
تھا کہ وہ دوسرے بنی کی تصدیق کرے گا۔ یہ قول بھی درست ہے۔

حضرت علیؒ کا قول جسے صاحب روح المعانی اور امام ابن جریرؒ نے نقل  
کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مِثَاقِ اَنْبِیَآءِ عَامِ نہیں ہے کہ ہرنی دوسرے بنی کی تصدیق  
کرے گا۔ بلکہ یہ مِثَاقِ خَاصِ ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام سے حضور خاتم النبیین  
صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ لَمْ یَبْعَثَ اللّٰهُ نَبِیًّا اَدَمَ وَمَنْ بَعْدَهُ  
اِلَّا اَخَذَ اِلَیْهِ الْعَهْدَ فِی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ  
یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں فرمایا  
بلکہ اب وفات پا چکے ہیں (فیاض)



مگر حضور علیہ السلام کے متعلق اس سے عہد لیا کہ بُعِثَ وَهُوَ حَيٌّ كَيَوْمِ مَنِّ بِلَہ  
وَلَيَنْصُرُنَّہُ کہ اگر تمہاری زندگی میں نبی آخر الزمان آجائیں تو ان پر ایمان لاؤ گے اور  
ان کی مدد کرو گے۔ لہذا یہ عہد خاص طور پر حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق  
تھا۔ یہ قول بھی صحیح ہے۔

حضور علیہ السلام کے متعلق اس خاص عہد سے آپ کی ختم نبوت کا اظہار ہوتا  
ہے۔ یہ بات تو واضح ہے کہ کسی نبی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ نہیں پایا،  
جو اس میثاق کی رو سے آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی مدد کرتے۔ البتہ حضرت  
عیسیٰ علیہ السلام جب قرب قیامت میں نازل ہوں گے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم  
کا زمانہ پائیں گے۔ اُس وقت وہ حضور علیہ السلام کے نائب کی حیثیت سے جلوہ افروز  
ہوں گے اور آپ کی شریعت کے مطابق دنیا میں قرآن و سنت کا نظام جاری  
کریں گے۔ اس عہد سے حضور علیہ السلام کی خاص فضیلت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔  
اسی بنا پر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شبِ معراج میں اللہ نے تمام انبیاء کو بیت المقدس  
میں جمع کیا۔ قَامَتْہُمْ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر  
آگے کھدایا اور آپ نے تمام انبیاء کو نماز پڑھائی۔

سید آلوسی بغدادی جنہوں نے حضرت علیؑ کا یہ قول نقل کیا ہے، بلند پایہ  
مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ آپ تیرھویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں ۱۲۷۰ھ میں  
آپ کی وفات ہوئی جتنی مسلک رکھتے تھے۔ آپ نے تین لاکھ جلدوں میں قرآن پاک  
کی تفسیر لکھی ہے۔ ہر پائے کی الگ جلد ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر آپ نے  
آغاز جوانی میں لکھی۔ اس تفسیر میں تمام علوم منجملہ صرف، نحو، علم عقائد اور قرأت وغیرہ  
موجود ہیں۔

دیگر مفسرین کی طرح آپ نے بھی اپنے زمانے کی ضروریات کو مد نظر رکھتے  
ہوئے قرآن پاک کی عظیم تفسیر کی ہے۔

میثاق انبیاء کا تذکرہ کہہ کے امتیوں کو بات سمجھائی جا رہی ہے کہ جس چیز  
یہودیوں کی خلاف ورزی



پہ انبیاء سے ایمان لانے کا عہد لیا گیا، اُس چیز پر ایمان لانا انبیاء کے امتیوں کا بطریق اولیٰ فرض ہے۔ جب تمام انبیاء کرام سے یہ عہد لیا گیا کہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا، تو ان انبیاء کے اتباع کے دعویدار یہود و نصاریٰ پہ بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کی نبوت کو تسلیم کریں۔ مگر یہ آج تک بنی کریم علیہ السلام کی تصدیق کرنے سے گریزاں ہیں۔ بلکہ مخالفت پہ کمر بستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ جو عہد ان کے نبیوں نے اللہ سے کیا تھا۔ یہ اُس کی پابندی کیوں نہیں کرتے۔ یہ اُن کے ایمان کی خرابی، اور ان کی حماقت ہے۔ اُن کے لیے حکم یہ ہے۔ کہ وہ بنی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لائیں۔ آپ کے دین کی تائید کریں اور اسکی تقویت کا باعث بنیں۔ مگر یہ لوگ الٰہی مخالفت کر کے اپنے انبیاء کے عہد کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کر کے آپ سے مکمل وابستگی کا اظہار کر دیا۔ آپ کی فوقیت اور عظمت کی گواہی دی۔ اور اپنے متبعین کو بھی یہی تلقین کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو خاص طور پر حضور علیہ السلام کی آمد کی بشارت دی "وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ" میں اپنے بعد آنے والے رسول احمد کی بشارت دیتا ہوں۔ اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ مگر ان لوگوں نے تعصب اور عناد کی بنا پر گمراہی کا راستہ اختیار کر لیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ایک عہد اہل کتاب سے بھی لیا تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے "وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ اَسْمَا س وَلَا تَكْتُمُونَ" (۳: ۱۸۷) کہ تم خدا کی کتاب اور اس کے فرمان کو لوگوں پہ ظاہر کرو گے اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔ انہوں نے بھی اس بات کا اقرار کیا۔ مگر حق آجانے کے بعد حضور کی پیشین گوئی کو کیوں چھپاتے ہیں۔ یہ بھی ان کی گمراہی کی دلیل ہے۔



مولانا شاہ شرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ ایک نبی دوسرے کی تصدیق کرتا ہے۔ اس لیے انبیاء کے متبعین کا فرض ہے کہ اپنے نبی کے اتباع میں وہ بھی دوسرے راہبیار کی تصدیق کریں۔ اس سے شاہ صاحبؒ یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ مشائخ کو مشائخ سے یہی معاملہ کرنا چاہیے۔ کوئی شیخ وقت، نیک بندہ یا درویش اپنے برابر والے شیخ یا اپنے سے اونچے درجے والے کی تصدیق کرے۔ اس سے دُعا کرنے اور اس کی حمایت کرنے سے گمراہ نہ کرے۔ شاہ رفیع الدینؒ تو یوں فرماتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندے اور اولیاء ایک دوسرے کی کبھی مخالفت نہیں کرتے۔ اَلْفُقَرَاءُ وَ كُنُفُسٌ وَاحِدَةٌ تمام فقرار کی مثال ایک جسد واحد کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی بزرگ نے دوسرے کی تکذیب نہیں کی کہ فلاں غلط ہے یا جھوٹا ہے۔ بلکہ اس کی تصدیق کی ہے۔ یہ انبیاء کی تعلیم کا نتیجہ ہے جس طرح ایک نبی دوسرے نبی کی تفتیش نہیں کرتا اسی طرح ایک اللہ والا دوسرے ولی اللہ کو اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بناتا بلکہ اس کی حمایت کرتا ہے۔ مگر اس وقت جو ایک دوسرے کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ یہ نہ تو درویشی اور نہ فقرار کا سلسلہ ہے۔ یہ کچھ اور ہی ہے۔ بزرگی محض قبریں بنا لینے، ان پر گنبد کھڑے کر لینے اور بدعات جاری کرنے کا نام نہیں ہے۔ اصل بزرگوں کا ہرگز یہ مشن نہیں ہو سکتا۔ جو اللہ کے نیک بندے ہیں وہ ہمیشہ نیکی کا حکم کرتے ہیں۔

حضرت بیجی امیریؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مرید اور بڑے بزرگ مرد تھے۔ مشرقی ہندوستان میں قیام تھا۔ لوگوں نے ان کے لیے خانقاہ تیار کی اور لاکھ روپے بٹھا دیا۔ فرمانے لگے دو ستر ہزار افسوس ہے، تم نے میرے لیے ایک مندر بنا دیا۔ ہمارے ساتھ تو اس کا تعلق ہی قائم نہیں ہوتا۔ خواجہ فرید الدینؒ کو یاد شاہ وقت فیروز تعلق نے جاگیر کی پیشکش کی۔ آپ نے فرمایا کہ میرا اور میرے بزرگوں کا یہ طریقہ نہیں ہے۔ اس جاگیر کو مستحقین میں تقسیم کر دو۔ یہی بات حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے صدر ہند راجندر پرشاد کو کہی تھی۔ حکومت نے



ملک کا سب سے بڑا رسول اعزاز پر دم بھوش پیش کرنا چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے اور میرے بزرگوں کے طریقے کے خلاف ہے۔ اس کو اپنے پاس رکھو۔ ہم نے انگریزوں کے خلاف جدوجہد اللہ کی رضا اور انسانیت کی بہتری کے لیے کی تھی۔ کوئی متغیر یا جاگیر لینے کے لیے نہیں کی تھی۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ انصاف کرو۔ مسلمانوں کو تنگ نہ کرو۔

الغرض! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ اُس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ عہد لیا۔ لَمَّا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت یعنی علم، دانش اور فہم عطا کیا۔ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ پھر آگیا تمہارے پاس رسول سے مراد ہر رسول بھی ہے۔ اور بڑا رسول بھی زکوۃ تعظیم کے لیے ہوتا ہے جب رَسُولٌ عَظِيمٌ شان رسول آگیا۔ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو، جو تمہارے پاس ہیں۔ تو اس وقت تمہارا فرض ہے۔ لَتَوَافِقُنَّ بِهٖ ضرور اس پر ایمان لانا۔ وَلَتَنْصُرُنَّهُ اور ضرور اس کی مدد کرنا قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی نے دریافت کیا۔ مَا أَقْرَرْتُمْ کیا تم اقرار کرتے ہو وَإِذْ أَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ اور تم نے اس بات پر میرا پختہ عہد لیا؟ إِصْحَابُ بوجھہ کہتے ہیں اور اس سے مراد پختہ عہد ہے۔ اس کو ميثاقاً غلیظاً بھی کہتے ہیں جس طرح بوجھہ کو اٹھانا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح عہد کی پاسداری بھی ضروری ہوتی ہے گو یا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ جب میرا نبی آخر الزماں آجائے گا۔ تم اس پر ایمان لانا اور اس کی اعانت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں قَالُوا أَقْرَرْنَا سب انبیاء علیہم السلام نے کہا، ہم نے اقرار کیا۔ کہ ہم اس عہد کو پورا کریں گے اور ہر آنے والے نبی پر اور خصوصاً حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بنی قریظہ کا ایک یہودی حضرت عمرؓ کا دوست



تھا۔ اس نے تورات میں سے کچھ اچھی اچھی باتیں لکھ کر آپ کو دیں حضرت عمرؓ وہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور عرض کیا کہ میرے ایک یہودی دوست نے تورات کی بعض اچھی چیزیں لکھ کر دی ہیں۔ کیا میں ان کو پڑھ لیا کر دوں۔ یہ سن کر ناراضگی کی وجہ سے حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا اَتَهْوِكْتُمْ كَمَا تَهْوِكُ الْيَهُودُ وَالتَّصَارِيُّ کیا تم بھی اسی طرح سرگردان ہونا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ ہوتے ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ یہ تو تم تحریر شدہ تورات کا ورق لائے ہو اگر موسیٰ علیہ السلام بنفس نفیس آجاتے اور تم مجھے چھوڑ کر اُن کا اتباع کرتے تو تم گمراہ ہو جاتے اَنَا آخِرُ النَّبِيِّينَ میں آخری نبی ہوں جو تمہارے حصے میں آیا ہوں۔ لہذا تم پر میری ہی اطاعت لازم ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا۔ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَرَسُولًا میں راضی ہو گیا اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور رسول ہونے پر۔ اس پر حضور علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔

الغرض! جب تمام انبیاء نے اپنے عہد کا اقرار کر لیا۔ قَالَ تَوَالَّفَ تَعَالٰی نے فرمایا فَاشْهَدُوا اَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ گواہ بن جاؤ۔ کہ تم نے یہ اقرار کر لیا ہے۔ تم نے وعدہ کیا ہے۔ کہ جب نبی آخر الزمان علیہ السلام آئے گا تو اُس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی تائید کرو گے۔ اور دیکھو! میں بھی تمہارے ساتھ اس بات پر گواہ ہوں۔

فرمایا کہ پختہ عہد کرنے کے بعد فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ جس نے اعراض کیا اس کے بعد یعنی عہد کی پابندی نہ کی۔ فَاولئك هم الفاسقون تو ایسے لوگ فاسق اور نافرمان ہوں گے۔ فاسق نافرمان، منافق اور کافر کو بھی کہا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکاری ہے تو یہ بنیادی فسق ہے۔ انسان کافر



ہو جائے گا، ورنہ معصیت کا مرتکب خصوصاً کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے  
فرمایا اس عہد کو توڑنے والا فاسقوں میں شمار ہوگا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگرچہ یہ بات میثاقِ انبیاء کے ضمن میں کہی جا  
رہی ہے۔ کہ عہد شکنی کرنے والے فاسق ہو جائے گا۔ مگر اس سے مراد امت کو  
سمجھانا ہے۔ کہ انبیاء کے کئے ہوئے عہد کو توڑنے دنیا ورنہ تمہارا نام فاسقوں کی  
فہرست میں لکھ دیا جائے گا۔ اور اس سے مراد اہل کتاب خاص طور پر ہیں۔ کیونکہ  
انبیاء علیہم السلام سے عہد شکنی کا تو گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ کا نبی ایسا کام نہیں کر  
سکتا۔ بلکہ نبی کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَنْ اَشْیَکَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ  
اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا۔ تو آپ کے تمام اعمال ضائع کر دیے جائیں  
گے۔ لہذا نبی سے عہد شکنی کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ یہ امت کو سمجھانا مقصود ہے۔ کہ  
انبیاء کے عہد کو توڑ کر فاسقوں کے گروہ میں شامل نہ ہو جانا۔ اہل کتاب تو بیشک  
عہد شکن ہیں۔ مگر آج کا مسلمان بھی اس معصیت سے محفوظ نہیں رہ سکا۔  
اللہ تعالیٰ سمجھ عطا کرے۔



أَفَنَدِينُ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ  
 فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿٨٣﴾  
 قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَى  
 إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ  
 وَالْإِسْبٰطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ  
 مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ  
 وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ  
 غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۖ وَهُوَ  
 فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

ترجمہ: یہ کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں، حالانکہ اسی اللہ  
 کے لیے فرمانبرداری کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں۔ اور جو زمین میں ہیں خوشی اور ناخوشی  
 سے۔ اور اسی کی طرف سب لوٹانے جائیں گے ﴿۸۳﴾ اے پیغمبر (علیہ السلام) آپ  
 کہ دیجئے، ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس چیز پر جو اتاری گئی ہے۔ ہمارے اور پر اور  
 اُس چیز پر جو اتاری گئی ہے، حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب (علیہم السلام)  
 اور ان کی اولاد پر اور جو چیز دی گئی ہے۔ موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو اور جو چیز دی گئی  
 ہے سب نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم تفریق نہیں کرتے کسی ایک  
 کے درمیان۔ اور ہم اسی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں ﴿۸۴﴾ اور جو شخص  
 اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا۔ پس اُس سے ہرگز نہ قبول کیا جائیگا  
 اور وہ شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔ ﴿۸۵﴾



اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جو اُس نے عام لوگوں اور انبیاء علیہم السلام سے لیا۔ اور پھر اُس عہد کو توڑنے والوں کی سزا کا بیان بھی آچکا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ نے ڈانٹ پلائی ہے۔ اُس کے بعد دین اسلام کی صداقت اور حقانیت کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان فرمایا کہ اگر یہ لوگ اُس دین اطاعت فرمانبرداری کو قبول نہیں کرتے جس کا اُن سے عہد لیا گیا تھا، تو پھر کیا اس کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عہد و پیمان تو دین توحید کے متعلق لیا تھا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی دین کی تعلیم دیتے ہیں لہذا وہ کبھی اس بات کی تعلیم نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ مخلوق ہیں سے کسی کو رب بنا کر اس کی عبادت کی جائے۔ یا کسی کو حلال و حرام کا مختار سمجھا جائے۔ وہ تو ہمیشہ ہی تعلیم دیتے رہے ہیں **كُونُوا رَبَّكُمْ أَحْسَنَ** یعنی اللہ والے بن جاؤ۔ رب والے ہو جاؤ۔ صرف اُسی کی عبادت کرو اور اُسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھو۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب یہ لوگ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔ **أَفْخِرَ دِينَ اللَّهِ يَبْغُؤْنَ** کیا وہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے متلاشی ہیں۔ حالانکہ اللہ کا سچا دین تو صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے اسلام۔ پہلی آیتوں میں گنہگار چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا **أَسْلِمَ** یعنی اسلام لے آؤ، اللہ کے سچے دین کو قبول کر لو، اس کی اطاعت کے آگے سر تسلیم خم کر دو، تو انہوں نے جواب میں کہا **أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ** میں نے تمام جہانوں کے رب کا نازل کردہ دین قبول کر لیا۔ اُس کا فرمانبردار ہو گیا میں نے اسلام قبول کر لیا۔ کیوں کہ **إِنَّا السَّادِقِينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ** اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہی ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اسی دین کی تعلیم دی ہے۔ مگر یہ لوگ اس دین کو قبول کرنے کی بجائے کسی دوسرے دین کو تلاش کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے جو جھوٹے دین بنا رکھے ہیں۔ کیا ان کے باپے ہیں انہیں اللہ نے اجازت دی ہے کہ جھوٹا



کفر و شرک والے ادیان کو تسلیم کریں۔ اللہ کے علاوہ کوئی ذات ہے۔ جس کی طاعت تمام مخلوق پر لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو خود فرمایا وَلَکُمْ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَسْمَآءُ وَزَمِیْنِ کی ہر مخلوق اُسی خدا نے وحدہ لا شریک کی فرمانبرداری کرتی ہے۔ ہاں! طَوْعًا وَکَرْهًا کچھ لوگ اس کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں اور بعض دوسرے مجبوری اور لاچارگی کی بنا پر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں۔ تکوینی احکام وہ احکام ہیں جو انسان کو اپنی خواہش اور اختیار کے بغیر کرتے پڑتے ہیں۔ جیسے زندگی، موت، بیماری، حادثات، بارش، خشک سالی، سیلاب، زلزلہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں، جو انسان پر بغیر خواہش اور بغیر اختیار کے وارد ہوتی ہیں۔ انسان کو ان احکام پر مجبوراً عمل پیرا ہونا پڑتا ہے۔ یہ تکوینی احکام ہیں۔ دوسری قسم کے احکام شرعی احکام کہلاتے ہیں۔ یہ احکام اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعے انسانوں تک پہنچاتا ہے۔ ان پر عمل انسان اپنی خواہش اور اختیار سے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتنی مخلوق ہے۔ جو ان احکام کو احکام الہی سمجھ کر خوشی سے تسلیم کرتی ہے۔ اور بعض بد بخت ایسے بھی ہیں، جو انہیں ماننے کے لیے تیار نہیں۔ تو فرمایا کہ ایسی ہستی جس کے تمام تکوینی اور شرعی احکام ماننے جائیں وہ صرف خدا کی ذات ہے۔ اور ماننے والے آسمان میں بھی ہیں۔ اور زمین میں بھی ہیں۔ آسمانی مخلوق میں فرشتے ہیں۔ یہ اللہ کی مطیع اور فرمانبردار مخلوق ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے۔ آسمان میں چار بالشت بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ اپنے مالک کی عبادت میں مصروف نہ ہو۔ زمینی مخلوق میں انسانوں کے علاوہ شجر، حجر، چرند، پرند، نباتات، حیوانات سب اللہ کے تکوینی احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ یہ انسان تو ان میں بہت سے ایسے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام قبول کرتے ہیں۔ اللہ کی طاعت اور فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں "وَكُتِبَ لَهُمْ حَقُّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ" اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی سزا ثابت ہو چکی ہے۔ تکوینی احکام تو وہ بھی مجبوراً مانتے ہیں مگر شرعی



احکام پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے ایسے لوگ اللہ کی گرفت سے بچ سکتے ہیں  
جائیں گے، وہ تو فرماتا ہے وَاللّٰیہِ یُجْعَوْنَ انہیں بہر صورت اُس مالک الملک  
کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔ سب اُس کے سامنے پیش ہوں گے اور ہر ایک  
سے اس کے عقیدے اور عمل کے متعلق باز پرس ہوگی۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ کافر،  
مشرک، یہودی اور عیسائی اگر اللہ کے سچے دین کو نہیں مانتے۔ تو پھر کس دین کو مانیں  
گے۔ کیا کوئی ایسی ذات ہے۔ جو اللہ کے علاوہ انہیں کوئی سچا دین مہیا کر دے۔  
یہ کس دین کے متلاشی ہیں۔ دین عطا کرنے والی ذات تو فقط ذات واحد ہے۔

جس سچے دین کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ وہ وہی دین ہے جسکی تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام  
نے دی اور جس کی تعلیم حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔ اور اس کا  
خلاصہ یہ ہے حُنفًا وَّ لِلّٰہِ عَنِیْ مُشْرِکِیْنَ کہ حلیف بن جاؤ اور اللہ تعالیٰ  
کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ چنانچہ اسی دین حلیف کی تشریح میں فرمایا فَلِیْ  
اِیْمَانٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ ان سے کہہ دیجئے اٰمَنَّا بِاللّٰہِ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ یعنی اپنے  
خدا تعالیٰ کی ہستی کو واجب الوجود تسلیم کیا۔ ہم نے اس کی توحید کو مانا۔ اس کے کمال  
صفات کے ساتھ متصف ہونے کو مانا، اُس ذات کو نقص و عیب سے پاک  
جانا۔ اس کو اندلی اور ابدی تسلیم کیا۔ ہم اس بات پر ایمان لائے کہ وہی ذات مالک و مختار  
کل ہے۔ وہی علیم کل ہے۔ وہ خالق کل اور مربی کل ہے۔ وہ ہر جگہ پر حاضر و ناظر ہے  
وہی حلال مشکلات ہے۔ وہی نافع اور ضار ہے۔ یہی ایمان باللہ ہے۔ یہی عقیدہ  
سبحان اللہ و بحمدہ میں سمجھایا گیا ہے۔

ایمان باللہ کے بعد فرمایا وَمَا اُنْزِلَ عَلَیْکُمْ اور ہم اس چیز پر بھی ایمان  
لائے جو ہماری طرف اتاری گئی، ظاہر ہے کہ ہماری طرف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک  
نازل فرمایا ہے، جس پر ہم ایمان لائے۔ اس کی تشریح میں فرمایا تَحَرَّانَ عَلَیْکُمْ  
بِیَاتِہٖ پھر اس کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ نیز فرمایا کہ پیغمبر کا ایک کام  
یہ بھی ہے لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہُمْ جو کتاب اس پر



نازل کی گئی ہے۔ لوگوں کے سامنے اس کی تشریح بیان کرے۔ تاہم یہ تشریح بھی منجانب اللہ ہوتی ہے۔ قرآن پاک وحی جلی ہے اور جو تشریح پیغمبر کی زبان سے ہوتی ہے۔ وہ وحی خفی ہے مسلم شریف کی روایت میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایمان وہ چیز ہے مَاجُتُ بِلہ جو کچھ میں لے کر آیا ہوں۔ یعنی جو بھی چیز اللہ کی طرف سے بنی لایا ہے، اس پر ہم ایمان لائے ہیں۔

فرمایا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ اِسْمُہِمْ اُسُں چیز پر بھی ایمان لائے ابراہیم علیہ السلام پر اتاری گئی ہے۔ قرآن میں موجود ہے کہ اللہ جل جلالہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے نازل فرمائے۔ جیسا کہ سورۃ اعلیٰ میں آتا ہے صُحُفِ اِبْرٰہِیْمَ وَمُوسٰی اللہ تعالیٰ نے ان کو دین دیا، شریعت دی، احکام دیے اور تمام مخلوق کا امام بنایا۔ فرمایا وَاسْمٰعِیْلَ وَاسْحٰقَ وَیَعْقُوبَ وَالْاَسْبَاطَ اِسْمُہِمْ اُسُں چیز پر بھی ایمان لائے جو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اتاری گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔ پہلے حضرت حاجرہؑ کے بطن سے اور دوسرے حضرت سارہؑ سے۔ دونوں اللہ کے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ نے اُن کو مستقل شریعت دی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم کے پوتے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ وہ بھی اللہ کے صاحب شریعت نبی ہیں۔ اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اسباط یعنی اولاد ہے۔ اُس میں سے اللہ نے جس کو نبوت دی، ان پر وحی نازل فرمائی اور ان کو شریعت بھی دی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے اللہ نے چار ہزار نبی اور رسول مبعوث فرمائے۔ یہ اتنا عظیم خاندان ہے۔ اسباط سے ہی انبیاء اور رسل مراد ہیں جن میں حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام جیسے عظیم پیغمبر مبعوث ہوئے۔ حضرت الیاس علیہ السلام بھی آپ کی اولاد میں سے ہیں تاہم بعض انبیاء کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اکثر کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔ ان تمام



انبیاء علیہم السلام پر جو چیز نازل کی گئی۔ اُس پر ہمارا ایمان ہے۔

اس کے علاوہ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى جو چیز موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی اس پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تو رات جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی۔ اس کے علاوہ کچھ صحیفے بھی ہیں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ نے انجیل نازل فرمائی۔ جسے بگاڑ کر اہل کتاب نے ایک سو بیس انجیلیں بنالیں۔ ان میں سے متی، لوقا، یوحنا اور مرقس تو بائبل میں موجود ہیں۔ جن کے مضامین ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ پانچویں انجیل برنباس ہے۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی اصل حالت پر موجود نہیں رہی۔ تاہم ہمارا ایمان اُس اصلی انجیل پر ہے۔ جو سریانی زبان میں نازل ہوئی۔

آخر میں سُرَمَا وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر اُن کے رب کی طرف سے جو کچھ بھی اتارا گیا ہے۔ اُس پر ہمارا ایمان ہے۔ مسلمانوں کی صداقت کی یہی نشانی ہے۔ کہ وہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی تمام کتب کو مانتے ہیں۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا تَوْحِیْدُ مَنُونٍ بِالْكِتَابِ کُلِّہِ ثُمَّ تَوَسَّبَ کِتَابُوں پر ایمان رکھتے ہو۔ مگر یہ یہود و نصاریٰ اللہ کی سب سے عظیم اور آخری کتاب قرآن پاک کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی طرف سے بنا کر لائے ہیں (العیاذ باللہ) یہ اس قدر متعصب لوگ ہیں۔ اور یہی ان کے کذب کے دلیل ہے۔ یہ تو ایک دوسرے کے بھی مخالف ہیں۔ مگر ہم تو تمام انبیاء کی رسالت پر یقین رکھتے ہیں یہی حقیقت ہے۔ اور یہی سچا دین اسلام ہے۔ ہر نبی دوسرے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور خدا کی بارگاہ میں آپ کی نصرت کا وعدہ کیا۔

یہ آیت قریب قریب انہی الفاظ کے ساتھ پہلے پائے میں بھی گزری ہے وہاں پر ملت ابراہیمی کی تشریح الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ بیان



کی گئی ہے۔ وہاں پر عَلَيْنَا کی جگہ عَلَيْنَا اور وَالنَّبِيِّينَ سے پہلے وَمَا  
 اَوْفَتْ کے الفاظ زیادہ ہیں۔ مقصد یہی ہے کہ جو کچھ اللہ نے نبیوں پر نازل  
 کیا ہے وہ حق ہے اور ان سب پر ہمارا ایمان ہے۔ گویا۔ اس اصل ہدایت  
 پر ہمارا مکمل ایمان ہے اگرچہ بعد میں آنے والوں نے اس میں تغیر و تبدل کر دیا  
 تاہم اس کے لیے وہ خود ذمہ دار ہیں اور اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں۔

ایمان  
 بالرسول

اور آخر میں تمام انبیاء پر ایمان لانے کی وضاحت اس طرح فرمائی  
 لَا تَفْرِقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ اَنْبِيَاءُ اور رسل میں کسی کے  
 درمیان تفریق نہیں کرتے، تفریق کرنے کا معنی یہ ہے کہ یہودیوں کی طرح  
 بعض انبیاء پر ایمان لائے اور بعض پر نہ لائے۔ اس قسم کی تفریق صریح کفر ہے  
 کیونکہ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے  
 کر حضور خاتم النبیین علیہ السلام تک جتنے بھی نبی اور رسول آئے ہیں۔ وہ سب  
 اللہ کے کامل بندے اور بہ حق نبی ہیں۔ انہوں نے اپنے اپنے دور میں مخلوق خدا  
 کو حق کا پیغام پہنچایا۔ اللہ نے اپنے انبیاء کو کتابیں اور شرائع عطا فرمائیں۔ ان سب  
 پر ہمارا ایمان ہے۔ مگر یہود و نصاریٰ اللہ کے تمام انبیاء پر ایمان نہیں رکھتے۔  
 مثال کے طور پر دونوں گمراہ حضور خاتم المرسلین علیہ السلام پر ایمان نہیں رکھتے۔  
 لہذا یہ تفریق بین الرسل کے مرتکب ہو کر کافر ٹھہرے۔ اسی طرح یہودی مسیح علیہ السلام  
 کو نہیں مانتے۔ بلکہ انہیں دجال کہتے ہیں اور ان کی تذلیل و تحقیر کرتے ہیں۔ مگر ہم  
 بحیثیت مسلمان کسی نبی کے درمیان تفریق نہیں کرتے وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ  
 ہم اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔ یہی اسلام ہے۔ یہی حقیقت ہے اور  
 یہی ملتِ ابراہیمی ہے جسکی تعلیم سائے نبی نے آئی ہے۔

غیر قوام کی  
 سازشیں

ارشاد ہوتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ نَفْسُكُمْ فِيْهِمْ  
 جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا۔ اور یہ سمجھے گا۔ کہ ایسا  
 کفر کے وہ کامیابی حاصل کر سکتا ہے فَالْكَافِرُ يَصْعَدُ فِيْ سِعَابٍ



ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے۔ لہذا وہی مقبول ہوگا۔ یہود و نصاریٰ نے یہودیت اور عیسائیت کی تبلیغ کے لیے بین الاقوامی طور پر بڑی بڑی سازشیں کی ہیں۔ ماضی قریب تک سلطنت برطانیہ بڑی وسیع سلطنت اور عظیم طاقت تھی۔ اس نے ساری دنیا کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی۔ دو سو سال تک اس طاقت نے دنیا میں اودھم مچائے رکھا تھا۔ خصوصاً اہل اسلام کی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ خلافت کو اسی نے ختم کیا۔ برصغیر کی آزادی کے بعد افریقی ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہونا شروع ہوئے۔ تو وہاں کے لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہونے لگے۔ کہتے ہیں کہ ایک ایک مجلس میں سینکڑوں لوگ اسلام لاتے تھے۔ یہ چیز انگریزوں کو ہرگز گوارا نہ تھی۔ انہوں نے وہاں پہ طرح طرح کے فتنے کھڑے کئے۔ احمد دہلوی مسلمان مبلغ تھے ان کے علاوہ ناٹھریا کے صدر اور وزیر کو مر وادالہ جب، لوگوں نے قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ تو انہوں نے تحریف فی القرآن کا ارتکاب کیا۔ تحریف قرآن پاک کے نسخے بڑے خوبصورت انداز میں طبع کرا کے مفت تقسیم کیے مثال کے طور پر آیت زیر مطالعہ میں سے لفظ غیر کو حذف کر دیا اور باقی صرف وَعَمَّنْ یَسْبِغِ الْإِسْلَامَ دینارہ گیا جس کا معنی بالکل الٹ ہو گیا۔ جب یہ بات کمرل ناصر مرحوم کے نوٹس میں آئی تو اس نے اس کا سختی سے نوٹس لیا۔ اس نے اشاعت قرآن کے لیے ایک خصوصی کھٹی بنائی جس نے پوری صحت کے ساتھ بہت بڑی تعداد میں قرآن پاک طبع کرا کے تقسیم کیے۔ اور ساتھ کہ دیا کہ اس نسخے کے علاوہ کسی دوسرے نسخے کا اعتبار نہ کرو۔ یہ نسخہ ہمارے پاس بھی موجود ہے انہوں نے اشاعت اسلام کے لیے صوت الاسلام کے نام سے ایک مستقل ریڈیو سٹیشن بھی قائم کیا تاکہ قرآن پاک کی نشر و اشاعت ہوتی رہے۔ یہ ناصر کا بہت بڑا کارنامہ ہے اگرچہ اس نے اپنے زمانے میں غلطیاں بھی کیں۔ بہر حال یہود و نصاریٰ کی سازش کا کامیاب جواب دیا گیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا لَا تَجِدُ دُولَیْہُودَ وَالنَّصَارَیْ أُولِیِّاؕ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ یہ سازشی لوگ ہیں، ہر وقت اسلام کو نقصان



پہنچانے کی فکر میں سہتے ہیں۔ لہذا اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو تلاش نہ کرو۔  
جو ایسا کرے گا، اُس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ  
الْخَسِرِينَ ایسا شخص آخرت میں نقصان میں پڑے گا۔ اسلام کے علاوہ کوئی دین  
 بھی کامیابی کی طرف نہیں لے جائے گا۔ بلکہ اُس کے متبعین سراسر خسارے کا  
 سودا کریں گے۔

مسلمانوں کی  
 بدقسمتی

یہود و نصاریٰ کی اسلام دشمنی تو قابلِ فہم ہے، وہ تو دوسرے دین ہی تلاش  
 کریں گے۔ مگر بدقسمتی یہ ہے کہ آج کا مسلمان بھی اپنے دین پر اعتماد نہیں کرتا۔  
 آج کے مسلمان بھی یہی سمجھتے ہیں کہ جب تک غیر اقوام کی شاگردی اختیار نہیں کریں  
 گے، ترقی نصیب نہیں ہوگی۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب مسلمان اپنے دین  
 پر یقین کرتے تھے، عروج کی بلندیوں پر تھے۔ کوئی قوم ان کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ مگر  
 اب خود مسلمان انگریزوں سے مرعوب ہیں۔ ان کی تہذیب اختیار کر رہے ہیں۔  
 انہی کے لہو و لعب میں مشغول ہیں اور اسی میں اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت  
 یہ ہے کہ پیر و انِ اسلام کے سوا کسی کو فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ آخرت میں تو سخت  
 نقصان اٹھانے والوں میں ہوں گے

اسلامی  
 قوانین

تہذیب و تمدن کے علاوہ آج کا مسلمان اسلامی قوانین سے بھی مطمئن نظر نہیں  
 آتا۔ اسی لیے وہ غیر اسلامی قوانین کی طرف دیکھ رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اسلام ایک  
 فرسودہ دین بن چکا ہے۔ لہذا وہ اقتصادی نظام کے لیے روس، جرمنی، امریکہ اور  
 فرانس کی طرف دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ ان کے پاس تعزیرات کا کوئی قانون موجود نہیں  
 ان کے تمام قوانین بناوٹی ہیں۔ برخلاف اس کے کہ اسلام کے پاس اپنے قوانین  
 موجود ہیں۔ صحابہ کرام کا دستور العمل مشعلِ راہ ہے۔ مگر اب قوانین اُس مجلس  
 شوریٰ سے بنوائے جاتے ہیں جس میں ہندو اور عیسائی بھی شامل ہیں۔ کیا اسلام کا  
 قانون یہ لوگ بنائیں گے؟ ممبرانِ شوریٰ کے لیے تو خصوصی اہلیت مقرر ہونی چاہیے  
 تھی۔ جس سے پتہ چلتا کہ واقعی یہ لوگ اسلامی قانون سازی کے قابل ہیں۔ حضرت عمرؓ



کی شوریٰ کے ممبر وہ لوگ ہوتے تھے۔ جو قرآن پاک کو زیادہ جاننے والے ہوتے۔  
 آج بھی اسلامی شوریٰ میں جاننے کے اہل وہ لوگ ہیں۔ جو قرآن و سنت اور تعامل  
 صحابہؓ کے عالم ہوں۔ جب تک اہل لوگ اکٹھے نہیں ہوں گے اسلامی قانون کی  
 تدوین نہیں ہو سکتی۔ جب فاسق فاجر، ہندو، مرزائی، رافضی وغیرہ ممبران شوریٰ ہوں  
 گے۔ تو اسلامی قانون کیسے بن سکتا ہے؟ وہ تو اپنی اغراض پوری کریں گے۔ یہ سب  
 عَنِ الْاِسْلَامِ دیناً والی بات ہے۔ اگر فلاح کی ضرورت ہے تو اسلامی قوانین  
 کو من و عن جاری کرنا ہو گا۔ اگر کلچر غیر اقوام کا اپنا ہے، اقتصادیات اور سیاست  
 ان سے یعنی ہے۔ اخلاق ان سے اخذ کرنا ہے۔ تو پھر مسلمانوں کا اللہ ہی حافظ  
 ہے۔ آؤ! آج بھی راہ راست پر آ جاؤ۔ اور دین اسلام کو سینے سے لگا لو، تو  
 کامیابی و کامرانی نصیب ہو جائیگی۔



تِلْكَ الرُّسُلُ ۳

الْاِعْمُرَانِ ۳

درس سی ۳۰

آیت ۸۶ تا ۹۱

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ  
وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ  
وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٨٦﴾ أُولَٰئِكَ  
جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ  
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ  
الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا  
مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٨٩﴾  
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ أَزْدَادُوا

كُفْرًا لَّنْ تَقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾  
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَاقْبَلَ  
مِنْ أَحَدِهِمْ مِلُّ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَادَى  
بِهِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ  
مِنْ نَّصِيرِينَ ﴿٩١﴾

ترجمہ :- اللہ کس طرح راہ بتلانے کا اس قوم کو جنہوں نے کفر کیا ایمان کے پیچھے ۔

اور انہوں نے گواہی دی کہ بیشک رسول برحق ہے ۔ اور اُن کے پاس کھلی نشانیاں

آئیں اور اللہ نہیں دیکھاتا اس قوم کو جو ظلم کرنے والی ہو ﴿۸۶﴾ یہی لوگ ہیں جن کا بدلہ

یہ ہے کہ بیشک اُن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی ﴿۸۷﴾



اُس میں ہمیشہ رہیں گے اور اُن سے عذاب ہلکا نہ کیا جائیگا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی (۸۸) ہاں! مگر وہ لوگ جنہوں نے اِس کے بعد توبہ کی اور اچھے کام کیے تو اللہ تعالیٰ بخشش کرتے والا اور مہربان ہے (۸۹) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے ایمان لانے کے بعد اور پھر وہ کفر میں بڑھتے رہے۔ پس اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ اور یہی لوگ گمراہ ہیں (۹۰) بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اس حالت میں مر گئے کہ وہ کفر کرنے والے ہیں پس اُن میں سے کسی ایک سے ہرگز قبول نہیں کی جائے گی سونے سے بھری ہوئی زمین اگرچہ وہ اس کا فدیہ دے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور اُن کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا (۹۱)

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حقیقت کی تشریح بیان فرمائی تھی۔ اور اسلام کی حقانیت کا تذکرہ کیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ اللہ کے ہاں اسلام کے سوا کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طالب ہوگا، اُس سے وہ چیز قبول نہیں کی جائے گی اور ایسا شخص ہرگز کامیاب نہیں ہوگا۔ خاص طور پر آخرت میں تو وہ جہنم کا مستحق ہو کہ ہر سر نقصان اٹھائے گا۔ اب آج کے درس میں اسلام کے بعد کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دے گا۔ اور نہ ہی اُن کی توبہ قبول کی جائیگی وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں اس طرح کے الفاظ آتے ہیں کہ قیامت کے دن مختلف نیکیاں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گی، مثلاً نماز حاضر ہو کر عرض کرے گی۔ پھر وردگار! میں نماز ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اَنْتَ عَلٰی خَیْرِ تَمِّمْ بہتری پر ہو۔ یعنی تمہارا بدلہ اچھا ہوگا۔ پھر صدقہ آئے گا اور عرض کرے گا، مولا کریم! میں صدقہ ہوں۔ اللہ جل شانہ فرمائیں گے، تمہارا بدلہ بھی اچھا ہے تم بھی بہتری پر ہو۔ جس شخص نے دنیا میں صدقہ کیا ہوگا، اُسے یقیناً اس کا اچھا

آخرت کا دار  
اسلام پر ہے



بدلہ ملے گا۔ اس کے بعد روزہ آئے گا۔ اور عرض کرے گا۔ اَنَا الصَّوْمُ اِلَى اللّٰهِ  
میں روزہ ہوں۔ اللہ فرمائے گا۔ تم بھی بہتری پہ ہو۔ پھر اسلام آئے گا اور عرض کرے گا۔  
سے پروردگار! اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ تو سلام یعنی سلامتی والا یا سلامتی دینے  
والا ہے (یہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک ہے) اور میں اسلام ہوں یعنی مجسم فرمانبردار می ہوں  
میں اطاعت ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ہاں ٹھیک ہے۔ بِكَ اَعْطِیْ وَبِكَ اُخْذُ  
آج میں تیری وجہ سے ہی دوں گا اور تیری وجہ سے موآخذہ کر دوں گا۔ آج سارا  
دار و مدار اس بات پر ہے کہ جس نے اسلام قبول کیا ہے، اس کو اچھا بدلہ ملیگا۔ اور  
جس نے اسلام سے روگردانی کی، اُس کا موآخذہ ہوگا۔ کہ تم نے اسلام کو کیوں نہ قبول کیا

شان نزول

ان آیات کی شان نزول میں مختلف روایات آتی ہیں حضرت عبداللہ بن  
عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انصار مدینہ میں سے کوئی شخص اسلام قبول کرنے  
کے بعد پھر گیا۔ مگر بعد میں اس پر نادم ہوا تاہم بعض شخص ایسے بھی تھے جو اسلام کو  
ترک کرنے کے بعد کفر پر اڑے رہے، منجملہ اُن کے بُشَیْنِ منافق کا ذکر آتا ہے  
جو مرتد ہو کر مشرکین مکہ سے جا ملا۔ یہ شخص اسلام اور اہل اسلام کی سخت مخالفت کرتا رہا  
اسی طرح ابن خطل کے متعلق آتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس کو حضور علیہ السلام  
نے صدقات کی وصولی کے لیے کسی جگہ بھیجا۔ راستے میں خدمت کے لیے ایک  
خادم بھی ہمراہ بھیجا۔ دوران سفر اس خادم نے کھانا تیار کرنے میں دیر کر دی تو اس  
ظالم نے اُس کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ قتل ناحق کے جرم میں اُس کے خلاف مقدمہ  
قائم ہوتا، پھر یا تو وہ قصاص میں قتل کیا جاتا یا دیت پر فیصلہ ہو جاتا اور آخرت کی  
سزا سے بچ جاتا۔ مگر اُس نے دنیا کی سزا قبول کرنے کی بجائے اسلام کو ترک کر دیا اور  
مرتد ہو کر کفار مکہ سے جا ملا۔ وہاں پر اُس نے عیش و عشرت کی زندگی گزارنا شروع کر  
دی۔ اُس کے پاس لونڈیاں تھیں۔ رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتیں جن میں اسلام  
کی توہین اور اللہ کے رسول کی شان میں گستاخی کی جاتی۔ حضور علیہ السلام نے ابن خطل  
سمیت چار آدمیوں کے متعلق حکم دے رکھا تھا کہ یہ جہاں بھی ملیں قتل کر دیے جائیں۔



۸۔ میں حضور علیہ السلام دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ فتح مکہ کے لیے تشریف لائے۔ تو ابن قطل نے بیت اللہ شریف کے پرے پکڑ کر امان چاہی۔ حضور علیہ السلام کو خبر ملی تو اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا چنانچہ اس بد بخت کو مقام ابراہیم اور حجر اسود کے درمیان قتل کر دیا گیا غرضیکہ یہ ان لوگوں میں سے تھا جو مرتد ہونے کے بعد کفر میں اور زیادہ بڑھ گئے۔ ان آیات میں ایسے ہی لوگوں کا تذکرہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں رہنے والے دس یہودی اسلام میں داخل ہوئے مگر بعد میں مرتد ہو گئے یہ آیات ان کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہودیوں کی سازش کا تذکرہ اسی سورۃ میں آچکا ہے۔ کہ وہ آپس میں منصوبہ بناتے تھے کہ دن کے پہلے حصے میں مسلمان ہو جاؤ۔ اور پھر آخری حصے میں اسلام کو ترک کر دو۔ اس طرح وہ لوگ بھی اسلام سے بدظن ہو جائیں گے جو اسلام لا چکے ہیں۔ دوسری طرف یہود کا تعصب بھی اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہ لوگ آخری نبی کے منتظر تھے۔ اور کہتے تھے کہ ہم اس نبی کا ساتھ دیں گے اور اس کے ساتھ مل کر کفار و مشرکین کا مقابلہ کریں گے اور ان پر غلبہ حاصل کریں گے۔ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَابْنِي آخِرَ الزَّمَانِ کے آنے سے پہلے کافروں کے مقابلے میں فتح کی دعائیں کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! اپنے آخری نبی کو مبعوث فرماتا کہ ہم اس کے ساتھ مل کر کافروں پر فتح حاصل کریں مگر اللہ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَهُ ۖ اللَّهُ عَلَى الْكَافِرِينَ ۚ جب وہ نبی برحق آگیا۔ اور ان بد بختوں نے اُسے پہچان بھی لیا، تو انکار کر دیا۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

بعثت رسول  
کی پیش گوئیاں

نبی آخر الزمان علیہ السلام کی بعثت کے متعلق سابقہ کتب میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ بائبل میں اعمال رسل کے باب میں یہ آیت موجود ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے



بنی اسرائیل کے باپ داوود سے کہا "خداوند جو تمہارا خدا ہے، وہ تمہارے بھائیوں میں تمہارے لیے ایک بنی میری مانند اٹھائے گا۔ جو کچھ وہ تمہیں کہے، تم سب اس کو سنو" یہ آیت شیخ الاسلام نے حاشیہ میں نقل کی ہے۔ حضور علیہ السلام کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام نے تو نہایت تاکید کے ساتھ کہا تھا کہ وہ میرے رجب آئینہ والا ہے مگر جب وہ آگیا اور انہوں نے پہچان بھی لیا تو صاف انکار کر گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہود سمجھتے تھے کہ آسمانی ہدایت صرف ان کے لیے مخصوص ہے قرآن پاک میں موجود ہے۔ قَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا وہ کہتے تھے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے علاوہ دوسرے کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ وہ اس زعم میں مبتلا تھے کہ دنیا و آخرت کی تمام کھلائیاں انہی کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر جب وہ بنی آخر الزماں تشریف لے آئے اور اعلان فرمادیا۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ رَافِقُ رَسُولِ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو اہل کتاب ضد اور حسد میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے عناد اور کفر کا اظہار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نشانیوں کو مٹانے کی کوشش کی اور آپ کے متعلق پیشین گوئیوں کو خط ملط کر دیا، اس طرح یہ لوگ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں آگے ہی بڑھتے چلے گئے۔

ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا اللَّهُ تَعَالَى اِيْسَى قَوْمٍ كُوِيَسْ هِدِيْ كَا۔ کفر و ابعاد ایمانہم جنہوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا و شہدوا ان الرسول حق اور گواہی بھی دی کہ بیشک خدا کا رسول برحق ہے۔ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ اور ان کے پاس واضح اور کھلی کھلی نشانیاں بھی آگئیں۔ یاد رکھو! جب تک کوئی قوم ظلم و ستم کرتی ہے گی۔ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْهٰٓئِلِينَ اللہ ایسی قوم کو ہدایت نصیب نہیں کریں گے۔ راہِ راست کے پتے تو شرط ہے کہ انسان اپنی غلطی یا ظلم

ظالم ہر  
محروم ہر



کو ترک کرنے اور خلوص دل سے ہدایت کا طالب ہو، تو اللہ تعالیٰ اُن کے لیے ہدایت  
 راستہ محصول دیکھا۔ مگر یہ لوگ تو بد نیت اور بد کردار ہیں۔ اُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ اَنَّ  
 عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ اُن کا بدلہ تو یہ ہے کہ اُن پر خدا کی پھٹکار ہے اور لعنت  
 ہے۔ لعنت کا معنی خدا کی رحمت سے دوری ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے  
 اُن کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اور پھر یہ کہ وَالْمَلٰٓئِكَةُ اللّٰہ کے فرشتے  
 بھی ان پر لعنت اور پھٹکار کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ رسول کی آمد سے  
 پہلے اُن کو مانتے تھے۔ مگر جب وہ آگئے تو انہوں نے خدا اور عباد کی وجہ سے  
 ان کا انکار کر دیا۔ اور جن لوگوں کا خاتمہ کفر یہ ہوتا ہے وَالنَّاسِ اَجْمَعِينَ  
 اُن پر ساری مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اور اس لعنت کا ثمرہ یہ ہوگا خَلِدِیْنَ  
 فِيْهَا وہ اس لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گرفتار رہیں گے۔ لَا يُخَفَّفُ  
 عَنْهُمْ الْعَذَابُ نہ اُن کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ  
 اور نہ انہیں مہلت ملیگی۔ اُن کو اپنی اصلاح کرنے یا اللہ تعالیٰ کو ملنے کا کوئی  
 موقع نہیں دیا جائے گا۔

قبولیت توبہ

فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ اٰکِبٰتِ ذٰلِكَ اس کے بعد بھی اگر کوئی  
 توبہ کر لے گا تو باب التوبۃ مفتوح اس کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے  
 مطلب یہ کہ مرتد ہونے کے بعد بھی اگر کوئی سچے دل سے توبہ کرے گا، تو وہ قبول ہو  
 سکتی ہے۔ جب تک سورج مشرق کی بجائے مغرب کی طرف سے طلوع نہیں  
 ہوتا، توبہ قبول ہوگی، انسان خواہ کتنا بھی گنہگار ہو۔ پھر یہ ہے کہ توبہ کرنے کے ساتھ  
 ساتھ وَاَصْلِحْ مَوْاِصْلَاحَ بھی کر لیں اور نیک اعمال انجام دیں۔ مولانا اثر علی تھانیؒ  
 فرماتے ہیں کہ اصلحو میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد  
 کو پورا کیا جائے۔ اگر اللہ کے حقوق یعنی فرائض، مناجات، روزہ وغیرہ قضا ہوا  
 ہے۔ تو اس کو ادا کیا جائے اور اگر بندوں کے حقوق ضائع ہوئے ہیں تو پہلے  
 انہیں ادا کیا جائے یا بندوں سے معاف کر لیا جائے۔ اس کے بغیر توبہ قبول



نہیں ہوتی۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے، جو غلطی ہوئی ہے، اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ اگر  
 ان شرائط پر پورا اترے، تو توبہ قبول ہوگی، فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ پس بیشک اللہ تعالیٰ  
 بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی رحمت بڑی وسیع ہے۔ جب اس کی رحمت جوش  
 میں آتی ہے، تو سچے دل سے تائب کی سابقہ برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

عدم قبولیت  
 توبہ

فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ جُنَّ لَوْ كُنُوْا اِيْمَانًا  
 لانے کے بعد کفر کیا۔ ثُمَّ اَزْدَادُوْا كُفْرًا پھر وہ کفر میں بڑھتے چلے گئے۔  
 لَنْ تَقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ اُن کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی، اس کا مطلب یہ ہے  
 کہ انہیں توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوگی۔ ورنہ توبہ کا عام اصول یہ ہے۔ کہ  
 جب تک انسان کے ہوش و حواس قائم ہیں اور اس پر غرغرے کی حالت طاری  
 نہیں ہوتی، اس کی توبہ قبول ہوتی ہے۔ ہاں! الَّذِيْنَ يَفْعَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ  
 جو لوگ برائیوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ موت نظر آ جاتی ہے۔ اُن کی  
 توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جب موت کے فرشتے نظر آنے لگیں، غیب کا پردہ اٹھ  
 جائے تو پھر توبہ کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ توبہ کی عدم قبولیت کا یہی معنی ہے۔  
 فرمایا اَوَّلَئِكَ هُمُ الضَّالُّوْنَ یہی لوگ گمراہ ہیں۔ انہیں توبہ کی توفیق ہی  
 نصیب نہیں ہوئی۔

فدیہ کام  
 نہ آنے کا

فرمایا یاد رکھو! اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا  
 جن لوگوں نے کفر کیا اور پھر کفر کی حالت میں ہی اُن کی موت واقع ہوئی، تو پھر انہی  
 حالت یہ ہوگی فَكُنْ يُقْبَلُ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّثْلُ الْاَرْضِ ذَهَبًا  
 وکوافتدی یہ کہ ان میں سے اگر کوئی شخص سونے سے بھری ہوئی زمین  
 بھی فدیہ میں دینا چاہے گا، تو اس سے قبول نہیں کی جائے گی۔ اول توبہ بات  
 ویسے ہی محال ہے۔ کہ قیامت کے دن کسی شخص کی ملکیت میں زمین بھر سونا ہو  
 اور وہ اُسے اپنی جان کی خلاصی کے لیے دینا چاہے۔ تاہم اگر ایسا ہو بھی جائے۔  
 تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اُس کو کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔



حدیث شریف میں آتا ہے۔ قیامت کے روز ایک شہید شخص کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تمہارا ٹھکانا کیسا ہے۔ عرض کرے گا، مولا کریم! بہت ہی بہترین ٹھکانا ہے۔

— اللہ فرمائے گا، کوئی اور خواہش ہے تو بتاؤ۔ وہ عرض کرے گا، الہی! مجھے دوبارہ دنیا میں جانے کی اجازت دی جائے تاکہ میں پھر تیرے راستے میں لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں۔ اللہ فرمائے گا، اس بات کی اجازت نہیں۔ پھر ایک کافر کو لایا جائے گا۔ اُس سے بھی وہی سوال ہوگا، کہ تمہارا ٹھکانا کیسا ہے۔ عرض کرے گا، شئی مکاناً بہت بُرا ٹھکانا ہے۔ اللہ فرمائے گا، اگر ساری زمین سونے سے بھری ہوئی تیرے قبضے میں ہو، تو کیا تو اپنی جان کا فدیہ جینے کے لیے تیار ہے۔ عرض کرے گا، پروردگار میں بالکل تیار ہوں، اللہ فرمائیگا، تو جھوٹا ہے۔ میں نے تم سے ایک معمولی سا مطالبہ کیا تھا کہ مجھے وعدہ لا شریک مان لو، اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کر دو۔ یہ کون سی مشکل بات تھی۔ مگر تم نے نہ مانا اور کفر کا راستہ اختیار کیا۔ آج زمین بھر سونا فدیہ دینا چاہتے ہو مگر یہ بھی قبول نہیں ہوگا۔ فرمایا اُولَیْکَ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ایسے لوگوں کے لیے درناک عذاب ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے عذاب کے تمام نہریلے مادے اپنے اندر جمع کر رکھے ہیں۔ انہیں نہایت ہی دکھ دینے والا عذاب پہنچتا ہے گا۔ وَمَا لَہُمْ مِنْ نَّاصِرٍ مِّنْ کَاکُوْنِیْ مددگار نہیں ہوگا۔ دنیا میں تو انسان لاکھوں جیلے بہانے اختیار کر لیتا ہے۔ کہیں افرادی قوت میسر آجاتی ہے۔ کہیں رشوت اور سفارت کام کر جاتی ہے۔ مگر قیامت کے دن اس قسم کا کوئی جیلہ کارگر نہ ہوگا۔ کفر کرنے والے بے بس ہو جائیں گے۔ اور ابدی سزا کے مستحق ٹھہریں گے۔



لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس سی ویکہ ۳

آیت ۹۲

(۲) الْجَنَّةِ السَّابِعِ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ۚ  
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۙ (۹۲)

ترجمہ: ہرگز نہ حاصل نہ کر سکو گے نیکی یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس چیز میں سے جسے تم پسند کرتے ہو۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے (۹۲)

ربط آیات

سورۃ آل عمران کے ابتدائی حصے میں زیادہ تر نصاریٰ کی تردید کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غلط عقائد کا رد فرمایا ہے۔ اور انہیں اصلاح کی دعوت دی ہے تاہم اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے یہودیوں کا ذکر بھی آگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بھی خرابیاں بیان کی ہیں، اور ان کے غلط عقائد کی تردید کی ہے اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کا خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ دین اسلام کے بہ حق ہونے کا تذکرہ کیا ہے اور اس کی پیروی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ نیز واضح فرمایا ہے کہ اسلام کے سوا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول نہیں کرے گا۔ اور اسلام کے علاوہ کسی دین میں کمیابی ممکن نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہدایت اختیار کرنے کے بعد دوبارہ گمراہی کے راستہ پر چل نکلنے والوں کا رد فرمایا ہے۔ اور ان کی سزا کا تذکرہ کیا ہے اس سے پہلے بیان کیا تھا کہ جو لوگ کفر کی حالت میں مر گئے تو انکو وہ زمین بھر سونا بھی فدیہ کے طور پر قیامت کو دینا چاہیں گے، تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ کافر کی نجات ہرگز ممکن نہیں۔ اس کی طرف سے دنیا میں خرچ کیا ہوا مال کسی کام نہ آئیگا۔

قبولیت کا دار  
ایمان پر ہے

آج کی آیت میں اہل ایمان سے خطاب ہے۔ انہیں یاد دہانی کرائی جا رہی ہے کہ کافر خواہ کتنا بھی مال خرچ کریں۔ شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتے



البتہ اہل ایمان محض ہی سی چیز بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا تو اجر عظیم کا مستحق ٹھہرے گا۔ مقصد یہ کہ قبولیت کا مدار اسلام اور ایمان پر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے أَخْلَصُ دِينِكَ يَكْفِيكَ قَلِيلٌ مِّنَ الْعَمَلِ اپنے دین میں اخلاص پیدا کر دو، محض اعمل بھی تمہارے لیے کفایت کرے گا۔ أَخْلَصَ اللَّهُ تَعَالَىٰ كِي وَحْدَانِيَّتِهِ کو تسلیم کرنے سے عبادت کی اصلاح فرمانبرداری اور نیت کی درستگی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہذا جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہو، تو اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز خرچ کر دو، تاکہ تمہیں اعلیٰ درجے کی نیکی حاصل ہو جائے۔

برہ اور ائمہ

برہ اور برہ کی اصطلاحیں قرآن و سنت میں کثرت سے استعمال ہوئی ہیں۔ کہ برہ سے مراد جنت بھی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہی کے ذریعے کوئی شخص جنت میں داخل ہو سکتا ہے۔ یا مطلقاً برہ سے مراد نیکی ہے، جس کی ادائیگی کے بعد انسان کو اچھا بدلہ مل سکتا ہے۔ مگر جب تک وہ اپنی محبوب چیز کو خرچ نہیں کرے گا۔ اعلیٰ درجے کا معیار حاصل نہیں ہو سکتا۔ ان معانی میں پہلی آیتوں کے ساتھ ربط بھی پیدا ہو جائے گا۔ اہل کتاب اس لیے ایمان نہیں لاتے کہ انہیں اپنی محبوب چیز دھڑھڑاہٹ کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ بخران کے نصاریٰ نے یہی تو کہا تھا کہ اگر ہم ایمان قبول کر لیں تو ان کی جاگیر اور اعزاز ختم ہو جائے گا۔ مقصد یہ کہ اگر اعلیٰ درجے کی نیکی چاہتے ہو، تو ان سب چیزوں کو قربان کرنا پڑے گا۔ محبوب چیز خواہ مال و دولت ہو یا جاہ و حشمت ان کی قربانی دنیا پڑے گی۔ مگر اہل کتاب اس کے لیے تیار نہ تھے۔

بکہ اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بھی ہے الْكَبَرُ الشَّرِيفُ بہت احسان کرنے والا خدا تعالیٰ ہی ہے۔ باریجو کار آدمی کو کہتے ہیں۔ اور اس کی جمع ابرار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابرار یعنی نیکیوں کا بندوں کی تعریف فرمائی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا۔ حضرت! برہ کس کو کہتے ہیں فرمایا الْبَرُّ مَا أَطْعَمَ إِنْ يَسِدِ النَّفْسُ یعنی برہ وہ ہے جس



سے نفس کو اطمینان حاصل ہو۔ اور اثم وہ ہے۔ مَا حَاكَ فِي الصَّدْرِ وَ  
كَرِهْتَ أَنْ يَطَّلَعَ عَلَيْكَ النَّاسُ مِنْ دِلِّهِمْ كَهَيْدَةٍ اِهْمُورِ اور اثم  
یہ پسند نہ کرے۔ کہ لوگ اس پر مطلع ہوں۔ ایسی چیز کو ترک کرنا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ کہ بہر ایسا کام ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی  
اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کی طرف سے الہام پاکر اس کی مراد میں فنا ہو کر  
کیا جائے۔ نیز ہر ایسا کام برہ کی تعریف میں آتا ہے جس کی وجہ سے ارتقاات میں  
اصلاح پیدا ہوتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، حجابات  
ہٹتے ہیں۔ اور ایسے اعمال کی بدولت دنیا اور آخرت میں اچھا نتیجہ ملتا ہے۔ برخلاف  
اس کے اثم ایسا فعل ہے، جو شیطان کی اطاعت کے جذبے سے انجام دیا  
جاتا ہے اس سے ارتقاات میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور دنیا کے طور طریقوں میں  
فساد برپا ہوتا ہے، ایسا فعل انسان میں حجابات پیدا کرتا ہے۔ اور نافرمانی کے  
جذبے کو ابھارتا ہے۔ یہ اثم ہے۔ اور اس کا نتیجہ دنیا و آخرت ہر دو مقامات پر  
بڑا ہی مرتب ہوتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا

تَحِبُّونَ ہرگز نہ پاؤ گے تم اعلیٰ درجے کی نیکی یہاں تک کہ اُس چیز میں سے  
خرچ کر دو جسے تم پسند کرتے ہو۔ سارا مال خرچ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ  
نیک کی مثالیں  
ممکن سے مراد ہے اپنی استطاعت کے مطابق۔ جب حضرت ابو طلحہؓ نے  
یہ آیت سنی تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت  
میرے باغات میں سے میرا مجھے بہت محبوب ہے میں اسے اللہ  
کی راہ میں دینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کو مناسب جگہ پر صرف فرمائیں۔ فرمایا،  
نوب، یہ مال بڑا فائدہ دینے والا ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے۔ کہ اسے اپنے غریب  
رشتہ داروں میں تقسیم کر دو۔ چنانچہ ابو طلحہؓ نے وہ باغ اپنے تین چار اقرباء میں تقسیم  
کر دیا۔ اس میں میٹھا پانی بھی تھا۔ حضور علیہ السلام کبھی کبھی اس باغ میں تشریف لے



جاتے اور اس کے کنوئیں کا پانی نوش فرماتے۔ حضرت عمرؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ جو زمین مجھے خیر میں ملی ہے وہ مجھے اپنے اموال میں سے زیادہ پیاری ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے اللہ کی راہ میں دے دوں۔ آپؐ نے فرمایا اسے وقف کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زیدؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: میرے پاس بڑی اچھی چال والا ایک گھوڑا ہے اور وہ مجھے بڑا محبوب ہے، میں اسے اللہ کی راہ میں دنیا چاہتا ہوں سرور کائنات نے فرمایا، بہت اچھی بات ہے دے دو۔ عرض کیا، حضور! جسے آپؐ مناسب سمجھیں دے دیں۔ آپؐ نے وہ گھوڑا زیدؓ ہی کے بیٹے حضرت اسامہؓ کو دے دیا تاکہ وہ اسے جہاد میں استعمال کر سکیں۔ اس پر زیدؓ کو کچھ تہہ و تدہ ہوا۔ کہ میں تو اللہ کی راہ میں دنیا چاہتا تھا، مگر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے اپنے بیٹے کو ہی عنایت کر دیا۔ حضور علیہ السلام کو تہہ چلا، تو فرمایا، تہہ و دست کرو۔ جب تم نے اللہ کی راہ میں دے دیا تو اللہ نے اسے قبول کر لیا، تمہارا بیٹا اس کا مستحق تھا، لہذا تمہارے صدر تے میں کوئی کچھ نہیں آئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس ایک بڑی اچھی رومی لونڈی تھی جو آپؐ کو بڑی عزیز تھی۔ آپؐ اسے اس کو اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔ خود فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر میں اپنی دی ہوئی چیزوں میں سے واپس لینا چاہتا تو یقیناً اس سے نکاح کر لیتا۔ مگر میں اس کو فی سبیل اللہ آزاد کر چکا ہوں۔ پھر آپؐ نے مشورہ کر کے اپنے شاگرد و نافعؓ سے اس لونڈی کا نکاح کر دیا۔ مقصد یہ کہ اپنی محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بلاشبہ اعلیٰ درجے کی نیکی ہے۔

پچھلی سورۃ میں گمزہ چکا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں اچھی چیز خرچ کرنا چاہیے نہ کہ رومی چیز۔ جب تم خود ناقص چیز پسند نہیں کرتے تو ایسی چیز اللہ کی راہ میں کیسے دیتے ہو۔ حکم تفریہ ہے۔ اَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ



وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ "یعنی اپنی کھائی میں سے اچھی سے اچھی اور پاکیزہ سے پاکیزہ چیز خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ کسی نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا۔ حضور! کونسا غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے۔ فرمایا جو مالک کے نزدیک زیادہ پیارا ہو۔ جیسا کہ قربانی کے ضمن میں آتا ہے کہ اچھے سے اچھا، خوب موٹا تازہ، پالا پوسا ہوا جانور اللہ کی راہ میں قربان کرو۔ اس سے اجر بھی زیادہ ملے گا۔

یہ چند مثالیں ہیں نے عرض کر دیں۔ صحابہ کرامؓ عام طور پر اعلیٰ سے اعلیٰ چیز محبوب چیز خدا کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ اتفاق فی سبیل اللہ تھوڑا ہو یا زیادہ ایمان، اسلام اور اطاعت کے جذبہ سے ہو گا، تو قبولیت کے درجہ کو پہنچے گا۔ اور اس کا اجر بھی اعلیٰ درجے کا ہو گا۔ یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خرچ کا تعلق صرف مال کے ساتھ ہی نہیں بلکہ جو بھی کسی کے پاس محبوب چیز ہے، اُس کی قربانی سے کمر اعلیٰ مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو جاہ اور حکومت پیاری ہے تو اُس کو قربان کرنا ہو گا۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عہدہ اور منصب کے ذریعے مخلوق خدا کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ اور اپنے ذہن سے ظالم اور جابر حاکم کا زعم نکال دے۔ یہی اس کی قربانی ہے۔ اگر کوئی حاکم کسی کا جائز کام نہیں کرتا، ناجائز ذرائع سے مال اکٹھا کرتا ہے، اپنے آرام و آسائش کی فکر میں رہتا ہے، جو کوئی کو بھٹی، کار خادم اور دیگر آرام و آسائش کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ تو اُسے اعلیٰ درجے کی نیچی کہاں حاصل ہو سکتی ہے، اُسے تو یہ چیزیں قربان کرنا ہوں گی۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے۔

بیچ خیر از چشمک زرشش مجو

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا

سونا کھینچنے والی نگاہوں سے کبھی نیچی کی امید نہ رکھو، جو شخص مال اکٹھا کر سنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ وہ نیچی کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔ نیچی تو جب حاصل ہوگی جب اپنی محبوب چیز کی قربانی کر دے۔



سرمایہ داری نظام میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ ہر شخص اپنے بنک بیلنس کی فکرمیں رہتا ہے جائز و ناجائز، حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں۔ مال آنا چاہیے خواہ کسی راستے سے آئے مگر دوسرے کے ساتھ نیکی کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ جو شخص خود دوسروں کا خون چرتا ہے۔ حرام کھاتا ہے، سود خور ہے، لوگوں کی حق تلفی کرتا ہے، اس سے نیکی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اسی لیے قرآن نے سرمایہ دارانہ نظام کو لعنتی نظام قرار دیا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس سب لعنتی نظام معیشت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ وسائل معیشت اکثر ناجائز ہیں۔ مال اکٹھا کرنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے، دوسری طرف الحادی نظام ہے۔ یہ سراسر خدا تعالیٰ اور شارع الہیہ کا انکار ہے۔ روس اور چین وغیرہ میں یہی نظام ہے مگر سرمایہ دارانہ نظام کی طرح یہ اشتراکی نظام بھی ملعون ہے۔ ہاں جو نظام معیشت انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا ہے۔ یہی صحیح اسلامی نظام ہے۔ اس کے ذرائع آمدن بھی جائز ہیں اور یہ حرام چیزوں پر خرچ بھی نہیں ہوتا۔ اس میں تعیش اور حرام خوردی نہیں ہے۔ یہ نظام ناداروں اور غریبوں کی مدد کرتا ہے، مظلوم کو اس کا حق دلاتا ہے۔ یتیموں کے سر پر دستِ شفقت رکھتا ہے۔ اور بیواؤں کا سہارا بنتا ہے۔ اس نظام کے اپنانے والے مال اکٹھا نہیں کرتے، انہیں جاہ و حشمت کی کوئی خواہش نہیں ہوتی، بلکہ ان میں قربانی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔

تاجروں کے لیے لمحہ فکرمیہ

کسی قوم اور ملک کی معیشت میں تاجر حضرات مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ اگر ان کا رویہ مثبت ہوگا، حرام کی کھائی سے بچیں گے، تو دنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیاب ہوں گے، ورنہ خوار ہوں گے، حضور علیہ السلام نے تاجروں کو مخاطب کر کے فرمایا، اے تاجروں کے گمراہ! یاد رکھو، قیامت کے دن اکثر تاجر تاجر اٹھائے جائیں گے۔ اِلَّا مَنْ اَعْطٰی وَبَرَ وَصَدَقَ سوائے اُس کے جو نیکی والا ہوگا، سچائی والا ہوگا، اور تقویٰ والا ہوگا، ایسے ہی لوگ نبیوں۔ صدیقوں، شہیدوں اور نیکو کاروں کی قطار میں کھڑے ہوں گے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار میں تشریف لے گئے اور فرمایا، اے تجار! میں تم کو ایک بات کہتا ہوں، تم



دو چیزوں کے والی بنائے گئے ہو۔ انہی دو چیزوں کی وجہ سے پہلی کئی امتیں تباہ ہوئیں فرمایا وہ دو چیزیں الکیل والوزن ترازو اور پیمانہ ہیں۔ ان میں کبھی بیشی کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوموں کو ہلاک کیا، عذاب میں مبتلا کیا، یہ لوگوں کی حق تلفی کرتے تھے۔ **وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ** میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ ماپ تول میں کبھی بیشی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے سورۃ الزمر میں فرمایا۔ **وَاقِمُْوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ** ترازو میں کبھی نہ کم کرو، بلکہ پورا پورا تولو۔ انصاف کرو، نا انصافی نہ کرو۔

اسراف و  
تبذیر

بہر حال اسلام کے علاوہ جو بھی نظام معیشت ہے، سب ملعون ہے۔ یہ انسانیت کے خلاف ہے۔ البتہ اسلام کا نظام اور انبیاء کا نظام بالکل الگ ہے۔ اس میں حلال و حرام کی پابندیاں، اسراف و تبذیر کی پابندیاں ہیں۔ اسی لیے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ** یہ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ مومن جب کلمہ پڑھ لیتا ہے۔ تو پھر اس پر بہت سی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں۔ نہ وہ حرام مال حاصل کر سکتا ہے اور نہ حرام مصمت پر خرچ کر سکتا ہے۔ آج کل فضول رسوائی میں بے دریغ روپیہ صرف کیا جا رہا ہے اور اسے بڑی عزت سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ سراسر اسراف ہے۔ قرآن پاک نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا ہے۔ **إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ** حضرت شاہ محمد یعقوبؒ بھوپالیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان اسراف کو بڑی عزت سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ صریحاً خلاف شرع ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ مسلمان کی عادت بن چکی ہے۔ کہ شادی میں تمام رشتہ داروں کو بلایا جاتا ہے۔ صاحب خانہ کی خواہش ہوتی ہے کہ اس موقع پر کوئی رشتہ دار ناراض نہیں رہنا چاہیے۔ سب کو مننت سماجیت کر کے راضی کیا جاتا ہے اور تقریب میں بلایا جاتا ہے البتہ اپنی غلط رسوم اور اسراف کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کو رخصت کیا کہ وہ چاہتا ہے۔ مطلب یہ کہ آپ جائیں، ہمارے لیے ہمارے



رشتہ دار کافی ہیں۔ اس طرح اللہ کے احکام کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ اب دیکھئے۔  
ربیع الاول آ رہا ہے۔ مسلمان جھنڈیاں لگا کر حضور علیہ السلام کی اتباع کا دعویدار بن  
رہا ہے۔ مگر یہ نہیں سوچتا کہ وہ اسراف کا ارتکاب کر کے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
کی مخالفت کر رہا ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ہر گز نہ پاسکو گے اعلیٰ درجے کی نیچی ہیاں تک  
کہ تم اپنی پسندیدہ چیز کو خرچ کرو۔ وَمَا اتُّفِفْتُمْ مِنْ شَيْءٍ اور تم جو کچھ خرچ  
کرو، فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جاننے والا ہے  
اُسے علم ہے۔ کہ تم کس نیت اور جذبے کے تحت خرچ کر رہے ہو۔ لہذا اس  
کا بدلہ بھی نیت اور جذبے کے مطابق ہی ملیگا۔



لَنْ تَنَالُوا ۚ

آل عمران ۳

## درس ہی و دو ۳۲

آیت ۹۳ تا ۹۵

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَّا مَا  
حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ  
تُنَزَّلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَاتَّبِعُوا تَوْارِثَ  
فَاتَّبِعُوا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ  
افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ  
فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٩٤﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ  
فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ  
مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

ترجمہ: بنی اسرائیل کے لیے ہر قسم کی کھانے کی چیزیں حلال تھیں سوائے اُن کے جن کو اسرائیل (علیہ السلام) نے خود اپنے اُوپر حرام قرار دیا تھا، اس سے قبل کہ تورات نازل ہو۔ آپ کہہ دیجئے اے پیغمبر (علیہ السلام) ! تورات لاؤ اور اس کو پڑھو، اگر تم سچے ہو۔ (۹۳) جو شخص اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے، اس کے بعد، پس یہی لوگ بڑے بے انصاف ہیں۔ (۹۴) اے پیغمبر (علیہ وسلم) ! آپ کہہ دیجئے، اللہ نے سچ فرمایا ہے۔ پس تابعداری کرو ملت ابراہیم (علیہ السلام) کی جو حنیف تھے۔ اور وہ شرک کرنے والوں میں نہیں تھے۔ (۹۵)

گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے اصول بیان کر کے واضح شانِ نزول کیا تھا۔ کہ ملتِ ابراہیم، حنیفیت یا اسلام کا مطلب ایک ہی ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام نے اہل کتاب کو اسی ملتِ ابراہیمی کی طرف دعوت دی۔ اور فرمایا



کہ ملتِ ابراہیمی کے اصل پیروکار اہل اسلام ہیں۔ لہذا اہل کتاب کو چاہیے کہ وہ بھی مسلمانوں کے طریقے کے مطابق ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں۔ اس کے برخلاف یہودیوں کا دعویٰ یہ تھا کہ اصل ابراہیمی وہ ہیں۔ انہوں نے جواباً کہا کہ اگر مسلمانوں کو ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ ہے تو پھر ملتِ ابراہیمی میں حرام کردہ چیزوں کو وہ کیوں حلال سمجھتے ہیں۔ اُن کی مراد اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے دودھ سے محض، جسے اہل کتاب حرام سمجھتے تھے مگر مسلمان اس کو حلال جانتے ہوئے استعمال کرتے تھے۔ یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اگر مسلمان ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں۔ تو پھر اُس ملت کے قائم کردہ بیت المقدس کو قبلہ کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیات نہ پر درس نازل فرمائیں اور واضح کیا۔ کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار نہیں دیا بلکہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے نذر کی تکمیل میں خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اور پھر اُن کے اتباع میں اُن کی اولاد نے بھی ان چیزوں کو حلال نہ سمجھا۔ اہل کتاب کے دوسرے سوال یعنی تحویل قبلہ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ فُتِّیْ فِيْہِ لَہٗ فَاکْفُرْ میں وضاحت فرمادی ہے۔

یہودیوں کے چار سوال مستدرک حاکم اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے درجہ اول کی صحیح حدیث موجود ہے۔ کہ یہودیوں نے حضور علیہ السلام سے سوال کیا تھا۔ کہ یعقوب علیہ السلام نے کس چیز کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام جن کا لقب اسرائیل یعنی اللہ کا بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی تھی کہ تم کو بیٹا دوں گا یعنی اسحاق علیہ السلام وَمِنْ ذُرِّیَّتِہٖ اِسْحٰقُ یَعْقُوْبُ اور بیٹے کے بعد لو تو یعقوب علیہ السلام بھی دوں گا۔ جسے آپ اپنی زندگی میں دیکھ لیں گے۔ یعقوب عقب کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی پیچھے آنے والا ہے چنانچہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اور پھر آپ کے بارہ



بیٹوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی جن کی تعداد لاکھوں کروڑوں تک پہنچ گئی۔

صنوبر بنی کریم علیہ السلام نے یہودیوں کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری لاحق ہو گئی تھی جس کو سنگریسی کا درد بھی کہتے ہیں۔ نسا کے متعلق مشہور ہے کہ یہ رگ ہے۔ مسخر حقیقت یہ ہے یہ پھٹ ہوتا ہے۔ جو کہ لہے سے شروع ہو کر ران سے ہوتا ہوا انگوٹھے تک جاتا ہے یہ درد عرق النساء کہلاتا ہے۔ یہ درد بھی ٹانگ کے ایک طرف ہوتا ہے اور کبھی دونوں طرف۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہی عارضہ تھا۔ انہوں نے نذر مانی کہ اللہ نے صحت عطا فرمائی تو میں اپنی خوراک میں سے مرغوب چیز کھانا ترک کر دوں گا۔ آپ کے نزدیک مرغوب اشیا میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا درد دھرتھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت عطا فرمائی، تو آپ نے ان چیزوں کو ترک کر کے اپنی منہ پوری کی مقصد یہ کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کی تھیں۔ بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں یہودی اس جواب سے مطمئن ہو گئے۔

ایک دوسری روایت میں یوں آتا ہے۔ کہ یہودیوں نے بنی اکرم سے کہا کہ ہم آپ سے بعض ایسی باتیں پوچھنا چاہتے ہیں، جن کا جواب بنی کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا۔ آپ نے فرمایا، اگر میں نے ان باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا تو پھر تمہیں ایمان لانا ہو گا۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ یہودیوں کا پہلا سوال یہی تھا، جس کا ذکر آچکا ہے۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کون سی چیز اپنے اوپر حرام قرار دی تھی۔ مذکورہ جواب سن کر یہودیوں نے اس کی تصدیق کی۔

یہودیوں کا دوسرا سوال یہ تھا کہ ماں کے پیٹ میں تفریق جنس کس طرح واقع ہوتی ہے۔ یعنی بچہ یا بچی کیسے بنتے ہیں آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ مرد کے مادہ تولید رنگت میں سفید اور قوام میں گاڑھا ہوتا ہے۔ یہ خلاف اس



کے عورت کا مادہ زنگت میں زرد قوام میں رقیق یا تپلا ہوتا ہے۔ فرمایا دونوں مادہ ٹائے تولید میں جس مادہ کا غلبہ ہوتا ہے، وہی جنس پیدا ہوتی ہے۔ حدیث میں علی کا لفظ آتا ہے یعنی جو نسا مادہ غالب آجائے۔ رہا یہ سوال کہ غالب کس طرح آتا ہے۔ تو اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً خاصیت میں، وصف میں یا مقدار میں غلبہ ہو سکتا ہے بہر حال جس مادہ کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے، تولد ہونے والا بچہ اسی جنس میں ڈھل جاتا ہے۔ یہودیوں نے کہا کہ جواب درست ہے۔

یہودیوں کا تیسرا سوال یہ تھا کہ نبی آخر الزمان کی نشانی کیا ہے۔ آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ام عینہ ولا ینام قلبہ اس کی آنکھ سوتی ہے۔ مگر دل بیدار رہتا ہے۔ یہودیوں نے اس جواب کی بھی تصدیق کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ان سوالوں کے جواب مجھے معلوم نہ تھے، حتیٰ کہ اللہ کی جانب سے جبرائیل علیہ السلام نے آکر یہ جواب مجھے بتائے تو میں نے یہودیوں کو بتائیے۔

یہودیوں نے چوتھا سوال یہ کیا کہ فرشتوں میں سے نبی امی کا دوست فرشتہ کون سا ہے۔ تو نبی علیہ السلام نے جواب دیا، اُن کا دوست جبرائیل فرشتہ ہے اس سوال پر یہودی بدک گئے کہ جبرائیل کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ اس فرشتہ نے ہمارے آباؤ اجداد کو تکالیف دی ہیں۔ ہم اس کو نبی آخر الزمان علیہ السلام کا دوست تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح یہودیوں نے چوتھے سوال کے جواب کا انکار کر کے ایمان لانے سے انکار کر دیا حالانکہ پہلے اس کا وعدہ کر چکے تھے۔

حلتِ حرمت الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کُلُّ الطَّعَامِ کَانَ حِلًّا لِّبَنیِ اِسْرَآئِیلَ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کے لیے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں۔ طعام سے مراد کھانے پینے کی چیزیں ہیں۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ کُلُّ الطَّعَامِ سے وہ چیزیں مراد ہیں جو کھانے پینے کے کام آتی ہیں۔ وہ سب حلال تھیں سوائے اُن کے جن کا ذکر سورہ نسا کے پہلے رکوع میں آجائے گا۔ بعض حرام چیزوں کا



ذکر سورۃ اعراف میں بھی آتا ہے۔ اس کے علاوہ وحی الہی کے ذریعے حرام کردہ چیزیں مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور نذر بغیر اللہ بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال نہیں تھیں۔ البتہ کھانے پینے کی عام چیزیں اور ہمیۃ الانعام یعنی بھیڑ بکری یا اسی قسم کے دیگر جانوروں کا گوشت، دال، ہنری، روٹی وغیرہ تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ ہاں الْأَمْحَاكُ اور رَأْسُ رَأْسٍ علیٰ نفسہ جو چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بذریعہ نذر خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں، وہ خاص انہی کے واسطے حرام تھیں۔ اور وہ بھی مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْزِلَ التَّوْرَةُ تورات کے نازل ہونے سے سینکڑوں سال پہلے۔ مگر ان کی دیکھا دیکھی ان کی اولاد نے بھی اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ استعمال کرنا ترک کر دیا، حالانکہ یہ ان کے لیے بالکل جائز تھا۔ اور تورات میں ان چیزوں کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہودیوں نے یہ غلط مشہور کر دیا تھا کہ یہ چیزیں تورات کے حکم سے حرام ہوئی ہیں۔ یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے دینا اللہ کے حکم سے تھا یا ان کے ذاتی اجتہاد کی وجہ سے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حرمت دونوں طرح سے جائز ہے سابقہ شریعت میں کوئی چیز اللہ کے حکم سے بھی حرام ہو سکتی تھی اور بنی کے اجتہاد سے بھی ایسا ہو سکتا تھا۔ اور مسئلہ زیر بحث میں دونوں ذرائع کا امکان موجود ہے البتہ ہماری شریعت میں کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا درست نہیں ہے۔ ہماری شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نذر کے طور پر بھی کسی حلال چیز کو اپنے آپ پر حرام کر لیتا ہے تو ایسی نذر کو پورا کرنا ضروری نہیں، بلکہ ایسی نذر کا توڑنا ضروری ہے۔ اور ایسی نذر کے کفائے کا ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے بعض بیویوں کی خوشنودی کی خاطر ایک لونڈی کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا تھا۔ یا سلم شریف کی روایت کے مطابق شہد پینے کو حرام کر لیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ تحریم میں حکم نازل فرما دیا يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ اے نبی! آپ اس

مختلف شریعت  
کے احکام  
میں منسرق



چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں۔ جو اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دی ہے۔ پھر آگے فرمایا "قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ" اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے کہ قسمیں توڑ دی جائیں۔ ہماری شریعت میں یہ حکم ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی حلال چیز کو خود اپنے آپ پر حرام قرار دے لیتا ہے۔ تو قسم واقع ہو جاتی ہے، جسے توڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کی شریعت میں یہ ضروری نہیں تھا۔ لہذا انہوں نے اپنی قسم کو پورا کرتے ہوئے اپنے آپ پر دو چیزیں حرام کر لی تھیں۔

اور یہ تورات کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ تورات تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور یعقوب علیہ السلام نے آپ کے سینکڑوں سال پہلے ایسا کیا تھا۔ اور وہ صحت یابی پر نذر کی صورت میں، نہ کہ ملتِ ابراہیمی کے حکم کی حیثیت سے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود اونٹ کا گوشت کھاتے تھے، آپ کے اُسے اپنی اولاد کے لیے حرام بھی قرار نہیں دیا۔ بنو اسماعیل میں اونٹ کے گوشت اور دودھ کے ترک کی کبھی نوبت نہیں آئی، البتہ بنو اسحاق میں سے صرف حضرت یعقوب علیہ السلام نے قسم کی تکمیل میں یہ چیزیں چھوڑ دیں تھیں۔ انہوں نے اپنی اولاد کو بھی ان کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا۔ یہ تو آپ کی اولاد کی محض اپنی صوابدید تھی کہ انہوں نے بھی ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔

ہاں! تورات نے بعض دوسری چیزوں کو بنی اسرائیل کی سرکشی کی وجہ سے اُن پر حرام کر دیا تھا۔ ان اشیاء کا ذکر سورہ نساء کے آخر میں اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آئے گا۔ "فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ" یعنی بنی اسرائیل کی شرارتوں کی وجہ سے ہم نے کئی حلال چیزیں اُن پر حرام کر دیں۔ اُن پر گائے کا گوشت حلال تھا مگر چربی حرام تھی انہیں ایک ایک بوٹی سے چربی علیحدہ کرنے کی مشقت بہداشت کرنا پڑتی تھی۔ صرف آنت کی چربی حلال تھی۔ اُن کے لیے بعض دیگر جانور بھی حرام قرار دیے گئے تھے۔ حالانکہ ملتِ ابراہیمی میں یہ تمام چیزیں جائز تھیں۔



یہودیوں کی  
کذب بیانی

چونکہ یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ — اونٹ کے گوشت اور دودھ کی حرمت کا حکم تورات میں موجود ہے۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسَلِّ  
فَاتُوا بِالشُّرَاةِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ ان سے کہ دیں کہ اگر تم اپنے دعویٰ  
میں سچے ہو، تو تورات لے آؤ، فَاتْلُوْهَا اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ  
اُس کو پڑھو، تو معلوم ہو جائے گا کہ تم اپنے دعوئے میں کہاں تک سچے ہو۔ ظاہر ہے  
کہ تورات میں ان چیزوں کی حرمت کا حکم نہیں نکلے گا۔ کیونکہ یہ چیزیں تو یعقوب علیہ السلام  
نے سینکڑوں سال پہلے خود اپنے اُپر پرہیز کی تھیں، لہذا تورات میں ان کا حکم ثابت  
نہیں ہو سکتا۔

یہودیوں نے اس چیلنج کو قبول نہ کیا۔ اگر وہ تورات لا کر پڑھتے تو یہ حکم ثابت  
نہ کر سکتے اور جھوٹے ثابت ہوتے۔ اس سے قبل زنا کی سزا کے متعلق بھی ان کی  
کذب بیانی ہو چکی تھی۔ اس کا ذکر سورہ مائدہ میں آئے گا۔ واقعہ یہ ہوا کہ خیبر کے ایک  
مرد اور عورت زنا کے جرم میں ملوث ہوئے۔ جب یہ مقدمہ آنحضرت علیہ السلام  
کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو آپ نے فرمایا کہ تورات میں اس جرم کی کیا سزا مقرر  
ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ تورات کا حکم یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کو کوڑے مارے جائیں  
اور ان کا منہ کالا کر کے گدھے پر الٹے رُخ

بٹھایا جائے۔ اسپر آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ تورات میں زانیین کے رجم کا حکم ہے  
تورات لا کر پڑھو۔ جب تورات لائی گئی تو یہودیوں نے اصل حکم پر انگلی رکھ لی۔  
مگر حضرت عبد اللہ بن سلامؓ کے ذریعے اصل حکم واضح ہو گیا کہ زانی اور زانیہ شادی  
شدہ کو بیشک جان سے مارا جائے۔ چنانچہ اس حکم کے مطابق خیبر کے بدکاروں  
کو سنگسار کر دیا گیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت اور اونٹنی کے  
دودھ کے متعلق بھی یہودیوں سے فرمایا کہ اگر ان کی حرمت کا حکم تورات میں  
موجود ہے۔ تو تورات لاؤ اور پڑھ کر دیکھ لو۔ مگر یہودی چونکہ جھوٹے تھے، انہوں  
نے تورات لانے کی جرأت نہ کی۔ اگر تورات لے آتے تو حرمت کا حکم ثابت نہ کر سکتے۔



چنانچہ اسی واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا فَمَنْ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ  
الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ یعنی جو کوئی حق واضح ہو جانے کے بعد اللہ پر جھوٹ  
 بانہوتا ہے۔ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ تو جان لو کہ یہی لوگ ظالم ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کے طور پر فرمایا فَلْصَدَقَ اللَّهُ  
 اے نبی علیہ السلام! آپ کہ دیں کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے۔ اور ملتِ ابراہیمی کے  
 اصول واضح کر دیے ہیں۔ اور آپ ان کی دعوت مینے والے ہیں۔ اور اُس پر قائم ہیں۔  
 البتہ خود یہودی ملتِ ابراہیمی کو چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے خدا کی کتابوں میں تحریف کی ہے  
 اور عمدہ اچھوٹ بولا ہے۔ اب جب کہ حق واضح ہو گیا ہے۔ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ  
إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا پس ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا اتباع کرو۔ یہی

دین اسلام ہے۔ اور یہی حنیفیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خود حنیف  
 تھے، حنیف وہ ہے جو اللہ کی توحید پر ایمان لاتا ہے۔ قبلے کی طرف رخ کر کے  
 نماز پڑھتا ہے۔ ختنہ کرتا ہے اور بیت اللہ کا حج کرتا ہے۔ لہذا تم بھی حنیف

بن جاؤ۔ ہر طرف سے کٹ کر ایک خدا وحدہ لا شریک پر ایمان لے آؤ۔ اور  
 ملتِ ابراہیم کا اتباع کرو۔ پہلے گنہگار چکا ہے۔ إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ  
لِلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا اپنے دور میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ تھے، جنہوں نے ان کی پیروی کی۔ اور  
 اس دور میں یہ نبی آخر الزماں علیہ السلام اور اس پر ایمان لانے والے لوگ ہیں۔ یہی لوگ  
 آپ کی ملت کے پیروکار ہیں۔ یہودی تو ملتِ ابراہیمی کے تارک ہیں۔ انہوں نے

ملت کو مسخ کر دیا۔ تورات کے احکام میں تحریف کے مرتکب ہوئے۔ اصولوں  
 کو بگاڑ دیا اور شرک میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ  
 ابراہیم علیہ السلام تو نعوذ باللہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔ لہذا تم بھی حنیف بن

جاؤ۔ کیونکہ حنیف مشرک نہیں ہو سکتا۔ حَنِيفًا ۚ لِلَّهِ غَيْرُ مُشْرِكِينَ بِهِ  
 اے اہل کتاب تم بھی مشرک کو چھوڑ کر اللہ کی وحدانیت پر ایمان لے آؤ۔ تم ملتِ ابراہیمی

ملتِ ابراہیمی  
 کا اتباع



کے پیروکار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے پہلے سوال کا جواب دیا۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ جب تم ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہوتے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو پھر اونٹنی کا گوشت اور دودھ کیوں استعمال کرتے ہو۔

---



لَنْ تَنَالُوا

الِ عَمْرَان ۳

درس سی و سہ ۳۳

آیت ۹۶ تا ۹۷

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا  
وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ  
إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى  
النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا  
وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾

ترجمہ: بیشک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے البتہ وہ ہے جو بکہ  
(یعنی مکہ مکرمہ) میں ہے۔ برکت والا ہے۔ اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت ہے ﴿۹۶﴾  
اس میں واضح نشانیاں ہیں، جیسا کہ مقام ابراہیم (علیہ السلام)۔ اور جو شخص اس میں داخل  
ہوگا۔ وہ امن والا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں پر حج ہے اس گھر کا جو طاقت  
رکھتا ہے اس کی طرف راستے پر جانے کی۔ اور جس شخص نے انکار کیا، تو بیشک  
اللہ تعالیٰ سب جہان والوں سے بے پروا ہے ﴿۹۷﴾

یہودیوں نے ملتِ ابراہیمی کی نسبت سے مسلمانوں پر دو سوال کیے تھے اول  
یہ کہ اگر اہل اسلام ملتِ ابراہیمی پر ہونے کے دعویدار ہیں، تو پھر وہ اونٹ کا گوشت  
اور اونٹنی کا دودھ کیوں استعمال کرتے ہیں۔ جب کہ ملتِ ابراہیمی میں یہ چیزیں حرام  
تھیں۔ اس سوال کا جواب گذشتہ آیات میں آچکا ہے کہ یہ چیزیں ملتِ ابراہیمی میں  
حلال تھیں۔ صرف یعقوب علیہ السلام نے اپنی نذر کی تکمیل میں ان خود ان اشیاء  
کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ باقی سب لوگوں کے لیے حلال تھیں مگر آپ کی اولاد  
نے بھی محض آپ کے اتباع میں ان چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔ یہ تو نزولِ  
تورات سے سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے۔ البتہ تورات کے نازل ہونے

گذشتہ سے  
پیشہ



کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بعض چیزیں اُن کی نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے حرام قرار دیں، جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔

یہودیوں کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر اہل اسلام ملتِ ابراہیمی پر کاربند ہیں۔ **قبلہ** تو پھر انہوں نے بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ شریف کو اپنا قبلہ کیوں مقرر کر لیا ہے اُن کا دعویٰ تھا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل سب لوگوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ مگر آپ نے اس کو بدل کر بیت اللہ شریف کو قبلہ کیوں مقرر کیا۔ یہ تو ملتِ ابراہیمی کی خلافت و رمزی ہے آج کے درس میں اسی اعتراض کا جواب ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا** سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے، وہ مکہ میں ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر لفظ بیت سے مراد مطلق گھر نہیں بلکہ عبادت خانہ ہے اس بات کی تشریح مسلم شریف کی حدیث میں موجود ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا، حضور! زمین پر سب سے پہلے کونسا عبادت خانہ یا مسجد بنائی گئی تھی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا مسجد حرام جس میں بیت اللہ شریف واقع ہے۔ پھر ابوذرؓ نے دریافت کیا، حضور! دوسرے نمبر پر کونسی مسجد تعمیر ہوئی۔ ارشاد ہوا، مسجد اقصیٰ جو بیت المقدس ہے۔ پھر عرض کیا، ان دونوں کے درمیان کتنا وقفہ ہے فرمایا چالیس سال۔

یہ بات تو واضح ہے کہ بیت اللہ شریف کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی، اور بیت المقدس حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں تعمیر ہوا۔ اور ان دو انبیاء کے درمیان ایک ہزار سال کا وقفہ ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام کا چالیس سال وقفہ بتانا کیسے ہوا حقیقت یہ ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے ہاتھوں سے بیت اللہ شریف کو تعمیر کرایا جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو انہیں وحشت ہوئی تھی اور وہ پریشان



کہتے تھے۔ آپ کی اس وحشت کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ جس طرح فرشتے آسمانوں پر بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اور وہاں پر عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ بھی زمین پر عبادت خانہ بنائیں، جس کا لوگ طواف کریں۔ چنانچہ آدم علیہ السلام نے زمین پر سب سے پہلے بیت اللہ شریف تعمیر کیا۔ اس کے چالیس سال بعد آپ نے شام کا سفر کیا تو وہاں پر بیت المقدس تعمیر کیا۔ اس طرح بیت اللہ شریف اور بیت المقدس کی تعمیرات میں چالیس سال کا وقفہ ہے۔

اس کے بعد حوادث اور طوفان آتے رہے۔ اور یہ دونوں مقدس مقامات ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، دونوں عمارتیں مہدم ہو گئیں۔ اس کے ہزاروں سال بعد بیت اللہ شریف کی دوبارہ تعمیر حضرات ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی۔ سورۃ حج میں موجود ہے۔ ”وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ حَبِہم نے ابراہیم علیہ السلام کے لیے بیت اللہ شریف کی جگہ ٹھیک کر دی۔ چنانچہ یہ جگہ اس وقت سے آباد ہے۔ لہذا اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف ہی ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے اس کا حج کیا ہے۔ اور یہی ملت ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن پر فرمایا کہ صرف بیت اللہ شریف کی طرف ہی اپنا رخ کرو۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ کے نزدیک حنیف وہ شخص ہے۔ جو نماز میں بیت اللہ شریف کی طرف رخ کرتا ہے۔ غنہ کرتا ہے، خدا تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھتا ہے، اور بیت اللہ شریف کا حج کرتا ہے۔ چنانچہ قبلہ اول بیت اللہ شریف ہی ہے۔ یہی ملت ابراہیمی کا قبلہ ہے۔ بیت المقدس بھی قبلہ رہا ہے مگر اب نہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے وہ قبلہ ثانی تھا۔ وہ مکرم و محترم ہے۔ حضور علیہ السلام کی حدیث پاک میں جن تین مقدس مقامات کا ذکر آتا ہے، وہ یہی ہیں مسجد الحرام، مسجد نبوی اور بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ۔ یہ تینوں مقامات ہدایت کے مرکز ہیں، تاہم ان میں سے سب سے زیادہ محترم بیت اللہ شریف ہے۔



بکرم اور مکر

بیت اللہ شریف جس شہر میں واقع ہے، وہ عرب عام میں مکہ کہلاتا ہے جب کہ اس آیت کرمیہ میں لفظ بکرم استعمال ہوا ہے۔ یہ دونوں نام اسی ایک ہی مقام کے ہیں۔ اس شہر پاک کو ام القری، بلدہ طیبہ، بلدہ امین، بلدہ المامون اور بلدہ مقدسہ بھی کہتے ہیں۔ عربی زبان میں بکرم کے دو معانی آتے ہیں۔ اس کا ایک معنی اجتماع ہے چونکہ یہاں پہ لوگوں کا کثرت سے آنا جانا ہے، خصوصاً ایام حج میں بہت بڑا ہجوم ہوتا ہے، اس لیے اس کو بکرم کہتے ہیں۔ اس کا دوسرا معنی اچھکانا ہے، یا توڑنا ہے۔ امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین کرم فرماتے ہیں کہ یہ شہر بتک أعناق الجبارین یعنی جباروں کی گردنوں کو چھکانے والا ہے اور گردنوں کا چھکانا دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ یہاں پر بڑے بڑے ملوک اور جبار اپنی گردنوں کو چھکا کر سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ جو کوئی اس مقدس مقام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی گردن کو توڑ دیتے ہیں۔ اصحاب فیل کا واقعہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ ابراہیم نے ہاتھیوں کے ساتھ بیت اللہ پر چڑھائی کی، اس کو گرنے کی کوشش کی، تو اللہ تعالیٰ نے اسے وادی محسر سے آگے نہیں جانے دیا۔ مکہ سے تین میل باہر منیٰ کے قریب اس لشکر کو ہلاک کیا۔ گویا بکرم ان معانی میں بھی ہے کہ جو کوئی اس کو نقصان پہنچانا چاہے اللہ تعالیٰ اس کی گردن توڑ دیں گے۔

بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حبشہ کا ایک ظالم بادشاہ جو سیاہ رنگ، موٹی نڈلیوں والا، پست، قد اور بڑا سنگدل ہوگا، خانہ کعبہ کی عمارت کو گرائیگا۔ اس کے بعد پوری دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے گا اور وہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکیگا۔ اس کے بعد صور اسرافیل پھونکا جائے گا۔ گویا انہدام کعبہ دنیا کے آخری دور کی علامت ہوگا۔ قرآن میں کعبہ شریف کی ایک خصوصیت یہ بھی بیان کی گئی ہے۔ "جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِبْلًا لِلنَّاسِ" اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو دنیا میں لوگوں کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ جب تک خانہ کعبہ قائم ہے، اس میں



خدا تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے گی، دنیا قائم ہے گی۔ اور حدیث شریفہ میں آتا ہے  
 حضور علی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب زمین میں اللہ اللہ کرنے والا کوئی نہیں ہے گا  
 یقیناً قیامت برپا ہو جائے گی۔

فضائل اللہ شریف  
 فرمایا زمین پر سب سے پہلا عبادت خانہ مکہ مکرمہ میں ہے اور اس کے فضائل میں  
 سے ایک ہے **مُـا بَرکَا** وہ بڑا ہی بابرکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ظاہری  
 اور باطنی تمام برکات رکھی ہیں۔ برکت کا معنی ایسی زیادتی ہے جس میں تقدس پایا جائے  
 حرم پاک میں ہر وقت خدا تعالیٰ کی تجلیات کا نزول ہوتا ہے۔ اور ہر عابد کو اس میں  
 سے حصہ ملتا رہتا ہے۔ وہاں پر ادا کی جانے والی عبادت کا اجر و ثواب دوسرے  
 مقامات کی نسبت بے حد و حساب بڑھ جاتا ہے ابن ماجہ کی روایت کے مطابق  
 وہاں پر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے۔ صحیحین کی روایت  
 کے مطابق ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ اسی بات  
 سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باطنی طور پر اس مقام کو کتنی فضیلت  
 بخشی ہے۔ لہذا یہودیوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ مسجد اقصیٰ کی فضیلت مسجد حرام سے  
 زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ ظاہری طور پر بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو بڑا بابرکت رکھا  
 ہے۔ یہ مقام کثیر الخیر و المنفعت ہے۔ اس کے ممکن خوش نصیب ہیں جن  
 کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی رَبِّ اجْعَلْ لِّهَذَا بَكَدًا  
 اٰمِنًا وَّ اَرْزُقْ اَهْلَهُ مِنْ الثَّمَرَاتِ اے مولا کریم! اس شہر کو امن  
 والا بنادے اور اس کے مکینوں کو پھلوں سے روزی عطا فرما۔ اس دعا کی قبولیت  
 کا ثمرہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ غیر ذی زرع وادی میں ہر چیز کی کتنی  
 بہتات ہے۔

فرمایا مکہ مکرمہ بابرکت بھی ہے۔ وَهَدَىٰ لِلْعَالَمِينَ اور تمام جہانوں  
 کے لیے ذریعہ ہدایت بھی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔  
 لَا تَشُدُّ وَالرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ کجاوے نہ کہے جائیں  
 مکہ ترمذی ص ۱۷۱ (فیاض)



یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے مگر ان تین مساجد کی طرف۔ اور وہ ہیں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ تینوں مقامات مراکز ہدایت ہیں۔ تاہم ان میں خانہ کعبہ کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔ اسی لیے وہاں پر عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان علیہ السلام کو پیدا کیا، قرآن پاک کو وہاں نازل کیا اور مسلمانوں کی ابتدائی جماعت، وہیں تیار کی، جو اللہ کے دین کو پوری دنیا میں جاری کرنے والی تھی۔

مکہ مکرمہ کے مرکز ہدایت ہونے کی مثال ایسی ہے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچے کو ناف کے ذریعے خوراک بہم پہنچائی جاتی ہے۔ ناف جسم انسانی کا مرکز ہوتا ہے تو اس کے ذریعے بچے کو خوراک پہنچا کر اس کی نشوونما کی جاتی ہے۔ اسی طرح بیت اللہ پوری دنیا کا مرکز ہے۔ اور اس کے ذریعے تمام بنی نوع انسان کو روحانی غذا پہنچائی جاتی ہے۔

فضائل بیت اللہ شریف میں سے ایک یہ بھی کہ یہ وسط البلاد ہے مکہ یا مکہ کا ایک معنی وسط بھی ہے۔ یہ پوری دنیا کا وسط ہے۔ محدث بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کو نخیر پھوٹتی ہو۔ اُسکی نخیر کا خون نے کر اُس کی پیشانی پر کھ دیا جائے۔ مکة وسط البلاد واللہ رؤوف بالعباد تو اللہ اس کی نخیر روک دیگا۔ یہ مقام اس لحاظ سے بھی وسط البلاد ہے کہ زمین کی پیدائش سے پہلے ہر طرف پانی ہی پانی تھا۔ پھر بیت اللہ شریف کے مقام پر ایک ٹبلہ سا پیدا ہوا اور اُسی سے اللہ نے ساری زمین کو پھیل دیا، تو گویا زمین کی پیدائش میں مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ پوری دنیا کا سنٹر ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کی تعمیر کی۔ اور اس کی تجدید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ہوئی۔ اس کے بعد قبیلہ جبرہم نے تعمیر کی۔ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سسرال کا خاندان ہے۔ پھر قوم عمالقہ کا ذکر ملتا ہے۔ اور اُس کے بعد قریش نے حضور علیہ السلام



کے اعلانِ نبوت سے پانچ سال قبل بیت اللہ شریف کی تعمیر کی جب کہ اس کی چھت کمزور ہو چکی تھی یہ وہی تعمیر ہے جس کے دوران حطیم کا حصہ خانہ کعبہ سے باہر نکالا گیا تھا، جو آج بھی اسی حالت میں ہے اس کے بعد عبداللہ بن زبیر نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ پھر عبدالملک بن مروان کے زمانے میں حجاج بن یوسف نے بیت اللہ کو گرا کرنے سے پہلے سے تعمیر کیا۔ اور پھر یہ آخری تعمیر تہ کی عہد حکومت میں سلطان مروان کے زمانے میں ہوئی، جو اب تک قائم ہے۔ البتہ موجودہ سعودی حکومت نے حرم شریف کی تعمیر میں گہری قدر خدمات انجام دی ہیں۔ خانہ کعبہ کے گرد و گردہ کی عہد کے برآمدوں کے پیچھے بڑے وسیع برآمدے اور چاروں طرف سائے بند اور خوبصورت مینار تعمیر کیے ہیں۔ اب صفا و مروہ کا پورا حصہ ساتھ شامل ہو چکا ہے۔ اس دو منزلہ عمارت کا فرش سنگ مرمر کا ہے جس پر دبیز قالین بچھائے گئے ہیں۔ آب زم زم کی فراہمی کے لیے جدید نظام قائم کیا ہے۔ حرم پاک میں روشنی کے لیے ٹیوب لائٹس اور فانوس روشن ہیں۔ برقی پنکھے ہمہ وقت چلتے رہتے ہیں۔ اور لاؤڈ سپیکر کامربوط نظام قائم ہے۔

اہل کتاب نے اس مقدس مقام کی فضیلت کو کم کرنے کی غرض سے اپنی ہی کتابوں میں تحریف کی ہے۔ زبور میں موجود ہے کہ خدا کے مقدس بندے وادی بکہ میں گزریں گے۔ وہاں پر پانی کے چشمے کا بھی ذکر ہے۔ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ اور چشمہ سے مراد آب زم زم ہے مگر انہوں نے بکہ کو بکا بنا دیا اور کہا کہ یہ وادی مکہ کا نہیں بلکہ وادی بکا کا ذکر ہے عربی زبان میں بکا سے مراد رونا ہے اسی طرح ان کی کتابوں میں مروہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ کہ اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی قربانی دی۔ مروہ سے مراد تو وہی صفا و مروہ پہاڑیاں ہیں۔ مگر انہوں نے اس لفظ کو بگاڑ کر مورا بنا دیا۔ یہ بھی ان کی تحریف کا ایک شاہکار ہے۔

فرمایا بیت اللہ شریف وہ مقدس مقام ہے فِیْہِ الْاٰیٰتُ الْبَیِّنٰتُ



جس میں واضح نشانیاں ہیں۔ منجملہ اُن کے مَقَامِ اِبْرٰہِیْمَہِ مقامِ ابراہیم ہے۔  
 مقامِ ابراہیم کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اس جگہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی  
 اولاد اسماعیل علیہ السلام کے لیے اقامت گاہ بنایا۔ جیسا کہ سورۃ ابراہیم میں موجود ہے  
 رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بُوَادِ غَیْرِ ذِیْ ذِیْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ  
 الصَّحَرٰہِ ہمارے پروردگار! میں اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے  
 پاس بے آب و گیاہ زمین میں آباد کرتا ہوں۔ تاکہ وہ نماز قائم کریں، تیری عبادت  
 کریں اور دنیا کے دل و دماغ کھینچے ہوئے آئیں۔ اور انہیں پھلوں سے روزی عطا  
 فرما۔ تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی  
 اَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ ۝ وَاٰمَنَهُمْ مِنْ خَوْفِ اللّٰہِ نے انہیں بھوک  
 سے نجات دی اور خوفِ اللہ سے امان بخشی۔ تو اس لحاظ سے اس میں بڑی واضح نشانیاں  
 عام مشہور یہ ہے کہ مقامِ ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر  
 ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف تعمیر کیا تھا۔ خانہ کعبہ کی دیواریں جوں جوں  
 اونچی ہوتی جاتی تھیں۔ پتھر بھی خود بخود اونچے ہو کر اٹھتا تھا۔ اور آپ اس پر کھڑے کھڑے  
 تعمیر کا کام کرتے تھے۔ اس سخت پتھر پر اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے  
 پاؤں کا نشان بھی نقش کر دیا، جس کا مشاہدہ دنیا بھر کے لوگ آج تک کر رہے  
 ہیں۔ پہلے یہ پتھر ایک دوسری عمارت میں بند کر کے رکھا گیا تھا۔ موجودہ  
 حکومت نے اس کو شیشہ میں بند کر کے باپ رحمت کے سامنے مطاف میں  
 رکھ دیا ہے۔ یہ دیکھنے والوں کو بخوبی نظر آتا ہے۔ سعودی حکومت نے شیشہ  
 کا یہ خول ۳۵ لاکھ ریال میں امریکہ سے خصوصی طور پر تیار کر دیا تھا۔ ایک وقت  
 دو خول بنائے گئے تھے، تاکہ اگر ایک ٹوٹ جائے تو دوسرا وہاں رکھ دیا جائے  
 یہ خاص قسم کا شیشہ ہے جو موسمی اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ بہر حال مقامِ ابراہیم  
 اللہ کی واضح نشانیوں میں سے ہے۔

فرمایا یہ ایسا تبرک و عظم مقام ہے وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا



جو شخص اس میں داخل ہوگا، اُسے امان حاصل ہوگی۔ امن سے مراد ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے امن ہیں۔ ظاہری امن تو یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قاتل ہو۔ یا کسی دوسری خیانت میں ملوث ہو اور وہ حرم شریف میں پناہ لے لے، تو اس کو مائے کی اجازت نہیں البتہ محدثین فرماتے ہیں کہ ایسے شخص سے میل جول اور اس کی خوراک پانی وغیرہ بند کر کے اُسے باہر نکلنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور پھر حرم سے باہر لے جا کر اُس پر حد جاری کی جاسکتی ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص وہاں پر بالفعل فساد کرے، تو اُس کا دفاع جائز ہے مگر اس سے بھی حتی الامکان گہر نہ کرنا چاہیئے۔ ۱۹۷۹ء میں حرم شریف میں جو حادثہ پیش آیا، اُس کی وجہ سے حرم پاک کی بڑی بے حرمتی ہوئی۔ عام حالات میں اگر کوئی زیادتی کرتا ہے۔ تو حرم شریف کے تقدس کو ممکن حد تک بحال رکھنا چاہیئے۔ تاہم چونکہ اُن فسادوں نے حرم کے اندر آکھ جمع کیا، میناروں پر چڑھ کر گولیاں چلائیں، تو پھر حکومت کو بھی ضروری کارروائی کرنا پڑی، علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ حرم شریف کے اندر قتال کرنے والوں کا قلع قمع ضروری ہو گیا ہے چنانچہ حکومت سعودیہ کو مجبوراً اُن کے خلاف کارروائی کرنا پڑی جس سے حرم پاک کا تقدس بہر حال مجروح ہوا۔ کیونکہ یہ جائے امن ہے۔

امن کی دوسری صورت باطنی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ جو شخص وہاں داخل ہو گیا، وہ دوزخ کی آگ سے مامون ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو شخص مکے یا مدینے کے حرم میں فوت ہو گیا، کُنْتُ شَفِيعًا لَّہٗ میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا۔ بشرطیکہ ایسا شخص ایماندار ہو۔

**فرضیت حج** بیت اللہ شریف کے مختصر تعارف کے بعد فرمایا وَلِلّٰہِ عَلَى النَّاسِ

حَجُّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر اُس شخص پر اس گھر کا حج فرض ہے جو اُس کی طرف جانے کی استطاعت رکھتا ہو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا، استطاعت سے کیا مراد ہے۔ فرمایا «الزاد والراحلة» یعنی سواری اور توشتہ۔ اس سفر پر جانے کے لیے سواری میسر ہو،



اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے اتنا سامان موجود ہو، جو اس سفر مقدس کے عرصہ کے لیے کافی ہو، تو ایسے شخص پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ البتہ بعض فروعات میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کے پاس مال موجود ہے اُس پر حج لازم ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر معذور ہو یعنی اپاہج، اندھا یا بیمار ہے۔ اگر وہ خود چل کر حج نہیں کر سکتا۔ تو اُسے لازم ہے کہ کسی دوسرے شخص کو حج بدل کے لیے بھیجے۔ امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ مال کے علاوہ آدمی کا تندرست ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ خود سفر اختیار کرنے سے معذور ہے، تو حج ساقط ہو جائیگا۔ خواہ اُس کے پاس کتنا مال موجود ہو۔ امام عظیمؒ فرماتے ہیں کہ حج کی فرضیت کے لیے مال اور جان دونوں لوازمات کا ہونا ضروری ہے۔ انسان صاحب مال بھی ہو اور تندرست و توانا بھی ہو، تب حج فرض ہوتا ہے۔ کیونکہ حج مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا مرکب ہے۔ لہذا استطاعت میں دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اسی طرح عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری ہے اگر محرم نہیں ہے تو عورت پر حج فرض نہیں رہا۔ کیونکہ محرم کا ہونا حج کی شرائط میں داخل ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص کی بیوی حج پر چلی گئی۔ خاوند کا نام مجاہدین کی فہرست میں شامل ہو چکا تھا اور وہ جہاد کی تیاری کر رہا تھا۔ نبی علیہ السلام کو خبر ہوئی تو اس شخص کو فرمایا حج مع امسرتک جہاد کو ترک کر دے اور اپنی بیوی کے ساتھ حج پر جا ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے۔ جو عورت اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، وہ اپنے خاوند یا محرم کے بغیر تین دن سے زیادہ کا سفر اختیار نہیں کر سکتی، اور محرم وہ شخص ہوتا ہے جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہو، جیسے باپ، بیٹا، بھتیجا، بھانجا، ماموں، چچا، تایا، خسر وغیرہ۔

مفسرین حج کے لیے وعید

فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بِكَوْنِ كُفْرَانٍ كَرِهَ۔ اکثر مفسرین کرام نے یہی ترجمہ کیا ہے۔ کہ جو شخص استطاعت کے باوجود حج کرنے سے کفران کرے گا



فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ تو بیشک اللہ تعالیٰ جہان والوں سے بے نیاز  
 ہے۔ کفران سے مراد مطلق کفرانِ نعمت بھی ہے۔ خدا کے کسی حکم کی نافرمانی  
 اور انکارِ شریعت پر بھی دلالت کرتا ہے تاہم یہاں مراد یہ ہے کہ حج فرض ہو چکا ہے  
 مگر ادا نہیں کرتا، تو اللہ تعالیٰ کو ایسے شخص کی کوئی پروا نہیں ہے۔ ایسے شخص کی عبادت  
 کی اللہ کو ضرورت نہیں ہے۔ عبادت و ریاضت تو انسان اپنی ذات کی تکمیل  
 کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تو ہر حالت میں حمید ہے، تعریفوں والا ہے، وہ محمود  
 اور غنی ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص پر حج فرض ہے۔  
 اور وہ اس کے لیے کوشش نہیں کرتا، درخواست نہیں دیتا، تو ہماری طرف سے  
 ایسا شخص یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ایسے شخص کو کوئی  
 حادثہ پیش آجائے، مال میں کمی ہو جائے یا کسی اور تکلیف میں مبتلا ہو جائے ہم اس  
 کے ذمہ دار نہیں ہیں۔



قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ  
وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يَا أَهْلَ  
الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَن أَمَنَ  
تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَاءُ ۚ وَمَا اللَّهُ  
بِنَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۹۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
يَرُدُّوكُم بِعَدَايِمَائِكُم كُفْرُينَ ﴿۱۰۰﴾  
وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ  
آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ  
هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کر دیجئے اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں  
کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو۔ اور اللہ گواہ ہے۔ اُن چیزوں پر جو تم کہتے ہو ﴿۹۸﴾  
آپ کر دیجئے اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، اُس شخص  
کو جو ایمان لائے۔ تم اس راستے میں کجی تلاش کرتے ہو، اور تم گواہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ  
اُن کاموں سے غافل نہیں ہے، جو تم کہتے ہو ﴿۹۹﴾ اے ایمان والو! اگر تم ان  
لوگوں میں سے ایک فرقہ کی بات مانو گے جنہیں کتاب دی گئی ہے۔ تو وہ تمہیں  
پٹا دیں گے تمہارے ایمانوں کے بعد، کفر کی طرف ﴿۱۰۰﴾ اور تم کفر کس طرح کر گے  
حالانکہ تم پر اللہ کی آیات پڑھی جاتی ہیں، اور تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے اور جو  
شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑے گا، تو اُس کو سیدھے راستے کی ہدایت دی گئی ﴿۱۰۱﴾



گزشتہ اسباق میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے غلط ملط اعتراضات کے جوابات دیے اور ملتِ ابراہیمی کی وضاحت فرمائی۔ اور یہ بھی واضح کیا کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ہی اصل ملتِ ابراہیمی پر قائم ہیں۔ اس کے علاوہ ملتِ ابراہیمی کے مرکزی قبلہ بیت اللہ شریف کا تذکرہ ہوا، اور اُس کے فضائل بھی بیان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا بطور خصوصی حکم دیا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بطور نصیحت اور تنبیہ اہل کتاب سے خطاب فرمایا ہے۔ کہ جب حضور علیہ السلام کا ملتِ ابراہیمی پر قائم ہونا ثابت ہو چکا، تو پھر اہل کتاب کو اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ اور انہیں جان لینا چاہیے۔ کہ ان کا اپنا طریقہ خود ساختہ ہے۔ جسے ملتِ ابراہیمی سے کوئی واسطہ نہیں۔

ارشاد ہوتا ہے قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابِ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اہل کتاب سے خطاب فرمائیں۔ اور کہ دیں اے اہل کتاب! اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو اپنے آپ کو اللہ کی کتابوں تورات اور انجیل کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لغوی طور پر تو اہل کتاب ہر وہ شخص ہے جو کسی بھی آسمانی کتاب پر ایمان لاتا ہے یا اس کی طرف اپنی نسبت کرتا ہے۔ مگر حضور علیہ السلام سے پہلے نازل ہونے والی دیگر کتب و صحائف کے ماننے والوں نے اپنا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ لہذا اہل کتاب کا اطلاق ان دو گروہوں یعنی یہود و نصاریٰ پر ہوتا ہے۔ جو اپنی نسبت تورات اور انجیل کی طرف کرتے تھے۔ قرآن پاک نے اہل کتاب کا لقب صرف انہی دو اقوام کو دیا ہے۔ اور جگہ جگہ ان کو خطاب کیا ہے۔

فرمایا اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل کتاب سے کہہ دیں لَوْ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثُمَّ اللَّهُ كَارِيُوكَ كَاكِيُوكَ انکار کرتے ہو۔ آیات میں اللہ کی توحید اور اُس کے احکام، دلائل و براہین اور معجزات وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔ بمقصد یہ ہے کہ جب یہ سب چیزیں تمہارے پاس پہنچ چکی ہیں، تو پھر تم انکار کیوں کرتے ہو، ایمان کیوں نہیں لے آتے۔ یاد رکھو، وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَفْعَلُونَ



تم جو کچھ کہہ رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے۔ یعنی سب کچھ اس کے سامنے ہو رہا ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لہذا تمہارا فرض ہے کہ حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد اس پر ایمان لے آؤ اور اگر پھر بھی تم کفر پر اڑے رہے، تو پھر یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچ نہیں سکو گے۔ خدا تعالیٰ سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ شہید کا یہی معنی ہے۔

صراطِ مستقیم  
میں رکاوٹ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے شکوے کے انداز میں فرمایا ہے۔ فَلْيَا هَلْ أَلِکِتَابَ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ اہل کتاب سے کہ دیں لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ تم اہل ایمان کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو۔ جو لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ تم چاہتے ہو، کہ وہ پھر ایمان سے پھر جائیں۔ اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے مختلف حیلے بہانے کہہ رہے ہو۔ بِمُجَدَّ اُنۡ کے ایک صورت یہ ہے، تَبْعُوْهُمْ عَوَاجًا کہ تم صراطِ مستقیم میں غیب، نقص اور کجی تلاش کرتے ہو۔ تاکہ اس کا اظہار کر کے لوگوں میں دین حق کے متعلق غلط فہمیاں پیدا کی جائیں اور وہ اس سیدھے راستے کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو۔

مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کے لیے یہودیوں نے قبیلہ اوس اور خزرج کی پُرانی دشمنی کو زندہ کرنے کی کوشش کی، مگر اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ اوس اور خزرج کے قبائل مدینہ میں سینکڑوں سال سے آباد تھے، کافی بڑی تعداد والے قبیلے تھے۔ ان کا اصل تعلق مبنی خاندانوں سے تھا مگر مدینہ میں آکر آباد ہو گئے۔ مشہور ہے کہ یہ دونوں قبیلے ایک معمولی سی بات پر لڑائی میں ملوث ہوئے اور یہ لڑائی ایک سو بیس سال تک چلتی رہی حضور علیہ السلام کے درودِ مدینہ کے بعد یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور اپنی تمام پُرانی رنجش ترک کر کے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ یہودی مسلمانوں کو کسی صورت پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے



تھے۔ کسی مجلس میں ان دونوں قبائل کے لوگ موجود تھے۔ وہاں شاس ابن قیس یہودی نے ایسے اشارے یا پڑھوائے جس سے ان دو قبیلوں کی پڑائی جمیت۔ جاہلیہ پھر بیدار ہو گئی قریب تھا کہ ان میں پھر فساد کی آگ بھڑک اٹھتی کہ حضور علیہ السلام وہاں تشریف لے آئے اور فرمایا، بڑے انوس کی بات ہے۔ کہ میں اللہ کا پیغمبر تمہارے درمیان موجود ہوں مگر تم پھر پڑائی عصبیت کی باتیں کرنے لگے ہو۔ آپ نے ان لوگوں کو سخت تنبیہ فرمائی، تو وہ تائب ہو کر لڑائی سے باز آ گئے۔ تاہم یہودیوں نے ان مسلمان قبیلوں کو لڑانے کی پوری پوری کوشش کی تاکہ یہ اسلام سے بدظن ہو کر دوبارہ کفر کا راستہ اختیار کریں۔ اللہ نے فرمایا، تم ایسا بڑا کام کیوں کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودی بھی اسلام کے خلاف سازش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے مصر سے تحریف شدہ قرآن پاک شائع کر کے پوری دنیا میں تقسیم کیا۔ آیت کرمہ **وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ** **الْإِسْلَامِ دِينًا** **فِى لَفْظٍ غَيْرِ لَوْ** **أَكْرَمَ** **اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔** کبھی الفاظ بدلے، کبھی معانی بدلے اور کبھی قرآن پاک میں موجود پیش گوئیوں کو جھٹلانے کی کوشش کی تاکہ مسلمانوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور وہ اسلام سے بدظن ہو جائیں۔ ان کا مقصد یہی ہے کہ اسلام میں کجی تلاش کی جائے اور پھر اُسے خوب مشہر کیا جائے۔ **مستشرقین** نے اس ضمن میں بڑی کوشش کی ہے۔ وہ علوم شرقیہ پر عبور حاصل کرنے کے قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں اور پھر ان میں نہایت ہوشیار ہی کیسا تھر باطل نظریات داخل کر دیتے ہیں تاکہ لوگ اسلام سے بیزار ہو جائیں۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعے اہل کتاب سے فرمایا کہ تم ان لوگوں کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو، جو ایمان لائے ہیں۔ تم اللہ کے راستے میں کجی تلاش کرتے ہو۔ **وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ** **حَالاً** **نَکَمَ** **گواہ ہو۔** شہدار، شہید کی جمع ہے۔ جس کا عام فہم معنی گواہ ہے۔ یعنی اے اہل کتاب تم گواہ ہو امام ابو بکر جصاصؒ مفسر قرآن فرماتے ہیں کہ یہاں پہلے سوال پیدا ہوتا ہے



کہ اہل کتاب کی گواہی مسلمان پر کیے معتبر ہوگی، جب کہ گواہی کے لیے دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہونا قرآن پاک کی رو سے ضروری ہے اس کا جواب اہم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ یہاں شہید سے مراد گواہ نہیں بلکہ اہل علم ہے۔ چنانچہ اَنْتُمْ شٰہِدُوْا کا معنی اَنْتُمْ عَلَمِیْنَ ہو گا یعنی تم جانتے ہو۔ اور جان بوجھ کر اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہو۔ فرماتے ہیں کہ اس کا دوسرا معنی اَنْتُمْ عَقُوْا کہ وہ بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی تم عقل و شعور رکھتے ہو مگر جان بوجھ کر اسلام کے راستے میں کاٹ کھڑی کرنے کی کوشش کرتے ہو۔

موجودہ زمانے کے یہودیوں نے ایک اور حربہ استعمال کیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اہل اسلام کے دلوں میں نبی آخر الزمان علیہ السلام کی محبت موجزن ہے ہم ان پر غالب نہیں آسکتے، لہذا ان کی یہ کوشش ہے کہ کسی طریقے سے اہل اسلام کے دل سے حضور علیہ السلام کی محبت کو نکال دیا جائے۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آج کے زمانے میں کتنا بھی گیا گنہگار مسلمان ہے۔ اس کا دل پیغمبر اسلام کی محبت سے سرشار ہے۔ اہل کتاب کی ان تمام کارستانیوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا لِلّٰہِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔ وہ تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔ تم یقیناً سخت ترین سزا کے مستحق ہو گے۔ اہل کتاب سے شکوہ کرنے کے بعد اب اہل ایمان سے خطاب ہے۔ اور انہیں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ کہیں یہود و نصاریٰ کی سازش کا شکار نہ ہو جانا۔ اگر تم ان کے جال میں پھنس گئے، تو وہ یقیناً تمہارے ایمان پر ڈاکہ ڈالیں گے اور تمہیں ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد بنا دیں گے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَطِيعُوْا فَرِیْقًا مِّنَ الَّذِیْنَ اٰوَلَوْا السَّکِیْتَ اے اہل ایمان اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے، ان کی بات مانو گے، تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ یَسْزِیْوْکُمْ بِعَدَاۤیَہِ انْکُمْ کُفْرِیْنَ یہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے، ان کے

اہل اسلام  
کو تنبیہ



دل میں یہ چیز بُری طرح کھٹک رہی ہے۔ کہ تم کیوں ایمان لے آئے ہو، لہذا اُن کی سب سے بڑی کوشش یہ ہے۔ کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے بدظن کر کے دوبارہ کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں۔ یہود و نصاریٰ کی اس خصلت بد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دو سر مقام پر یوں بیان فرمایا ہے۔ "وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ" یہود و نصاریٰ آپؐ کبھی راضی نہیں ہوں گے۔ جب تک آپؐ اپنا دین چھوڑ کر اُن کا دین اختیار نہ کریں۔

تَطِيعُوا یعنی اطاعت میں عقیدہ اور اعمال دونوں چیزیں شامل ہیں۔ اگر تم نے اہل کتاب کی اطاعت عقیدے میں کی، تو تمہارا عقیدہ بھی ویسا ہی ہو جائیگا، جو کہ یقیناً باطل عقیدہ ہے۔ اُن کے عقیدے میں کفر و شرک شامل ہے، لہذا اُن کی بات مان کر بھی کفر میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم نے اعمال میں اُن کی بات تسلیم کی، تو تمہارے اعمال بھی کافروں جیسے ہو جائیں گے۔ کفر بہر حال کفر ہے۔ خواہ وہ عقیدے میں ہو یا عمل میں ہو۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے۔ کفار کے اعمال کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ وہ آپس میں برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ اور اگر مسلمان بھی ویسے ہی کام شروع کر دیں، تو دونوں میں کیا فرق رہ گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے۔ سَبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ یعنی مسلمانوں کو گالی دینا فسق ہے۔ اور اس سے لڑائی کفر ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ اہل کتاب سے ہوشیار رہو، اُن کی اطاعت نہ عقیدے میں کرو، نہ عمل میں۔ اگر ایسا کرو گے تو اُن کی خواہش کی تکمیل ہوگی اور وہ تمہیں ایمان کے نور سے نکال کر کفر کے اندھیروں میں دھکیل دیں گے۔

اس کے بعد فرمایا وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ تم کس طرح کفر کرو گے۔

وَأَنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَىٰ كُمُ آيَاتُ اللَّهِ حالانکہ تم یہ اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں۔ یعنی قرآن کریم نازل ہو رہا ہے۔ اور تمہارے لیے ہدایت کا سامان ہم پہنچا یا جا رہا ہے۔ اس صورت حال میں تم کیسے کفر کر سکتے ہو۔ اکثر مفسرین کرام فرماتے



ہیں کہ یہ آیت کریمہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں ہے جو آپ کے زمانہ مبارک میں موجود تھے۔ چنانچہ انہیں مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ نزول قرآن کے اس بابرکت تہجد میں یہود و نصاریٰ کی اطاعت اختیار کرو، تو یہ نہایت ہی افسوسناک بات ہوگی۔ اور اگر اس خطاب کے مخاطبین میں صحابہؓ کے بعد آنے والے مسلمان بھی سمجھے جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ کا قرآن تمہارے پاس موجود ہے جسکی تلاوت تم ہر روز کرتے ہو، اس کے احکام کو سمجھتے ہو، تو پھر تم کس طرح کفر کرتے ہو۔

فرمایا ایک تو اللہ کی آیتیں تم پر پڑھتی جاتی ہیں، اور دوسری بات یہ ہے۔ وَفِيكُمْ رَسُولٌ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے۔ جو تمہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے۔ اور تمام احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ تمہیں توحید اور ایمان کا درس دیتا ہے، اور کفر و شرک سے بچاتا ہے۔ اس کے باوجود تم کیا کفر کرو گے آیت کے اس حصہ کا بھی بظاہر اطلاق تو صحابہ کرامؓ پر ہی ہوتا ہے جن کے درمیان حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود تھے۔ تاہم اگر اس کا اطلاق بعد میں آنے والے اہل اسلام پر بھی کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم میں بذاتہ تو موجود نہیں ہیں مگر آپ کی سنت، احادیث، آثار، تعلیمات اور شریعت تو تمہارے درمیان موجود ہے۔ اور قیامت تک باقی ہے گی، اس کے باوجود تم یہود و نصاریٰ کی بات مان کر گمراہی کا راستہ اختیار کرو، تو کتنے افسوس کا مقام ہے۔

عقیدہ  
حاضر ناظر

بعض اہل بدعت اس مقام پر سیدھے سادھے مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ وَفِيكُمْ رَسُولٌ کا مطلب یہ ہے۔ نبی علیہ السلام بنفس نفیس ہر زمانے اور ہر مقام پر تمہارے درمیان موجود ہیں۔ لہذا آپ حاضر و ناظر ہیں۔ حالانکہ امر مسلم یہ ہے کہ ہر وقت ہر مقام پر حاضر ناظر ہونا صرف اللہ کی صفت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی یہ صفت نہیں ہے۔ مگر یہ لوگ بھی یہودیوں سے کم نہیں ہیں، جو صحیح العقیدہ مسلمانوں کے عقیدے فاسد کرنے پر تلے



بیٹھے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے پہلے آیت گزرتی تھی ہے **وَمَنْ**  
**دَخَلَ كَانَ آمِنًا** جو حرم شریف میں داخل ہو گیا، اُسے امن نصیب ہو گیا  
 ظاہری طور پر اُسے کسی جرم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ جب تک وہ حرم سے باہر نہ آجائے  
 اور باطنی طور پر دوزخ سے مامون ہو گیا۔ گویا وہاں داخل ہو جانے والے کو امن حاصل  
 ہو جانا بیت اللہ شریف کی خاص صفت ہے، مگر یہ لوگوں نے یہی آیت خواجہ  
 فرید الدین شکر گنج کے مزار کے دروازے پر لکھ دی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے۔  
 کہ جو اس دروازے میں داخل ہو گیا، ظاہری اور باطنی طور پر مامون ہو گیا۔ یہ کتنی غلط بات  
 ہے۔ جو چیز اللہ نے بیت اللہ شریف کے متعلق فرمائی ہے لوگوں نے اُسے  
 بناوٹی دروازے پر چسپاں کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں لوگ  
 اس دروازے سے گزرتے ہیں، حالانکہ خواجہ صاحب نے تو اپنی زندگی میں  
 کبھی نہ فرمایا، کہ جو اس دروازے سے گزر گیا، وہ جنتی ہو گیا، خواہ وہ کفر شرک اور  
 بدعت میں ہی کیوں نہ ملوث ہو۔ العیاذ باللہ۔ خواجہ فرید الدین تو ماسدار الشریعہ شیخ الاسلام  
 تھے۔ نہایت صالح اور نیک انسان تھے آپ کے ہاتھ پر لاکھوں افراد نے اسلام  
 قبول کیا، بہت سے راجپوت خاندان آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اُن  
 سے غلط بات فسوکنا کس قدر نا انصافی ہے۔ واقعی لوگ بدعت، اور شرک میں اندھے  
 ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا کرے، یہ بہت بڑی نعمت ہے جسے میسر  
 آجائے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے **مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ**  
**فِي الدِّينِ** اللہ تعالیٰ جس شخص کے بارے میں بہتری کا ارادہ فرماتا ہے، اُس کو دین  
 کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور فضل ہے، اس نعمت پر ہم  
 اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ الغرض! **وَفِي كُورَسُوْلَهٗ** کا یہ مطلب ہرگز نہیں  
 کہ اللہ کا نبی تمہارے درمیان فی نفسہ موجود ہے، بلکہ اس کی سنت اور شریعت  
 موجود ہے۔ اس سے استفادہ کرتے رہو گے، تو گمراہ نہیں ہو گے۔  
 اعتقاد باللہ فرمایا اہل کتاب، تو تمہیں دین اسلام سے پھیر دینا چاہتے ہیں مگر **وَمَنْ**



لِيَتَصَبَّرَ بِاللَّهِ جِوَاللَّهِ كُو مضبوطی سے پکڑ لیا فَقَدْ هَدَىٰ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ  
 پس بیشک ایسے شخص کو ہدایت دی گئی سیدھے راستے کی۔ گویا ایسا شخص گمراہ نہیں ہوگا۔  
 اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ اس پر ایمان لائے۔ اُس کے دین کی باتوں  
 پر مضبوطی سے عمل پیرا ہو جس نے اللہ کی ذات پر پورا پورا بھروسہ کیا، اُس نے  
 اعتصام باللہ کو پایا۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہیے کہ وہ اسباب  
 پر بھی زیادہ انحصار نہ کرے بلکہ محض اللہ کی ذات پر ایمان رکھے، اس پر توکل  
 رکھے تو شیطان بھی دفع ہوگا۔ اور یہود و نصاریٰ بھی اپنی سازش میں ناکام ہوں گے  
 بدعت ختم ہوگی یہ اکسیری نسخہ ہے۔ اسلام کی تعلیم ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم سے  
 شروع ہوتی ہے۔ ہر کام اشی کے نام کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے۔ جو رحمن اور  
 رحیم ہے اُسی ذات پر ہمارا بھروسہ ہے، وہ وحدہ لا شریک ہے۔ تمام قوتوں کا  
 مالک ہے یہی اعتصام باللہ ہے۔ لہذا جو کوئی اللہ پر ایمان لا کر اس کے احکام  
 کو مضبوطی سے پکڑ لے گا، وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا۔ یہاں پر اسی بات کی تعلیم دی گئی ہے۔



ال عمران ۳

لَنْ تَنَالُوا

آیت ۱۰۲ تا ۱۰۳

درس سی و پنج ۳۵

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ  
 إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ  
 جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَذِكْرُوا اللَّهَ عَلَيْكُمْ  
 إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ  
 فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَى  
 شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۚ  
 كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا کہ حق ہے اُس سے ڈرنے

کا اور تم نہ مرو مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبرداری کہہ نے والے ہو ﴿۱۰۲﴾ اور اللہ کی

رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو سب کے سب اور تفرقہ نہ ڈالو۔ اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو

جو اُس نے تم پر کی جب کہ تم آپس میں دشمن تھے، اُس نے تمہارے دلوں میں

افت ڈال دی۔ پس تم اُس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ

کے گڑھے کے کنارے پہنچے پس اللہ نے تم کو بچا لیا۔ اسی طرح اللہ کھول کر

بیان کرتا ہے۔ تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پا جاؤ ﴿۱۰۳﴾

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا

تھا۔ اہل کتاب کی گمراہی کا ذکر کرنے کے بعد اہل ایمان کو تہنید فرمائی کہ اگر انہوں نے

اہل کتاب کے کسی گروہ کی بات کو مان لیا، تو وہ انہیں راہ ہدایت سے کفر کی طرف

پھیر دیں گے۔ پھر وضاحت فرمائی کہ اگر عقیدے میں ان کی بات مانی، تو کافر ہو

رابطہ آیات



جاؤ گے اور اگر اعمال میں اُن کا اتباع کیا تو اللہ کی ناراضگی مول لو گے اور کفرانِ نعمت کے مرتکب ہو گے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خاص طور پر رہنمائی فرمائی ہے اور دین کے بنیادی اصولوں پر قائم رہنے اور بدعتیہ کی اور محصیت سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** خوفِ خدا  
اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔  
ظاہر ہے کہ خوفِ خدا بھی حاصل ہو گا۔ جب کسی انسان کی دین پر استقامت ہو، یعنی اُس کا عقیدہ کفر، شرک اور نفاق سے پاک ہو اور اس کے اعمال بھی بالکل درست ہوں۔ صغائر اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو بلکہ ہر مشکوک چیز سے پرہیز کرے۔ اگر اُس میں یہ چیزیں پیدا ہو گئیں تو اس کو کمالِ تقویٰ حاصل ہو جائے گا اور حقِ تقویٰ کا یہی مقصد ہے۔

مفسرین کہہ رہے ہیں کہ تقویٰ کے کئی درجات ہیں۔ ان میں سے سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان کفر، شرک اور بدعتیہ کی سے بچ جائے۔ شیطان اور دیگر گمراہی پھیلا نے والے عوامل سے محفوظ رہ سکے، اگر کوئی شخص تقویٰ کا یہ ادنیٰ درجہ بھی حاصل نہ کر سکے، تو پھر اُس کی نجات کی کوئی صورت نہیں کیونکہ اس معاملہ میں کوئی رعایت ممکن نہیں۔ اور تقویٰ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ انسان اعمالِ حسنہ پر بھی کاربند ہو، اور معاصی سے بچتا ہو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں ”تقویٰ محافطتِ حدودِ شرع“ یعنی کمالِ درجے کا تقویٰ وہ ہے جو شریعت کے حدود کی پوری پوری حفاظت کرتا ہو۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی ایک صفت یہ بھی بتائی ہے **وَالْحَافِظِينَ لِحُدُودِ اللَّهِ** یعنی مومن وہ لوگ ہیں جو حدودِ اللہ کی حفاظت کرتے ہیں، اُن سے آگے نہیں بڑھتے۔ کمالِ درجے کے متقین ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔



حق ثقاتہ، جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔ اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ حق ثقاتہ کا مطلب ہے۔ اَنْ يَطْكَعَ وَلَا يُعْصَى کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے۔ وَیُشْکَرُ وَلَا یُکْفَرُ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے، کفرانِ نعمت نہ ہونے پائے وَیُذْکَرُ وَلَا یُنْسَى اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرتا ہے، اس کو بھلائے نہ۔

حضرت انسؓ کی روایت میں حق ثقاتہ کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ لَا یَتَّقِي اللّٰهَ الْعَبْدُ حَقَّ تَقَاتِهِ حَتّٰی یُخْزِنَ لِسَانَهُ یَعْنِی النّٰن کو اللہ سے کما حقہ ڈرنے کا درجہ اس وقت حاصل ہوگا، جب وہ اپنی زبان کو محفوظ کر لے گا گو یا اس کو اپنی زبان پر اس قدر کنٹرول حاصل ہونا چاہیے کہ وہ کوئی غلط کلمہ بول سکے بلکہ ہمیشہ اچھی بات کہے۔ ترمذی شریف اور بعض دیگر کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک اور روایت ہے، جسے امام ابن کثیرؒ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ قَطْرَةَ مِّنَ الزَّقُّومِ قَطِرَتْ فِی دَارِ الدُّنْیَا اَکْمَرَ زَقُوْمٍ یَّعْنِی جَنَم کے تھوہر کا ایک قطرہ زمین پر پھینک دیا جائے، تو وہ ساری دنیا کی معیشت کو اس قدر بگاڑ دے کہ کوئی انسان دنیا کی کسی چیز سے مستفید نہ ہو سکے اس تھوہر میں اتنی کڑواہٹ اور بدبو ہے۔ فرمایا پھر تم خیال کرو فَکَیْفَ لِمَنْ لَّیْسَ لَهُ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ الزَّقُّومِ اس شخص کا کیا حشر ہوگا۔ جس کا کھانا زقوم کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اُسے کتنی اذیت پہنچے گی۔ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ زقوم کھانے والوں میں نام درج ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے لوگو! مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُزَخَّرَ عَنْ النَّارِ وَیَدْخُلَ الْجَنَّةَ جو شخص چاہتا ہے کہ اُسے دوزخ سے نجات حاصل ہو جائے۔ اور وہ جنت میں داخل ہو جائے فِیْ دَرَجَةٍ مِّنْیَتِهِ وَهُوَ



يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تَوُاسِي مَوْتِ اِیسی حالت میں آنی چاہیے۔  
 کہ وہ اللہ کی ذات اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو۔ وَيَا تٰی اِلٰی النَّاسِ  
 مَا يُحِبُّ اَنْ يُؤْتٰی اِلَیْهِ اور اُسے چاہیے کہ وہ لوگوں کے ساتھ وہی سلوک  
 کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ مقصد یہ کہ حق تقرب میں ہی چیز  
 بیان کی گئی ہے کہ وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ تمہاری موت  
 اسلام کی حالت میں آنی چاہیے۔ اور یہ مقام بھی حاصل ہوگا۔ جب انسان ہمیشہ اس  
 کی فکر میں لگا رہے گا۔ وہ ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتا رہے گا کہ کہیں اس کی موت اسلام کے  
 علاوہ کسی اور چیز پر نہ آجائے۔

دوسرے مقام پر فرمایا فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اللہ سے ڈرو  
 جس قدر طاقت رکھتے ہو۔ مفسرین و محدثین کرام فرماتے ہیں کہ مَا اسْتَطَعْتُمْ  
 کا تعلق تقویٰ کے اعمال والے درجے سے ہے۔ یعنی اپنی استطاعت کے  
 مطابق اعمال حسنہ انجام دیتے رہو۔ اس میں ہر آدمی کی طاقت کے مطابق رعایت  
 موجود ہے۔ بُرے اعمال سے بچتا ہے، اگر کوئی خامی رہ جائیگی تو اللہ تعالیٰ  
 مہربانی فرما کر معاف کر دیں گے مگر تقویٰ کے عقیدے والے درجے میں معافی  
 اور رعایت کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگر ایمان میں نقص آئیگا، کفر، شرک یا نفاق میں سے  
 کوئی شائبہ واقع ہوگا تو نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ عقائد میں تھوڑی  
 سی گمراہی بھی ناقابل برداشت ہے۔

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی شخص کی موت تو غیر اختیاری چیز ہے۔ وہ خود  
 چاہے بھی تو موت نہیں آسکتی، پھر اس آیت کا کیا مطلب کہ ”نہ مرو تم مگر اس حالت  
 میں کہ تم فرمانبرداری کرنے والے ہو“ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے  
 کہ تم لوہری زندگی اعمال صالحہ میں مشغول رہو، حتیٰ کہ اپنی پرتمہارا خاتمہ ہو جائے۔ اگر  
 ایسا ہو گیا، ایمان قائم رہا اور اسی پر خاتمہ ہو گیا، تو کامرانی یقینی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام  
 کا ارشاد گرامی ہے مَنْ مَاتَ عَلَیْهِ یُبْعَثُ عَلَیْهِ یعنی جو کوئی



جس عقیدے اور عمل پر مرگیا، اُسی پر قیامت کو اٹھایا جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان اس دنیا کی زندگی میں نیک اعمال انجام دیتا ہے حتیٰ کہ اُسے موت آجائے۔ سورۃ حجر میں یہی بات ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے "وَعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ" اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، حتیٰ کہ یقینی چیز یعنی موت آجائے الغرض! وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ کا مطلب یہ ہوا کہ تم زندگی بھر نیک کاموں میں لگے رہو، کیونکہ پتہ نہیں موت کس وقت آجائے۔ اور موت بہر صورت اسلام کی حالت میں آنی چاہیے۔ تاکہ حشر کو اسلام ہی کے عقیدے اور عمل پر دوبارہ اٹھایا جائے۔

جل جلالہ

فرمایا وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے پکڑ لو۔ حبل اللہ یعنی اللہ کی رسی سے مراد قرآن پاک ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت علیؓ سے روایت ہے، حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا لوگو! یاد رکھو اِنَّمَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ اِکْبَرُ اَفْتَنَ اَنْتُمْ وَالْاَبَیاءُ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا مَا الْمَخْرُجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ اس فتنہ سے بچ نہ سکنے کا کیا ذریعہ ہے۔ فرمایا کِتَابُ اللَّهِ وہ ذریعہ اللہ کی کتاب ہے۔ فِيهِ نَبَأُ مَنْ قَبْلَكُمْ جس میں تم سے پہلی امتوں کے واقعات ہیں وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ اور تمہارے بعد آنے والی اطلاعات ہیں۔ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ اور اس زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ فرمایا وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينُ یہ خدا کی مضبوط رسی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب صفات قرآن پاک میں موجود ہیں۔ اس میں سابقہ اقوام کے عبرتناک واقعات موجود ہیں جس سے انسان نصیحت پکڑ سکتا ہے۔ دو سرے مقام پر فرمایا لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ان واقعات میں صاحب عقل و بصیرت لوگوں کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے۔ اور بعد میں آنے والی اطلاعات میں موت، قبر،



بمذبح، حشر، جنت، دوزخ وغیرہ کے متعلق قرآن پوری پوری اطلاعات ہم پہنچاتا ہے۔ اور تیسری چیز احکام ہیں جو پوری زندگی کے ہر گوشہ پر محیط ہیں اور انسان کی ہر مرحلہ پر راہنمائی کرتے ہیں۔ اور مولانا ہی کی پوری تفصیل موجود ہے۔ جن کے مطابق زندگی بسر کر کے انسان دائمی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ الغرض! یہ قرآن پاک ہی ہے جسے جبل اللہ کا لقب دیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کِتَابُ اللّٰهِ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَمْدُودُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ قرآن پاک اللہ کی کتاب ہی جبل اللہ ہے جسے آسمان سے زمین تک دراز کیا گیا ہے۔ قرآن پاک لوح محفوظ بیت العزت سے دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا الْقُرْآنُ هُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِينِ یہ قرآن اللہ کی مضبوط رسی ہے۔ وَالنُّورُ الْمُبِينُ یہ روشنی دینے والا نور ہے۔ قرآن پاک میں بھی آتا ہے ”وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا“ ہم نے واضح طور پر بیان کرنے والا نور تمہاری طرف اتارا۔ قرآن پاک کے متعلق یہ بھی آتا ہے هُوَ شِفَاءُ الْبَاطِلِ یہ نفع پہنچانے والی شفا ہے۔ ”فِيهِ هُدًى وَشِفَاءٌ“ اس میں ہدایت اور تمام روحانی امراض کی شفا ہے جو کوئی قرآن پاک پر عمل پیرا ہوگا روحانی طور پر صحت یاب ہوگا۔ قرآن پاک عَصْمَةٌ لِّمَنْ تَمَسَّكَ بِهِ جِوَّاسٌ كَوْضُوعٌ مِّنْ تَحْتِهَا لَمَّا يَلْغِي الْغَمْرُ یہ اس کے لیے گمراہی اور دوزخ سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔ وَنَجَاتٍ لِّمَنْ تَبِعَ جِوَّاسٌ كَاتِبٌ كَرِيمٌ اس کو نجات نصیب ہوگی۔ یہ سب جبل اللہ کی تشریح ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰ لَكُمْ ثَلَاثًا اللہ تعالیٰ تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند فرماتا اور تین چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ فرمایا اللہ کی پسندیدہ چیزیں یہ ہیں۔ اَنْ تَعْبُدُوْهُ کہ تم اس کی عبادت کرو وَلَا تُشْرِكُوْا بِهِ شَيْئًا



اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ تیسری پسندیدہ چیز فرمایا تعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ پھر فرمایا تین ناپسندیدہ چیزوں میں قیل و قال یعنی بیودہ اور بلا مقصد بات چیت، کثرت سوال اور اصناعۃ المال ہیں۔ کثرت سوال سے مراد یہ ہے کہ لوگ مسائل دریافت کرنے میں تو بال کی کھال اٹارتے ہیں، مگر عمل صفر ہے۔ اور مال کا ضیاع یہ ہے کہ فضول رسومات، بدعات اور حرام جگہوں پر خرچ کیا جائے اللہ تعالیٰ کو یہ ہر گزہ پسند نہیں کہ اس کے فیلے ہوئے مال کو اس کی رضا کے خلاف خرچ کیا جائے۔ الفرغن! جبل اللہ سے مراد قرآن پاک ہے جسے مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی نصیحت کی گئی ہے۔

تفرق  
بین المسلمین

ارشاد ہوتا ہے، سب کے سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔ وَلَا تَفَرَّقُوا تفرقہ اور اختلاف نہ کرو۔ امام ابو بکر جصاصؓ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر جس اختلاف سے منع کیا گیا ہے، وہ اصول کا اختلاف ہے، کیونکہ فروعات میں اختلاف کہنا مباح ہے، فروعی اختلافات کے ذریعے انسان کی عبادت درست ہوتی ہے۔ مختلف حالات میں احکام مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً عاتقہ عورت اور عنبی کے لیے نماز حرام ہے، لیکن ایک عام مکلف کے لیے فرض ہے۔ مسافر اور مریض کے لیے روزہ کھانا حلال ہے مگر مقیم اور تندرست کے لیے حرام ہے۔ یہ فروعی اختلاف ہیں۔ ائمہ دین جیسے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہم کا بعض فروعات میں آپس میں اختلاف ہے یہ واسطہ بشرطیکہ تعصب سے پرہیز کیا جائے۔ اکثر لوگ تعصب کے کام لیتے ہوئے اپنے مسئلہ پر اڑ جاتے ہیں۔ اُسی کو درست سمجھتے ہوئے دوسرے مسلک والے کو جہنمی قرار دے دیتے ہیں۔ یہ جہالت اور نادانی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ اگر دین کے کسی اصول میں اختلاف کہہ یگا تو گمراہ ہو جائے گا۔

آگے فرمایا وَأَذْكُرُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ الشُّرْعَا کے اُن

تذکیر  
الہی



احسانات کو یاد کرو، جو اُس نے تم پر کئے۔ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءُ تَمَّ اَپس میں  
ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اور تمہارے اندر عصبیت جاہلیت پائی جاتی  
تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر لڑنے مارنے پر تیار ہو جاتے تھے، تمہارے سامنے کوئی  
مشن نہیں تھا۔ اِن حالات میں قَالَتْ بَيْنَ فُلُوبِكُمُ اللہ تعالیٰ  
نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت ڈال دی۔ اگے سورۃ انفال  
میں بھی آئے گا۔ قَالَتْ بَيْنَ فُلُوبِهِمْ وَلَوْ اَنفَقْتَ مَا فِي  
الْاَرْضِ جَمِيعًا مَّا اَلْفَتْ بَيْنَ فُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللہَ اَلَفَتْ  
بَيْنَهُمْ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں الفت پیدا کی۔ وگرنہ اگر آپ  
پورنی دنیا کے خزانے بھی خرچ کر دیتے تو ان کے درمیان پیار و محبت کی فضا  
قائم نہ کر سکتے۔ یہ تو ایمان اور اسلام کی الفت ہے جو اللہ نے اپنے اُحسری  
پیغمبر علیہ السلام کو مبعوث فرما کر اُن کے درمیان پیدا کی۔ اپنی آخری کتاب نازل  
فرمائی اسلام کے احکام سے آگاہ فرمایا چنانچہ اس کے تقاضوں کو سمجھ کر وہ لوگ  
اپنے اختلافات بھول گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَةِ  
اِخْوَانًا تم اللہ کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ تمہاری تمام  
عدوئیں اور پرانی عصبیت دور ہو گئی اور تم آپس میں شیر و شکر ہو گئے حضور علیہ السلام  
کا ارشاد ہے مومن تقی و فاجر شقی یعنی مومن کی صفت یہ ہے کہ وہ متقی ہوتا ہے  
اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا اتباع کرتا ہے۔ اور فاجر اُن احکام کی نافرمانی کر کے  
گمراہی میں جا کر ٹٹا ہے۔ لہذا جب اسلام آگیا تو پھر الفت، محبت اسلام کی وجہ سے  
ہونے لگی۔ قبائل اور خاندانوں کا طلسم ٹوٹ گیا اور صدیوں سے جاہلیت کی شکار  
قوم تہذیب و تمدن کے باہم عروج پر پہنچ گئی۔ یہ اسلام کی وجہ سے بھائی بندی کا نتیجہ تھا۔  
اللہ تعالیٰ نے اُس جاہل قوم کی عصبیت کا تذکرہ کیا اور اُن کو یاد کرایا وَكُنْتُمْ  
عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا تم دوزخ  
کے گڑھے کے کنارے پہ کھڑے تھے۔ شفا فتح کے ساتھ ہو تو اس کا معنی کنارہ



ہے۔ اور اگر کسرے کے ساتھ شفا ہو تو اس کا معنی تندرستی ہوتا ہے۔ یہاں پر شفا سے مراد کنارہ اور حفزہ گڑھے کو کہتے ہیں۔ بمقصد یہ ہے کہ تم اپنی جاہلیت اور غصبت کی بنا پر دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے۔ موت آنے کی دیر تھی کہ اُس گڑھے میں گر جاتے مگر اللہ نے تمہیں اس گڑھے سے بچا لیا۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے کہ تمہیں ایمان کی دولت نصیب ہو گئی اور تم جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

فرمایا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے احکام اور اصول بیان فرماتا ہے۔ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ جن کے ذریعے تم فرمانبردار بن سکتے ہو۔ اور اس کا مقصد یہ ہے لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ تاکہ تم ہدایت پا جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے تمام سامان مہیا کر دیے ہیں۔ اب ان سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب چیزیں واضح فرمادی ہیں۔



ال عمران ۳

لَنْ تَنَالُوا ۲

آیت ۱۰۴

درس ہی شش ۳۶

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ  
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الصَّفِيحُونَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: پس چاہیے کہ تم میں ایک ایسی جماعت ہو جو خیر کی دعوت دے اور معروف

کا حکم کرے اور بُرائی کے کاموں سے منع کرے۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں ﴿۱۰۴﴾ ربط آیات

گزشتہ دروس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کی بات ماننے سے منع فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی اللہ کو مضبوطی سے پکڑے گا، اُس پر ایمان لاکر اس کے احکام کا اتباع کرے گا اور اُسی پر بھروسہ کرے گا، اُسے سیدھے راستے کی طرف ہدایت نصیب ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتے رہو، جس طرح ڈرنے کا حق ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے کی نصیحت فرمائی۔ اور آپس میں تفریق پیدا کرنے کی بجائے بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین فرمائی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ جو ان ہدایت پر عمل کرے گا، وہی کامیاب و کامران ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُس کی ذاتی اصلاح کے لیے ایک پروگرام دیا تاکہ اُس پر عمل پیرا ہو کہ فلاح حاصل کر سکے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ذاتی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح کرنے اور اُن کو راہِ ہدایت کی طرف لانے کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے۔ **وَاجْعَلْنَا هَذِهِ مَهْتَدِينَ** اے اللہ! ہم کو ہدایت دینے والے اور ہدایت پانے والے بنائے مقصد یہ کہ ہر انسان کیلئے پہلے اپنی اصلاح ضروری ہے۔ اور پھر وہ دوسروں کو بھی ہدایت کی دعوت دے۔ اور اُن کی اصلاح کے لیے سامان مہیا کرے۔



آج کے درس میں اللہ نے وہ قانون بتایا ہے جس پر عمل کر کے انسان اپنی اصلاح کے بعد دوسروں کی اصلاح بھی کر سکتا ہے۔

دعوت  
الیٰ الخیر

ارشاد ہوتا ہے۔ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ تم میں ایک گروہ یا جماعت

ایسی ہونی چاہیے يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے

نیکی اور اچھائی کی طرف بلائے۔ ظاہر ہے کہ تمام کے تمام لوگ تبلیغ کے کام پر

نہیں لگ سکتے لہذا فرمایا کہ ایک گروہ یا ایک جماعت کم از کم ایسی ہونی چاہیے

جو تبلیغ دین کا فرض اپنے فمے لے۔ وَلْتَكُنْ میں لازم تاکید ہی ہے۔ اور اس

کا مقصد یہ ہے کہ اس کا خیر کے لیے کسی جماعت کا ہونا کوئی عام قسم کی نصیحت

نہیں ہے، جس پر عمل کر لیا جائے یا نہ کیا جائے، ایک ہی بات ہو بلکہ تاکید

فرمایا کہ ایسی جماعت لازماً ہونی چاہیے۔ جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اب رہا یہ سوال کہ خیر سے کیا مراد ہے۔ تو مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ

کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گمراہی ہے کہ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ

کا مطلب ہے الخير اتباع القرآن والسنة یعنی قرآن و سنت کا

اتباع ہی خیر ہے۔ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ اسامی قانون ہے۔ اور

سنت رسول قرآن پاک کی شرح ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے کرائی

ہے۔ گویا قرآن پاک وحی علی ہے اور سنت وحی خفی یا وحی باطنی ہے۔ امام شافعیؒ،

امام ولی اللہؒ، امام ابن تیمیہؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم فرماتے ہیں، ہر صحیح حدیث

جو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے، وہ قرآن کی شرح ہے، اس کی تفسیر ہے۔

تعلیم دین اور اس کے تعلیم کے لیے سورۃ توبہ میں بھی آتا ہے۔ فَلَوْلَا

نَفَرٌ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ یعنی ایسا کیوں نہ ہوتا کہ ہر

بستی میں سے ایک جماعت دین کی تعلیم حاصل کرتی اور پھر وہ واپس جا کر اپنی قوم کو

ڈراتی یعنی اُن کو احکام الہی سے خبردار کر کے اُن پر عمل کرنے کی تلقین کرتی آج کے



درس میں بھی اسی قسم کا حکم ہے۔ کہ تم میں سے ایک جماعت ضرور ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دے۔

اصلاح کے  
تین اصول

اس آیت کرمیہ میں انسانی اصلاح کے تین اصول بیان کیے گئے ہیں يَا دُعُونََ الْحَيِّينَ ہر وقت خیر کی دعوت دیتے رہیں تاکہ انفرادی اور اجتماعی زندگی درست رہ سکے۔ اور اس جماعت کی دوسری ڈیوٹی یہ ہو کہ وَيَا مَعْشَرُ ذَا الْعُقُوفِ وہ نیکی کا حکم کرتی ہے۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بُرائی سے روکتی ہے اگر ہر قوم میں ایسی جماعت پیدا ہو جائے گی، تو تمام نظام درست ہو جائے گا اور قوم اصلاح یافتہ ہو جائے گی۔ اور اگر یہ فریضہ ادا نہیں ہوگا، تو ظاہر ہے قوم منتشر ہو کر بربادی کی طرف جائے گی۔ بنی نوع انسان کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ پہلے ہی حکم دے چکے ہیں۔ کہ تقویٰ اختیار کرو۔ قرآن پاک کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔ آپس میں اتفاق و اتحاد قائم رکھو۔ اور بھائی بھائی بن کر زندگی بسر کرو اور اپنے قول اور عمل سے کتاب اللہ اور سنت رسول پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اب یہاں دعوت الی الخیر اور بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درس ہے کہ قوم و ملت کو بیدار رہنے اور اپنی خصوصیات کو باقی رکھنے کا اہتمام فرمایا ہے۔

ایمان کے تین درجات سے متعلق مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت موجود ہے۔ یہ نذیر کی خلافت کے بعد کا واقعہ ہے۔ نذیر خود تو فاسق فاجر ہی تھا۔ تاہم اس کے بعد اس کا بیٹا مسند خلافت پر ٹھکان ہوا۔ جو کہ نیک آدمی تھا۔ مگر وہ دو تین ماہ سے زیادہ یہ بار نہ اٹھا سکا اور فوت ہو گیا اس کے بعد ۶۵ھ میں مروان بن الحکم خلیفہ بنا۔ اس — زمانہ میں ابھی صحابہ کرامؓ موجود تھے۔ تابعین میں بھی بڑے بڑے اہل علم لوگ تھے۔ ہوا یہ کہ عید کا دن تھا۔ خلیفہ وقت مروان حضرت ابوسعید خدریؓ کا ہاتھ تھامے نماز عید کے لیے جائے عید گاہ پہنچے تو مروان اپنا ہاتھ چھڑا کر منبر پر جانا چاہتا تھا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ نے ہر چند روکا کہ عید کے دن پہلے نماز اور بعد میں خطبہ ہوتا ہے۔ اس لیے آپ قبل از نماز عید کا خطبہ نہ دیں، مگر مروان نہ



مانا اور منبر پہنچ کر خطبہ شروع کر دیا۔ ایتنے میں حاضرین میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور بلند آواز سے پکارا الصلوة قبل الخطبة یعنی خطبے سے پہلے نماز ہونی چاہیے۔ مگر مروان پھر بھی نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ ابوسعید خدریؓ نے کہا اما هذا فقد قضی ما علیہ یعنی اس شخص نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر دیا، کیونکہ میں نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ جَوْدًا بِرَأْيِهِ وَيُكْفِ تَوَاسُؤًا بِمَتْنِهِ رُكُوعًا۔ فَاِنْ لَمْ يَسُدَّ يَدَهُ فَلَْيُصَلِّ اَوْ يَنْصَرِفْ۔ اگر وہ ہاتھ سے روکنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو زبان سے ہی کہے۔ اور اگر زبان سے روکنے کی طاقت بھی نہ پاتا ہو فَبِقَلْبِهِ تَوَكُّمًا اِنْ كُنْتُمْ دَلَّيْتُمْ اَوْ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَدْرُوْنَ۔ فرمایا وَذَلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ یہ کمزور ترین ایمان ہے مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں وَلَيْسَ وَكَلَاءُ ذَلِكَ مِنْ الْاِيْمَانِ حَبْسُهُ خَرَدٌ لِّعَيْنِ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان کا کوئی درجہ باقی نہیں ہے۔ کسی بُرائی کو محض دل سے بُرا جانا ایمان کا آخری درجہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر یہ درجہ بھی کسی کو حاصل نہ ہو سکے، تو پھر اس کا ایمان باقی نہ رہا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ قَسَمُ بِاسْمِ ذَاتِ كِيٍّ جِسْمٍ فِي مِيزَانِ حَبْشَةٍ ثَوِيٍّ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ قَدْ تَمَّ صُورَتِي كَمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔ جو اور بُرائی سے روکتے رہو۔ اگر ایسا نہیں کرو گے لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا تَنْتَظِرُوْنَ۔ کہ اللہ تم پر عذاب مسلط کر دے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَذَكَّرُوْنَ۔ فَلاَ يَسْتَجِيبُ لَكُمْ بِشَيْءٍ۔ پھر تم دعائیں کرتے رہو گے۔ مگر اللہ قبول نہیں کریگا۔ گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت اختیار کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کے مستحق ٹھہرو گے۔

فرض کفایہ مفسر قرآن امام ابو جرحہ جصاصؒ فرماتے ہیں کہ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَعْلَمُونَ الْفَاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تبلیغ دین کا کام فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ یہ کام ایک گروہ



یا جماعت کے سپرد کیا گیا ہے۔ سب کے سب مسلمانوں کو یہ حکم نہیں ہے۔ اگر یہ کام تمام اہل اسلام کے لیے ضروری ہوتا تو نماز، روزہ وغیرہ کی طرح فرض عین ہوتا۔ فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر عامۃ المسلمین میں سے کچھ لوگ بھی اس کو ادا کر لیں، تو سب کی طرف سے ادائیگی ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص بھی اس فرض کو پورا نہ کرے، تو سب کے سب گنہگار ہوں گے۔ جیسے جہاد کا فریضہ ہے۔ جب کوئی شخص بھی جہاد کرنے والا نہیں ہوگا تو ساری قوم قابل مواخذہ ہوگی اور اگر جہاد کے قابل بعض لوگ اس فرض کو ادا کرتے رہیں گے تو ساری قوم کی طرف سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی اسی طرح اسلامی تعلیم حاصل کرنے کا معاملہ ہے۔ بنیادی تعلیم کے متعلق تو حضور علیہ السلام نے فرمایا طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ کہ یہ ہر مسلمان مرد و زن پر فرض ہے۔ یہ ضروریات دین میں شامل ہے۔ اور اس کے ذریعے انسان اپنا عقیدہ اور عمل درست کرتا ہے، مگر مفصل تعلیم فرض بالکفایہ ہے۔ کچھ لوگ بھی اگر دین کی مفصل تعلیم حاصل کر لیں گے اور وہ اُسے عام لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے، تو یہ تمام لوگوں کی طرف سے کفایت کرے گا۔ اس طرح مردے کا غسل، کفن و دفن اور اس کی نماز جنازہ ہے۔ اگر بعض لوگوں نے یہ امور انجام دے دیے تو سب لوگوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا ہو گیا۔ اور اگر کسی نے بھی نہیں کیا، تو سارے کے سارے بستی والے گنہگار ہوں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعْرُوفِ حَسَنٌ حَتَّى يَكُنْ لَهُمْ فِيهِمْ قَوْمٌ يَكْفُرُونَ۔ کہ جو قوم میں سے کوئی ایسا عمل ہو جس سے اللہ تعالیٰ سب کے لوگ قادر ہونے کے باوجود بدلتی ہو گئی ہو، تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو سزا دے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ بُرائی سے منع نہ کرنے کی بیماری سب سے پہلے نبی اسرائیل میں پیدا ہوئی۔ جب اس قوم کے لوگ معاصی میں مبتلا ہوئے تو ابتداء میں بعض لوگوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی، جب وہ باز نہ آئے، تو باقی لوگ بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو گئے۔ ان کے ساتھ



اٹھنا بیٹھنا، کھانا، پینا وغیرہ جاری رکھنا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سب کو ملعون قرار دیکر  
سزا میں مبتلا کر دیا۔ الغرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض بالکفایہ ہے۔ اور اگر امت  
میں سے کچھ لوگ بھی اس کا بار اٹھالیں، تو یہ فریضہ ادا ہو جائے گا۔

اس کے مکلفین امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ بُرائی کو بذور طاقت روکنا حکومت وقت کا کام ہے  
کیونکہ اُس کے پاس وسائل اور طاقت ہوتی ہے۔ اور زبان سے روکنا علمائے کرام  
کا کام ہے۔ جب کہیں بُرائی دیکھیں تو اُن کا فرض ہے کہ وہ خاموش تماشائی نہ بنیں  
بلکہ اُس کے خلاف آواز اٹھائیں اور احتجاج کریں۔ فرماتے ہیں کہ ایمان کے آخری  
درجے میں عوام الناس آتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ کم از کم دل سے ہی بُرائی کو  
بُرائی سمجھیں اور نیکی کی حوصلہ افزائی کریں۔ ابو داؤد شریف کی روایت میں ہے اِذَا  
سَيِّئُكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءُ ثُكَّ سَيِّئُكَ فَانْتَ مُؤْمِنٌ جب تجھے  
نیکی اچھے لگے اور بُرائی بُدی محسوس ہو، تو سمجھ لے کہ تیرے اندر ایمان باقی ہے اور  
اگر اس کے خلاف ہے۔ تو آدمی ایمان سے خالی ہو گیا ہے۔

بعض مفسرین اور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ بُرائی کو طاقت سے روکنے کے  
لیے حکومت کے علاوہ بعض دوسرے لوگ بھی مکلف ہیں۔ انسان اپنے گھر میں یا  
اپنے ماحول میں جہاں بھی بُرائی کو بذور طاقت روک سکتا ہے۔ وہاں وہ ایسا کرنے  
کا پابند ہو جاتا ہے، کیونکہ ایسے شخص کو اپنے گھر میں یا حلقہ اثر میں اختیار حاصل ہوتا  
ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے کَلَّكُمْ رَاعٍ وَكَلَّكُمْ  
مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ تم میں سے ہر شخص اپنے حلقہ اثر میں حاکم ہے  
اور تم سے اپنی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ لہذا ہر شخص کے لیے لازم ہے  
کہ وہ جہاں بھی طاقت پاتا ہے، بُرائی کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر اس ضمن  
میں غفلت کا مظاہرہ کرے گا۔ تو مجرم ٹھہرے گا۔

مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف کے بھی مختلف درجات ہیں  
جو حکم جس درجے کا ہوگا، اُس پر عمل کرنا بھی اُسی درجے میں داخل ہوگا۔ مثلاً نماز پاروزہ



فرض ہے۔ تو وہاں نماز اور روزہ کا حکم کمزور بھی فرض ہوگا۔ اور نوافل وغیرہ جیسے مستحب امور میں ان کا حکم کمزور بھی مستحب کے جیسے میں ہوگا، فرض واجب نہیں ہوگا۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کسی مسئلہ میں قدرت ہونے میں یہ شرط بھی داخل ہے کہ وہ مسائل دین سے واقف بھی ہو۔ اگر کوئی شخص دینی مسائل کو جانتا ہی نہیں تو عمل کیسے کرانے گا۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ جاہل لوگوں کا وعظ مننا بھی درست نہیں۔ ایسا شخص جھوٹی روایتیں بیان کر کے غلط مسئلے پیش کرے گا۔ ظاہر ہے کہ ایسا آدمی عالم نہیں بلکہ جاہل ہے، لہذا اس کے وعظ سے بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ بھی حاشیے میں فرماتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے لیے انسان کے لیے صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ ذہنی اور موقع شناس ہونا بھی ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر اور منکر کو معروف بنائے۔ یا منکرات کی اصلاح کے لیے ایسے وسائل استعمال کرے جن سے مزید منکرات پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ بعض اوقات نرمی کی بجائے سختی یا سختی کی بجائے نرمی اختیار کرنے سے بھی اصلاح کی بجائے بگاڑ پیدا ہو سکتا ہے۔ لہذا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وسیع تر معنوں میں ایک آدمی کا کام نہیں ہے بلکہ اس کام کے لیے مذکورہ شرائط کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔

الغرض! فرمایا کہ تم میں سے ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیے جو ہر وقت خیر کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کی تلقین کرے، اور بُرے کاموں سے منع کرے۔ فرمایا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ ایسا فریضہ ادا کرنے والے لوگ اللہ کے مقبول بندے ہوں گے اور انہیں مرجہ کمال حاصل ہوگا۔ فرمایا یہ لوگ فلاح یافتہ ہو جائیں گے۔



لَنْ تَنَالُوا ۴

الِ عَصْرَانِ ۳

درس ہی دہشت ۳۷

آیت ۱۰۵ تا ۱۰۹

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ  
 مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾  
 يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ  
 اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ  
 فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾  
 وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ  
 هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا  
 عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۖ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾  
 وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ  
 الْأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹

ترجمہ :- ان لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا جب کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکیں۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۰۵﴾ جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے (اُن سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا۔ پس عذاب چکھو۔ یہ بدلہ ہے اس کا جو تم کفر کرتے تھے ﴿۱۰۶﴾ اور بہر حال وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۰۷﴾ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا جہاں والوں پر ﴿۱۰۸﴾ اور



اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور  
اللہ ہی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے (۱۹)

ربط آیات

گزشتہ دروس میں اہل کتاب کی اطاعت کرنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ پھر  
تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہوا، اور اللہ کی رسی یعنی قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑنے کی  
تعمین کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا کہ امت مسلمہ میں سے ایک گمراہ ضرور ایسا ہونا چاہیے  
جو نیک کاموں کی طرف دعوت دے، اچھے کاموں کا حکم کرتے رہیں اور بُرائی سے  
روکتے رہیں۔ اس طرح جماعت کا نظم بھی قائم ہے گا اور لوگ گمراہی سے بھی بچ  
جائیں گے اب اہل ایمان سے مزید خطاب ہو رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح  
تم بھی آپس میں تفرقہ کا شکار نہ ہو جانا۔ اہل کتاب نے واضح احکام آجانے کے باوجود  
اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے تفرقہ ڈالا۔ ان کے الگ الگ گمراہ بن  
گئے۔ خود ساختہ عہدے وضع ہو گئے اور اس طرح وہ گمراہی میں مبتلا ہوئے  
اے اہل ایمان! تم ایسا نہ کرنا۔

تفرقہ  
فی الدین

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا ان  
لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جو متفرق ہو گئے، گمراہوں میں بٹ گئے اور انہوں نے  
اختلاف کیا۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ بِالْبَيِّنَاتِ واضح احکام و  
دلائل آجانے کے بعد۔ یہ اختلاف کسی غلط فہمی کی بناء پر نہیں پیدا ہوئے۔ بلکہ انہوں  
نے اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کی تکمیل کے لیے دیدہ دانستہ اختلاف کا راستہ  
اختیار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اور ایسے لوگ  
خدا کے نزدیک بڑے عذاب کے مستحق ہیں۔

قاضی شہار اللہ پانی پتی مفسر قرآن ہیں۔ آپ اولیاء اللہ میں سے تھے نقشبندی  
طریقہ کے بزرگ تھے۔ آپ نے شیخ جان جاناں کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور  
پھر انہی کے نام سے آپ نے تفسیر مظہری لکھی۔ بڑے پائے کی تفسیر ہے۔ یہ تفسیر  
بڑے عرصہ تک قلمی نسخہ کی شکل میں محفوظ رہی۔ اب سے تقریباً چالیس سال پہلے



دس جلدوں میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ حضرت مرزا منظر جان جانائے عالم گیر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم عصر تھے۔ اور حضرت مرزا جان جانائے کور افضیوں نے گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی امام ولی اللہ کے شاگرد اور حضرت مرزا منظر جان جانائے کے مرید باصف تھے۔

اس آیت کے متعلق امام ابن کثیر، قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور بعض دیگر مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ یہاں جس اختلاف کی ممانعت کی گئی ہے، وہ اصول دین کا اختلاف ہے۔ کیونکہ قطعی اصولوں میں اختلاف کرنا بالکل ناجائز ہے۔ ایسے اختلاف سے دین کا عقیدہ ہی بگڑ جاتا ہے اور انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔ اصول دین میں توحید، رسالت اور قیامت وغیرہ کے مسائل آتے ہیں۔ فروعیات میں اختلاف روا ہے۔ مگر ایسا اختلاف بھی اگر نفسانی خواہشات کے تابع کیا جائے تو جائز نہیں ہوگا۔ ایسی چیزیں جو فروعیات میں شمار ہوتی ہیں، مگر امت میں متفق علیہ ہیں، ان میں بھی اختلاف کرنا اصول دین میں اختلاف کے مترادف ہے۔ مثال کے طور پر فرماتے ہیں۔ کہ موزہ یا موٹی جراب پہ مسح کرنا تو جائز ہے۔ سلف صالحین اس پر متفق ہیں۔ مگر خالی پاؤں پہ بوقت وضو مسح درست نہیں ہے۔ یہ نہ تو حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے ہے۔ مگر اس متفقہ مسئلہ کے خلاف روافض ننگے پاؤں پہ بھی مسح کرتے ہیں۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ ایسے مجمع علیہ مسائل میں اختلاف کرنا بذات خود گمراہی ہے۔ اہل بدعت بھی بعض متفقہ مسائل میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس آیت کرمیہ میں ایسے ہی اختلافات سے منع کیا گیا ہے۔

البتہ نفسانیت سے سبباً فروعی اختلافات تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں بھی موجود تھے، تحقیق یہ جس کی یہ اختلاف میں بھی پایا جاتا ہے انکا قصہ راجح پہلو اختیار کرنا ہوتا

صحابہ روشن  
سے ہیں

ہے۔ لہذا اس قسم کا اختلاف روا ہے۔ بعض محدثین میں بھی فروعی اختلاف رہا ہے مگر یہ اختلاف تلاش حقیقت کے لیے ہوتا تھا، اس کو گمراہی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ صحابہ کرام کے متعلق دارقطنی اور ابن عبد البر وغیرہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں۔



کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔  
 یا محمد ان اصحابک عندی کالنجوم آپ کے صحابہ میرے نزدیک  
 ستاروں کی مانند ہیں بعضہا اقوی من بعض، ایک دوسری روایت آتا ہے  
 بعضہا اضواء من بعض، یعنی بعض ستاروں کی روشنی بعض کی نسبت  
 زیادہ ہے، مگر سب ہی روشن ہیں، کوئی ستارہ تاریک نہیں ہے۔ کُلُّ نَوْءٍ  
 ان صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا قَمَنٌ اَخَذَ بِشَيْءٍ مِّمَّا عَلَيَّ جس شخص نے  
 کسی ایک صحابی کے طریقے کو اختیار کر لیا، وہ ہدایت پر ہے۔ مقصد یہ کہ صحابہؓ کے  
 فروعی اختلاف کے باوجود جس نے کسی بھی طریقے کو اپنا لیا، تو وہ ہدایت پر ہی ہوگا۔  
 اگر کسی دوسرے شخص نے دوسرے صحابی کی بات کو مان کر اس پر عمل شروع کر دیا، تو  
 وہ بھی درست ہوگا۔ اور ایسا شخص ہدایت یافتہ شمار ہوگا۔

اختلاف  
رحمت

امام بیہقیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے۔ مَا  
اَوْتِيْتُمْ مِّنَ الْكِتَابِ حَتَّى تَمْلِكُوهُ پاس کتاب اللہ سے کوئی چیز  
 پیش کی جائے تو اس پر عمل کیا جائے لَا عُدْرَةَ لَّاحِدٍ فِي تَرْكِهِ اس کو ترک  
 کرنے میں کسی کا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ مقصد یہ کہ قرآن پاک کے حکم کو ہر حالت میں  
 ماننا پڑے گا، اس کے خلاف کوئی حیلہ بہانہ نہیں چل سکے گا۔ اور اگر قرآن پاک میں  
 کسی معاملہ کی وضاحت موجود نہ ہو، تو فرمایا فِي سُنَّةِ نَبِيِّ تو حضور علیہ السلام کی  
 سنت مطہرہ میں تلاش کرو، وہاں سے حکم معلوم کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اگر  
 وہاں پر بھی کوئی چیز تشنہ ہے تو فرمایا، فَمَا قَالِ اصْحَابِي میرے صحابہ کی بات  
 کو مان لو، یہ بھی تمہارے لیے حجت ہوگی اصْحَابِي كَالنَّجْمِ  
 کیونکہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں فَيَا أَيُّهَا قَدْ يَتَّبِعُونَ هُدًى  
 تم جس صحابی کی بات مان کر اس پر عمل کر لو، ہدایت پا جاؤ گے۔ اور یاد رکھو!  
لَا حَتَّ لَافٍ اَصْحَابِي لَكُمْ ارحمۃ میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے  
 لیے باعث رحمت ہے۔ جس مسئلہ میں انہوں نے اختلاف کیا ہے۔ اس میں



اللہ نے تمہارے لیے سہولت رکھ دی ہے۔

حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے محمد کے فرزند امام قاسم ابن محمدؓ بڑے پائے کے امام تھے۔ آپ تابعین کے دور کے فقہائے سبوعہ (سات بڑے فقہاء) میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں اِخْتِلَافُ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ رَحْمَةُ اللَّهِ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ كَاخْتِلَافِ اللَّهِ كَبَدُولِ الْقَمَرِ۔ لہذا اس قسم کا اختلاف بالکل روا بلکہ امت کے لیے سہولت کا باعث ہے۔ چاروں ائمہ دین جن کے پیروکار پوری دنیا میں پائے جاتے ہیں، ان کا آپس میں اختلاف بھی جائز ہے۔ کیونکہ نہ تو وہ اصول دین میں ہے اور نہ بدعات نفسانیت ہے۔ پانچواں طبقہ محدثین ظاہریہ کا ہے۔ جو ظاہری طور پر کسی امام کی تقلید نہیں کرتے، مگر یہ سب کے سب اہل حق ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاف تحقیق و تحسین کی بنا پر ہے نہ کہ تعصب اور عناد کی بنا پر۔

امام ابو حنیفہؒ کا مسلک بھی وہی ہے، جو صحابہ کرامؓ کا ہے۔ امام طحاویؒ نے طحاوی شریف کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے کتاب اللہ سے رجوع کرتے ہیں۔ اگر وہاں پر مسئلہ کا حل نہ ملے، تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتے ہیں، اگر وہاں بھی نہ پائیں، تو جس مسئلہ پر صحابہ کرامؓ کا اتفاق ہو، اُس کو بلا چون و چرا مان لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اگر کسی معاملہ میں صحابہ کا اختلاف ہو، تو پھر امام صاحب زیادہ راجح پہلو کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر صحابہؓ کے قول و عمل میں بھی کوئی چیز نہ ملے، تو پھر خود اجتہاد کرتے ہیں، آپ کے نزدیک اجتہاد چوتھے درجہ پر آتا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض لوگ اس معاملہ میں امام صاحبؓ کو بدنام کرتے ہیں کہ آپ حدیث پر قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ امام طحاویؒ لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ تو ضعیف حدیث پر بھی عمل کرتے ہیں چہ جائیکہ وہ اعلیٰ درجے کی حدیث کو نظر انداز کر دیں۔ ابن حزم ظاہریؒ نے اس کی مثال قہقہہ والی حدیث سے دی ہے۔ اس ضعیف حدیث میں آتا ہے

مسئلہ  
امام ابو حنیفہؒ



کہ اگر کوئی شخص نماز کی حالت میں ہنس پڑے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر امام ابو حنیفہؒ کا اسی پر عمل ہے۔ انہوں نے بلا وجہ قیاس نہیں کیا۔ اُن کا اجتہاد ایسے مسائل میں واقع ہوا ہے، جہاں روایت میں اختلاف پایا گیا ہے۔ یا صحیح روایت ثابت ہی نہیں ہو سکی۔

اختلاف  
زحمات

جائزہ فروشی اختلاف تو باعث رحمت ہے۔ مگر بعض ضدی اور متعصب  
قسم کے لوگ کسی معمولی اختلاف کو بنیاد بنا کر آپس میں بحث و مناظرہ کرتے ہیں۔ اور  
پھر جب ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے تو آپس میں سر پھٹول  
کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایسے اختلاف قتال تک پہنچ جاتے ہیں۔ تاہم یوں کے  
زمانہ میں حنفی اور شافعی مسلک کے لوگ ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور  
قتل و غارت گری تک نسبت پہنچی۔ اس قسم کا اختلاف یقیناً یہودیوں والا اختلاف  
ہے۔ یہ وہ اختلاف نہیں جسے حضور علیہ السلام اور تابعین کی زبان سے باعث رحمت  
کہا گیا ہے۔ بلکہ اس قسم کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ جو مسلمانوں میں افتراق  
پیدا کرتا ہے۔ امیر معاویہؓ کی روایت میں ہے اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ  
اَفْتَرَقُوا دُكْتُابُوهٖ عِنِّیْ تَوْرٰتِ اور انجیل کی طرف نسبت کرنے والوں نے  
اپنی پارٹیاں اور گمروہ بنالیں۔ یہ لوگ ثنتین و سبعین یعنی بہت فرقے بن گئے۔  
نیز فرمایا وَفَتَرَقَ اَمْتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَ سَبْعِیْنِ میری امت کے تہتر  
فرقے بن جائیں گے۔ مگر یاد رکھو گُلُّمُھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَہٗ اَیْکَ  
فرقے کے سوا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ عرض کیا حضور! وہ ناجی فرقہ  
کون سا ہوگا، فرمایا وہ جماعت ہوگی جس کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے  
یہ وہ لوگ ہوں گے جو حضور علیہ السلام کی سنت اور صحابہؓ کے طریقے پر چلیں گے  
اِنَّ کَا عَقِیْدَہٗ اور عمل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل کے مطابق ہوگا  
یہی لوگ ناجی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے سیئخرج اقوام عنقریب میری

پہلے  
کی کثرت



امت میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے تجارتی بھرتلک الہواء ان میں خواہش اور بدعات اس طرح سرایت کر جائیگی کہ اس تجارتی الکلب بواجہ جس طرح پاگل گتے کے کاٹنے سے بیماری سارے جسم میں سرایت کر جاتی ہے۔ لایبقی امد عرق ولا مفصل الا دخلہ کوئی رگ اور جوڑا یا نہیں ہوگا۔ جس میں یہ سرایت نہ کر جائے۔ بدعت ایسی بُری چیز ہے کہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول، صحابہ کرام اور بڑے بڑے فقہاء کے اہل فیصلے نظر انداز کر دیے جاتے ہیں کیونکہ وہ ان کی خواہشات کے مطابق نہیں ہوتے۔

آج اپنے ارد گرد نظر اٹھا کر دیکھ لیں، سنت کا متلاشی کوئی خاص ہی اللہ کا بندہ نظر آئے گا۔ ورنہ ہر موقع پر لوگ بدعات کی پیروی کر رہے ہیں۔ بیاہ شادی کا موقع ہو، یا فوتیگی کا، کوئی خوشی کا موقع ہو یا غمی کا ہر جگہ بدعات کی بھرمار ہے بارہ ربیع الاول کے نام پر عوام سے لے کر حکومتی سطح تک جو کچھ گلی کوچوں اور ایوانوں تک کیا گیا ہے، کیا یہی اسلام ہے۔ صحابہ کرامؓ اور ائمہ دینؒ کے زمانے تک تو کسی کو جلوس نکالنے، چہراغاں کرنے اور جھنڈیاں لگانے کی نہ سوجھی، یہ تمام بدعات تو ساتویں صدی میں شروع ہوئیں۔ خاص طور پر قابلِ غور بات یہ کہ نبی علیہ السلام کی ولادت کی تاریخ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ربیع الاول کی تحیم، دو، چھ نو، دس اور بارہ کی مختلف روایات ہیں۔ مؤرخین کسی ایک تاریخ پر متفق نہیں ہو سکے البتہ وفات کی تاریخ بارہ ربیع الاول متفق علیہ ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ لوگ وفات کی تاریخ کو جشن مناتے ہیں۔ اب تو حکومت بھی ان بدعات میں حصہ دار بن گئی ہے۔ سہ چوں کفر از کعبہ بخیزد کجا ماند مسلمان۔ جب محکمہ اوقاف نے مزاروں کو اپنی تحویل میں لیا، تو توقع پیدا ہوئی کہ شاید اصلاح کی کوئی صورت نکل آئے گی۔ مگر حکومت کے خزانے میں تو صرف آمدنی کی ضرورت ہے۔ انہیں اس بات سے کچھ غرض نہیں کہ مزارات پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ عرس ہوتے ہیں۔ چادریں چڑھتی ہیں، پھول، اور پھولوں کی چادریں اڑھائی جاتی ہیں اور پھر



غیر اللہ کی نذر چلتی ہے، سب کفر، شرک اور بدعات کی قبیح رسوم ہیں۔ جس چیز کو آج دین بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، نہ اُس سے صحابہ کرام واقف تھے، نہ تابعین اور نہ چاروں امام۔ پھر یہ بدعت نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں پہ اتفاق و اتحاد کی دعوت دی ہے۔ شرک، کفر اور بدعت پہ اتفاق کا حکم نہیں دیا۔ اس معاملہ میں لَا اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ فرمایا ہے۔ کسی صحیح چیز پہ اتفاق سے بہتر نتائج برآمد ہوں گے، بدعات پر عمل پیرا ہونے سے مزید خرابیاں پیدا ہوں گی اور ملت مزید کمزور ہوگی۔

فرمایا اُن لوگوں میں نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔ حالانکہ اُن کے پاس کھلی کھلی اور واضح نشانیاں آچکی تھیں۔ آج توحید جیسے بنیادی مسئلہ میں جھگڑا کیا جا رہا ہے۔ غیر اللہ کو اللہ کا شریک بنایا جا رہا ہے۔ اُن کے نام کی دہائی دی جاتی ہے، اُن کو مصیبت میں پکارا جاتا ہے۔ قرآن و سنت کا واضح پیغام موجود ہے مگر اپنے پیٹ کی خاطر اہل اسلام میں تفرقہ پیدا کیا جا رہا ہے، گمراہ اور پارٹیاں بن رہی ہیں، یہ سب کچھ خواہشات

نفسانی کی پیروی میں ہو رہا ہے، ان چیزوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایسے لوگ یقیناً خدا کے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

فرمایا یَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ جِسْمِ دَرِّ بَبْت سے چہرے سفید ہوں گے۔ یقیناً روشن اور اہل ایمان اور سنت پر عمل کرنے والوں کے چہرے قیامت کے دن سفید ہوں گے۔ سیاہ چہرے وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌُ الْبَتَّةَ کفر، شرک، بدعت اور معصیت میں ملوث لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ فرمایا قَامَا الَّذِیْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ اُس دَرِّ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، اُن سے

کہا جائے گا اَکْفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِکُمْ کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ کفر اعتقاد میں بھی ہوتا ہے اور اعمال میں بھی۔ اگر عقیدہ بگڑ گیا، تو ایمان میں کفر پیدا ہوا اور اگر اعمال میں کفر کیا، تو اعمال کفار جیسے ہو گئے۔ فرمایا اس کی سزا یہ ہے



فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ اَسْ كَفَرَ كَابِدًا لِّكُفْرِهِمْ حِينَ كَانُوا  
اَرْتَابًا كَذَابٍ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ اَسْ كَفَرَ كَابِدًا لِّكُفْرِهِمْ حِينَ كَانُوا

فرمایا وَالَّذِينَ ابْيَضَّتْ وَجُوهُهُمْ فَبِئْسَ رَحْمَةً اللّٰهِ عَلَيْهِمْ  
چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ  
ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے۔ پھر فرمایا تِلْكَ آيَةُ اللّٰهِ  
تَسْلُوْهَا عَلَيْهِكَ بِالْحَقِّ یہ اللہ کی آیتیں ہیں۔ جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ پڑھتے  
ہیں۔ یاد رکھو! وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِيْنَ اللہ تعالیٰ جہان والوں

پر ذرہ بھر بھی ظلم کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جو کچھ ملے گا بندوں کے اپنے اعمال کا ثمرہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ  
کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ ایسا نہیں ہوگا۔ کہ بے عمل کو اچھا بدلہ دے دیا جائے، یا حکم جبرم  
کے مجرم کو زیادہ سزا دی جائے۔ ہاں! مگر کوئی شخص جرم کے سزا سے بچ بھی نہیں سکیگا۔  
اُسے اپنے جرم کی سزا بھگتنا ہوگی۔

رجوع الی اللہ فرمایا وَاللّٰهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے  
سب کچھ اللہ ہی کا ہے۔ ہر چیز پر اُسی کا تصرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر اور اس کے بنائے  
ہوئے آسمان کے نیچے بسنے اور اس کی نعمتوں کو استعمال کرنے والا اس کے خلاف  
کیسے کچھ سکیگا۔ اگر کوئی شخص اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا۔ سنت کو ترک کرے گا، دین  
میں خستہ اندازی کرے گا، تو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا۔ کیونکہ وَاللّٰهُ يَرْجِعُ الْاُمُوْرَ  
تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سب نے اس کی عدالت میں پیش ہونا  
ہے۔ تمام معاملات کا فیصلہ وہی ہوگا۔



لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس سی و ہشت ۳۸

آیت ۱۱۰ تا ۱۱۱

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ  
 بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ  
 وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمْ  
 الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ ۱۱۰ لَنْ يَنْصُرَكُمْ  
 إِلَّا أَدَىٰ وَإِنْ يُلَاقُوا يُلَاقُوا يُلَاقُوا يُلَاقُوا  
 لَا يَنْصُرُونَ ۝ ۱۱۱

ترجمہ: تم سب سے بہتر امت ہو جس کو ظاہر کیا گیا ہے لوگوں کے فائدے کے  
 لیے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو، اور بُری باتوں سے منع کرتے ہو، اور تم  
 اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو البتہ یہ ان کے لیے  
 بہتر ہوتا، ان میں سے بعض ایمان پر ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ۱۱۰  
 وہ تم کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، مگر زبان سے ستلنا۔ اور اگر وہ تم سے  
 لڑیں گے، تو تمہاری طرف پیٹھ پھیر دیں گے، پھر انہی مردنہ کی جائیگی ۱۱۱

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی باتوں کو ماننے سے منع فرمایا اور اس کے نقصان  
 کا تذکرہ بھی کیا۔ پھر اللہ سے کماحقہ ڈرنے کا حکم دیا اور قرآن پاک کو مضبوطی سے پکڑنے  
 کی وصیت کی۔ تفرقہ بازی کی ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ تمہارے درمیان ہر وقت  
 ایک ایسا گروہ ضرور ہونا چاہیے جو لوگوں کو خیر کی طرف دعوت دیتے رہیں، معروف  
 کا حکم کرتے رہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ  
 نے اہل کتاب کی حالت یاد دلا کر فرمایا کہ ان کی طرح نہ ہونا جنہوں نے تفرقہ ڈالا،  
 اور واضح احکامات آجملے کے بعد اختلاف کیا۔ یہ لوگ ناکام ہیں اور خدا کے



عذاب کے مستحق بھی۔

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے رد میں کئی چیزیں بیان فرمائیں۔ ابتداء میں خانہ کعبہ کا ذکر آیا۔ اہل کتاب اپنے قبلہ کو افضل قرار دیتے تھے تاہم اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی فضیلت کا تذکرہ فرمایا اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُوَ الَّذِي لِلْعَالَمِينَ لُوْغُوں کی عبادت کے لیے اولین عبادت خانہ بیت اللہ شریف سب سے افضل ہے۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام کا ذکر آیا، کہ تم نافرمانی کس طرح کرو گے جب کہ تمہارے درمیان اللہ کا عظیم المرتبت رسول موجود ہے۔ پھر قرآن کریم کا تذکرہ ہوا، کہ آسمانی کتابوں میں یہ سب سے افضل کتاب ہے اور تمام لوگوں کو حکم دیا کہ اللہ کی اس کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں۔ اب حضور علیہ السلام کی امت کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ یہ چاروں چیزیں یعنی بیت اللہ شریف، پیغمبر عظیم، قرآن حکیم اور امت محمدیہ کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں بھی ہو چکا ہے، اب پھر ان کو دہرایا جا رہا ہے۔

بہترین امت

ارشاد ہوتا ہے۔ اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ تَمَّ بِهِنَّ اَمْرٌ۔ تم بہترین امت ہو۔ کُنْتُمْ مَّا صُنِيَ لِعَبْدِكَ صَیْفَةٍ اَمَامَ بَصَاوِیْ اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس بات کا تذکرہ ماضی میں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سابق اور لوح محفوظ میں بھی یہ بات موجود ہے کہ اللہ کے ہاں تم سب سے بہتر امت ہو، اس کا فیصلہ روزِ ازل سے ہو چکا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے اَنَّ الْاٰخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ہم دنیا میں تو سب سے آخر میں آنے والے ہیں مگر جنت میں سب سے پہلے جانے والے ہوں گے۔ ایک دوسری حدیث میں لایا بھی آتا ہے کہ جب تک حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں داخل نہیں ہوں گے، کوئی دوسرا بنی داخل نہیں ہوگا۔ اسی طرح جب تک حضور خاتم المرسلین کی امت بہشت میں نہیں جائے گی، کوئی دوسری امت



وہاں نہیں جائے گی۔ البتہ کتاب پہلی باتوں کو پہلے دی گئی اور ہم بعد میں آئے ہیں  
لیکن ہم سبقت کرنے والے اور آگے بڑھنے والے ہیں قیامت کے دن۔  
سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا اللہ تعالیٰ  
فرماتے ہیں کہ اے امت محمدیہ! ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے۔ وسط کا معنی  
درمیان ہوتا ہے۔ جو افراط و تفریط سے پاک ہو، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا  
ارشاد ہے خَيْرُ الْأُمَمِ أَوْسَطُهَا بہترین کام وہ ہیں جو درمیانے  
ہوں۔ غرضیکہ حضور علیہ السلام کی امت امت وسط ہونے کے لحاظ سے بھی باقی  
امتوں سے افضل ہے۔

امر بالمعروف

فرمایا یہ ایسی امت ہے أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ جس کو لوگوں کے فائدے  
کے لیے نکالا گیا ہے، ظاہر کیا گیا ہے۔ اور یہ تین طریقوں سے لوگوں کو نفع  
پہنچاتی ہے۔ پہلی بات یہ ہے تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ کہ تم نیک  
کاموں کا حکم دیتے ہو۔ یہاں پر مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تم نیکی کا  
حکم دیتے ہو، یہ نہیں فرمایا کہ نیکی کا حکم دو، یہ گزشتہ دروس میں گزر چکا ہے۔ کہ تم میں  
ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو نیکی کا حکم کرے۔ اس مقام پر اندازہ بیان یہ ہے  
کہ تمہاری صفت ہی یہ ہے کہ تم اچھی باتوں کا حکم دیتے ہو۔ اب رہی یہ بات  
کہ نیکی کیا ہے۔ تو توحید سے لے کر ادنیٰ درجے کی اچھی چیزیں سب نیکی میں آجاتی  
ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہنا سب سے افضل نیکی ہے۔  
ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔  
حضور! کونسا عمل افضل ہے، فرمایا ایمان باللہ یعنی اللہ پر ایمان لانا، توحید کو ماننا۔ اس  
کے بعد دوسرے اعمال نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ ہیں۔ گویا لوگوں کو ایمان اور  
توحید کی دعوت دینا سب سے بڑی نیکی ہے۔ اس کے بعد چھوٹی چھوٹی نیکیاں ہیں۔  
حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مومن اپنے ایمان کے تقاضے سے  
ایک روٹا یا پتھر بھی راستے سے ہٹا دے تاکہ کسی راہ گزر کو ٹھوکر نہ لگے، تو وہ بھی



نہی شمار ہوگی، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے لَا تَحْقِرَنَّ  
 مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا نِکَی کی کسی چھوٹی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ چھوٹی چھوٹی  
 نیکیاں بل کہ قیامت کے دن پاڑ بن جائیں گی۔ اسی طرح کسی برائی کو بھی حقیر اور  
 کم تر نہیں سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ اکٹھی ہو کر بہت بڑا ذخیرہ بن جائیں گی۔ غرض فرمایا  
 کہ اے امت محمدیہ! تمہاری صفت یہ ہے کہ تم نہی کا حکم دیتے ہو۔

نہی عن المنکر فرمایا تمہاری دوسری صفت یہ ہے وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
 تم بُری باتوں سے منع کرتے ہو۔ بدی چیزوں میں کفر و شرک سے لیکر بدعات  
 رسومات قبیحہ، فسق و فجور، ہر قسم کی بد اخلاقی اور ناحق قول باتیں شامل ہیں۔ ان سے  
 روکنے کی تشریح پہلے ہو چکی ہے کہ روکنا کبھی ہاتھ سے ہوتا ہے، کبھی زبان  
 سے، کبھی قلم سے اور کبھی تلوار سے۔ البوداؤد شریف کی روایت میں موجود ہے  
 جَاهِدُوا الْكُفَّارَ وَالْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ  
 وَالسِّنَّتِ كُمْ یعنی کافروں اور مشرکوں کے ساتھ مال جان اور زبانوں کے ساتھ  
 جہاد کرو۔ تبلیغ کا کام زبانی جہاد ہے۔ اگر توحید، ایمان اور دیگر نیکی کی باتیں پھیلانے  
 کے لیے کوئی مضمون لکھا جائے، رسالہ جاری کیا جائے، کوئی دستاویز تیار کی  
 جائے یا کتاب لکھی جائے، یہ سب قلم کے ذریعے جہاد ہے

اگر صاحب استطاعت ہے تو طاقت کے ذریعے بھی برائی کو روک  
 سکتا ہے۔ اس کی تشریح پہلی آیت میں آچکی ہے یہ بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ  
 امر بالمعروف فرض امور میں فرض ہوتا ہے، واجب امور میں واجب، سنت امور  
 میں سنت اور مستحب امور میں مستحب کا درجہ رکھتا ہے۔ البتہ مفسرین فرماتے ہیں۔  
 کہ اگر آدمی مالوس ہو تو زبانی جہاد کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے۔ اگر کسی کو تجربہ کی بنا پر  
 یقین ہے کہ اس کی بات کوئی نہیں سنے گا، تو زبانی جہاد کو ترک کرنے کی بھی اجازت  
 ہے اس کے باوجود اگر وہ زبانی جہاد جاری رکھتا ہے۔ تو بہت بڑے اجر کا مستحق  
 ہوگا۔ البتہ جو صاحب اقتدار ہے، اس کا فرض ہے کہ وہ بُرائی کو طاقت سے



روکے۔ اگر ایسا نہیں کرتا، تو مجرم ٹھہرے گا۔ اور قابل مواخذہ ہو گا۔

نئی برائیاں

آج کے دور میں نئی نئی برائیوں نے جنم لیا ہے۔ نئی تہذیب گندے انڈے میسے ہیں۔ فوٹو گرافی، مجسمہ سازی، سینما، وڈیو کیسٹ، ٹیلیوژن، وی سی آر وغیرہ موجود دور کی پیداوار ہیں۔ اب کھیلوں کی نئی بیماری آئی ہے، کرکٹ، ہاکی وغیرہ کا قدمی اور بین الاقوامی سطح پر خوب چرچا ہے۔ حکومت سرپرستی کر رہی ہے۔ انگریزوں اور یونانیوں کے جاری کردہ کھیل آج پوری دنیا میں چھا چکے ہیں، کئی کئی دن متواتر کھیل جاری رہتا ہے۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر میدان میں پہنچ جاتے ہیں یا پھر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے گرد بیٹھ جاتے ہیں۔ کامیابی پر مبارک بادیں دی جاتی ہیں، ہٹھائیاں تقسیم ہوتی ہیں۔ صدر اور وزیر عظم ٹیم کو مبارک باد کے پیغام بھیجتے ہیں۔ کھیلوں پر جاری رقوم خرچ کی جاتی ہیں، ذرا اندازہ لگائیں کہ اس سے کونسا بڑا مقصد حاصل ہوتا ہے۔ یہ محض لہو و لعب اور فضول خرچی ہے۔ یہی وقت اور روپیہ مظلوم کی مدد کرنے، تکلیف زدہ کی تکلیف دور کرنے پر خرچ کر دے۔ لوگوں کو قبیح رسومات اور کفر و شرک سے باہر نکالنے پر خرچ کر دے۔ یہاں تو الٹ ہی ہو رہا ہے۔ قبریں بچتے بنائی جا رہی ہیں۔ ان پر بے دریغ روپیہ صرف کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ نبی علیہ السلام کا ارشاد تو یہ ہے لَا تَجْصَّصُوا بَخْتِہ قبریں مت بناؤ، مگر سارا میسٹرل سیمینٹ، بجری، اینٹ حرام کاموں میں صرف ہو رہا ہے۔ شریعت میں قبروں کو بچتہ کرنا ہرگز جائزہ نہیں۔ یہی دولت کسی نیکی کے کام میں لگتی تو امت کا فائدہ ہوتا۔ سینما، تھیٹر، ٹیلی ویژن کی جتنی بہتات ہوگی۔ اتنی ہی فحاشی پھیلے گی، قوم و ملت کو کیا فائدہ ہوگا۔ کبھی سینما دیکھ کر بھی نیکی پیدا ہو سکتی ہے۔ یہ سب شیطانی کام ہیں۔ جس کام کی بنیاد ہی لہو و لعب پر ہو، لوگوں کو غافل بنانے اور خدا اور رسول کے احکام سے بدگشتہ کرنے پر ہو، اس سے کیا تربیت حاصل ہو سکتی ہے۔ وہاں سے چوری، زنا، ڈاکہ، عریانی اور بے حیائی کی تعلیم ہی حاصل ہوگی۔ اگر تربیت حاصل کرنا ہے تو کسی نیک مجلس میں جاؤ، کسی خدا کے بندے کی صحبت اختیار کر دے۔ نیکی وہاں سے ملے گی، جس چیز کو آج ترقی کا نام دیا جا رہا ہے



وہ تیسرے منکرات میں شامل ہے جس کو روکنا صاحب اختیار کے لیے ضروری ہے۔  
حضرت عمرؓ نے تو فرمایا تھا کہ اگر تم خیر الامت بننا چاہتے ہو، تو امر بالمعروف اور نہی المنکر  
کو جاری کرو۔ ہر شخص کا دل نورِ ایمان سے منور ہو، تب نیکی حاصل ہوگی۔ برائیوں کا ارتکاب  
کمر کے خیر الامت کا لقب حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

ایمان باللہ

الغرض! اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تم بہتر امت ہو جسکو لوگوں کی نفع رسانی کے لیے  
پیدا کیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں آچکا ہے کہ اللہ نے تمہیں امت وسط بنایا ہے  
لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ تاکہ تم دوسروں کو لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔  
شاہ عبدالقادرؒ اس کا ترجمہ کرتے ہیں "تاکہ تم دوسرے لوگوں کے معلم بن جاؤ"۔ گویا  
رسول تمہارا معلم ہے، اور تم دوسرے لوگوں کے معلم ہو۔ تاکہ تم دیگر اقوام اور مذاہب  
کے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھاؤ۔ اگر تم خود ہی کفر، شرک اور بدعات میں ڈوب  
گئے۔ تو باقی دنیا کو ہدایت کے راستے پر کون لائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہارے  
بہتر امت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے  
ہو۔ وَقَدْ مَنَّ اللَّهُ بِاللَّذِينَ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اللہ پر ایمان لانے کا مطلب  
یہ ہے کہ جو دین اور شریعت ہمیں نبی آخر الزمان علیہ السلام کے توسط سے مل رہی ہے  
اس کی تمام جزئیات پر ہمارا ایمان ہے۔ اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری ہم پر  
لازم ہے۔ جو شخص اللہ پر ایمان لانے کا وعدہ دے رہا ہے مگر قرآن و سنت کے  
احکام کو نہیں مانتا، وہ کیا مومن ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو  
بھی فرمائی وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهٖمْ  
اگر اہل کتاب بھی اللہ پر ایمان لے آتے، تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اللہ پر ایمان  
لانے کا یہی مطلب ہے کہ وہ نبی آخر الزمان اور قرآن حکیم اور پوری شریعت  
اسلامیہ پر ایمان لاتے۔ مگر یہ لوگ تو دائرے کفر میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے اپنی  
کتاب بگاڑ لی ہے، عقیدہ خراب کر لیا ہے اور طرح طرح کی برائیوں میں مبتلا  
ہیں۔ اہل ایمان سے ان کو ضد ہے۔ انہوں نے تعصب کی بنا پر کفر کا



راستہ اختیار کیا۔ ان کی بہتری اسی میں تھی کہ اللہ پر ایمان لے آتے۔

پھر فرمایا، الْبَتَّةَ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ ان میں سے بعض لوگ ایمان دار بھی ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں مدینے کے دس بڑے یہودی طہار میں سے صرف عبد اللہ بن سلامؓ اور ان کے بعض ساتھی ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے مگر وَكَثُرَ مِنْهُمْ الْفَاسِقُونَ ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل رہی۔ یہود و نصاریٰ کی اکثریت آج بھی فسق پر ہے۔ نزول قرآن کو چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ مگر یہ لوگ ابھی تک کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ عیسائی مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اور ایک کی بجائے تین خدا مانتے ہیں۔ بنادنی انجیل پر ان کا ایمان ہے۔ یہودی ان سے بھی زیادہ خیانت میں مبتلا ہیں۔ ان میں ہکاری اور بے ایمانی پائی جاتی ہے۔ انہیں آج تک سمجھ نہیں آئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ لوگ قرآن پاک اور نبی آخر الزمان کی مخالفت میں ہر وقت سرگرداں رہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ اسلام کے قریب نہ آئیں۔ ان کی اکثریت فساد کی ہے۔ ہر زمانے میں خال خال ہی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو تعصب کے پاک ہوں۔ یہ لوگ عقوڑی سی توجہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ایمان کی دولت عطا فرمادیں۔

اہل کتاب کی خصلت بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تَسْلٰی دٰی کُنْ یٰضُرُّوْکُمْ اِلَّا اَذٰی اہل کتاب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے مگر زبانی چھیڑ چھاڑ جاری رکھیں گے۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف بڑی سازشیں کیں مگر اللہ نے ہر سازش کو ناکام بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے بھی فرمادیا اَنْتُمْ حَرُّ الْاَعْلٰوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنٰیْنَ اگر تم ایمان پر قائم رہے، تو غالب تم ہی ہو گے۔ اہل کتاب تم پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ہاں تم خود ایمان کو چھوڑ بیٹھو، تو پھر اللہ تعالیٰ کا کوئی وعدہ نہیں ہے۔ اِنْ یَّخَذْ لَکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِنْۢ بَعْدِیْ تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے

اہل ایمان  
کو تسلی



اگر خدا تمہیں رسوا کر دے تو پھر کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا۔

فرمایا وَإِنْ يَتْلُو كُمْ اگر اہل کتاب تم سے لڑائی کریں۔

يُؤْتُوْكُمْ الْأَدْبَارَ تو تمہاری طرف پیچھے پھیر دیں گے، تم سے لڑنے

کی ہمت نہیں پائیں گے۔ سورۃ حشر میں بھی آتا ہے تم ان کی طرف سے پریشان

نہ ہو، یہ تمہارے ساتھ کھلم کھلا جنگ نہیں لڑ سکتے۔ اور اگر ایسا کوئی وقت بھی

جائے تو یہ لوگ ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ پھر ان کی

ہرگز مدد نہیں کی جائے گی۔ یہ کام و نامزد ہوں گے۔



لَنْ تَنَالُوا ۚ

الِ عَصْرَانِ ۛ

درس سی و نہ ۳۹

آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵

ضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ أَيْنَ مَا تَقِفُوا إِلَّا جَحَلٍ  
مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءٌ وَبِغَضَبٍ مِّنَ

اللَّهِ وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةَ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ

بِفَيْرٍ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾

لَيْسُوا سَوَاءً ۚ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ

يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٣﴾

يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ ۚ

وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١١٤﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ

فَلَنْ يَكْفُرُوهُ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾

ترجمہ: اُن پر ذلت مسلط کی گئی ہے، جہاں بھی وہ پائے جائیں مگر اللہ کی رسی کے  
ساتھ اور لوگوں کی رسی کے ساتھ۔ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، اور مسلط  
کی گئی، اُن پر مسکنت، یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے  
تھے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی  
کی، اور وہ حد سے بڑھتے والے تھے ﴿۱۱۲﴾ یہ سب کے سب برابر نہیں  
ہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک امت ایسی بھی ہے، جو سیدھے راستے  
پر قائم ہے۔ وہ اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں، اور وہ سجدہ



ہوتے ہیں (۱۱۳) وہ ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر، اور اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ اور وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں، اور یہی لوگ نیک نیتوں میں ہیں (۱۱۴) اور جو بھی وہ نیکی کا کام کریں گے، اُس کی نافرمانی ہرگز نہیں ہوگی، اور اللہ تعالیٰ پوری طرح باخبر ہے اُن لوگوں سے جو متقی ہیں (۱۱۵)

ربط آیات

گزشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ جس طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں، اسی طرح آپ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم اندلی میں بھی یہ چیز موجود ہے۔ اور لوح محفوظ میں بھی درج ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب سے شکوہ کیا گیا کہ اگر وہ بھی نبی آخر الزمان پر ایمان لے آئے، تو بہترین امت میں شامل ہو جاتے، اور یہ اُن کے لیے بہتر ہوتا۔ مگر وہ اپنے باطل عقیدے پر اڑے رہے۔ پھر فرمایا ان میں سے کچھ ایمان والے بھی ہیں مگر اکثر نافرمان ہیں۔ پھر اہل ایمان کو تسلی دی گئی کہ ان سے کوئی خطرہ محسوس نہ کر دو۔ یہ لوگ تمہیں نہ بانی حد تک ٹرتائیں گے۔ مگر تمہارا کوئی نقصان نہیں کہہ سکیں گے۔ اگر تمہارے مقابلے میں آئیں گے، پیٹھ دکھا کر بھاگیں گے۔ چنانچہ نزول قرآن کے زمانے میں خیبر کے یہودیوں کو شکست ہوئی، مدینے کے اطراف میں آباد یہودی قبائل بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع ذلیل و خوار ہوئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں یہودیوں نے شکست فاش کھائی، شام اور مصر کے علاقے ان سے پاک ہوئے۔ اور جب تک مسلمانوں میں صلاحیت اور تیجی کا جذبہ قائم رہا، وہ یہودیوں پر غالب رہے۔ پھر ساتویں صدی میں مسلمانوں کا انحطاط شروع ہوا، جو گزشتہ آٹھ صدیوں سے جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کے متعلق فرمایا ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا تَقِفُوا اُن پر ذلت مسلط کر دی گئی، جہاں بھی وہ پائے جائیں۔ جب سے انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی ہے اور برائیوں میں ملوث ہوئے ہیں، اُس وقت سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ قرآن میں یہودیوں کی ذلت کا ذکر

یہودیوں کی ذلت



بہت سے دوسرے مقامات پر بھی موجود ہے اُن کی رسوائی کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ یہودی سیاسی عروج اور اقتدار سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ گزشتہ اڑھائی ہزار سالہ تاریخ سے ظاہر ہے کہ دنیا کے کسی خطے میں انہیں اقتدار حاصل نہیں ہوا۔ اُس سے پہلے اُن کی عظیم الشان سلطنتیں تھیں، مگر اب اُس سے محروم ہیں۔ اور محکومی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اِنَّ هَكَذَا تَقِفُوا کا یہی مطلب ہے کہ یہ لوگ جہاں کہیں بھی ہیں ذلیل و خوار ہو کر رہی گزراوقات کر رہے ہیں۔

یہودیوں کی ذلت کی دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ عزت نفس سے محروم رہے ہیں۔ کمر بڑھتی ہونے کے باوجود بھکاریوں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ مال سے محبت، ہر کام میں سازش اور ہر قوم سے مکاری اور چالاکی ان کی خصوصیت رہی ہے۔ ان کو کہیں بھی آرام سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا۔ ایک جگہ مشارت کی تو دوسری جگہ چلے گئے وہاں سازش کی تو وہاں سے نکلے گئے۔ گزشتہ تاریخ سے واضح ہے کہ دنیا کی کوئی قوم انہیں عزت کی نگاہ نہیں دیکھتی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک نصاریٰ سے بھی ان کی ایسی ہی آن بن تھی۔ جیسے مسلمانوں کے ساتھ یہودی کبھی عیسائیوں کے ماتحت ہے، کبھی مسلمانوں کے اور کبھی دیگر اقوام کے دست نگر ہے۔

جلل اللہ  
جل الناس

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ جہاں بھی پائے جائیں، ان پر ذلت و رسوائی مسلط ہو گی اِنَّ يَجْبِلُ مِنَ اللّٰهِ ہاں! اگر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں گے تو رسوائی سے بچ جائیں گے، بعض مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے مراد تورات کی وہ کچی کچی رسمیں ہیں جن پر یہ لوگ عمل کرتے تھے ہیں۔ گویا تورات سے کس حد تک وابستگی کی بنا پر یہ دنیا میں جیسی کیسی زندگی گزار رہے ہیں۔ اگر اتنا بھی نہ ہوتا، تو یہ لوگ صفحہ ہستی سے مکمل طور پر مٹ چکے ہوتے، بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کی رسی سے مراد اللہ کا عہد و پیمان ہے، لہذا اگر یہ ایمان قبول کر لیں۔ تو عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں۔

فرمایا یہودیوں کے دنیا میں زندہ رہنے کی دوسری صورت یہ ہے۔



وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کہ دوسرے لوگوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کی ماتحتی میں رہنا  
 قبول کر لیں، تو پھر بھی ذلت سے بچ جائیں گے۔ بعض مفسرین نے حَبْلٍ مِّنَ  
 اللہ کا ترجمہ اللہ کی دستاویز اور حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا ترجمہ لوگوں کی دستاویز  
 کیا ہے۔ مقصد ایک ہی ہے کہ یا تو رات سے کسی حد تک لگاؤ کی وجہ سے یا پھر  
 دوسری اقوام کے ساتھ عہد و پیمان کر کے گزر اوقات کر سکیں گے۔ دوسرے  
 لوگوں کی ماتحتی قبول کرنا ہوگی اور ان کی رعیت بن کر رہنا پڑے گا، شاہ عبدالقادر  
 محدث دہلویؒ یہی تفسیر کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے حبل کا معنی ذمہ کیا ہے یعنی  
 اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا ذمہ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو اپنی امان میں لے لے یا مسلمان  
 ان کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائیں تو ذلت سے بچ سکیں گے۔ بعض مفسرین  
 فرماتے ہیں کہ ناس سے مراد عام لوگ ہیں۔ اگر کوئی دوسری قوم بھی ان کی پشت پناہی  
 کرنے لگے، تو بھی رسوائی سے بچے رہیں گے۔

محرم اقتدار جیسا کہ پہلے عرض کیا ہے۔ گذشتہ اڑھائی ہزار سال میں یہودی اقتدار سے محروم  
 رہے ہیں، اور ہمیشہ دیگر اقوام کے ماتحت رہ کر وقت گزارا ہے۔ ان کی سابقہ تلمیح  
 پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ انہوں نے تجارت کے بہانے جہاں بھی قدم جمانے  
 کی کوشش کی، ہمیشہ تکلیف اٹھائی، جبر من قوم نے ان کو خوب مارا، لوگ جبرمنوں  
 کو بدنام کرتے تھے۔ کہ انہوں نے یہودیوں سے اچھا سلوک نہیں کیا، مگر وہ کہتے  
 تھے کہ تمہیں ان کی شرارتوں کا علم نہیں ہے یہ سازشی لوگ ہیں ان کو ہر وقت شرارت  
 ہی سوچتی ہے۔ جہاں بھی بہتے ہیں لوگوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ یہ لوگ  
 ترکہ میں ہمیشہ رہے ہیں اور اب بھی ہیں مگر اسلامی سلطنتیں ان سے ہمیشہ تکلیف  
 اٹھاتی رہی ہیں۔ مسلمان ان کو رعایا سمجھ کر ان سے نرمی برتتے رہے مگر یہ اپنی فطرت  
 سے کبھی باز نہ آئے۔

اب موجودہ زمانے میں صورت حال مختلف ہے۔ تقریباً چالیس سال قبل  
 اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی اور یہودیوں کو ٹھکانا نصیب ہوا۔ اس پر چھ بیگینیاں



ہونے لگی ہیں کہ کیا قرآن پاک کا دعویٰ معاذ اللہ غلط ثابت ہوا ہے کہ یہودیوں پر ذلت  
 مسلط کر دی گئی اور وہ اقتدار سے محروم ہیں۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ یہودیوں کی موجودہ  
 حکومت کی اپنی کوئی بنیاد نہیں، ان کا موجودہ اقتدار محض حبیل مِّن النَّاسِ کی بدولت  
 ہے۔ ناس سے مراد غیر مسلم طاقتیں ہیں، جن میں کچھ عیسائی ہیں اور کچھ دہریہ ہیں۔ آج  
 یہودی اپنی کے دستاویز سے زندہ ہیں۔ بنظر غور دیکھا جائے تو اسرائیل کو چار عالمی  
 طاقتوں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور روس کی پشت پناہی حاصل ہے۔ ان میں سے  
 اول الذکر تین عیسائی ہیں اور چوتھی دہریہ ہے۔ اسرائیل ان سب کی مشترکہ چھاؤنی  
 ہے، جسے ارد گرد کے مسلمان ملکوں کو تنگ کرنے کے لیے قائم کیا گیا ہے، اسرائیل  
 کا قیام ان چاروں عالمی طاقتوں کی مسلمانوں کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے۔ اگر آج یہ  
 قوتیں اسرائیل سے اپنا سایہ اٹھالیں، تو یہودی ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ امریکہ  
 اس سازش میں مرکز کی کردار ادا کر رہا ہے۔ اسرائیل اپنے ارد گرد مسلمانوں پر ظلم کر رہا  
 ہے تل ابیب کی بجائے بیت المقدس کو دار الخلافہ بنایا گیا ہے، جولان کی پہاڑیوں  
 پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے، اور پھر انہیں اسرائیلی اہلی کے ذریعے اسرائیل کا حصہ قرار  
 دے لیا ہے، حالانکہ یہ شامی علاقہ ہے، مگر اس ساری کاروائی میں امریکہ خاموش  
 تماشائی بنا ہوا ہے۔ وہ اسرائیل کو زیادتی کرنے سے روک سکتا ہے، مگر دانستہ  
 اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اسرائیلی حکومت قائم کرنے والے برطانیہ اور فرانس  
 ہیں۔ امریکہ بھی اپنے مفاد میں ان کے ساتھ شامل ہو گیا ہے، اُدھر روس کا مفاد بھی  
 اسی میں ہے کہ مسلمان ملکوں کے درمیان اسرائیل کا یہ شاخسانہ قائم ہے۔ پہلی تین  
 طاقتیں عیسائی ہونے کے باوجود آپس میں بھی درپردہ ایک دوسرے کی مخالف ہیں  
 مگر مسلمانوں کی مخالفت کے معاملہ میں سب اکٹھے ہیں، روس تو ویسے ہی دہریہ  
 اور منکر خدا ہے، اُسے مسلمانوں سے کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ البتہ جہاں اُس کا  
 اپنا مفاد وابستہ ہو، وہاں وہ ہر کاروائی کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔  
 بہر حال اسرائیلی حکومت کے قیام اور اُس کی پشت پناہی میں سب شریک ہیں۔



مسلمانوں کی  
زبوں حالی

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ایک ارب کے لگ بھگ ہے، پچاس  
کے قریب خود مختار حکومتیں ہیں مگر ان عیسائی اور اشتراکی طاقتوں نے انہیں اس قدر بے بس  
کر رکھا ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ قیام پاکستان  
کے وقت مسلمان ممالک مدد کر سکتے تھے، مگر نہیں کی گئی۔ آج کابل کے مجاہدین آزادی  
کی جنگ لڑ رہے ہیں، مگر ہماری اپنی حکومت ہمیں سرحد پار جا کر مجاہدین کی مدد کرنے  
سے روکے گی، حقیقت یہی ہے کہ یہودی حبیل ملت الناس کی وجہ سے  
نہ صرف خود زندہ ہیں بلکہ دوسروں کی زندگیوں سے کھیل رہے ہیں۔ بیت المقدس  
کی توہین ہو رہی ہے، بیس لاکھ فلسطینی مسلمانوں کو اس سرزمین سے نکال دیا  
گیا ہے۔ بہت سے ہلاک ہو چکے ہیں۔

کچھ اردن میں پڑے ہیں، کچھ لبنان میں ہیں، مگر وہاں  
بھی آئے دن ان کے خیموں پر بمباری ہوتی رہتی ہے۔ ان کی بچیاں جلیوں میں  
گل سڑ رہی ہیں، یتیم بچوں کو عیسائی مشنریاں لے گئی ہیں تاکہ انہیں عیسائی بنایا جا  
سکے، مگر دنیا بھر کے مسلمان بے بس ہیں۔ سپر پاورز مسلمانوں کے راستے میں حائل  
ہیں۔ مگر یہ ہیں کہ پھر بھی انہی کے گن گاتے ہیں۔ انہی کے طور طریقے اختیار کر رکھے  
ہیں، وہ تو مسلمانوں کو عیش و عشرت کے راستے پر ڈال رہے ہیں۔ نئے نئے  
فیشن، ٹیلی ویژن، وی سی آر، بڑی بڑی کوٹھیاں اور کاریں، کھیل اور تماشے سب  
کچھ مسلمانوں کو خواب غفلت میں سلانے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ تاکہ یہ اپنے  
پاؤں پر کھڑے نہ ہو سکیں، اپنی مارکیٹ کی خاطر صنعتی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں  
آج تک ہم جہازوں کے معمولی پرزے تک درآمد کرنے پر مجبور ہیں۔ مسلمان عرب  
کا ہوا یا عجم کا، سب ایک ہی ڈگمہ پر چل رہے ہیں۔ غیر اقوام کے اس قدر دست نہر  
ہو چکے ہیں، کہ ان کے بغیر ایک قدم نہیں چل سکتے۔

بہر حال ہمارا ایمان ہے کہ یہودیوں پر ذلت ہمیشہ کے لیے مسلط کی گئی  
ہے۔ اگرچہ اس وقت ان کو ایک پناہ گاہ میسر آگئی ہے مگر صحیح حدیث کے

غضب الہی



مطابق ایک وقت آنے والا ہے، جب ان کو شجر و حجر بھی پناہ نہیں دیں گے  
 اگر کوئی یہودی کسی درخت کے پیچھے چھپا ہوگا، تو وہ درخت پکار کر کہیگا، اے  
 مسلمان! یہودی یہاں چھپا ہے، اس کو پکڑ لو۔ مسیح علیہ السلام کے دوبارہ نزول  
 پر الیادور ضرور آنے والا ہے۔ فرمایا ان پر فطرت اور سوائی مسلط کی گئی ہے۔  
وَبَاءُ وَبَغْضِبٍ مِّنَ اللَّهِ اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے، کیونکہ نافرمانیاں کرتے  
 کرتے ان کی ذہنیت ہی بگڑ گئی وَصُرِيَتْ عَلَيْهِمُ الْمُسْكَنَةُ اور ان  
 پر سکنی وار دے دی گئی۔ اکثر یہودی اپنے آپ کو مسکین ہی ظاہر کرتے ہیں۔ ہمیشہ سے  
 ان کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا  
يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیا ہے۔  
وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّاتِ بِغَيْرِ حَقٍّ اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل  
 کیا ہے۔ گزشتہ ادوار میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور اس زمانے کے یہودی اس  
 کارنامے پر فخر کرتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ہم نے آباؤ اجداد نے کوئی غلط کام نہیں  
 کیا۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے والے اور خدا کے نبیوں کے قاتل ہیں،  
 ظاہر ہے، وہ غضب ہی لے کر لوٹیں گے۔ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا یہ اسوجہ  
 سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے ہیں۔ وَكَانُوا يَعْتَدُونَ اور یہ حد سے  
 بڑھنے والے لوگ تھے۔

سعید رحیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں کی اکثریت تو نافرمان ہی ہے تاہم یہ سب  
 کے سب برابر نہیں ہیں لَيْسُوا سَوَاءً ان میں سے کچھ فیصدی اچھے بھی ہیں  
 ان میں نیک بخت اور سعید روحیں بھی ہیں مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ  
قَانِمَةٌ اہل کتاب میں سے ایک گمراہ سیدھے راستے پر بھی قائم ہے۔  
 ان اچھے لوگوں کا کام یہ ہے يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ اناؤ التیل وہ اللہ  
 کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں ایسے لوگ ایمان قبول کرتے ہیں۔  
 اور حضور خاتم النبیین علیہ السلام کا اتباع کرتے ہیں۔ چنانچہ نزولِ قرآن کے زمانے



میں سحران کے چالیس عربی النسل عیسائیوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ جوشہ کے بادشاہ سنجاشی نے اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہاں کے اکتیسؓ مزید باشندے بھی ایمان لائے۔ اسی طرح روم میں آٹھ آدمی فوراً مسلمان ہو گئے۔ مدینہ کے حقیقت پسند لوگوں نے بھی اسلام کو لبیک کہا، عبداللہ بن سلامؓ تو حضور علیہ السلام کی پہلی زیارت کرنے پر ہی اسلام سے مشرف ہو گیا۔ مدینے کی اکثریت مشرکوں کی تھی مگر بعض مشرک کو برا سمجھتے تھے۔ مدینے کے اطراف میں یہودی آباد تھے۔ ان میں کچھ سعید روحیں ضرور موجود تھیں، ان میں براء بن معرورؓ کا نام آتا ہے۔ محمد بن مسلمہؓ وغیرہ جنابت کا غسل کرتے تھے اور توحید کا تصور بھی رکھتے تھے۔ جب بنی آخر الزمان علیہ السلام کے متعلق سنا تو فوراً ایمان لے آئے۔ بعد کے دور میں بھی بعض پورہ بن عیسائیوں نے اسلام قبول کیا ہے۔ ان میں برطانیہ کا سٹر کوئیم ہے جس کا نام عبداللہ کوئیم رکھا گیا۔ موجودہ زمانے میں محمد اسد ہے۔ یہ جرمنی کا یہودی تھا، مگر اللہ نے سمجھ عطا کی۔ اب وہ فرانس میں ہے۔ اور دین کی خدمت بھی کر رہا ہے۔ راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ پاکستان میں بھی رہ چکا ہے۔ اس نے کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ موجودہ دور کا محمد کچھتالؒ تمہ کی میں ملازم تھا۔ اُس نے اسلام قبول کیا، اُس نے قرآن پاک کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ غرضیکہ سارے کے سارے اہل کتاب بد بخت نہیں ہیں بلکہ ان میں کچھ سمجدار لوگ بھی ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کے علاوہ وہم کس جِدُون  
یہ لوگ اللہ کے سامنے سجدہ ریز بھی ہوتے ہیں۔ فرمایا یُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ یہ لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں۔ جب حضور علیہ السلام  
کی سچائی کا علم ہوتا ہے۔ فوراً ایمان قبول کرتے ہیں۔ وَیَا مُسْرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ  
پھر نہ صرف خود ایمان لاتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کو بھی نیچے کا حکم کرتے ہیں۔  
فَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بدائی سے روکتے ہیں یعنی تبلیغ دین کا کام  
لہ ابو سعود ص ۲۶۳ ج ۱ (فیاض)



بھی کرتے ہیں۔ اور پھر ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وہ نیکی کے کاموں میں سبقت کرنے لگتے ہیں۔ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ یہ اچھے لوگوں کی تعریف بھی ہو گئی۔

فرمایا وَمَا يَفْعَلُ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ جو بھی نیکی کا کام کریں گے، انہی ناقدری نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکی کو قبول کر کے بہتر اجر عطا فرمائیں گے۔ بلکہ حدیث شریف کے مطابق ایسے لوگوں کو دوسرا اجر ملے گا۔ پہلے وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تھے، ایک اجر اس ایمان کا ہو گا اور دوسرا اجر حضور خاتم النبیین علیہ السلام پر ایمان لانے کا ہو گا۔ اس طرح وہ دوسرے اجر کے مستحق ہوں گے۔ فرمایا وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ اللہ تعالیٰ متقیوں یعنی اس سے ڈرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اس کے علم میں ہے کہ کون لوگ ایسے ہیں، جو کفر و شرک کی برائیوں سے بچ کر نکل جاتے ہیں



لَنْ تَنَالُوا ۲

ال عمران ۳

آیت ۱۱۶ تا ۱۱۷

درس چیل ۲۰

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ  
وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ  
النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا  
يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ  
رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا  
أَنفُسَهُمْ فَأَمْلَكَتْهُمَا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ  
أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ہرگز نہ کام نہیں آئیں گے ان کے مال اور  
نہ ان کی اولادیں اللہ کے سامنے کچھ بھی، اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں  
ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ﴿۱۱۶﴾ مثال اُس کی جو خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی  
میں مثل اُس ہوا کے ہے جس میں شدید سردی ہے، جو پہنچی ہے ایسی قوم کے  
کھیت کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ پس اس کو ہلاک کر دیا، اور اللہ  
نے اُن پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے۔ ﴿۱۱۷﴾

ربط آیات

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عداوت کا ذکر کر کے اُن  
کی مذمت بیان فرمائی پھر فرمایا اُن میں سے سائے کے سائے برابر نہیں ہیں، بلکہ  
بعض اہل کتاب منصف مزاج بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان  
رکھتے ہیں، نیکی کا حکم کرتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں  
کی قدر کرتا ہے اور تمام متقیوں کی نیت، ارادے اور اعمال کو بھی جانتا ہے۔  
اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کی مذمت بیان کی ہے  
پہلے اہل کتاب کی مذمت بیان ہوئی اور وہ وجوہات بھی بیان ہوئیں جن کی وجہ



سے بھڑکتی کرتے تھے۔ پھر ان میں سے بعض کی مدح کا تذکرہ ہوا، اور اب کفر کرنے والوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ایسے لوگ خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، سب کا ایک ہی معاملہ ہے

تاہم اس آیت میں اہل کتاب کی بات چل رہی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول نہ کیا، توحید کو اختیار نہ کیا حضور خاتم النبیین علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور ایمان کے دیگر اجزاء کی بھی تصدیق نہ کی، اُن کے متعلق فرمایا لَنْ تُغْنِيَ

عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مَنْ اللَّهُ شَيْئًا ایسے لوگوں کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ بھی کام نہ آئیں گے۔ یہ چیزیں انہیں اللہ کے غضب سے بچانہ سکیں گی۔ دنیا میں انسان بعض اوقات مال کے زور پر بچ جاتے ہیں

اور با اوقات اولاد بھی بچاؤ کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مگر اللہ کی بارگاہ میں یہ دونوں چیزیں کام نہ آئیں گی۔ عام طور پر یہ مشاہدہ میں آیا ہے کہ اکثر لوگ اپنی دو چیزوں یعنی مال اور اولاد کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ قرآن پاک میں دو کسر مقام پر موجود ہے إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ بیشک تمہارا

مال اور اولاد فتنہ ہیں۔ فتنہ سے مراد آزمائش ہے۔ انسان ان چیزوں کی محبت میں مبتلا ہو کہ ایمان اور آخرت کو فراموش کر جاتے ہیں، حلال و حرام کی حدود کو توڑتے ہیں، اور اس طرح مال اور اولاد ان کے لیے ذریعہ آزمائش بن جاتے ہیں۔ پھر جب اس آزمائش میں لوچ رہیں تو ان پر وبال آجاتا ہے۔

دوسرے مقام پر فرمایا وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِاللّٰهِ تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا لفظی تمہارے مال اور اولاد تمہیں خدا کا قرب نہیں دلا سکتے، قرب الہی تو ایمان، توحید اور اعمال صالحہ سے حاصل ہوتا ہے مگر لوگ اس چیز کو بھول کر مال و اولاد کی محبت میں جائزہ اور ناجائزہ کی تمیز نہیں رکھتے۔ لہذا انہیں اللہ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے یہ چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی، حضور علیہ السلام کا ارشاد

مَالُ الْوَالِدِ كَالْوَالِدِ مَا تَعْمَلُ بَيْنَهُمَا

مال اولاد کا فتنہ



ہے کہ اولاد انسان کے حق میں تحمل اور بزمی کا باعث ہے۔ اسی کی خاطر انسان مال خرچ نہیں کرتا اور جہاد میں شریک نہیں ہوتا کہ اولاد کی حفاظت کون کرے گا۔ اسی کی خاطر نیکی کے دوسرے کاموں سے بھی محروم رہ جاتا ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ ہر امت کے لیے ایک خاص فتنہ ہوتا ہے وَفِتْنَةُ اُمَّتِي الصَّالِ اور میری امت کا فتنہ مال ہے مال کی محبت کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ صحیحین کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

قَوْلُ اللَّهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَّا فَسُوءَهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكُكُمْ كَمَا أَهْلَكْتَهُمْ

مجھے تم پر فقر کا خوف نہیں۔ مجھے تمہارے متعلق یہ ڈر ہے۔ کہ تم پر دنیا وسیع کر دی جائیگی، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کی گئی۔ پھر تم اس میں رغبت کرنے لگو گے جس طرح ان لوگوں نے کی، پھر وہ تم کو ہلاک کر دے گی جس طرح پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔

مقصود یہ کہ دنیا کے معاملے میں تم ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کرو گے اور پھر وہ تم کو ہلاک کر دیگی۔ اسی لیے فرمایا کہ میری امت کا خاص فتنہ مال ہے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے، کہ مال انسان کا اچھا سا بھتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس میں سے اللہ کا اُس کے بندوں کا حق ادا کرے۔ اور اگر حق ادا نہیں کرتا، تو وہی مال اُس کے لیے وبالِ جان ہے۔ مال کی جتنی بہتات ہوگی، آزمائش بھی اتنی ہی بڑھی ہوگی، فتنے بھی اتنے ہی زیادہ برپا ہوں گے۔ مال کے فتنہ کی وجہ سے ہی اسلام کے نام لیوا برائی اور عیاشی میں مبتلا ہیں۔ فضول امور میں خرچ



کرنے میں دوسری اقوام سے آگے ہیں۔ دولت تو بے مگر صحیح جگہ پر خرچ نہیں ہوتی غلط جگہ پر خرچ ہو کر فتنہ بن جاتی ہے۔

اخلاق کے متعلق بھی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خَلَقًا ہر دین کا کوئی مخصوص اخلاق ہوتا ہے وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَيَاةُ اور اسلام کا خلق حیا ہے۔ جب تک لوگوں میں حیا داری موجود ہے، اخلاق موجود ہے۔ جب حیا ہی نہ رہی تو اخلاق کا جنازہ نکل گیا۔ صحیح بخاری اور موطا امام مالک وغیرہ میں پہلے انبیاء کی تعلیم سے یہ بات اخذ کی گئی ہے اِذَا کَفَرْتُ سَدَّ حِجِّیْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ جب حیا کا دامن چھوڑ دیا جو چاہو کرتے پھرو، کوئی پوچھنے والا نہیں۔ مصری شاعر شوقی نے کہا ہے۔

اِنَّمَا الْاَمْرُ بِالْاِخْلَاقِ مَا بَقِيَ

فَاِذَا ذَهَبَ اِخْلَاقُهُمْ ذَهَبُوا

امتیں اخلاق کی وجہ سے زندہ رہتی ہیں۔ جب ان میں اخلاق ختم ہو جائے تو امتیں بھی مٹ جاتی ہیں۔ ایسی صورت میں کسی امت کا زندہ رہنا یا ختم ہو جانا کچھ مفید نہیں رہتا۔ نبی آخر الزمان علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کا اخلاق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا، یہی وجہ ہے کہ انہیں دنیا پر غلبہ حاصل ہوا اور انہوں نے اس زمین پر نیکی کو رائج کیا۔

غرضیکہ اللہ نے فرمایا انسان کے حق میں مال اور اولاد دو بڑی آزمائشیں ہیں۔ لوگ انہی کی وجہ سے ایمان اور نیکی سے محروم ہوتے ہیں۔ مگر یہ دونوں چیزیں اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ فرمایا ان چیزوں سے حد سے زیادہ محبت کرنے والوں کا انجام یہ ہوگا وَ اُولَئِكَ اَصْحَابُ السَّعَادَاتِ ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

اگلی آیت میں اس بات کی وضاحت آئی گئی ہے کہ کفار اس دنیا میں جو مال خرچ کرتے ہیں، اس کی کیا حیثیت ہے۔ کیا اللہ کے ہاں اس قسم کے خرچ کفار کا ملک انفاق



کا کوئی فائدہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ بات ایک مثال کے ذریعے سمجھائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مَثَلُ اُس کی جو خرچ کرتے ہیں، اہل ایمان تو اس دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں، وہ اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں، اور اس کا بدلہ اللہ کے ہاں یقیناً بہتر ملے گا۔ مگر کافروں کے ساتھ معاملہ کیسے ہوگا بڑے کاموں میں خرچ کرنے کے علاوہ وہ لوگ بعض اوقات اچھے کاموں پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ غریبوں کی امداد کرتے ہیں، سکول اور ہسپتال قائم کرتے ہیں، یتیم خانے تعمیر کرتے ہیں، پل اور سرائیں بنواتے ہیں، اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق نیچی کے دوسرے کاموں میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ تو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے خرچ کیے ہوئے مال کی مثال ایسی ہے۔ كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صَسٌّ جیسے ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو۔ اَصَابَتْ حَذً قَوْمٍ ظَلَمُوا انْفُسَهُم یہ سرد ہوا ایسی قوم کی کھیتی پر آئی ہو جس نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ کھیت پک کر تیار ہو رہا ہے، اناج سے بھرا پڑا ہے۔ خوب لہلہا رہا ہے۔ اتنے میں سخت ٹھنڈی ہوا آتی ہے فَاَهْلَكَتْهُ اس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اچھی بھلی کھیتی دیکھتے ہی دیکھتے تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور اس کے مالک منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ فرمایا کفر کرنے والوں کے خرچ کی مثال ایسی ہی ہے۔ وہ اس دنیا میں رفاہ عامہ کے کاموں پر خرچ کر کے خوش ہو رہے ہیں کہ ان کا خرچ کیا ہوا مال انہیں بہت فائدہ دے گا۔ مگر حقیقت میں اللہ کے ہاں اس خرچ کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جس طرح کھیتی کا مالک اناج کی آس لگائے بیٹھا تھا، مگر تیغ ہوانے اُسے برباد کر کے رکھ دیا، اسی طرح مال خرچ کرنے والے کافر امید کریں گے، کہ مال خرچ کرنے کے عوض ان کو اجر عظیم ملیگا، مگر ان کا یہ سارا کیا کریا یکدم ضائع ہو جائے گا۔ اور ان کے لیے کچھ مفید نہ ہوگا۔

فرمایا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اللّٰهُ تعالیٰ نے آخرت میں ایسے لوگوں کو اجر دینا جس سے محروم کر کے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ وَالْاٰلِکِنْ اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں عمل کی مقبولیت کے



لیے ایمان، صحیح عقیدہ اور اعمالِ صالحہ کی شرط لگائی ہے۔ دوسرے مقام پر  
 فرمایا فَمَنْ يَكْمُلْ مِنْ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ؟ اجرائی کو ملے گا۔  
 جو ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ انجام دے گا، جس کا ایمان ہی درست نہیں ہے  
 جس کا عقیدہ ہی صحیح نہیں۔ جو توحید پر قائم نہیں، اُس کے نیک اعمال بھی آخرت  
 میں کچھ کام نہ آئیں گے۔ ایسے لوگوں نے بد عقیدگی اختیار کر کے اپنے اندر ہلک  
 مادہ پیدا کر لیا ہے، جو ان کے صحیح اعمال کو بھی ضائع کر رہا ہے۔ البتہ اُن کے  
 دنیا میں اچھے کام اُن کے لیے دنیا میں ہی عزت، شہرت، وجاہت اور وقار کا  
 باعث بن سکتے ہیں۔ یہ چیزیں تو اُن کو دنیا میں ہی حاصل ہو جاتی ہیں، لہذا آخرت  
 میں اُن کے لیے کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ کافروں کے علاوہ منافقوں کا بھی  
 یہی حال ہے۔ سورۃ توبہ میں موجود ہے کہ منافقوں کا خرچ کردہ مال اُن کے  
 لیے کیوں مفید نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ اُس کو کیوں قبول نہیں کرتے، اس واسطے  
 کہ اُن کے دل و دماغ ناپاک ہیں، اُن کے دل نفاق سے بھرے ہوئے  
 ہیں اور اُن کے اخلاق بگڑ چکے ہیں۔ یہی حال کفر کرنے والوں کا ہے کہ اُن کا  
 عقیدہ فاسد ہے۔ اس لیے اُن کے نیکی کے کام بھی آخرت میں بے سود ہونگے  
 البتہ اس دنیا میں ان کا بدلہ انہیں عزت، و شہرت کی صورت میں مل جائے گا۔  
 کفر، شرک اور بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں، جن کا اثر انسان کی نیکیوں پر پڑتا  
 ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا، جو شخص ایک دفعہ  
 شراب پی لیتا ہے، چالیس دن تک اُس کی نیکیاں یعنی نماز وغیرہ قبول نہیں ہوتی  
 اگرچہ اس کے ذمہ سے نماز ادا تو سمجھی جائے گی، مگر وہ بارگاہ الہی میں اُس وقت  
 تک قبول نہیں ہوگی جب تک شرابی صدقِ دل سے توبہ نہ کر لے۔ ایک اور صحیح  
 حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جو شخص حرام کا ایک لقمہ  
 پیٹ میں ڈالتا ہے، چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، حرام  
 کا اتنا شدید اثر ہوتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔

برائی کا  
 اثر نیکی پر



بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے تو ان پر احسان کیا، جسم دیا، صحت و توانائی دی، جو اس ظاہرہ اور باطنہ سے نوازا، عقل و شعور جیسی نعمت دی، انبیاء مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں تاکہ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کریں۔ ان تمام اسباب کی فراہمی کے بعد بھی اگر کوئی کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے۔ اللہ نے ان پر زیادتی نہیں کی۔ کیونکہ وہما رَبُّكَ بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ، اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا وَمَا اللّٰهُ بِرَبِّدٍ ظَلَمًا لِّلْعَبَادِ اللّٰهُ تُوِپِنۡہٗ بِنَدُوۡنَہٗ زِیَادَتِیۡ کَرۡنَہٗ کَا اَرَادَہٗ بَہِیۡ نَہِیۡں فَرَمَاتَہٗ۔ یہ تو خود انسان ہیں وَلَٰكِنْ اَنۡفُسُہُمۡ یُظَلِمُوۡنَ جو خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنے ایمان اور عقیدے کو خراب کرتے ہیں بڑے اعمال انجام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ یہ بڑے اعمال تمہاری اپنی کمائی ہے اب اس کا بھگتناں کرو۔ اگر نیکی انجام دی ہے۔ تو اللہ فرمائے گا شکر ادا کرو کہ میں نے تمہیں نیکی کی تو فریق بخشی جس کا آج اچھا بدلہ مل رہا ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے کافروں کے خرچ کردہ مال کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کر کے بات سمجھا دی کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوگا۔



لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس چل ربک ۲۱

آیت ۱۱۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ  
لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۖ وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ  
الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۖ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ  
أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ  
تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ مخلص دوست بناؤ اپنوں کے سوا دوسروں کو۔ وہ تمہارے  
حق میں خرابی پیدا کرنے میں کبھی نہیں کرتے۔ وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جو تمہیں  
مشقت میں مبتلا کرے۔ تحقیق دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے،  
اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں، وہ بہت زیادہ ہے، تحقیق ہم نے  
تمہارے لیے آیتیں بیان کر دی ہیں، اگر تم عقل رکھتے ہو ﴿۱۱۸﴾

اہل کتاب کی خرابی، دشمنی اور عداوت کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ اور پھر یہ بھی بیان  
ہو چکا ہے کہ ان کے مال اور اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گے، جو مال وہ  
اسلام دشمنی کے لیے یا نیکی سمجھ کر خرچ کرتے ہیں وہ بھی رائیگاں جائے گا۔  
اللہ تعالیٰ نے ایسے مال کی حیثیت کو ایک مثال کے ذریعے واضح کیا۔ کہ  
جس طرح کسی عمدہ فصل کو ٹھنڈی ہوا، تباہ کر دیتی ہے۔ اسی طرح کھڑے کمرے والوں کے  
خرچ کمرہ مال بھی ضائع ہو جائیں گے۔ وجہ ظاہر ہے۔ کہ عقیدے کی خرابی  
اور معاصی نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں۔ اس کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ  
کسی پر زیادتی نہیں کرتے بلکہ وہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اب

رابطہ آیت



آج کے درس میں اہل ایمان کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ مسلمان اہل کتاب کی اسلام دشمنی کے پیش نظر ان کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں

مخلص دوست

ارشاد ہوتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا  
بِطَانَةَ مَنْ دُونَكُمْ اپنوں کے سوا دوسروں کو اپنا مخلص دوست  
 نہ بناؤ۔ یہاں پر بطانہ کا لفظ آیا ہے جو کہ خاص الخاص راز دار دوست کے لیے  
 استعمال ہوتا ہے۔ اس کے لیے بطانة الرجل بھی بولا جاتا ہے۔ عربی  
 زبان میں بطانة استرعی کوٹ کے اندر لگائے جانے والے کپڑے کو بھی  
 کہتے ہیں، گویا یہ ایسی چیز ہے جو داخل طور پر استعمال ہوتی ہے۔ حدیث شریف  
 میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار مدینہ کے متعلق فرمایا الانصار  
شعار والناس دُشّار یعنی انصار میرے لیے بہتر لہ شعار یعنی اندر والے  
 کپڑے کے ہیں اور باقی لوگ دُشّار یعنی باہر والے کپڑے چادر، کھیل وغیرہ کی مانند ہیں۔  
 اس لحاظ سے شعار اور بطانہ ہم معنی لفظ ہیں۔ اور یہ نہایت ہی مخلص دوست کے  
 لیے بولے جاتے ہیں۔ چنانچہ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور مولانا شیخ الہند نے بھی  
 یہی ترجمہ کیا ہے مَنْ دُونَكُمْ میں اہل کتاب اور مشرک آتے ہیں، بعض  
 مفسرین نے منافقین کو بھی اس زمرہ میں شامل کیا ہے۔ تو مسلمانوں کو نصیحت  
 کی جا رہی ہے کہ اہل ایمان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا مخلص دوست نہ بنائیں۔  
 دینے میں دو مشہور قبائل اوس اور خزرج آباد تھے۔ یہ مشرک لوگ تھے، اللہ  
 نے ان کو ایمان لانے کی توفیق بخشی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اپنی پڑائی دشمنی ترک  
 کر کے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ ان قبائل کے دینے کے یہودیوں سے دیرینہ  
 تعلقات تھے، جنہیں وہ اسلام لانے کے بعد نبھاتے رہے۔ مگر یہودی چونکہ  
 ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے وہ مسلمانوں کے مخلص دوست نہیں ہو سکتے  
 تھے، لہذا اللہ تعالیٰ نے اوس اور خزرج والوں کو بھی منع فرما دیا کہ یہودیوں  
 کے ساتھ دوستی نہ رکھیں، کیونکہ وہ اسلام اور اہل اسلام کو اچھا نہیں سمجھتے۔ گویا



یہ آیت اوس اور خزرج والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

مفسرین کرام نے اس آیت کی شان نزول میں ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے حضرت عبادہ بن صامتؓ انصار مدینہ میں سے عظیم المرتبت صحابی ہیں، مصر کی فتح کے دوران اسلامی لشکر کے سپہ سالار عمرو بن العاصؓ نے حضرت عبادہؓ کو مقوقس سے گفتگو کرنے کے لیے نمائندہ نامزد کیا تھا۔ آپ سیاہ رنگ کے دس بالشت قد کے آدمی تھے۔ بڑے عظیم الشان تھے انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، حضور! یہاں کے یہودیوں سے میرے مخلصانہ تعلقات ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان کو اپنے ساتھ جنگ میں شریک کر لوں۔ یہ واقعہ جنگ احد یا جنگ خندق کا ہے۔ بنی علیہ السلام نے یہودیوں کی امداد لینے سے یہ کلمہ منع فرما دیا کہ ان سے خیر کی توقع عبث ہے۔ ان سے مسلمانوں کے حق میں نقصان کی توقع ہی کی جاسکتی ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ساتھ دوستی کرنے سے روک دیا۔ لَا تَصَاحِبُ إِلَّا مَوَدِّعًا مومن کے سوا کسی سے رفاقت نہ کرو۔ غیر مومن کی رفاقت سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ لہذا ان سے مخلصانہ دوستی نہ جوڑو۔

فرمایا غیر مسلموں کی دوستی سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ لَا يَأْتِيَنَّكُمْ فِتْنًا وہ تھامے درمیان فساد برپا کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ خیال عربی میں فساد کو کہا جاتا ہے۔ غیر مومنوں کی ہمیشہ یہ خواہش ہوگی کہ مومنوں کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچائیں، انہیں تمہاری خیر خواہی ہر گز منظور نہیں۔ ان سے رازداری قائم نہ کیجی صورت میں مسلمانوں کو دنیا اور دین دونوں جگہ نقصان ہوگا۔ اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں بھی گمز چکا ہے کہ اہل کتاب ہر گز پسند نہیں کرتے کہ اہل اسلام پر خدا کی جانب سے کوئی بہتری نازل ہو یا ان کو اس دنیا میں عزت اور ترقی نصیب ہو، وہ تو چاہتے ہیں کہ مسلمان ان سے زیادہ پستی میں چلے جائیں۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے علاوہ اہل ہند اور دہریوں کا بھی یہی حال ہے۔ مسلمانوں کی



ترقی اُن کو بھی ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ چنانچہ اسی سورۃ میں پہلے گھڑ چکا ہے۔ کہ ایک  
 مومن کی دوستی ایک غیر مومن کے ساتھ کسی حال میں نہیں ہو سکتی۔ دوستی کے لیے  
 کم از کم نظریات، توہیکیاں ہونے چاہئیں، مگر ایسا ممکن نہیں۔ یہاں تو صورت حال  
 یہ ہے لَا آعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ بَلْ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔  
 غیر مسلم کفر کو پسند کرتے ہیں، جب کہ اہل اسلام کا منہ تائے مقصود و محض ضائع الہی  
 ہوتی ہے۔ لہذا دونوں گروہوں کی آپس میں مخلص دوستی ممکن نہیں۔

اخلاقی رواداری  
 البتہ کسی کے ساتھ اخلاق کے ساتھ پیش آنا الگ چیز ہے۔ اس  
 قسم کے اشارت سورۃ ہذا کے علاوہ سورۃ مائدہ اور سورۃ نمتحنہ میں بھی ملتے ہیں  
 اسلامی ملک میں رہنے والے غیر مسلم جذبہ ادا کر کے اسلامی قوانین کے تحت زندگی بسر  
 کر سکتے ہیں۔ تاہم انہیں اپنے مذہب پر کاربند رہنے کی مکمل آزادی ہوتی ہے  
 ایسے لوگ ذمی کہلاتے ہیں۔ ذمیوں کی مال و جان اور عزت و آبرو اسی طرح  
 محفوظ ہوتی ہے جس طرح مسلمانوں کی ہوتی ہے۔ انہیں تمام بنیادی حقوق حاصل ہوتے  
 ہیں، مذہبی آزادی کے علاوہ کاروبار اور تجارت میں آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حضور  
 بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی ذمی کو تنگ کرے گا، میں قیامت  
 کے دن ذمی کی طرف سے خدا کے ہاں جھگڑا کر دوں گا، آپنے ذمیوں کو اتنے حقوق  
 دیے ہیں۔ اس کے باوجود فرمایا اُن کے ساتھ دوستانہ قائم نہیں ہو سکتا۔ مخلص دوستی  
 صرف اہل ایمان کے ساتھ ہوگی۔ کسی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ  
 کے متعلق تو خاص احتیاط کی ضرورت ہے، اس کا تذکرہ آگے اس سورۃ میں بھی  
 اور اس کے بعد بھی آئے گا۔

غیر مسلموں سے دوستی اور رازداری کرنے سے اس لیے منع فرمایا گیا  
 کلیدی آیات  
 کہ یہ لوگ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے  
 لہذا کوئی راز کی بات ان تک نہیں پہنچانی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی  
 ترقی اور تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ اسی لیے امام ابو بکر جہاں



فرماتے ہیں۔ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں کسی کلیدی عہدے پر فائز نہیں کرنا چاہیے۔  
 انہیں نہ وزیر بنانا چاہیے، نہ مشیر اور نہ ہی پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کرنا چاہیے جمہوریت  
 میں تو ایسا درست ہے مگر اسلامی نقطہ نظر سے ناجائز ہے، کسی عیسائی، یہودی، ہندو  
 یا قادیانی کو وزیر یا مشیر یا افواج کا کمانڈر بنا دیا جائے، تو معاملہ بگڑ جائیگا۔ جب کارنلیس کو  
 وزیر قانون بنایا گیا تھا، تو ہم نے اسی وقت کہا تھا کہ جو شخص اسلامی قانون پر ایمان ہی  
 نہیں رکھتا اس کو وزیر قانون کیسے بنایا گیا ہے، پارلیمنٹ کا غیر مسلم ممبر اسلامی قانون  
 کی قانون سازی میں کیسے حصہ لے سکتا ہے۔ مگر یہ بات حکومت کی سمجھ میں نہیں  
 آرہی ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور میں حضرت حذیفہؓ نے اپنا کاتب ایک غیر مسلم کو مقرر  
 کرنا چاہا تھا، مگر آپؓ نے انکار کر دیا تھا اور فرمایا جسے خدا نے دور کیا تم اُسے کیوں  
 قریب کرنا چاہتے ہو۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے۔  
 تفسیر احکام القرآن میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ کہ وثیق نامی روم کا عیسائی حضرت  
 عمرؓ کا غلام تھا۔ بڑا ذہین اور اعلیٰ درجے کا حساب دان تھا۔ آپؓ نے فرمایا اگر تم ایمان  
 لے آؤ تو میں تمہیں کوئی ذمہ داری کا کام سونپ دوں۔ مگر وہ شخص ایمان نہ لایا۔ اور  
 آپؓ نے اُسے کوئی عہدہ نہ دیا۔ جب آپؓ زخمی ہو گئے تو اُسے پھر بلا کر ایمان اور  
 عہدہ کی پیش کش کی مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ آپؓ نے اُسے آزاد کر دیا، مگر کوئی  
 عہدہ نہ دیا۔ اس روایت سے دو چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اسلام میں  
 جبر نہیں ہے۔ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ کبھی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا جاسکتا اور  
 دوسری بات یہ کہ کسی غیر مسلم کو اسلامی حکومت میں کوئی کلیدی آسامی پیش نہیں کی  
 جاسکتی۔ اگر ایسا ہوگا، تو اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہوگا۔

مسلمانوں کے  
 ساتھ جوہی

غیر مسلم اگر خصلت بیان فرماتے ہوئے فرمایا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ  
 وہ تمہاری مشقت کو پسند کرتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ہے "وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ  
 لَأَعْنَتَكُمْ" اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں مبتلا کر دیتا۔ ان کی دلی



خواہش یہ ہوتی ہے کہ مسلمان مصیبت میں گرفتار ہوں۔ اور دیکھو قد بدت  
 الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ اُن کی اسلام دشمنی کی بات بعض اوقات اُن  
 کی زبانوں پر بھی آجاتی ہے۔ وہ لاکھ کوشش کریں کہ اُن کی اسلام کے ساتھ دشمنی مخفی  
 ہے مگر پھر بھی منہ سے کوئی نہ کوئی بات ایسی نکل جاتی ہے، جو اُن کی اندرونی خباثت  
 کا مظہر ہوتی ہے۔ ۱۹۷۱ء میں جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو انڈرا گاندھی کی  
 زبان سے یہ بات نکل گئی تھی کہ ہم نے ہندوستان پر مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت  
 کا بدلہ لے لیا ہے۔ اسی طرح انگریز، عیسائی، امریکی، ہندو اور یہود ہمیشہ مسلمانوں کے  
 بدخواہ ہی رہیں گے اور اس دشمنی کا اظہار ان کی زبانوں سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے،  
 یہ لوگ قرآن پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے  
 ایک انگریز نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ مسلمانوں کے آخری نبی تو بادشاہ تھے  
 وہ تو لونڈیوں کے ساتھ کھیلنے بہتے تھے (العیاذ باللہ) ایک اور انگریز نے  
 کوئی چالیس سال پہلے اپنے کتے کا نام احمد رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج  
 ہوا۔ کوئی اپنے اونٹ کا نام محمد رکھتا ہے تاکہ مسلمانوں کو ذہنی کوفت نہ ہو۔ ایک  
 اور خبیث نے اپنے رسالے میں حضرت علیؑ کے متعلق لنگر کا لفظ استعمال کیا  
 تھا۔ بہر حال اس قسم کی افویت ناک باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اسی لیے غیر مسلموں کے  
 ساتھ دوستی سے منع فرمایا گیا ہے۔

ان لوگوں نے قرآن پاک کے متعلق بھی اپنی خباثت کا اظہار کیا ہے۔ اُسے  
 رحبت پسندانہ کتاب کا نام دیا گیا ہے ملکہ وکٹوریہ کے زمانہ کا وزیرِ عظم گلڈسٹون  
 تھا، اُس نے قرآن پاک کو ہاتھ میں لے کر کہا تھا، کہ جب تک یہ کتاب موجود ہے  
 دنیا مذہب نہیں ہو سکتی، لہذا اس کتاب کو ختم کرنا ہوگا (غور باللہ) متحدہ ہندوستان  
 کے صوبجات متحدہ کا گورنر سر ولیم میور نے صرف عیسائی تھا بلکہ بہت بڑا پادری تھا۔  
 اُس نے کہا تھا کہ انسانیت کی دشمن دو چیزیں ہیں۔ ایک محمد کا قرآن اور دوسری  
 اس کی تلوار، جس کے ساتھ وہ جہاد کرتے ہیں۔ اسلام دشمنی کا منہ بولتا ثبوت اُسکی



کتاب (LIFE OF MOHAMMAD) (سوانح محمد) میں موجود ہے۔ یہ ایسی چیزیں ہیں۔ جو اہل اسلام کے لیے نہایت تکلیف دہ ہیں۔ بات وہی ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں کبھی مسلمانوں کی خیر خواہ نہیں ہو سکتیں۔ ان کی اندرونی خباثت بسا اوقات ان کی زبانوں پر تو آتی رہتی ہے۔ مگر وہ مَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ اُکے بُرے جو کچھ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی غلاطت ہے، وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ لہذا ان سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے۔ کوئی راز کی بات ان تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَقَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ہم نے اپنی نشانیاں اور احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ إِنْ كُنْتُمْ تُعْقِلُونَ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو تو ان پر سختی سے عمل پیرا ہو جاؤ۔ اور اگر اس کے باوجود تم غیر مسلموں پر اعتماد کرو گے ان کو وزیر، مشیر بناؤ گے، بڑے بڑے عہدوں پر فائز کرو گے تو پھر بہت بڑے قومی نقصان کے خود ذمہ دار ہو گے۔



لَنْ تَنَالُوا ۲

درس چہل و دو ۲۲

اِلٰ عِمْرَانَ ۳

آیت ۱۱۹ تا ۱۲۰

هَآأَنْتُمْ أَوْلَآءُ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ  
وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا  
آمِنًا ۖ وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمْ الْأَنَامِلَ مِنَ  
الْفِطْرِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغِظِكُمْ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ  
بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۱۱۹ (۱۱۹) إِنْ تَمَسَّسْكُمْ حَسَنَةٌ  
تَسُوْهُمْ ز وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا  
وَإِنْ تُصِبرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرَّكُمْ كَيْدُهُمْ  
شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝۱۲۰ (۱۲۰)

ترجمہ: سنو اے لوگو! تم اُن سے محبت کرتے ہو، اور وہ تم سے محبت نہیں  
کرتے۔ اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے  
ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب وہ الگ ہوتے ہیں تو غصے کی وجہ سے  
تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اے پیغمبر! آپ کہ دیجئے تم اپنے ہی غصے سے مرو۔  
بیشک اللہ تعالیٰ سینے کے رازوں کو جانتا ہے ۝۱۱۹ (۱۱۹) اے اہل ایمان! اگر تم  
کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو بُری لگتی ہے۔ اور اگر تم کو کوئی بُرائی پہنچتی ہے  
تو اُس کے ساتھ خوش ہوتے ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی  
تدبیر کچھ نقصان نہ پہنچائیگی۔ بیشک اللہ تعالیٰ احاطہ کرنے والا ہے، اس کا  
جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ۝۱۲۰ (۱۲۰)

اہل کتاب کی عداوت اور دشمنی کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب

بط آیت



مشرکین اور منافقین سے دوستی کرنے سے منع فرما دیا۔ اور خبردار کر دیا کہ اُن کو اپنے دلی راز دان نہ بناؤ، ورنہ وہ تمہارے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکادیں گے۔ اُن کی حالت یہ ہے کہ جو چیز تمہیں مشقت میں ڈالتی ہے، وہ اُس کو پسند کرتے ہیں اُن کی اسلام دشمنی بسا اوقات اُن کی زبانوں پر آجاتی ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے خلاف جو بعض عناد اُن کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہم نے تمام احکام کھول کر بیان کر دیے ہیں۔ اگر تم عقل و شعور رکھتے ہو، تو ان کو سمجھ جاؤ اور غیر مسلموں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ، نہ ہی اُن کو راز سے آگاہ کرو، انہیں فزیر اور مشیر بھی نہ بناؤ، کہ اس طرح تمہاری اندرونی باتیں اُن تک پہنچتی ہیں، جو تمہارے نقصان کا باعث بنتی ہیں، وہ تمہاری کامیابی پر کبھی خوش نہیں ہوں گے، لہذا اُن کی ہر وقت کوشش یہ ہوگی کہ تم کسی نہ کسی طرح ناکام ہو کر مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ۔

اسی سورۃ میں تیسرے پارہ میں احکام بیان ہو چکے ہیں۔ کہ مومن کی دلی دوستی کسی صورت میں بھی کافر کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ البتہ ذمیوں کے ساتھ یا ایسے لوگوں کے ساتھ جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہو، اُن سے نیکی اور احسان کا سلوک روا ہے۔ جو غیر مسلمان مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہیں، نہ وہ اپنے ہاں کے مسلمانوں کو ملک بدر کرتے ہیں، اُن کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اَنْ تَبْرُوهُمْ وَتَقْسِطُوا إِلَيْهِمْ اُنْکے ساتھ نیکی اور انصاف کرو تاہم دلی دوستی اور رازداری اُن کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتی۔

حاطب بن ابی بلتعہؓ بلند پایہ صحابی رسول ہیں۔ آپ جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے، مگر یہ ایک معاملہ میں لغزش کھا گئے۔ اُن کے بچے ابھی تک مکہ میں تھے افسانے قریش مکہ کی طرف سے اپنے بچوں کے لیے خیر سگالی کے جذبات حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مسلمانوں کے مکہ پر حملہ آور ہونے کا راز مکہ والوں کو



پہنچانے کی کوشش کی۔ ایک عورت کو اس غرض کے لیے خط دیکر مکہ روانہ کیا۔  
 حضور علیہ السلام کو اس بات کی خبر بذریعہ وحی ہوئی، تو آپ نے سوار بھیج کر اس  
 عورت کو راستے میں ہی جالیا اور اس سے خط برآمد کر لیا۔ عاتب بن ابی بلتعہؓ  
 سے پوچھ گچھ ہوئی، انہوں نے اپنی مجبوری کا اظہار کیا اللہ کے رسول نے اُس کی  
 تصدیق کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ ممتحنہ کی آیات نازل فرمائیں "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
 آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ إِمَّا أَنْ  
 وَالِدَاكُمْ أَوْ إِخْوَانُكُمْ أَوْ بَنَاتُكُمْ أَوْ إِخْوَانُكُمْ أَوْ بَنَاتُكُمْ أَوْ  
 ابْنُ بَنَاتِكُمْ"۔ اُن کو راز کی باتیں مت بتاؤ۔  
 اب تو معافی ہو گئی ہے۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہیے۔ آج ہمارے گرد و پیش  
 یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کافر، عیسائی، یہودی اور دہریہ طاقتیں مسلمانوں کے اندرونی معاملات  
 میں دخل ہو رہی ہیں۔ مسلمان اپنی نالائقی کی وجہ سے اپنے مشن سے ہٹ چکے  
 ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ ہر معاملے میں اغیار کو راز داں بنایا جا رہا ہے۔ اُن سے شورے  
 طلب ہوتے ہیں، اور پھر وہی لوگ اندرونی راز حاصل کر کے مسلمانوں کو نقصان  
 پہنچاتے ہیں۔ اُن کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں، تاکہ وہ ہمیشہ انہی کے دام  
 میں گرفتار رہیں۔

خلافتِ اسلامیہ

اس وقت دنیا میں پچاس کے قریب اسلامی حکومتیں ہیں مگر کوئی بھی اپنی  
 رائے میں آزاد نہیں ہے۔ سب غیر مسلموں کے دستِ نگر ہیں۔ تمام اہم امور  
 انہی کے مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ جب سے خلافتِ تہذیب کی کاغذاتہ ہوا ہے  
 مسلمانوں کا وقار ختم ہو گیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے  
 اپنے خطبہ میں لکھا ہے کہ مصر کا ایک انگریز اپنے ملازم سے کہ رہا تھا۔ کہ ہم تمہارے  
 خلیفہ سے بہت خائف ہیں۔ جب کوئی شکایت خلیفہ کے پیش ہوتی ہے  
 وہ اُس کے تدارک کی فوراً کوشش کرتے ہیں جس کی وجہ سے کفار کو ہر میت  
 اٹھانا پڑتی ہے۔ اگر خلافت کی طاقت نہ ہوتی، تو ہم مسلمانوں کو بہت ذلیل  
 کرتے۔ یہ اُس وقت کی بات ہے جب خلافتِ اسلامیہ بالکل کمزور ہو چکی



مقتی۔ اور جب یہ اپنے عروج پر تھی، تو کسی کو مسلمانوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ اب حالات بالکل بدل چکے ہیں اور مسلمان ہر جگہ غیر مسلموں کے تحت مشق بنے ہوئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اب مسلمان اپنے مشن کو ترک کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اب دنیا میں ان کو عزت، کا کوئی مقام حاصل نہیں۔ اب وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی بجائے اغیار کے مشوروں کے سہارے پر چل رہے ہیں، کوئی معاملہ ہو، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات، زراعت، ہو یا تجارت ہر چیز میں غیر مسلم دخل ہیں، حتیٰ کہ تہذیب اور فیشن بھی انہی کا اپنا لیا گیا ہے، وقار تو ان قوموں کو ہوتا ہے، جو اپنے نظریے پر قائم ہوں۔ مسلمان جب تک اپنے مشن پر قائم ہے انہیں دنیا میں عزت و وقار حاصل تھا۔ مگر اب ہم نے غیروں سے مشورے طلب کر کے خود ان کو اپنا راز داں بنا لیا ہے۔ وہ ہمیں اچھا مشورہ کھسے دے سکتے ہیں۔ وہ تو ہمیشہ ہماری ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ غیر اقوام کے ساتھ دلی دوستی قائم نہیں کرنی چاہیے۔

محبت  
محیط

اللہ تعالیٰ نے فرمایا هَآنَتُمْ اَوْلَا بِمُحَبَّتِكُمْ اے ایمان والو! تم تو دوسروں سے محبت کرتے ہو، وَلَا بِمُحَبَّتِكُمْ مگر وہ تم سے محبت نہیں کرتے مطلب یہ کہ تم تو عیسائیوں، یہودیوں، انگریزوں اور امریکیوں کو اپنا راز دار بنا رہے ہو، ان کو مشیر بنا رکھا ہے، ان سے محبت بڑھا رہے ہو۔ مگر وہ تم سے دلی لگاؤ نہیں رکھتے۔ لہذا ان کے ساتھ تمہاری محبت، محیط فرمے۔ محبت ہمیشہ جانبین کی طرف سے ہونی چاہیے۔ تالی دو ہاتھ سے بھتی ہے۔ لہذا صرف تمہاری طرف سے محیط فرم محبت کوئی محبت نہیں، وہ تو اللہ، اس کے رسول اور قرآن پاک کے شدید ترین دشمن ہیں لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ اٰمَنُوا الْيَهُودُ مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ دشمن یہودی ہیں۔ اس کے بعد مشرکین اور نصاریٰ کا نمبر آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا



کہ صرف تمہاری طرف سے دوستی اور محبت اہل اسلام کے لیے لازماً نقصان کا باعث ہوگی۔

ایمان بالکتاب فرمایا کہ اہل ایمان اور اہل کتاب میں ایک بنیادی فرق یہ ہے۔ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ تم یعنی اہل ایمان تو تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ منجانب اللہ ہونے کی حیثیت سے تمہارے نزدیک زبور، تورات، انجیل اور قرآن پاک سب برابر ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ اللہ تعالیٰ نے جو بھی کتاب، جس نبی پر نازل فرمائی ہے، خواہ وہ کسی بھی زمانے میں نازل ہوئی ہو، اہل ایمان اس کو برحق مانتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ہیں، مگر اہل کتاب قرآن پاک کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے۔ یہودی ہمیشہ قرآن پاک کی مخالفت میں تمام اخلاقی حدود کو پامال کرتے رہے ہیں۔ فرانس کا ایک انگریز نو لٹرک نامی ہوا ہے، اس نے کہا کہ محمد پرمرگی کا دورہ پڑتا تھا (العیاذ باللہ) اور اس دوران بڑبڑانے سے جو کچھ اُن کے منہ سے نکلتا تھا، اُس کو جمع کر کے قرآن بنا دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جوانی کے دور میں حضور علیہ السلام کی ملاقات نسطور نامی راہب سے ہوئی تھی۔ اُس نے جو باتیں آپ کو سکھائیں، وہ قرآن بنا کر پیش کر دیا گیا، کہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اہل کتاب قرآن پاک کو انسانیت کا دشمن سمجھتے ہیں۔ جب کہ ہمارے نزدیک انسانیت کی بہتری کے لیے سب سے اعلیٰ کتاب قرآن کریم ہے۔ ان حالات میں جب کہ اہل ایمان اور اہل کتاب کی دوستی کی بنیاد ہی نہیں ہے، تو ان کے ساتھ دوستی کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا کہ ان کو رازداری کی بات نہ بتا دینا، ورنہ وہ نقصان پہنچائیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے یہودی منافقین کی ایک اور خصلت بیان فرمائی ہے وَإِذَا لَقُوا أَهْلًا مِّنْهُمْ جب وہ تم سے یعنی مسلمانوں سے ملتے

منافقین کا  
اظہارِ نفی



ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں وَلَاذِ اٰخِلُوْا عَصُوْا عَلَیْكُمْ الْاَنَامِلَ  
مِنَ الْخِیْطِ اور جب الگ ہوتے ہیں، تو غصے کے مارے انگلیوں کو چاٹتے  
ہیں۔ جب کسی انسان کی مرضی کے خلاف کوئی چیز واقع ہو جائے تو اسے نہایت افسوس  
ہوتا ہے۔ اور وہ اپنی بے بسی کے طور پر غصے میں دانت پیستا ہے، اور کبھی ہاتھوں  
کی انگلیوں کو دانتوں سے کاٹتا ہے اور ہاتھ کی پشت پر دانت نصب کر دیتا ہے  
ایسا نہایت غصے کی حالت میں ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ منافق قسم کے یہودی  
نظارہ تو تمہارے ساتھ ایمان کے رشتے جوڑتے ہیں۔ مگر جب تم سے علیحدگی اختیار  
کرتے ہیں تو تمہاری ہر کامیابی اُن کو سخت گمراہ کن رہتی ہے۔ اور وہ غصے کے  
مارے دانت پیستے بلکہ انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ اے پیغمبر علیہ السلام! یہ لوگ  
آپ کے اور ایمان والوں کے خلاف غصے سے بھرے بیٹھے ہیں۔ اس صورتحال  
میں فَلْ اٰپْ اَنْ سَہْ دِیْ مَوْتُوْا بِخِیْطِکُمْ تم اپنے ہی غصے کی آگ  
میں جل مرو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ جب کسی سے قطع تعلقی کرنا ہو، تو اسے کوئی  
چبھتی ہوئی بات کہہ دینی چاہیے تاکہ وہ سمجھ جائے کہ اب یہ تعلقات قائم نہیں رہ  
سکتے، یہ الفاظ بھی اسی قسم کے ہیں۔ جب یہ بات واضح ہو گئی کہ اہل کتاب کے  
ساتھ مسلمانوں کا دوستانہ نہیں رہ سکتا، ہم تمام آسمانی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں  
مگر وہ قرآن پاک کو آسمانی کتاب ماننے پر تیار نہیں۔ ہم تمام انبیاء کی تصدیق کرتے  
ہیں مگر وہ نبی آخر الزمان علیہ السلام پر ایمان لانے کو تیار نہیں تو پھر دوستی کی بنیاد  
ہی ختم ہو گئی۔ لہذا اُن کو یہ دل شکن بات کہہ دی گئی کہ جس غیظ و غضب کا اظہار  
تم مسلمانوں کے خلاف کر رہے ہو، خود اُسی غصے سے مر جاؤ۔ فرمایا اگرچہ تم بظاہر  
ایمان کا اظہار کرتے ہو، مگر یاد رکھو! اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ بِذٰلِ الصُّدُوْرِ  
اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کے راز یعنی اُن میں بھری ہوئی غلاظت سے خوب  
واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ پیغمبر اسلام، اہل ایمان اور اللہ کی کتاب قرآن پاک  
کے خلاف تمہارے دلوں میں کس قدر زہر بھرا ہوا ہے، تمہاری کچھ खाشت تو



تمہاری زبانوں سے بھی بعض اوقات ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر جس چیز کو تم چھپا رہے ہو، اللہ سے کچھ مخفی نہیں۔ وہ تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ پھر اس کی گرفت سے بچ نہیں سکو گے۔

فرمایا اے ایمان والو! اِنْ تَصْسِكُمْ حَسَنَةً تَقُوْهُمْ اَگرتہیں کوئی اچھائی پہنچے تو منافقین کو ناگوار گزرتی ہے، تمہاری کامیابی دیکھ کر جل جاتے ہیں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو، کسی جنگ میں فتح ہو تو ان پر گمراہ گزرتا ہے

وَ اِنْ تَصِبْكُمْ سَيِّئَةً يُّفْرِحُوْا بِهَا اور اگر تم کو کوئی تکلیف پہنچے شکست ہو جائے، کچھ آدمی مائے جائیں۔ مالی نقصان ہو جائے، تو یہ بڑے خوش ہوتے ہیں۔ ان حالات میں ان لوگوں سے دوستی کبھی مفید نہیں ہو سکتی ہے، کیونکہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد و غم خوار ہوں گے۔ الْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے اور پھر اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ لہذا دلی دوستی اپنے بھائیوں سے رکھو۔ دشمنانِ خدا اور دشمنانِ رسول سے لا تعلقی کا اظہار کرو۔ اُن سے دوستی نقصان کا باعث ہوگی۔

فرمایا اہل کتاب کی طرف سے ہر قسم کی ضرر رسانی کا دفاع دو طریقوں سے ممکن ہے۔ پہلی چیز ہے وَ اِنْ قُصِبْزُوا اَگرتم صبر کرو۔ مومن کے لیے صبر ایک بہت بڑا دفاع ہے۔ صبر ملتِ ابراہیمی کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔ سورۃ بقرہ میں ملتِ ابراہیمی کے اصولوں کی تشریح آچکی ہے توحید، ایمان، ذکر، شکر، صبر، شعاۃ اللہ کی تعظیم، نماز، طہارت وغیرہ کا بیان مختلف دروس میں آچکا ہے۔ صبر کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اور اس کی ہر موقع پر ضرورت پڑتی ہے۔ مصیبت میں صبر، اطاعت میں صبر، خواہشا

نفسانیہ پہ قابو پانے میں صبر انسان کو حد اعتدال سے تجاوز کرنے سے روکتا ہے

دفعہ کا  
طریقہ



اور پھر اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کی تعریف بھی بیان کی ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ" اللہ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا۔ بلکہ اِنصافاً یوفی الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اُن کو قیامت کے دن بغیر حساب کے اجر عظیم عطا کرے گا۔

فرمایا دفاع کا دوسرا طریقہ وَتَتَّقُوا ہے۔ صبر کے ساتھ ساتھ اگر تقویٰ اختیار کیے رکھو گے۔ گناہ سے بچتے رہو گے، تو پھر تمہارا پورا پورا دفاع ہو گا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ دُشْمَانِ اسْلَامٍ کی کوئی مکاری اور حیلہ سازی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیگی۔ نقصان وہاں ہو گا۔ جہاں صبر اور تقویٰ کا فقدان ہو گا۔ صابرین کا نمونہ دیکھنا ہے۔ تو حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ پر ایک نظر ڈال لو۔ وہ تقویٰ کی اعلیٰ منزل پر تھے۔ انہیں کے نقش قدم پر چل کر تم بھی صبر اور تقویٰ کے اوزار زیب تن کر سکتے ہو جن کے ذریعے دشمن کے ہر حملے کا دفاع کیا جاسکتا ہے۔ "إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا" اگر اللہ سے ڈرتے رہو گے، تو وہ ہر مقام پر تمہارے حق میں بہتر فیصلہ کرنا چلا جائے گا۔ اُس نے بدر میں تمہارے حق میں فیصلہ دیا، فتح مکہ میں تمہاری مدد کی۔ تبوک میں تمہیں فتح عطا کی۔ ہاں بعض اوقات نیچو کاروں کو بھی تکلیف آجاتی ہے اُس سے گھبرا کر صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ مومن کے لیے ایسی تکلیف یقیناً اس کے رفع درجات اور نجات کا باعث بنتی ہے۔ اگرچہ بظاہر نقصان ہوتا ہے مگر حقیقت میں ایک مومن آدمی نفع میں ہی رہتا ہے الغرض! اللہ تعالیٰ نے اصول بتائیے کہ اپنے علاوہ عیروں کو راز دار نہ بناؤ۔ اُن کی مکاریوں کا دفاع صبر اور تقویٰ کے ساتھ کرو، تو تم ہمیشہ مومن رہو گے۔

البتہ ان اللہ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل کا احاطہ کرنے والا ہے۔ اُن کی شرارتوں کی سزا اُن کو ضرور مل کر رہیگی، وہ اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔

جنگ کے  
لیے تیاری



لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس چیل و سر ۲۳

آیت ۱۲۱ تا ۱۲۲

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ  
لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَةٌ  
مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ  
فَلْتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ :- اور جب آپ صبح کے وقت نکلے اپنے گھر سے، آپ ٹھکانے  
مقرر کرتے تھے ایمان والوں کے لیے لڑائی کے واسطے، اور اللہ سب کچھ  
سنتا اور جانتا ہے ﴿۱۲۱﴾ جب خیال کیا تم میں سے دو گروہوں نے کہ وہ  
بند دل ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ہی اُن کا ولی ہے۔ اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ  
ہی پر بھروسہ کریں ﴿۱۲۲﴾

ربط آیات

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی دشمنی اور عناد کا تذکرہ کر کے اُن  
کے ساتھ دوستانہ تعلقات استوار کرنے کی ممانعت فرمائی اور یہ بھی بتا دیا کہ  
جو عناد اُن کے دلوں میں پایا جاتا ہے، وہ بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
اہل ایمان کو یاد دلایا کہ تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، مگر اہل کتاب قرآن پاک  
کو اللہ کا کلام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، فرمایا ان حالات میں تمہاری اہل کتاب  
کے ساتھ دوستی کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ اگر ان سے قریبی تعلقات قائم کیے  
گئے تو وہ اہل اسلام کو نقصان پہنچائیں گے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ  
اے ایمان والو! اگر تم صبر اور تقویٰ پر قائم رہو گے، تو اہل کتاب اپنی تلمذ  
عدوت کے باوجود تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام  
اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔



شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے تقویٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے آیت کریمہ  
 اِنَّ اللّٰهَ يَافُحُّرٌ — بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ پڑھ کر سنادی۔  
 آپ کا مطلب یہ تھا کہ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچاؤ اور  
 عدل و انصاف پر قیام ہے۔ عدل ایک بنیادی اصول ہے جس پر تمام  
 بنی نوع انسان کا عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ عادل لوگ ہی دنیا میں اچھا نظام  
 قائم کر سکتے ہیں۔ اسی عدل کی بدولت اچھی حکومت اور اچھی سوسائٹی معرض وجود  
 میں آتی ہے۔ جہاں عدل نہیں ہوگا، وہاں نہ حکومت اچھی ہوگی، نہ سوسائٹی۔  
 لہذا مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر انہیں شکست ہو جائے یا کوئی نقصان اٹھانا  
 پڑے، تو ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے تقوے اور صبر میں خرابی پیدا ہو گئی ہے  
 وہ ان ندریں اصولوں پر قائم نہیں رہ سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر  
 تم ان اصولوں پر قائم رہو گے، تو دشمن کی کوئی تدبیر تمہارے خلاف کامیاب  
 نہیں ہوگی۔

اب آج کے درس میں دو واقعات کی طرف اشارہ کر کے مثال بیان  
 کی جا رہی ہے۔ کہ دیکھو! بدر کے میدان میں اہل ایمان نے اللہ کی ذات پر  
 مکمل بھروسہ کیا، تقوے اور صبر کا دامن تھامے رکھا، تو اللہ نے انہیں فتح  
 عطا کی، حالانکہ تعداد کے لحاظ سے مسلمان قلیل تھے، اور سامان حرب کی بھی  
 شدید قلت تھی۔ دوسری طرف احد کے میدان میں مسلمانوں کی تعداد بدر کی  
 نسبت زیادہ تھی، مگر صبر اور تقوے میں کمی آنے کی وجہ سے شکست سے دوچار ہونا  
 پڑا۔ آگے جنگ احد کے واقعات تفصیلاً آئے ہیں۔ اور اس موقع پر مسلمانوں  
 کی طرف سے جو غلطی سرزد ہوئی تھی، اسپر تنبیہ فرمائی گئی ہے، کہ آئندہ ایسی چیز  
 کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے۔

رمضان ۲ء میں جنگ بدر لڑی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسی شاندار  
 فتح عطا کی، جسے رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ قریش مکہ اپنی اس شکست  
 جنگ احد  
 کا پس منظر



سے سخت سیخ پا ہوئے اور ان کے دلوں میں انتقام کا جذبہ بھڑکنے لگا۔ البوسفیان  
 کے جس تجارتی قافلہ کی حفاظت کے نام پر یہ جنگ لڑی گئی، اس کا سارا منافع  
 مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے وقف کر دیا گیا۔ جنگ بدر میں بڑے  
 بڑے ائمہ کفر مائے گئے تھے، کسی کا باپ مارا گیا، کسی کا بیٹا قتل ہوا، سب  
 غیظ و غضب سے بھرے ہوئے تھے۔ لہذا وہ پوری تیاری کے ساتھ  
 مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوئے۔

جب اس حملہ کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضور علیہ السلام نے صحابہؓ کو جمع  
 مشورہ کر کے ان کا مشورہ طلب کیا، کہ دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کرنا چاہیے  
 یا شہر سے باہر کھلے میدان میں۔ اس معاملہ میں واضح طور پر دو رائیں تھیں۔ نوجوان  
 طبقہ خصوصاً وہ صحابہؓ جو جنگ بدر میں شامل نہیں ہو سکے تھے، ان میں جوش و ولولہ تھا، اور  
 وہ دشمن کا مقابلہ باہر نکل کر کرنا چاہتے تھے۔ ان کی اکثریت تھی۔ تاہم انصار کی اکثریت  
 کی رائے یہ تھی کہ دشمن کی کثیر تعداد کے پیش نظر مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کرنا چاہیے  
 ان کا خیال تھا کہ مجاہدین کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی شہر کی جنگ میں شریک ہو  
 سکتے ہیں۔ وہ پتھروں کی بارش کر کے بھی غنیمت کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس سے  
 پہلے تجربہ بھی یہی تھا کہ شہر پر حملہ آور ہونے والوں کو چندال کامیابی نہیں ہوتی رہی  
 تھی، لہذا ان لوگوں کا مشورہ یہ تھا کہ شہر میں رہ کر مقابلہ کیا جائے۔ رئیس المنافقین  
 عبداللہ بن ابی کی رائے بھی یہی تھی۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے بھی  
 اندرون شہر مقابلہ کرنے کے متعلق تھی۔ چونکہ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے  
 کوئی وحی نہیں آئی تھی۔ اس لیے عام اصول "وَشَدَّ اَوْرَھُمْ فِی الْاٰخِرِ" کے  
 مطابق آپ نے مشورہ طلب کیا اور اکثریت رائے کے مطابق شہر سے باہر جا کر  
 مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یاد ہے کہ مشورہ کرنا اسلام کے اہم اصولوں میں سے ہے  
 حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے، جو بات مشورے سے کی جاتی ہے، اس میں نقصان  
 نہیں ہوتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ مشورہ ہر کس، وناکس سے نہیں ہوتا بلکہ دانا، سمجدار، متقہ،



اور صائب اللہ نے لوگوں سے ہوتا ہے۔ یہ ایک الگ اصول ہے جس کی تشریح اسی سورۃ میں آگے آرہی ہے۔

حضرت علیہ السلام  
کے خواب

اس دوران حضور علیہ السلام نے خواب دیکھا، جس کی تعبیر بھی خود آپ نے بیان فرمادی۔ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک ذبح شدہ گائے دیکھی جس کی تعبیر یہ ہے کہ ہمیں خیر حاصل ہوگی۔ خواب کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ میں نے اپنی تلوار ذوالفقار کو حرکت دی تو وہ ٹوٹ گئی اور اس میں دندانے پڑ گئے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ ہمیں ہزیمت ہوگی۔ مؤرخ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ تلوار میں دندانے پڑنے کی تعبیر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہل بیت کا ایک شخص شہید ہوگا، چنانچہ سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ اس خواب کی تعبیر بنے۔ خواب کا تیسرا جزو حضور نے یہ فرمایا کہ میں نے ایک محفوظ مقام پر زمرہ میں ہاتھ ڈالا ہے آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ الغرض! نبی علیہ السلام کی ذاتی رائے مدینہ کے اندر رہ کر مقابلہ کرنے کی تھی مگر آپ نے اکثریت کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا۔ بہر حال حضور علیہ السلام گھر تشریف لے گئے اور پھر زمرہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ بعض صحابہؓ نے اس بات پر مذمت کا اظہار کیا کہ انہوں نے آپ کی ذاتی رائے پر عمل نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کی رائے کے مطابق بہتر یہی ہے۔ تو دشمن کا مقابلہ شہر کے اندر ہی کیا جائے، مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی نبی کے لائق نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر رُک جائے، لہذا اب باہر نکل کر ہی مقابلہ کرنا ہوگا۔

شوال کی ۱۲ یا ۱۳ تاریخ اور جمعہ کا دن تھا حضور علیہ السلام نے جمعہ کی نماز مدینہ منورہ میں ادا کی اور اپنے جانثاروں کے ساتھ احد کی طرف روانہ ہوئے۔ ابتداء میں آپ کے ہمراہ ایک ہزار کا لشکر تھا، مگر جیسا کہ آگے اشارت ملتی ہیں، اس میں سے تین سو آدمی راستے میں سے واپس چلے گئے۔ واقعہ یوں ہوا کہ عبد بن ابی نے بعض لوگوں کو جنگ سے بدگمان کر دیا۔ ایک تو اس کی شہر میں لڑنے کی جائے



سے اتفاق نہیں کیا گیا تھا۔ دوسرے روہ دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی قلیل تعداد کے پیش نظر ان کو کمزور سمجھتا تھا، لہذا اس نے بزرگم خود ہلاکت سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جنگ سے علیحدہ کر لیا۔ یہ سارے کے سارے لوگ منافق نہیں تھے، مگر چونکہ عبداللہ بن ابی کے زیر اثر تھے، اس لیے اس کے کہنے میں آگئے۔ بہر حال ان میں سے بہت سے لوگ منافق تھے جو عبداللہ بن ابی کی طرح بظاہر تو ایمان لائے تھے مگر اندر سے منافق تھے۔ باقی سات سو افراد کاشغر احد کے دامن میں صبح کے وقت پہنچا، اور آپ نے اگلے دن صبح کی نماز وہیں ادا کی۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا وَإِذْ عَدُوُّكَ اس وقت کو دھیان میں لائیں جب آپ صبح کے وقت نکلے مِنْ أَهْلِكَ اپنے گھر سے۔ جس دن آپ احد کے لیے روانہ ہوئے، اس روز آپ کا قیام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے گھر پر تھا اور وہیں سے آپ ہتھیار بند ہو کر نکلے تھے۔ اسی سے مفسرین کرام یہ استدلال کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضور علیہ السلام کے اہلبیت میں شامل ہیں۔ یہ خلاف اس کے روافض حضرت عائشہؓ کو نہ صرف اہلبیت سے خارج کرتے ہیں بلکہ آپ کو نعوذ باللہ منافق سمجھتے ہیں۔ یہاں پر أَهْلِكَ کے لفظ نے شیعوں کے اس باطل عقیدہ کی تردید کر دی ہے۔

مِیدَانِ اَحد میں پہنچ کر حضور علیہ السلام تَبَوُّیْ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ لڑائی کے لیے مومنوں کے ٹھکانے مقرر کرتے تھے جگہ مقرر کرنا، ڈیوٹی لگانا، جنگ کے تقاضوں کے مطابق صفت بندی کرنا وغیرہ سب چیزیں تَبَوُّیْ الْمُؤْمِنِیْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ میں آتی ہیں۔ یہ آیت صاف بتلا رہی ہے کہ جنگ بدر کی طرح جنگ احد میں بھی کمان خود حضور علیہ السلام نے کی، آپ کے علاوہ کوئی دوسرا کمانڈر نہیں تھا۔ آپ نے میدان جنگ کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ جبل احد پانچ سائیل میں پھیلا ہوا لمبا چوڑا پہاڑ ہے، آپ نے جنگی حکمت عملی کے تحت پہاڑ کے ایک درے کے اوپر عبداللہ بن جبیرؓ کی سرکردگی میں پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر



فرمادیا۔ اور حکم دیا کہ وہ خوب چوکنے رہیں، کہیں ہتھن پشت پر سے حملہ نہ کرے۔  
 اگر ایسی صورت ہو، تو اُن پہ تیروں کی بارش کر دینا اور اپنی جگہ کسی صورت میں بھی نہ  
 چھوڑنا۔ مگر اس جماعت سے سخت غلطی ہو گئی جس کا ذکر آگے آئیگا۔ فرمایا  
 وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ اللہ تعالیٰ تمام باتوں کو سنتا بھی ہے اور جانتا بھی  
 ہے۔ بہر حال یہ بات اللہ تعالیٰ نے تمہید کے طور پر یہاں فرمادی، اس کی تفصیل  
 آگے آئے گی۔

توکل علی اللہ

مدینہ کے دو قبیلے بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے۔ ایک اس خاندان سے  
 تعلق رکھتا تھا اور دوسرا خنزرج سے۔ عبداللہ بن ابی ان قبیلوں پہ بھی اثر انداز ہوا۔  
 اور انہیں جنگ احد میں شرکت سے روکنا چاہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا ذکر اس طرح  
 کیا اِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَاْ جَبْتُمْ مِنْ سِمْوٰلِہُمْ دُحْرُوہُمْ نَہْ نَبْرُوہِیْ دُکْھَا نَہْ کَا رَا دَہْ کَیَا۔ قَرِیْبٌ تَھَا۔ کہ یہ دو قبیلے عبداللہ بن ابی  
 کے کہنے پر مسلمانوں سے الگ ہو جاتے، مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو مضبوط  
 کر دیا۔ اُن کی دستگیری فرمائی اور وہ ثابت قدم ہو گئے۔ اللہ نے اُن کی تعریف  
 فرمائی ہے وَاللّٰهُ وَلِیْہُمَْا اللّٰهُ تعالیٰ ہی اُن کا کارساز ہے۔ اُس نے عین موقع  
 پر اُن کی مدد فرمائی اور وہ غلطی سے بچ گئے، ورنہ منافقین کی صف میں شامل  
 ہو جاتے۔ اللہ نے فرمایا وَعَلِی اللّٰہِ فَلِیْتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اہل ایمان کو  
 چاہیے کہ اللہ پر ہی مکمل بھروسہ رکھیں، فتح و شکست اسی مالک، الملک کے ہاتھ  
 میں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اُس پر بھروسہ کرتے ہوئے حتی الامکان کوشش  
 کرے۔ اسلحہ جمع کرے، مجاہدین تیار کر کے میدان جنگ میں آتے رہے اور پھر  
 نتیجہ اللہ کی ذات پر چھوڑ دے۔ فتح و نصرت اسی کی طرف سے ہوگی۔  
 مومنوں کو ہر حال میں اللہ پر توکل کرنا چاہیے، کمزوروں، مجبوروں، اور بے سہارا لوگوں  
 کو خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے میدان عمل میں اترنا چاہیے۔ مسلمان جب تک اس اصول پر عمل کرتے رہے۔  
 کامیاب ہوتے، جب صبر اور تقویٰ کا دامن چھوٹ گیا، تو نقصان اٹھانا پڑا۔



لَنْ تَنَالُوا ۴

الِ عَمُرَان ۳

درس چہل چہار ۲۲

آیت ۱۲۳ تا ۱۲۵

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ وَآنتُمْ أَذِلَّةٌ ۚ  
 فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ  
 اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّ كُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ  
 مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزِلِينَ ﴿۱۲۴﴾ بَلَى لَّانْ تَصْبِرُوا  
 وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا  
 يُمِدُّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ  
 الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۱۲۵﴾ الرَّبِّع

ترجمہ: البتہ تحقیق اللہ نے تمہاری مدد کی ہے بدر کے مقام میں اور تم نہایت کمزور  
 اور بے سر و سامان تھے۔ پس ڈرو اللہ سے تاکہ تم شکر ادا کر سکو ﴿۱۲۳﴾ اور جب آپ  
 ایمان والوں سے کہہ رہے تھے، کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ  
 تم کو مدد پہنچائے تمہارا پیر و ردگار تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے ﴿۱۲۴﴾  
 کیوں نہیں، اگر تم صبر کرتے رہو گے اور ڈرتے رہو گے، اور تمہارے دشمن  
 اسی وقت تمہارے پاس آجائیں، تو تمہارا پیر و ردگار پانچ ہزار فرشتوں سے  
 تمہاری مدد کرے گا، جو نشان لگانے والے ہوں گے ﴿۱۲۵﴾

ربط آیت

گزشتہ آیت میں غزوہ احد کا ذکر تھا اور آمدہ آیات بھی احد ہی سے  
 متعلق ہیں، تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر کا بطور مثال ذکر فرمایا  
 ہے کہ دیکھو! بدر کے موقع پر تم بے سر و سامانی کی حالت میں تھے، انفرادی قوت



بھی کم تھی، رسد بھی بالکل قلیل تھی۔ مگر مہلے صبر اور تقویٰ کے درجہ کمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں طاقتور دشمن پر عظیم فتح نصیب فرمائی، اور اب احد کے موقع پر تمہاری پوزیشن بہت بہتر تھی۔ مگر صبر اور تقویٰ کی کمی اور بعض غلطیوں کی وجہ سے شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس میں مسلمانوں کی کمزوری اُن کے قائد کی قیادت کے کسی نقص کی بناء پر نہیں تھی، کیونکہ جنگ کی کمان تو خود اللہ کا رسول کر رہا تھا، بلکہ یہ نقصان دوسرے مسلمانوں کے خود اپنے پیدا کردہ اسباب کی بناء پر ہوا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مسلمانوں کی کمزوری کے اسباب کو رفع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور آئندہ کے لیے استعداد بننے کی تلقین کی ہے۔ سابقہ غلطیوں کی معافی کا ذکر بھی موجود ہے۔ بہر حال اس سورۃ میں غزوہ احد کے متعلق بہت سی تفصیلات آگئی ہیں۔

غزوہ بدر

جیسا کہ پہلے عرض کیا آج کے درس میں غزوہ بدر کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مدد کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ نَصَّوْكُمْ اللّٰهُ بِبَدْرٍ اَلَيْسَ تَحْقِیْقُ اللّٰهُ تَعَالٰی بِدْر کے مقام پر تمہاری مدد کم چکا ہے۔ ہر ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان مدینہ سے ستر یا اسی میل کے فاصلے پر ہے۔ دراصل جاہلیت کے زمانے میں بدر بن قیس یا لھام ابن کثیر کے مطابق بدر ابن ناریں نامی ایک شخص نے اس مقام پر کنواں کھودا تھا، جس کے نام پر، اُس کنویں کا نام بدر مشہور ہو گیا، اور اسی نسبت سے اس جگہ کا نام بھی بدر ہی پڑ گیا۔ چار پانچ میل کا یہ ایک میدانی علاقہ ہے جس کے ارد گرد پہاڑیاں ہیں، تاہم ساحل سمندر سے قریب ہی ہے۔ اس مقام پر بروز جمعہ سترہ ماہ رمضان ۱۱ھ میں اہل حق اور اہل باطل کے درمیان ایک عظیم واقفہ پیش آیا، جو مسلمانوں کے لیے ہجرت کے بعد سب سے اہم لڑائی تھی۔ اس سے پہلے چھوٹی چھوٹی دو تین جھڑپیں ہو چکی تھیں، تاہم یہ سب بڑا معرکہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں جنگ بدر کو یوم الفرقان سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ حق و باطل کے درمیان عظیم فیصلے کا دن تھا، جب دنیا کو پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ اہل حق کی کس طرح



نصرت فرماتے۔ جنگ کی تفصیلات سورۃ انفال میں آتی ہیں۔ اہم بخاری اور مسلم وغیرہ نے اپنی کتب میں مستقل باب باندھ کر مختلف جنگوں کا حال بیان کیا ہے اور وہ تمام احادیث جمع کی ہیں، جو اہل اسلام اور دشمنان اسلام کی لڑائیوں کے متعلق ہیں، اہم بخاری کی کتاب المغازی میں سب سے پہلے غزوہ بدر کا حال آتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بدر کے میدان میں مدد کر چکا ہے۔ اس حالت میں وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ کہ تم نہایت ہی کمزور تھے۔ اذلتہ، ذلیل کی جمع ہے اور یہ لفظ عربی زبان میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا ایک معنی کمزور اور بے سرو سامان ہوتا ہے۔ اور اس موقع سے یہی معنی زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف ایک یا دو گھوڑے، ستر اونٹ اور چند ایک شکتہ تلواریں تھیں، کچھ زہریں بھی تھیں۔ مجاہدین کی تعداد ۳۱۲ یا ۳۱۹ تھی۔ برخلاف اس کے کفار کی تعداد ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی، ان کے پاس ایک سوز بہ دست گھوڑے، ماہر سوار ہر سپاہی کے پاس دو دو اونٹ اور سامان خورد و نوش کی فراوانی تھی۔ وہ سامان ضرب و حرب سے لیس تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کے مقابلے میں مسلمان کمزور اور بے سرو سامان ہی تھے، اور یہی اذلتہ کا معنی ہے۔

عربی زبان میں لفظ ذلیل نرم مزاج آدمی پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ مادہ میں آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک صفت یہ بیان فرمائی ہے۔ أَذِلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ یعنی اہل ایمان مؤمنوں کے لیے نرم مزاج اور کافروں پر سخت ہوتے ہیں۔ گویا مؤمن آپس میں رحیماء و بینهہم کا نقشہ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے بڑے ہی نرم مزاج ہوتے ہیں۔ ذلیل کا ایک تیسرا معنی احتیور اور سوا بھی ہوتا ہے۔ وَتَعِزُّ مَنْ قَتَلَهُمْ وَتُذِلُّ مَنْ قَتَلَتْهُ باری تعالیٰ تو جسے چاہے عزت دے دے اور جسے چاہے ذلیل و رسوا کر دے۔ اس معنی کی مثال سورۃ نمل میں بھی ملتی ہے۔ ملکہ سبا نے اپنے درباریوں سے کہا تھا۔ کہ جب بادشاہ دوسرے



ملک پر حملہ آور ہوتے ہیں وَجَعَلُوا اَعِزَّةً اٰهْلُهَا اِذْلَّةً تو وہاں کے شرفا کو رسوا کر دیتے ہیں۔ بہر حال اس مقام پر اذلتہ کا معنی کمزور اور بے سر و سامان ہی زیادہ مناسب ہے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی علیہ وسلم اور اہل ایمان کو یاد دلایا کہ اس نے تمہاری اس کمزوری اور بے سر و سامانی کی حالت میں عظیم الشان فتح عطا کی۔ غزوہ بدر دنیا کی تاریخ میں ناقابل فراموش جنگ کی حیثیت سے محفوظ ہے۔ فریسی اور انگریز اور بعض دیگر غیر مسلم مفکرین نے اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے کہ مشرکین مکہ کے خلاف مسلمانوں کی یہ فتح حسین تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یادگار فتح عطا فرمائی، لہذا اے مسلمانو! فَاتَّقُوا اللَّهَ كَعَدَّكُمْ ذٰلِكُمْ وَنَالُوا اللّٰهَ سے ڈر جاؤ، تاکہ تم شکر ادا کر سکو۔ تقویٰ سے مراد کفر، شرک اور معاصی سے بچنا حد و قیاس کی حفاظت کرنا اور عدل و انصاف پر عمل پیرا ہونا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اس معیار پر پورا اترے گا، وہ یقیناً شکر گزار ہو گا۔ برخلاف اس کے کافر، مشرک، بد عقیدہ لوگ اس معیار پر پورے نہیں اترتے اس لیے وہ ناشکر گزار ہوتے ہیں مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر اسی صورت میں ادا ہو سکتا ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے جس کی تشریح میں نے عرض کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ جِبْ اِيْمَانُ اُولٰٓئِکَ سَے کہ ہے اَلَنْ يٰکُفٰیْکُمْ اَنْ یُّجِیْدَکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلَاثَةِ اَلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُنْزِلٰیْنِ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تین ہزار آتے ہوئے فرشتوں کے ساتھ۔ اس آیت کریمہ کا پس منظر یہ ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کی تعداد تو پہلے ہی زیادہ تھی، بعض نے یہ تعداد ایک ہزار لکھی ہے جو زیادہ مشہور ہے اور بعض نے پندرہ سو بھی لکھی ہے۔ اس کے باوجود وہاں یہ مشہور ہو گیا کہ کافروں کی مدد کے لیے کمر بن جا رہے ہیں لہذا یہ ظاہر ہے کہ اس خبر سے

تقویٰ اور شکر

فرشتوں کے ذریعے مدد



مسلمانوں کے حوصلے لپٹ ہوئے کا خطرہ تھا۔ لہذا اس وحشت کو دور کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی یہ بشارت دی، کہ مسلمان دشمن کی کثرت تعداد سے خوف نہ کھائیں، اللہ تمہاری مدد کے لیے آسمان سے تین ہزار فرشتوں کو نازل فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے تین ہزار فرشتوں کا ذکر کیا، بلکہ جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے، بوقت ضرورت اللہ نے پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا بھی وعدہ فرمایا، مگر حقیقت میں صرف ایک ہزار فرشتوں سے ہی مدد دی گئی۔ اس کی تفصیل سورۃ انفال میں آئے گی۔ بہر حال چونکہ کافروں کو مزید کمک نہیں پہنچی تھی اس لیے اللہ نے صرف ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے ہی مشرکین کو شکست فاش دیدی۔

یہاں پہ فرشتوں کے متعلق منزلین کا لفظ فرمایا ہے یعنی اتارے ہوئے، ظاہر ہے کہ یہ فرشتے اللہ ہی کے حکم سے اتارے تھے۔ حضرت عبداللہ جمل بن عوفؓ کا بیان ہے کہ بدر کے میدان میں میں نے حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں سفید بچڑی والے دو آدمیوں کو دیکھا، جو کافروں کا مقابلہ کر رہے تھے وہ گھوڑی پر سوار تھے اور گھوڑی کو کہہ رہے تھے اَفْتِدْهُ حَیْزُوم اے حیزوم! آگے بڑھ۔ اتنے میں میں نے ایک کافر مرا ہوا دیکھا۔ فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایسے لوگ پہلے کبھی نہیں دیکھے یہ کون ہیں، تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ وہ جبرائیل اور میکائیل تھے۔ ان فرشتوں کے اتارنے کی حکمت کا تذکرہ اللہ نے سورۃ انفال میں بیان فرمایا ہے۔

بہر حال یہاں پہ اہل ایمان کو تسلی دی گئی کہ وہ ہمت نہ ہاریں۔ بلکہ نصرت الہی پہ بھروسہ رکھیں۔ نیز فرمایا بسلی کیوں نہیں۔ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا اگر تم صبر کرتے رہو۔ بدر کی جنگ میں واقعی مسلمانوں نے صبر کا عظیم مظاہرہ کیا۔ صبر اور بے قراری متضاد چیزیں ہیں۔ صبر روح کی صفت ہے اور بے قراری نفس کی صفت ہے۔ جب روح کی صفت نفس کی صفت پر غالب



آجائے، تو انسان کو اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ صبر بہت بڑی صفت ہے۔  
 اور اس کا امتحان مصیبت کے وقت، اطاعت کرنے کے موقع پر اور معاصی کے  
 ارتکاب کے وقت ہوتا ہے۔ یہ نکتہ ابراہیمی کا بہت بڑا اصول ہے۔ اسی لیے  
 مسلمانوں سے فرمایا کہ اگر تم صبر کرتے رہو گے وَتَتَّقُوا اور تقویٰ اختیار کرتے  
 رہو گے۔ تقویٰ کے متعلق بھی بہت کچھ بیان ہو چکا۔ اگر انسان کو تقویٰ کی دولت  
 حاصل ہو جائے، تو اس کے لیے شریعت کے احکام پر چلنا نہایت آسان ہو جاتا  
 ہے۔ یہ بھی ایک عظیم صفت ہے۔ جسے حاصل ہو جائے۔ اسی لیے فرمایا  
وَيَا تُوَكُّلُكُمْ مِّنْ قُوَّةٍ هٰذَا اگر دشمن تمہارے مقابلے  
 میں اچانک آجائیں، دشمن کو پیچھے سے مزید کھمک پہنچ جائے تو پھر بھی تم جی نہ  
 مارنا، گھبرا نہیں، يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ  
مِائَةِ الْمَلٰٓئِكَةِ اللہ تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا، مطلب  
 یہ کہ اگر دشمن کی تعداد بڑھ جائیگی، تو ان کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ فرشتوں  
 کی فوج بھی بڑھا دیگا، اس لیے ہمت نہ ہاریں۔

آگے ان فرشتوں کی صفت بیان کی مُسَوِّمِينَ وہ نشان لگانے  
 والے ہوں گے، ہر قوم کے اپنے جنگی نشان ہوتے ہیں۔ آج کل کے دور میں ٹینک،  
 توپ، بندوق، ہوائی جہاز وغیرہ تمام آلاتِ حرب پر مخصوص نشان ہوتے ہیں  
 اسی طرح قدیم زمانے میں شناخت کے لیے گھوڑوں پر فوجی نشان ہوا کرتے  
 تھے۔ اس سورۃ کے ابتداء میں بھی یہ لفظ آیا تھا وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ  
 یعنی نشان لگے ہوئے گھوڑے۔ الغرض! مسوومین سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ  
 ایسے فرشتوں سے مدد فرمائے گا، جو دشمن پر، اُس کے گھوڑوں پر اور سامانِ حرب  
 پر نشان لگائیں گے تاکہ انہیں تباہ و برباد کیا جاسکے۔ مسوومین سے مراد فرشتوں  
 کی اپنی نشانیاں بھی ہو سکتی ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں  
 فرشتوں کی نشانی سفید عمامے تھے۔ جب کہ احد کے میدان میں ان کی نشانی



سرخ عمامے تھے، تو اللہ نے فرمایا کہ صبر اور تقویٰ کا پھل یہ ہے کہ اللہ نے  
 بدر میں فتح نصیب فرمائی۔ رہا غزوہ احد کا معاملہ، تو وہاں مجاہدین سے کچھ کوتاہی  
 ہو گئی تھی جسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اب آگے فرشتوں کے اتارنے کی حکمت  
 کا تذکرہ ہے۔



لَنْ تَنَالُوا

اِلٰ عمران ۳

آیت ۱۲۶ تا ۱۲۹

اور وس چل پنج ۲۵

وَمَا جَعَلَ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمُ  
بِهِ ۖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ

الْحَكِيمِ ۝۱۲۶ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ  
يَكُتِبَ لَهُمُ فَينْقَلِبُوا خَائِبِينَ ۝۱۲۷ لَيْسَ لَكَ مِنَ  
الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ  
فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ۝۱۲۸ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ  
وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن  
يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۲۹

ترجمہ: اور نہیں بنائی اللہ نے (تمہاری یہ امداد فرشتوں کے نزول سے) مگر تمہارے

لیے خوشخبری اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں۔ اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے

جو غالب ہے اور کمال حکمت کا مالک ہے ۝۱۲۶ تاکہ قطع کر دے ایک گمراہ کو ان

لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا یا ان کو ذلیل کر دے، پس وہ ناکام ہو کر لوٹیں ۝۱۲۷

اے پیغمبر! نہیں ہے آپ کے لیے اس معاملہ میں کچھ اختیار، اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول

کرے یا ان کو سزا دے، کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں ۝۱۲۸ اے اللہ تعالیٰ ہی کے لیے

ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

اللہ تعالیٰ بخشتا ہے جس کو چاہے، اور سزا دیتا ہے

جس کو چاہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے ۝۱۲۹



جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ قرآن پاک کے اس مقام پر اصل تذکرہ تو غزوہ احد کا ہے۔ تاہم درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر غزوہ بدر کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ تاکہ اہل اسلام کو تسلی ہے کہ جس مالک الملک نے انہیں نہایت بے سرو سامانی کی حالت میں بدر کے مقام پر عظیم فتح سے نوازا تھا، وہ اپنے بندوں کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑے گا۔ واقعہ بدر کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک ہزار فرشتوں کے نزول کی بشارت سنائی، پھر تین ہزار کا وعدہ فرمایا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اگر مشرکین کی جمعیت میں اچانک اضافہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اے پانچ ہزار فرشتوں کو نازل فرمائے گا، جو اپنے گھوڑوں کو نشان لگانے لے ہوں گے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کی حکمت بیان فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ فرشتوں کو اتارنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کفار کے ساتھ براہ راست جنگ میں شریک ہوں گے، بلکہ جنگ تو بہر حال مسلمانوں نے ہی لڑنی ہے۔ سورۃ انفال میں اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔ تاہم بدر کے متعلق فرمایا اِذْ تَسْتَفِیْتُوْا رَبَّكُمْ جب تم اپنے پروردگار کے سامنے فریاد کر رہے تھے، تو اللہ نے تمہاری مدد کے لیے فرشتے اتار دیے، اور تمہارے حق میں ایسے حالات پیدا فرمادیے کہ تمہیں فتح مبین حاصل ہو گئی۔ فرشتے اللہ کی لطیف مخلوق ہے ان میں اللہ نے طاقت بھی بہت زیادہ رکھی ہے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے۔ بدر کے مقام پر حضور علیہ السلام کے دائیں بائیں جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام تھے۔ وہ براہ راست لڑائی میں شریک نہیں تھے۔ البتہ اکاد کا ایسے واقعات کا تذکرہ بھی ملتا ہے جن میں کافروں کو کچھ افیت بھی پہنچائی گئی۔ تاہم من حیث الجماعت لڑائی کرنا اہل ایمان ہی کا کام ہے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے یہاں پر نزول ملائکہ کا مقصد بھی بیان فرما دیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ نَبِیًّا اللّٰهُ تعالیٰ نے نزول ملائکہ کو الّا بَشٰی اِی لَكُمْ مَکْرَ تَمَّارَے لیے خوشخبری۔ تاکہ تمہیں بشارت ہو کہ اللہ کے



فرشتوں کی امداد تمہارے ساتھ ہے، اہم فتح تو بہر صورت اللہ کے حکم سے ہی ہوگی، مگر اطمینانِ قلب کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ مسلمانوں کو فرشتوں کی تائید بھی حاصل ہے دنیا کی اس زندگی میں اس قسم کے معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔ اگر کسی کو حاکم اعلیٰ یا کسی بڑے چودھری کی حمایت حاصل ہو، تو اُسے دل میں تسلی ہوتی ہے۔ کہ کوئی بات نہیں، فلاں بڑی ہستی میرے ساتھ ہے، مجھے کیا پروا ہے۔ اس پر قیاس کر کے سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ ایک عام انسان کی حمایت دوسرے کے لیے تسلی و تشفی کا باعث ہوتی ہے تو جس کا حمایتی اور طرفدار خود احکم الحاکمین ہو اُسے کس قدر سکون حاصل ہوگا۔ اسی لیے فرمایا کہ نزول ملائکہ کا مقصد ایک تو تمہیں بشارت سنانا ہے اور دوسرے وَلِتَطْمَئِنَّ فُلُوبُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَمْنَوْنَ کہ تمہارے دل اطمینان حاصل کریں۔ اور تم کسی خوف میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ جہاں تک نصرت غیبی کا تعلق ہے وہ تو منجانب اللہ ہی ہوتی ہے۔ سورۃ الفال میں موجود ہے۔ اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنۡيۡنُصَّبۡكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی نے فرشتوں پر وحی نازل کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور اُن کو حکم دیا۔ فَتَبَيَّنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کہ اہل ایمان کے دلوں کو مضبوط کر دیں۔ مسند احمد کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ کے ملائکہ تو ایسے بھی مومنوں کے دلوں میں اچھے خیالات القا کرتے ہیں۔ جس طرح شیاطین دوسمندانہ کاری کر کے انسان کو بڑے کاموں کی ترغیب دیتے ہیں، اسی طرح رحمت کے فرشتے اچھے کاموں کی طرف ابھارتے ہیں۔ بعض صحابہؓ نے فرشتوں کی تعریف کی کہ حضرت! ہم نے ایسی بات دیکھی ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ذٰلِكَ مَدَدُ مَنْ السَّمَآءِ الثَّلَاثِ اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے یہ فرشتے تیسرے آسمان سے نازل فرمائے ہیں۔ بہر حال فرشتوں کے اتارنے کا مقصد مسلمانوں کو بشارت دینا اور اُن کے دلوں کو مطمئن کرنا تھا، نہ کہ براہِ راست جنگ میں شریک ہونا۔ غزوہ یمموک کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ بن خطاب نے اس جنگ کے لیے پانچ صحابہؓ کو کمانڈر مقرر فرمایا۔ اُن میں



ابو عبیدہ بن جراحؓ، خالد بن ولیدؓ، ابن حسنہؓ، زید بن ابی سفیانؓ اور عیاضؓ تھے۔ آپ نے  
 حکم دیا تھا کہ بحیثیت مجموعی پوری فوج کی کمان حضرت ابو عبیدہؓ کے پاس ہوگی تاہم  
 باقی جرنیل اپنے اپنے دستوں کے سردار ہوں گے اور اپنے اپنے یونٹوں میں فوجی  
 انتظامات کے ذمہ دار ہوں گے جب رومیوں کے ساتھ لڑائی شروع ہوئی تو  
 مسلمانوں نے کچھ کمزوری محسوس کی، ان کے کئی مجاہد شہید ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے  
 امیر المؤمنین کو مزید کمک کے لیے خط لکھا۔ حضرت عمرؓ نے جواباً لکھا کہ میں تمہاری  
 راہنمائی اس ذات کی طرف کرتا ہوں جو کہ أَعَزُّ نَصُوْلٍ یعنی جسکی نصرت سب پر  
 غالب ہے۔ اور جس کا لشکر ہر وقت حاضر ہے۔ میں تمہاری راہنمائی اس  
 خداوند قدوس کی طرف کرتا ہوں، جس نے مقام بدر پر اپنے نبی اور اس کے  
 ساتھیوں کو فتح عظیم سے نوازا۔ لہذا تم مدد کے لیے اسی مالک الملک کی طرف  
 رجوع کرو، دشمن کے ڈٹ کر مقابلہ کرو، مجھے دوبارہ خط نہ لکھنا۔ اللہ جل جلالہ  
 نے بدر میں قلیل تعداد اور بے سرو سامانی کی حالت میں تمہاری مدد کی تھی، وہ زیادہ  
 نفری اور وافر ساز و سامان کے ساتھ کیوں تمہاری مدد نہیں فرمائے گا۔ تم اسی  
 کی طرف رجوع کرو، آئندہ میری طرف مراجعت نہ کرنا۔ اس روایت کے راوی  
 حضرت عیاضؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کا یہ خط جب مسلمانوں کو پہنچا، تو انہوں  
 نے نصرت الہی پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کو چاروں  
 یک پیچھے ہٹکا دیا۔ ان کے پاؤں پھرنے لگے اور مسلمانوں کو مستح نصیب ہوئی  
 اس فتح نے شام اور فلسطین کو ہمیشہ کے لیے رومیوں سے پاک کر دیا، اور یہ  
 علاقے مرکز اسلام میں داخل ہو گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا  
وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ مدد تو صرف اللہ تعالیٰ  
 کی طرف سے آتی ہے۔ جو کہ غالب ہے۔ اور کمال حکمت کا مالک ہے۔  
 یہاں پھر وہی سوال دوبارہ ابھرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بدر کے میدان میں تو  
 مسلمانوں کی بھرپور مدد فرمائی، لیکن اُن کے میدان میں ایسا کیوں نہ ہوا۔ اس کا



جواب پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ جب انسان پورے عزم اور سچپتہ ارادے کے ساتھ جان کی بازی لگا دیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال ہوتی ہے مگر احد کے میدان میں مسلمانوں میں کچھ کمزوری آگئی تھی۔ اختلاف رائے پیدا ہو گیا۔ عبداللہ بن ابی کے ہمراہ تین سو آدمیوں کا لشکر پہلے ہی علیحدہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ بعض مجاہدین نے بنی علیہ السلام کے حکم کے خلاف اپنے مرکز کو چھوڑ دیا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی بھی ہوئی جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔ بہر حال اس کے بعد اللہ نے اہل اسلام کو مضبوط بھی کر دیا۔

کفار کی  
ناکامی

آگے اللہ تعالیٰ نے نصرۃ اللہ کا نتیجہ بیان فرمایا کہ اللہ کی مدد اس لیے آئی  
لَيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا تَاكُفَّارًا کی جمعیت میں سے ایک  
گروہ کو قطع کر دے۔ ان کی کمر توڑ کر رکھ دے اور ان کے غرور کا سر ہنچا کر دے  
چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ بدر میں شتر بڑے بڑے آئمۃ الکفر مائے گئے جن  
میں ان کا سر غنہ ابو جہل اور امیہ بھی شامل تھے۔ ایک گروہ تو مارا گیا، فرمایا  
أَوْ يَكْتُتْهُمْ يَوْمَئِذٍ الْكَلْبُ كَمَا كُتِبَ لَهُم يَوْمَ تَصِفُّ أَعْيُنُ النَّاسِ لِمَنَ كُفِّرُوا  
تعداد میں قیدی بنائے گئے۔ جو کہ مشرکین مکہ کے لیے نہایت ہی ذلت و رسوائی  
کی بات تھی، ان قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ دینا پڑا۔ اور وہ ذلیل و خوار ہو کر  
رہ گئے۔ بڑے جوش و خروش کے ساتھ مکہ سے نکلے تھے کہ مسلمانوں کو نیست نابود  
کر دیں گے مگر خود پس کہ رہ گئے۔ جو باقی بچ گئے فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ  
وہ سخت ناکام ہو کر لوٹے۔ مکے والے فتح کی خوشخبری سننے کے لیے انتظار کر رہے  
تھے کہ انہیں ذلت اور رسوا کن شکست کی خبر سننا پڑی۔

غزوہ بدر کے مختصر تذکرے کے بعد روئے سخن پھر غزوہ احد کی طرف ہوتا  
ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی اپنی غلطی کی وجہ سے انہیں سخت نقصان اٹھانا پڑا۔  
سنہ صحابہ کرامؓ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان میں سید الشہداء حضرت حمزہؓ بھی

غزوہ احد  
میں آزمائش



بھی شامل تھے۔ بہت سے صحابہ کرام زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم علیہ السلام زخمی ہو گئے۔ ایک کافر تے لموار سے وار کیا۔ آپ کا خود کٹ گیا، اور سر کے نیچے پیشانی تک زخم آگیا۔ دائیں طرف کے نچلے چار دانتوں میں سے دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ زخم اتنا گہرا تھا کہ خون بند نہیں ہوتا تھا۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت فاطمہؓ ڈھال میں پانی لاتی تھیں۔ اور حضرت علیؓ زخم کو دھوتے تھے۔ پھر چٹائی جلا کر اس کی راکھ زخم میں رکھی تو خون بند ہوا۔ ان حالات میں حضور علیہ السلام نے کافروں کے حق میں بدعما کرنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلا کَيْفَ يُفْلِحُ قَوْمٌ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا سر زخمی کر دیا، حالانکہ وہ انہیں اپنے رب کی طرف، دعوت دیتا ہے۔ تَا هُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے بدعما کرنے سے منع فرمادیا اور فرمایا لَيْسَ لَكَ مِنْ اَمْرِ شَيْءٍ اس معاملہ میں آپ کے لیے کوئی چیز (یعنی اختیار) نہیں ہے۔ یعنی آپ کو حکم اور حکومت میں اختیار نہیں ہے۔ کسی کو ایمان کی توفیق عطا کرنے یا کسی کو کفر پر اڑانے سے، یہ سب اختیار اللہ کے پاس ہے۔ آپ کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ آپ کا کام دعوت دینا، جہاد کرنا اور صبر کا دامن تھامنا ہے۔ کسی کو منزل مقصود تک پہنچانا آپ کا کام نہیں ہے۔ آپ کا کام یہ ہے وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دیں۔ کسی کی کامیابی یا ناکامی اللہ مالک الملک کے اختیار میں ہے۔ آج کل لوگوں نے غلط عقیدے بنا کر رکھے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختار کل ہیں، نہیں بھائی! اللہ نے صراحت کے ساتھ فرمادیا ہے کہ اختیار آپ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ آپ اپنی خواہش کے مطابق کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ ہدایت دینا تو اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر آپ کے بس میں ہوتا تو آپ اپنے مشفق ہمدرد اور خدمت گزار چچا ابوطالب کو دوزخ سے بچا لیتے۔ مگر اللہ نے یہ اختیار آپ کو عطا نہیں کیا۔



جہنم اور سزا  
اللہ کے پاس ہے

یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ یا اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ یا ان کو سزا دے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ ان میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو آگے چل کر ایمان کی دولت سے مشرف ہونے والے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ان کے خلاف بددعا کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہی لوگ جنہوں نے آپ کو اور اہل اسلام کو سخت آزمیتیں پہنچائیں، بعد میں اسلام لے آئے۔ چنانچہ ابوسفیانؓ، عکرمہ بن ابی جہل، خالد بن ولیدؓ، صفوان بن امیہ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ انہی لوگوں میں شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرداً فرداً سب کو ایمان کی دولت عطا کی، ابوسفیانؓ اور عکرمہؓ فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے۔ خالد بن ولیدؓ اور صفوان بن امیہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ اور اسی طرح بعض دوسرے لوگ بھی حضور علیہ السلام کے جانثاروں میں شامل ہو گئے۔ اسی لیے فرمایا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت میں ہے کہ کون اس قابل ہے کہ اس کی توبہ قبول کر لی جائے۔ اور کون ہے جو دائمی سزا کا مستحق ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگوں کو ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوئی، وہ سزا کے مستوجب اٹھ رہے۔ انہی کے متعلق فرمایا فَنَافَهُمْ ظالموں نے ظلم کرنے والے وہی لوگ ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بددعا کرنے سے منع فرما دیا۔ بعض دوسرے مواقع پر حضور علیہ السلام کی بددعا کا تذکرہ ملتا ہے جبکہ ان لوگوں نے آپ پر بہت زیادتی کی، پھر جب اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا، تو آپ رُک گئے۔ کیونکہ کسی کو ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ کسی وقت بھی ہدایت دے سکتا ہے۔ لہذا آپ کو بدعا سے روک دیا گیا۔

فرمایا وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے۔ ہر چیز پر اُسی کا تصرف ہے۔ ہر ہر مقام پر حکم اور حکومت، اللہ جل شانہ کی ہے۔ آپ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرنے والے ہیں۔ خدا کی خوشنودی کے کام انجام دینے والے ہیں۔ آپ دوسرے



کے ذمہ دار نہیں ہیں "لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصِيطِرٍ" آپ اُن پر دروغہ نہیں ہیں کہ آپ اُن کو ایمان لانے پر مجبور کر رہے ہیں بلکہ "إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ" آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں۔ "إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ" آپ کے ذمہ ہماری شریعت اور دین اُن تک پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد "وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ" اُن سے حساب ہم خود لیں گے۔

فرمایا چونکہ سب کچھ خدا تعالیٰ ہی کا ہے۔ اس لیے يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وہ جس کو چاہے معاف فرمائے۔ توبہ کی توفیق عنایت کر دے اور وہ لوگ ایمان قبول کر لیں، تو اُن کی بخشش کا سبب بن سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر بخشش کے مستحق بن گئے۔ اور پھر جنہوں نے ایمان قبول کیا۔ اُن کے متعلق فرمایا وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وہ جس کو چاہے سزا دے۔ آپ یہ اس ضمن میں کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ دل برداشتہ ہو کر ان کے لیے بددعا نہ کہیں۔ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ وہ جس کو چاہے گا، توبہ کی توفیق دے کر اس کے لیے بخشش کے دروازے کھول دیگا۔



ال عمران ۳

آیت ۱۳۰ تا ۱۳۴

لَنْ تَنَالُوا

درس چہل و شش ۴۶

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا  
 مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (۱۳۰)  
 وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۝ (۱۳۱)  
 وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ (۱۳۲)  
 وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ  
 عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ لَا أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۱۳۳)  
 الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظُمِ  
 الْفَيْضِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ  
 الْمُحْسِنِينَ ۝ (۱۳۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! امت کھاؤ سود گئے پر دگنا، اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم

فلاح پا جاؤ (۱۳۰) اور ڈرو اس آگ سے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے (۱۳۱)

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی، تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۳۲) اور

سبقت کرو خوشی کی طرف جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اور جنت

کی طرف جس کا عرض آسمان اور زمین کی طرح ہے۔ وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے

لیے (۱۳۳) وہ جو خرچ کرتے ہیں خوشی کی حالت میں اور تکلیف کی حالت میں،

اور وہ جو غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ

احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۳۴)

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے غزوہ اُحد کا ذکر فرمایا۔ اور اس ضمن میں

رابطہ ایٹ



اہل ایمان کی تسلی کے لیے غزوہ بدر کا تذکرہ بھی ہوا۔ کہ اُس جنگ میں اللہ نے اپنی خاص مہربانی سے اہل ایمان کے اطمینان اور بشارت کے لیے فرشتوں کو نازل فرمایا۔ مگر غزوہ احد میں مسلمانوں کی طرف سے کمزوری واقع ہو گئی تھی لہذا اُس میں نقصان اٹھانا پڑا۔ پھر احد کی جنگ میں شریک ہونے والے مشرکین کے حق میں بددعا کرنے سے اللہ نے منع فرما دیا۔ بدر میں کامیابی کا راز بتایا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ کیا۔ اور صبر اور تقویٰ کو اختیار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ کامیابی عطا فرمائی۔ ان غزوات کے تذکرہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے درمیان میں سود کی حرمت کا حکم نازل فرمایا ہے۔ اور ساتھ ہی انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی ہے۔ سود اور انفاق فی سبیل اللہ دو متضاد چیزیں ہیں۔ اول الذکر سے اخلاق بگڑتا ہے اور ثانی الذکر سے اخلاق میں عمدگی آتی ہے۔ لہذا دونوں چیزوں کو اکٹھا بیان فرما کر ترہیب و ترغیب کا سامان پہنچایا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً مت کھاؤ سود گنے پر دگنا۔ یہاں پر لَا تَأْكُلُوا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا معنی کھانا ہے۔ تو کیا سود کھانا ہی حرام ہے اور اس کا لینا دینا جائز ہے؟ ہر گز نہیں۔ چونکہ کھانا ایک اہم چیز ہے اس لیے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ورنہ مراد لینا دینا ہی ہے۔ جس طرح کسی چیز کا کھانا حرام ہے اُسی طرح اُس کا پہننا بھی حرام ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ سود کی رقم سے خرید کر وہ غلہ تو حرام ہو مگر اسی رقم سے لیا گیا کپڑا حلال ہو۔ سود خواہ کسی بھی شکل و صورت میں ہو، حرام ہی ہوگا۔ لہذا لَا تَأْكُلُوا سے مراد صرف کھانا ہی حرام نہیں ہوگا بلکہ سود کا استعمال ہر صورت میں حرام ہوگا۔

دوسری خاص چیز جو اس آیت کہ میرے بیان کی گئی ہے۔ وہ دُگنے کی قید ہے۔ کہ دُگنے پر دگنا سود نہ کھاؤ۔ یہ اضْعَافًا مُّضَاعَفَةً اس لیے فرمایا کہ عربوں میں بھی ڈبل سود یعنی سود مرکب یا سود در سود کا رواج موجود تھا اور یہ سود کی بدترین صورت ہے اس لیے اس کا ذکر کیا ہے۔ وگرنہ سنگل سود یا سود مضروب بھی اُسی طرح حرام ہے جس طرح سود مرکب، سود کا ذکر سورۃ بقرہ میں آچکا ہے۔ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ



وَحَرَّمَ التَّوْبَا اللہ نے تجارت کو حلال قرار دیا ہے اور سود کو حرام خواہ وہ سود مفرد ہو یا مرکب۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حقیقی سود وہ ہوتا ہے جو ادھار دی گئی رقم پر حاصل کیا جائے۔ یہ سود خواہ نقدی کی صورت میں ہو، سونا چاندی یا اجناس کی شکل میں وصول کیا جائے، بہر حال حرام ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک جنس کو دوسری جنس کے بدلے میں زیادتی یا ادھار کے ساتھ بیع کہنا حرام ہے۔ باقی یہی بات کہ سود مرکب کیسے ہوتا ہے۔ تو اس کی صورت آج بھی ویسی ہی ہے جیسے اس زمانے میں تھی جس کا تذکرہ قرآن پاک نے کیا ہے۔ کوئی رقم کسی خاص مدت کے لیے سود پر لی جاتی ہے۔ مقرر مدت میں اگر اصل رقم مع سود واپس نہ کی جاسکے تو سود کو اصل زر میں شامل کر کے کل رقم کو اصل شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر اس رقم پر سود کی مقرر شرح عاید کر دی جاتی ہے۔ سود کی شرح عام طور پر سالانہ ہوتی ہے۔ ہر سال اصل رقم پر سود کا حساب کر کے اُسے اصل زر میں شامل کر لیا جاتا ہے اور اس طرح کچھ عرصہ بعد قرض کی اصل رقم بڑھ کر کئی گنا ہو جاتی ہے۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ اے ایمان والو! وَكُنَا جُنَا سَوَدٍ مَّت كَهَادٍ۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ اور اللہ سے ڈر جاؤ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

جذبہ انتقام

غزوہ احد میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ خود حضور علیہ السلام کو بڑی جسمانی تکلیف پہنچی۔ سر مبارک زخمی ہوا، دانت مبارک ٹھیکڑا، ستر صحابہ شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ اس واقعہ کے درمیان سود کے تذکرہ کے متعلق مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے استاد حضرت مولانا شیخ الہند سے دریافت کیا کہ حضرت! غزوہ احد کے واقعہ کے درمیان حرمت سود کی آیت کا کیا محل ہے۔ تو فرمایا بعض اوقات ربط آیات کو سمجھنے کے لیے بڑے تدبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ غزوہ احد میں جب مسلمانوں کو شکست ہو گئی، تو ان کے دلوں میں جذبہ انتقام بھڑک اٹھا۔ چنانچہ



بعض روایات میں آتا ہے کہ مسلمانوں نے عہد کیا کہ اگر آئندہ ہم کفار پر غالب آئے تو ان سے دوبرا انتقام لیں گے۔ کافروں نے ہمارے شہدار کے ساتھ بڑی تہلیل کا کام کیا ہے۔ ان کے چہرے مسخ کیے، لہذا ہم بھی ان سے سخت انتقام لیں گے۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ اسی جذبہ انتقام کو کرم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس آیت سود کو غزوہ احد کے واقعہ میں لائے ہیں۔ جس طرح سوداگران کا اخلاق بگاڑتا ہے، اسی طرح جذبہ انتقام بھی بد اخلاقی پیدا کرتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو متنبہ فرمایا کہ وہ اپنے جذبات پر قابو رکھیں کیونکہ سود اور انتقام ایک ہی قبیل سے ہیں۔ اور ان کے سبب اصل مقصد سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اسی آج کے درس میں آگے انفاق فی سبیل اللہ کی آیت بھی آرہی ہے۔ سود خوری اور انفاق دو متضاد چیزیں ہیں۔ سود خوری سے انسانی اخلاق فاسد ہوتا ہے اور انفاق فی سبیل اللہ اخلاق عالیہ کا نمونہ ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس قوم میں زنا اور سود خوری جیسی بیماریاں پیدا ہو جائیں اس قوم پر خدا کا غضب نازل ہو گا۔ کیونکہ یہ اخلاقی بیماریاں خدا کے غضب کو دعوت دیتی رہتی ہیں۔

رہنے والی  
آیات

سود خوری سے ممانعت کے بعد فرمایا وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ  
لِلْكَافِرِينَ اُس آگ سے ڈر جاؤ، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی آگ بالذات کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ مگر  
اس آیت میں ایمان والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ اُس آگ سے بچ جائیں۔ اس  
ضمن میں تفسیر مدارک والے لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک  
میں سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہ ہے۔ جس میں ایمان والوں کو دوزخ کی آگ سے  
ڈرایا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر اہل ایمان بھی کافروں والے کام کریں گے، کفر،  
شرک، بدعت اور معاصی میں مبتلا ہوں گے تو وہ بھی دوزخ کی آگ سے بچ نہیں  
سکیں گے۔



کامیابی  
کا راز

آگے اہل ایمان کو دوزخ سے بچنے اور کامیابی حاصل کرنے کا راز بتایا جا رہا ہے  
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ اللہ اور اس کے رسول کی تابعداری کرو وَعَلَّامُكُمْ  
تَرْحَمُونَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہی  
 کامیابی کی کنجی ہے۔ غزوہ احد میں اسی چیز کی کمی آگئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں  
 کو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ آپ نے پچاس آدمیوں کے ایک دستہ کو  
 پہاڑ کی چوٹی پر مقرر فرمایا تھا۔ اور واضح حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست، تمہیں  
 ہر صورت میں اس محاذ پر قائم رہنا ہے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ جنگ میں  
 مسلمانوں کا پلہ بھاری ہو رہا ہے۔ تو وہ مورچہ چھوڑ کر پہاڑ سے نیچے اتر آئے، اللہ  
 اور اس کے رسول کی اطاعت میں یہی کوتاہی ہوئی تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو  
 عظیم نقصان اٹھانا پڑا۔ لہذا اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے کہ آئندہ ایسی غلطی نہ کرنا  
 بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ہمیشہ مقدم رکھنا۔ یہی کامیابی کا راز ہے اور  
 اسی کی بدولت تم پر رحم کیا جائے گا۔

نیکی میں  
سبقت

نیز فرمایا وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ اور سبقت کرو، دوڑو  
 اپنے رب کی مغفرت کی طرف مقصد یہ ہے کہ اگر اللہ اور اس کے رسول  
 کا اتباع کرو گے، ایمان اور تقویٰ اختیار کرو گے، صبر کا دامن تھامے رکھو گے  
 تو خدا تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے بخشش کی بشارت ہے۔ اور پھر  
 بخشش کا نتیجہ ہوگا وَجَنَّةٌ کہ تمہیں جنت میں داخلے کا ٹکٹ مل جائیگا۔  
 اور وہ جنت ایسی ہوگی جسے دنیا کے کسی بڑے سے بڑے باغ پر بھی قیاس  
 نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس جنت کا وعدہ فرمایا ہے عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ  
وَالْأَرْضُ وہ اتنی وسیع ہے کہ اس کا عرض یعنی چوڑائی ہی آسمانوں اور زمین کے  
 برابر ہوگا۔ یہاں پر آسمان و زمین کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ انسانی ذہن میں  
 زمین و آسمان سے وسیع کوئی چیز نہیں ہے۔ لہذا اپنی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔  
 ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی جنت آسمانوں اور زمین سے



کیس زیادہ وسیع ہے۔ اس کے نیچے سے لے کر اوپر تک آٹھ طبقات ہیں اور سب سے بالائی طبقے کا نام جنت الفردوس ہے اس میں ہر طرح کی نعمتیں میسر ہوں گی، ایسی نعمتیں جو اس وقت انسانی ذہن میں نہیں آسکتیں۔ اور یہ سب کچھ اَعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ان متقیوں کے لیے ہے۔ جو اللہ کے احکام کی پابندی کرنے والے ہیں۔ لہذا اپنے اندر وہ صفات پیدا کرو، جو اللہ نے بیان فرمائی ہیں تاکہ تم جنت کے حقدار بن سکو۔

نیکی میں سبقت کرنے کے متعلق ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ سَادِعُوا بِالْأَعْمَالِ سَبْعًا یعنی سات چیزیں پیش آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال انجام دے لو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔ وہ سات چیزیں کوئی ہیں۔ فرمایا مَا يَنْتَظِرُ أَحَدُكُمْ إِلَّا غَنًى مُطْفِئاً ایسی دولت مندی آجائے جو انسان کو سرکشی میں ڈال دے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ ناداری کی حالت میں دین دار ہوتے ہیں جب مال آجاتا ہے۔ تو بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ اس لیے فرمایا ایسی دولت مندی آنے سے پہلے پہلے اچھے اعمال کرو۔ فرمایا أَوْ فَقْرًا مُنْسِيًّا یا ایسا فقر لاحق ہو جائے جو سب کچھ فراموش کرانے سے ناداری کی حالت میں بعض اوقات انسان متفکر اور محموم ہو جاتا ہے۔ جسکی وجہ سے نیکی کے کام بھول جاتے ہیں۔ ایسی حالت وارد ہونے سے پہلے نیکی میں سبقت حاصل کر لو۔ تیسری چیز فرمایا أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا یا ایسی بیماری آجائے جو انسان کو فساد میں ڈال دے۔ بیماری میں بھی انسان نیکی سے محروم ہو جاتا ہے۔ چوتھی چیز فرمایا أَوْ هَرَمًا مُفْسِدًا یا ایسا بڑھاپا آجائے جو انسان کو عقل و فہم سے عاری کر دے۔ اسی لیے ایسے بڑھاپے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے جو انسان کے قوی کو کمزور کر دیتا ہے پانچویں چیز فرمایا أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا یا موت ہی آکر انسان کا فیصلہ کر دے۔ پھر تو اعمال کی دنیا ختم ہو گئی۔ اب مزید نیکی کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ چھٹی چیز فرمایا أَوَّلَ الدَّجَالِ يَدْجَالُ شَيْءٌ غَائِبٌ يُنْتَظَرُ اور دجال



تو بڑی بڑی چیز ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ و حال کا ظہور ہو گا، تو بڑے بڑے فتنے برپا ہوں گے۔ لہذا اس کے ظہور سے پہلے نیکی کر لو۔ اور ساتویں چیز فرمایا اَوِ السَّاعَةِ یا پھر قیامت برپا ہو جائے۔ وَالسَّاعَةُ اَدْهَىٰ وَاَمَرٌ اور قیامت تو بڑی کڑوی اور تلخ ہے۔ اس کے بعد تو ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ اور پھر حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اسی لیے فرمایا کہ ان سات چیزوں کے ظہور سے پہلے پہلے نیکی میں سبقت کر لو، ورنہ پھر موقع نہیں ملے گا۔

الانفاق  
فی سبیل اللہ

آگے اللہ تعالیٰ نے متقین کی بعض صفات بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا ان کی پہلی صفت یہ ہے الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَخُج کرتے ہیں خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی۔ یہی چیز ہے۔ جو سود کی جگہ کو کاٹتی ہے۔ ایک طرف سود خود کسی غریب کی غربت سے فائدہ اٹھا کر قرضے پر سود در سود وصول کرتا ہے۔ اور دوسری طرف اہل ایمان میں کہ وہ ایسے غریب و مساکین پر ہمیشہ خرچ کرتے ہیں۔ وہ خود خواہ آسائش میں ہوں یا تکلیف میں مبتلا ہوں، ان کی طرف سے انفاق فی سبیل اللہ جاری رہتا ہے اور یہی وہ عالی اخلاق ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کا سبب ہے۔

متقین  
کی صفات

متقین کی دوسری صفت ہے وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وہ غصے پر قابو پانے والے ہیں۔ یہ بھی بہت بڑی صفت ہے۔ بعض اوقات انسان غصے کی حالت میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ کچھ کہہ بیٹھتا ہے۔ جس پر بعد میں ندامت اٹھانا پڑتی ہے۔ غصے کی حالت میں جو عیش انتقام میں مبتلا ہونے کی بجائے، اس پر قابو پالینا ہی اصل مردانگی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُسے متقین کی صفات میں شمار کیا ہے۔ سورۃ شوریٰ میں آتا ہے۔ وَالَّذِينَ كَا اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ایمان والے وہ ہیں کہ دیگر صفات کے علاوہ ان میں ایک صفت یہ بھی پائی جاتی ہے کہ جب ان پر سرکشی کی جاتی ہے۔ تو وہ انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں وہ تو انتقام کی بات ہے۔ اور یہاں غصے پر



قابو پانے کی بات ہو رہی ہے کہ اہل ایمان غصے کو پی جاتے ہیں۔ یہاں پر یہ دو باتیں متعاض معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی ایک طرف تو مومن انتقام پر آمادہ ہو جاتے ہیں، اور دوسری طرف غصے کو دبا لیتے ہیں۔ اس ضمن میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ انتقام لینے والی بات کافروں اور منافقوں کے بارہ میں ہے۔ جب وہ کوئی غلط کام کرتے ہیں تو مسلمان بھی انتقام لینے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ سورۃ مائدہ میں بھی آچکا ہے اَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ مسلمان کافروں کے مقابلے میں سخت ہیں۔ جب کہ مومنوں کے لیے نرم دل ہیں۔ مفسرین ایک دوسری توجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ جو شخص ظلم اور زیادتی پر ڈٹا ہوا ہے، اس کو معافی کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ معاف کرنے سے مزید خرابی پیدا ہوگی۔ البتہ جو شخص تائب ہو جائے اس سے انتقام لینا جائز نہیں ہے۔

فرمایا متقین کی تیسری صفت یہ ہے۔ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وہ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں، مفسرین کرام نے حضرت علی بن حسین یعنی حضرت امام حسینؑ کے فرزند امام زین العابدینؑ کا یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ آپ وضو فرما رہے تھے۔ لونڈی پانی ڈال رہی تھی۔ اتفاق سے لٹے کا پانی آپ پر گر پڑا۔ آپ کے کپڑے بھیک گئے۔ لونڈی کی غلطی تھی۔ جب اس نے آپ کو غصے کی حالت میں دیکھا تو اس کی زبان سے نکلا وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ یہ سن کر آپ غصے کو پی گئے اور فرمایا میں تم سے کوئی انتقام نہیں لوں گا۔ لونڈی صاحب علم تھی، کہنے لگی وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ یعنی مومنوں کی صفت تو یہ ہے کہ وہ نہ صرف غصے کو دبا دیتے ہیں بلکہ لوگوں کو معاف بھی کر دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا، جاؤ میں نے تجھے معاف کیا۔ لونڈی نے مزید جرات کر کے آیت کا اگلا ٹکڑا پڑھ دیا۔ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ اللہ اعلیٰ درجے کی نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا جاتو آزاد ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے۔ کہ لونڈی نے غلطی



کی مگر آپ نے اس کے ساتھ انتہائی درجے کی نیچائی کی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہیئے۔  
 کہ اپنے اندر ایسی صفات پیدا نہ کریں جن کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس  
 کے برخلاف سود کی لعنت کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ جو انتہائی درجے کی بد اخلاقی  
 کا سبب ہے۔

---



لَنْ تَنَالُوا

اِلٰ عَمْرَان ۳

درس چہل و ہفت ۴۷

آیت ۱۳۵ تا ۱۳۸

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ  
 ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ  
 يَغْفِرِ اللَّهُ ذُنُوبَهُ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا  
 فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۵﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُهُمْ  
 مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا  
 الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمَلِينَ ﴿۱۳۶﴾  
 قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ  
 فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۷﴾ هَٰذَا  
 بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ : اور وہ لوگ کہ جب وہ کوئی بے حیائی کی بات کر بیٹھتے ہیں یا اپنے  
 نفسوں پر ظلم کرتے ہیں، تو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اور بخشش طلب کرتے ہیں  
 اپنے گناہوں کے لیے۔ اور کون ہے جو گناہوں کو بخشتا ہے۔ سوائے اللہ تعالیٰ  
 کے۔ اور وہ اصرار نہیں کرتے اُس پر جو انہوں نے کیا۔ اور وہ جانتے ہیں ﴿۱۳۵﴾  
 یہی لوگ ہیں کہ ان کا بدلہ یہ ہے۔ کہ ان کے رب کی طرف سے بخشش ہوگی اور  
 باغات ہوں گے جن کے سامنے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔  
 اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا ﴿۱۳۶﴾ تحقیق گنہگار چکے ہیں تم سے پہلے  
 واقعات، پس چلو پھرو زمین میں، دیکھو کیسے ہوا اچھا بدلہ والوں کا انجام ﴿۱۳۷﴾  
 یہ لوگوں کے لیے بیان اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے ﴿۱۳۸﴾



اس سے پیشتر سود خوری کی ممانعت کا تذکرہ ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ربط آیات دوزخ سے بچاؤ کا ذکر کیا۔ اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا تاکہ لوگوں پر رحم کیا جائے پھر اللہ تعالیٰ نے بہشت، مغفرت اور بخشش طلب کرنے میں سبقت حاصل کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہشت جن متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ان کے اوصاف کو بیان فرمایا یعنی متقی وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہوئے رزق میں سے خوشی کی حالت میں بھی اور تکلیف کی حالت میں بھی حسیرت کرتے ہیں، غصے کو دباتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں۔ نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔ اب ان آیات میں دو سر درجے کے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ان کے لیے بھی فلاح ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو بدنامی کھینے کے بعد اس پر نادم ہوتے ہیں آئندہ اُس پر اصرار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بھی معاف فرمائے گا۔

ارتکاب گناہ  
اور معافی

ارشاد ہوتا ہے۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ رَدُّوا اور وہ لوگ جو کوئی فحش بات کر گزرتے ہیں أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ یا انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ مفسرین کہہ رہے ہیں کہ فحش بات سے مراد کبیرہ گناہ ہے اور جانوں پر ظلم کرنے سے مراد صغیرہ گناہ ہے۔ مقصد یہ کہ جن لوگوں نے خواہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہو یا صغیرہ گناہ کا، کبیرہ گناہ کی مثال زنا چوری وغیرہ ہے اور صغیرہ کسی غیر محرم کی طرف دیکھنا، یا اس کو ہاتھ لگا دینا۔ واقعات میں آتا ہے کہ ایک شخص نے غیر عورت کا لباس لے لیا۔ یہ بھی صغیرہ گناہ میں شامل ہے۔ غرض ارتکاب گناہ کے بعد ذَكَرُوا اللَّهَ وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یاد کرنے کا مطلب اللہ کے حکم کی تعمیل کرنا، اُس کی وعید سے ڈر جانا، اور اُس کے جلال اور عظمت کو یاد کرنا ہے، اللہ تعالیٰ نے گناہ کے ارتکاب پر سخت وعید فرمائی ہے، اُس سے ڈر کر وہ اپنے کئے پر نادم ہو جاتے ہیں فَاسْتَغْفَرُوا لِيَذْنُ بِهِمْ وَهَ خَشِشَ مَا نَكْتُمْ هُمْ



صفت ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد  
 گمراہی ہے كُلُّكُمْ خَطَاؤُونَ تم میں سے ہر شخص خطا کار اور گنہگار  
 ہے۔ کیونکہ کوئی نہ کوئی گناہ تو سرزد ہوتا ہی رہتا ہے۔ مگر فرمایا خَيْرُ الْخَطَايَا  
التَّوَابُونَ بہترین خطا کار وہ ہیں جو خطا کے بعد توبہ کر لیتے ہیں توبہ کرنے سے  
 اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے التَّائِبُ  
مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا  
 ہو جاتا ہے جیسے اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اچھے انسان کی یہی صفت ہے  
 کہ وہ گناہ پر اصرار نہ کرے بلکہ معافی مانگ کر اللہ تعالیٰ کو راضی کرے۔ اسی  
 میں انسان کی کامیابی ہے۔

استغفار  
کی برکات

حدیث شریف میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان کا قول  
 ہے۔ أَهْلَكْتُ النَّاسَ بِالذُّنُوبِ میں نے لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے  
 تباہ کر دیا ہے۔ میں اُن کے دلوں میں دوسرہ ڈال کر اُن کو گناہ پر آمادہ کرتا ہوں جس کی  
 وجہ سے وہ ہلاک ہوتے ہیں۔ وَأَهْلَكُونِي بِإِسْتِغْفَارٍ وَبِلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
 اور مجھے لوگوں نے تباہ کر دیا استغفار کرنے سے اور کلمہ طیبہ پڑھنے سے۔  
 یعنی جب لوگ استغفار کرتے ہیں اور افضل ترین ذکر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پڑھتے  
 ہیں تو میرا منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے۔ میں انہیں گناہوں کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا  
 ہوں مگر وہ مذکورہ دو اوصاف کی وجہ سے بچ جاتے ہیں، جبکی وجہ سے میں تباہ  
 اور ناکام ہو جاتا ہوں۔

فرمایا مَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ اور کون ہے اللہ کے سوا جو گناہوں  
 کو معاف کرتا ہے۔ وہی مالک و مختار ہے۔ اُس کی حکمت و قدرت میں کسی کو  
 دخل نہیں۔ انسان گناہ کرتے ہیں مگر وہ بھی غفور الرحیم ہے۔ معاف کرنے کے  
 لیے اُسے ایک بہانہ چاہیے وہ قادر مطلق ہے اُسے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ  
 اتنے بڑے پاپی کو کیوں معاف کر دیا ہے۔

لے ابن ماجہ ص ۳۱۳ (فیاض)



فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے گناہگاروں کو استغفار کرنے پر اس لیے معاف  
 فرمادیتا ہے وَلَمْ يُصَيِّرُوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا کہ وہ غلطی کرنے کے اُس پر اصرار پر  
 نہیں کرتے۔ گناہ کرنے کے سچے دل سے معافی مانگ لی، پھر اُس گناہ کے قریب  
 نہیں جاتے۔ اسی لیے مفسرین کہہ فرماتے ہیں لَا کَبِيرَةَ بِالْاِسْتِغْفَارِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ  
 لَکَنُکَ لے تو پھر کبیرہ گناہ بھی کچھ نہیں۔ وہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ وَلَا صَفِيرَةَ  
 مَعَ الْاَصْحَادِ اور اگر گناہ پر اصرار کرے گا، تو پھر صغیرہ گناہ بھی ہپاڑ بن جائے گا۔ لہذا  
 گناہ پر اصرار نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہمیشہ اصلاح کے لیے آمادہ رہنا چاہیے۔  
 اور ہر وقت استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ استغفار کی مثال صابن کی ہے  
 جس طرح صابن کپڑوں کی میل کچیل دور کر دیتا ہے، اسی طرح استغفار  
 دلوں کو صاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا  
 کہ استغفار کو لازم پکڑو۔ گناہ پر اصرار کرنے سے انسان صندی اور معاند بن  
 جاتا ہے۔ اس میں اصلاح کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔ دل میں کدورت اور تاریکی  
 پیدا ہو جاتی ہے۔ اُس میں زنگ لگ جاتا ہے، اور جب وہ اصرار کی وجہ سے  
 پختہ ہو جاتا ہے تو پھر اُس کا اثر نامشکل ہو جاتا ہے۔ لہذا غلطی پر اصرار نہیں کرنا  
 چاہیے۔ وَهُمْ يَعْلَمُونَ اور وہ جانتے بھی ہیں یعنی نیکی اور برائی میں تمیز کرنا  
 کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہر انسان اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس کے باوجود اگر  
 غلطی پر اصرار کرتا ہے تو اس کے لیے تباہی ہے۔ اور جو لوگ گناہ پر اصرار نہیں کرتے  
 بلکہ معافی مانگ کر پاک صاف ہو جاتے ہیں، فرمایا اُولَٰئِكَ جَزَاءُ هُمْ  
 مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ ایسے لوگوں کی جزا یہ ہے کہ اُن کے لیے اُن  
 کے رب کی طرف سے مغفرت اور بخشش ہے۔ انہیں نجات کا پیر وائز حاصل  
 ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اُن کیلئے وَ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ  
 تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ایسے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔  
 یہ باغات رہائش کے لیے نہایت قریب سے سجائے گئے ہوں گے۔



ان میں ہر قسم کی آسائش اور پھلوں کی فراوانی ہوگی۔ کامیاب لوگوں کا ٹھکانا وہاں عارضی نہیں ہوگا بلکہ خُلْدِیْنَ فِیْہَا اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں گے، انہیں وہاں سے نکالا نہیں جائے گا۔ اور فرمایا کہ قانون خداوندی یہی ہے۔ وَنَعْمَ اٰخِرُ الْعَمَلِیْنَ نیک اعمال کرنے والوں کے لیے یہ خوب اجر ہے۔ عمل بہت بڑی چیز ہے۔ ایمان اور عقیدے کی درستگی کے بعد فلاح کا دار و مدار عمل پر ہے۔ وَلِكُلِّ دَرَجَتٍ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر ایک کو مرتبہ اس کے عمل کے مطابق ملے گا۔ لہذا نیک اعمال کرنے والے عزت کے مقام میں پہنچیں گے، خدا تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور معافی ملے گی اور وہ ہمیشہ کے لیے معزز اور پاکیزہ زندگی بسر کریں گے۔ یہ ان کی دائمی زندگی ہوگی اور اسکی نعمتیں بھی دائمی ہونگی۔

نشانات  
عبرت

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سابقہ لوگوں کے حسبہ حسبہ واقعات بیان فرمائے ہیں تاکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو عبرت حاصل ہو۔ اسی لیے فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ تم سے پہلے بھی واقعات گزر چکے ہیں۔ ان میں اہل ایمان اور ان کو ملنے والے انعامات کا ذکر ہے۔ اور نافرمانوں کو ملنے والی سزاؤں کا بھی تذکرہ ہے۔ ان واقعات سے عبرت حاصل کرنے کے لیے فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ زمین میں چلو پھرو۔ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ قرآن پاک کے بیان کردہ واقعات کے عملی نشانات تمہیں جگہ جگہ ملیں گے، آپ کو پتہ چلے گا کہ نافرمانوں کا کیا حشر ہوا، کوئی پانی میں غرق ہوئے، کچھ آگ میں جل گئے، بعض کو آندھی نے آگھیرا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوئی یہ سب نشانات عبرت ہیں جو زمین میں سفر کرنے سے ملیں گے۔ لہذا عبرت کے لیے سفر اختیار کرنا اچھی بات کی علامت ہے۔

پرانے نشانات کے تحفظ کی آج بھی بعض صورتیں موجود ہیں۔ مگر ان سے

فلاح  
انانیت



مقصود عبرت حاصل کرنا نہیں بلکہ محض استعجاب ہے جو کہ پسندیدہ چیز نہیں۔  
 انگریزوں نے آثارِ قدیمہ کی حفاظت کا بندوبست کیا ہے۔ مگر کس مقصد کے لیے؟  
 محض یہ جاننے کے لیے کہ کس زمانے میں کونسا طرزِ زندگی پایا جاتا تھا، پرانے  
 زمانے کی عمارت، اوزار، بدتن، سکے وغیرہ اُس زمانے کی تہذیب و ثقافت  
 کی حفاظت کے نام پر محفوظ کیے جاتے ہیں۔ پرانی مورتیوں اور مجسموں کو بحفاظت  
 رکھا گیا ہے۔ اس سے انسانیت کی کیا خدمت ہوتی ہے۔ اس سے تو بہتر  
 تھا کہ انسانوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی جاتی، اُن کے اذہان و قلوب کو  
 زندہ کیا جاتا، مگر ایسا تو مقصود ہی نہیں ہے۔ سائنس کی ترویج و ترقی کے لیے  
 بیشمار دولت صرف کی جا رہی ہے مگر انسانیت کی حقیقی فلاح کے لیے اس کا  
 عشرِ عشر بھی خرچ نہیں کیا جاتا۔ سائنس نے جہاں بہت سی سہولتیں فراہم کی ہیں  
 وہاں بہت سی تباہی کے سامان بھی پیدا کیے ہیں۔ ایک طرف آسمانوں تک  
 پرواز کی جا رہی ہے اور دوسری طرف انسانوں کی تباہی کے لیے جدید ترین  
 ہتھیار بھی ایجاد کیے جا رہے ہیں۔

بہر حال زمین میں عبرت کے لیے سفرِ کمرہِ ناچاہیے۔ تاکہ معلوم ہو سکے کہ  
 اللہ کے احکام کو جھٹلانے والوں کا کیا حشر ہوا۔ اور اگر ہم بھی اُن کے نقشِ قدم  
 پر چلیں گے، تو ہمارا حشر بھی ان سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا  
 هَذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ يَهْدِي لِّلنَّاسِ يَهْدِي لِّلنَّاسِ يَهْدِي لِّلنَّاسِ  
 سٹیٹمنٹ (STATEMENT) ہے۔ اُن کو قانونِ قدرت بتلایا گیا ہے۔  
 کہ فلاح و تقویٰ کا راستہ یہ ہے۔ اور تکذیب کا راستہ وہ ہے۔ وَهْدَى  
 وَهْدَى لِّلْمُتَّقِينَ اللہ کی یہ آیات متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت  
 کا ذریعہ ہیں۔ اور متقین وہ ہیں جو کفرِ شرک اور معاصی سے بچتے ہیں۔ خدا کی عظمت اور  
 جلال ہمیشہ اُن کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ حدودِ شرح کی حفاظت کرتے ہیں،  
 قرآن پاک سے ہی لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔



وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ  
 مُؤْمِنِينَ ۝ (۱۳۹) إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ  
 قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ  
 وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ أَمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۚ  
 وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ (۱۴۰) وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ

اٰمَنُوْا ۚ اِنَّكُمْ تَبِيعُوْا ۝ (۱۶۱) زَيْدٌ فَكُلْ ۚ وَحَمِيْمَةٌ اٰمَنَتْ  
 مَعَكُمْ ۚ اُولٰٓئِكَ يَنْزِيْلُ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ  
 زَيْنَبُ ۚ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ  
 وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ أَمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۚ  
 وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ۝ (۱۴۰) وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ

ترجمہ : اور نہ سست ہو اور نہ غم کھاؤ، اور تم ہی بلند رہو گے اگر تم ایمان لارہو گے ۝ (۱۳۹)  
 اگر پہنچا ہے تم کو زخم پس بیشک پہنچا ہے۔ اُن لوگوں کو بھی زخم اس جیسا۔ اور یہ زمانے  
 کے دِن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے ہیں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ  
 ممتاز کرے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ بنائے تم میں سے شہید۔ اور اللہ  
 ظلم کرنے والوں کے ساتھ محبت نہیں کرتا ۝ (۱۴۰) اور تاکہ اللہ تعالیٰ پاک کر دے  
 اُن لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اور مٹا دے اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو ۝ (۱۴۱)  
 کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اور ابھی تک اللہ نے  
 ظاہر نہیں کیا ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا۔ اور ظاہر نہیں کیا اُن



لوگوں کو جنہوں نے صبر کیا (۱۲۲) اور البتہ تحقیق تم تمنا کرتے تھے موت کی قبل اس کے کہ تم اُس سے ملتے۔ پس بیشک تم نے دیکھ لیا اُس کو، اور تم آنکھوں کے سامنے اس کو تک ہے ہو (۱۲۳)

ربط آیات

غزوہ احد کے موقع پر مسلمانوں میں جو کمزوری واقع ہو گئی تھی اس کے ازالے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بعض احکام نازل فرمائے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سود غوری سے منع فرمایا۔ غلطیوں اور کوتاہیوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ غصے کو دبانے اور لوگوں کو معاف کرنے کی تعلیم دی۔ ہر خوشی اور تکلیف میں راہ خدا میں خرچہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ اور پھر اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس سے تائب ہونے کا طریقہ بتلایا۔ کہ انسان اللہ تعالیٰ اور اس کی وعید کو یاد کرے اس سے بخشش طلب کرے، گناہ کی معافی مانگے اور آئندہ کے لیے ایسی برائی سے رُک جائے، اُس پر اصرار نہ کرے۔ جو کوئی ان احکام پر عمل پیرا ہو گا اسے اللہ تعالیٰ کی بخشش نصیب ہوگی اور اللہ کی ہر نعمت اس کے شامل حال ہوگی۔

مسلمانوں کی حوصلہ افزائی

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ کہ اگر کسی وقت کوئی کمزوری واقع ہو جائے، کوئی غلطی سرزد ہو جائے، تو انسان کو دل نہیں ہار دینا چاہیے، کہ جہاد سے ہی منہ موڑ لے۔ بلکہ اُسے نئے دلوے اور نئے جوش و خروش کے ساتھ جہاد کی تیاری کرنی چاہیے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَهِنُوا اَوْ سَلَبْتُمْ اَوْ جَاءَ عَرَبِيًّا زَبَانًا مِّنْ وَهْنٍ۔ سستی اور کمزوری کو کہا جاتا ہے۔ اور دین کے معاملہ میں یعنی جہاد کرنے یا کسی دوسری نیکی کرنے کے سلسلے میں وہن کو اختیار کرنا اچھی صفت نہیں ہے۔ حدیث شریف میں وہن کی مذمت آئی ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا، جب تمہارے اندر وہن پیدا ہو جائے گا، تو تمہاری حالت تنزل اور سستی میں چلی جائے گی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا، حضور! وہن کیا چیز ہے۔ فرمایا حب الدنيا و كراهية الموت یعنی جب لوگوں کے دلوں میں دنیا کی محبت اور موت سے کراہت پیدا



ہو جائے گی، تو تم نہایت پستی میں چلے جاؤ گے۔ مقصد یہ کہ وہن کو اختیار نہ کرو۔  
دین کے معاملہ میں کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو۔

فرمایا وَلَا تَحْزَنُوا اور جو نقصان ہو چکا ہے۔ اُس پر غمگین نہ ہو۔ جو زخم  
غزوہ احد میں لگ چکا ہے۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے ہیں۔ خود نبی کریم  
علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف پہنچی ہے۔ اس پر غمگین نہ ہو۔ اور نہ سستی دکھاؤ۔  
یہ درست ہے کہ اس موقع پر بڑی تکلیف پہنچی ہے۔ مگر اس وقتی شکست  
میں بھی اللہ تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں جو تمہاری بالآخر کامیابی پر منتج  
ہوگی۔ لہذا یاد رکھو! وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ اگر تم ایمان  
پر قائم رہے تو دشمن کے مقابلے میں تم ہی بلند رہو گے۔ اللہ تعالیٰ کا تمہارے  
ساتھ وعدہ ہے۔ کہ ایمان کے تقاضوں کو تم پورا کرتے رہو اور وہ تمہیں دشمن  
پر غالب کر دیگا۔

اصول کے طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔ کہ اہل اسلام کو جب کبھی کوئی  
پریشانی لاحق ہو جائے، تو انہیں فوراً اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ایمان کے تقاضے  
میں کہاں کمزوری واقع ہوئی ہے۔ لازماً کوئی نہ کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوگی۔ قادسیہ  
کی جنگ کے سال حضرت سعد بن ابی وقاصؓ تھے۔ دوران جنگ جب  
بعض مورچوں پر مسلمانوں کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی تو آپ نے مجاہدین کو جمع فرمایا  
اور کہا، اے لوگو! میں سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ کمزوری کسی گناہ کی وجہ سے واقع ہوئی  
ہے۔ ضرور ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ جس کی ہمیں تلافی کرنی چاہیے۔  
اُس سبب مل کر اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ مجھے یقین ہے  
کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تین دن رات تک متواتر  
جنگ ہوئی۔ آخر اللہ نے فتح عظیم عطا فرمائی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے  
فرمایا کہ اگر تم ایمان پر قائم رہے۔ تو تم ہی غالب رہو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ دیکھو اِنْ يَكْسِرْكُمُ

جنگ قادسیہ

حالات میں  
تغیر و تبدل



قَرْح اگر تمہیں غزوہ احد میں زخم پہنچا ہے۔ بڑے بڑے عظیم المرتبت ستر صحابہ کرام  
 شہید ہوئے اور بہت سے زخمی بھی ہوئے ہیں۔ تو یہ کوئی ایسی تکلیف نہیں جو صرف  
 تمہیں پہنچی ہے۔ اس قسم کا زخم کافروں کو تو پہلے ہی لگ چکا ہے۔ فَقَدْ  
 مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ جنگ بدر میں ان کے بھی ستر سر کمرہ آدمی مارے  
 گئے تھے اور اتنے ہی قیدی بنے۔ پھر ان کو فدیہ دینا پڑا اور بڑی ذلت اٹھانا  
 پڑی۔ یاد رکھو! انسان کبھی ایک حالت پر قائم نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت  
 اور مصلحت کے مطابق حالات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ بخاری شریف  
 میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیانؓ  
 سے پوچھا کہ تمہارے اور مسلمانوں کے درمیان معاملات کیسے ہوتے ہیں، ان کے  
 ساتھ کبھی مٹھ بھیسڑ بھی ہوتی ہے۔ اور اس کا کیا نتیجہ نکلا ہے۔ تو ابوسفیانؓ نے  
 جواب دیا الحرب سجال بیننا وبينهم یعنی ہمارے اور ان کے  
 درمیان لڑائی کا معاملہ پانی کے ڈول کی مانند ہوتا ہے۔ کبھی کسی نے ڈول کنویں  
 میں ڈال کر پانی نکال لیا اور کبھی کسی نے۔ یعنی لڑائی کی صورت میں کبھی ہم غالب  
 آتے ہیں اور کبھی مسلمان غالب آتے ہیں۔ ہرقل نے کہا کہ اللہ کے رسولوں کا معاملہ  
 ایسا ہی ہوتا ہے۔ انہیں دشمن کے مقابلے میں کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست  
 مگر بالآخر اللہ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا کرتا ہے۔ عن رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
 کہ اے مسلمانو! احد کی عارضی شکست سے گھبرو نہیں وَتِلْكَ الْآيَاتُ نَذَارًا لِّهَا  
 بَيْنَ السَّاسِ یہ دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گمراہی مٹیتے ہوتے ہیں۔  
 ہمیشہ ایک سی حالت نہیں رہتی کہ ہمیشہ فتح ہو یا ہمیشہ شکست ہو، بلکہ یہ دونوں  
 چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اگر اب تکلیف پہنچی ہے۔ تو اس کا اچھا بدلہ ملیگا  
 تکلیف پہنچنے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت رکھی ہے کہ وَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ  
 الَّذِينَ آمَنُوا تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔  
 امام بیضاویؒ اور بعض دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر نَعْلَمَ سے مراد

آزمائش اور  
 اسکی حکمت



محض جاننا نہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ کا علم تو ازل سے ابدی ہے۔ اس مقام پر یہ لفظ علم ظہور کا معنی دیتا ہے۔ تو مطلب یہ ہو گا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے ظاہر کر دے، اُن لوگوں کو جو ایمان لائے لوگوں کو پتہ چل جائے کہ اہل ایمان تکلیفیں اٹھا کر بھی ایمان پر قائم رہتے ہیں اور حق کے راستے کو ترک نہیں کرتے۔

غزوہ احد کی وقتی شکست کی دوسری حکمت یہ ہے وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ اور تاکہ تم میں شہید بنائے جو لوگ بوجہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اُن کی انتہائی خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں راہ حق میں جہاد کی سعادت نصیب کرے اور وہ بھی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر کے مرتبہ شہادت پر فائز ہوں۔ چنانچہ اُن کی اس خواہش کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت بھی عطا فرمائی۔ یہ بھی سراسر نفع کا سودا تھا۔ فرمایا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ محبوبِ خدا بننے کے لیے ایمان اور نیکی کی ضرورت ہے۔ بشرک اور کفر کرنے والے اللہ کی نگاہ میں کبھی محبوب نہیں بن سکتے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے۔ کہ اگر کسی وقت اہل اسلام کو شکست ہو جائے، اُن پر غیر مسلم غالب آجائیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو گا۔ کہ مسلمان اللہ کی نگاہ میں گمراہ گئے ہیں۔ اور کافر محبوب بن گئے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ انسانیت کے تقاضے کے مطابق کچھ پیش ہو سکتی ہے۔ مسلمان آزمائش میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ مگر خدا کا دشمن کافر اور مشرک اس کا محبوب ہرگز نہیں بن سکتا۔ وقتی طور پر اس دنیا میں کافر خوشحال ہو سکتا ہے اُسے کامیابی بھی حاصل ہو سکتی ہے، اُسے استدراج کہتے ہیں۔ مگر آخرت میں کافر لازماً پھٹا جائے گا۔ اور اُسے کفر کا بدلہ چکانا ہو گا۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔ محبت کے لائق اس کے وہ بندے ہیں۔ جو اُس پر ایمان لائے۔ اور اعمالِ صالحہ انجام دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی وقتی آزمائش کی تیسری حکمت یہ بیان فرمائی



ہے۔ وَلِيْمَحْصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا كَرِهَ اللّٰهُ تَعَالٰی اٰہِلَ اِيْمَانٍ كُوْپَاك كَرِهَ  
 اِن كَا تَزْكِيَه نَفْس كَرِهَ۔ اصل پاکی تو روح اور جان کی پاکی ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ  
 اس کو نسیم کہتے ہیں۔ شاہ اسماعیل نے اپنی معرکہ الار کا کتاب عبقات میں لکھا ہے  
 کہ انسان کے نسیم کا پاک ہونا ضروری ہے۔ عبادت، ریاضت، ذکر و اذکار  
 اسی مقصد کے لیے کیے جاتے خصوصاً عبادت میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور  
 حج وغیرہ نسیم کی پاکیزگی کا سبب بنتے ہیں۔ جہاد ایک اتنا بڑا عمل ہے جس  
 کے ذریعے انسان اپنے جسم و جان تک کو راہِ خدا میں لگا دیتا ہے۔ مفسرین کرام  
 فرماتے ہیں، کہ جہاد میں مومن کو لگنے والی ایک کھڑکھڑ یا اس کے جسم پر آنیوالی  
 ایک ضرب اس کے نسیم کو پاک کر کے اُسے حظیرۃ القدس کا اہل بنا دیتی ہے  
 دشمن کی تلوار کا ایک وار حقوق العباد کے سوا اس کے تمام گناہوں کی معافی کا  
 ذریعہ بن جاتا ہے۔ مقصد یہ کہ اہل ایمان کو تکلیف پہنچنے میں بھی اُس کے لیے  
 بہت سی فائدے کی چیزیں ہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ بے صغیر میں مسلمانوں پر جب زوال  
 آیا، تو وہ دل برداشتہ نہیں ہوئے، بلکہ انگریز جیسی جاہد طاقت کے سامنے  
 ڈٹ گئے۔ انہوں نے مسلمانوں کو ہر طریقے سے تنگ کیا، وہ طرح طرح کی  
 آزمائشوں میں مبتلا ہوئے۔ مگر دین کا دامن تھامے ہے اور ایمان کی حقانیت  
 پر حرف نہیں آنے دیا۔ یہی وہ صفت ہے جس کے ذریعے انسان کا نسیم پاک ہوتا  
 ہے۔ اور وہ بارگاہِ خداوندی میں پہنچ کر اس کے فیضان سے مستفید ہوتا ہے۔

فرمایا کفر و اسلام کے درمیان جنگ و جدال کا ایک مقصد تو مومنوں کا تزکیہ ہے  
 اور دوسرا وَ يَمْحَقُ الْكَافِرِيْنَ اس کے ذریعے وہ کافروں کو مٹاتا ہے۔  
 کفر و اسلام کی بڑی جنگیں ہوئیں۔ کبھی مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کبھی کفار کا پلہ بھاری رہا۔  
 مگر حتمی نتیجہ کیا نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے کفر کو ایسا مٹایا کہ پورے عرب کو کافروں سے  
 پاک کر دیا۔ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ مراکز اسلام بن گئے۔ فتح مکہ کے دن حضور علیہ السلام



نے فرمایا کہ آج کے بعد مکہ پر چڑھائی نہیں کی جائیگی۔ بلکہ مکے والے دیگر ممالک پر چڑھائی کریں گے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ محوٹے ہی عرصہ میں آدھی دنیا پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جہاد کے ذریعے کفر کو مٹا دیا۔ اہل ایمان کی کامیابی کے لیے جہاد اور صبر بہترین ہتھیار ہیں۔ جب تک انسان میں جذبہ قربانی پیدا نہ ہو، اس کے ایمان کی تکمیل ممکن نہیں۔ اور پھر اگر تکلیف پہنچنے پر صبر کا دامن چھوڑ دے تو یہ بھی اس کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کی اہمیت تنبیہ کے انداز میں بیان فرمائی ہے کہ اے اہل اسلام! اَوْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ كَمَا تَمْلِكُ اَنْ تَكُونُوا مِنْهُمْ رَکَّعَتَیْہِمْ جَنَّتْ مِیْلَ دَاخِلْ ہُوَ جَاوِزْہِمْ وَلَمَّْا یَعْلَمِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ جَہَدُوْا مِنْہُمْ

حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے تم میں سے مجاہدین کو ظاہر نہیں کیا۔ جان کی بازی لگانے والوں کا پتہ تو جب چلے گا، جب جہاد کا موقع آئے گا۔ جہاد کرنے والے لوگ اس وقت ظاہر ہوں گے، جب وہ دشمن کے مقابلے میں آئیں گے۔ محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے سے جنت کا ٹکٹ نہیں مل جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جہاد کا موقع فراہم کر کے تمہیں آزمائیں گے، کہ وہ کون لوگ ہیں، جو جان کی بازی بھی لگا سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَلَنْبَلُوْا کُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ یعنی ہم تمہیں مختلف الانواع آزمائشوں میں ڈال کر دیکھیں گے کہ تم میں سے کون ہیں جو ان آزمائشوں پر پورا اترتے ہیں۔ خوف اور بھوک برداشت کرنا پڑے گا اور اس کے ساتھ ساتھ مال و جان کی قربانی بھی دینا ہوگا۔

جہاد اور  
صبر

فرمایا پہلی آزمائش تو یہ ہوگی کہ جہاد کے لیے کون تلوار لے کر میدان میں اترتا ہے۔ اور پھر جب میدان جنگ میں تکلیف پہنچتی ہے۔ تو یہ بھی دیکھنا ہے۔ وَ یَعْلَمُ الصّٰبِرِیْنَ کہ صبر کون کرتا ہے۔ تکالیف و مصائب کو برداشت کرنے کی ہمت کس میں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ تمہیں جنت میں داخل ہوئے گی



نہیں مل جائے گا۔ ابھی تو ہم نے مجاہدین اور صبر کرنے والوں کو ظاہر ہی نہیں کیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ

الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ثُمَّ مَوْتَ آنے سے پہلے اس کی

تمنا کیا کرتے تھے۔ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان کے

جذبات بڑے تیز تھے۔ وہ دشمن سے دوبارہ ٹکرا لینے کے لیے بیتاب

ہوتے تھے۔ اور خواہش کرتے تھے کہ جہاد کا موقع آئے تو انہیں بھی شہادت

جیسا بلند مقام نصیب ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضور

علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے عرض کیا تھا۔ حضور! ہم

دین حق کی خدمت کرتے رہیں گے وَلَمْ نَفِرْ اور بھاگیں گے نہیں۔ یہاں

تک کہ ہمیں موت آجائے۔ صحابہ کرامؓ نے اللہ کے رسول سے جو وعدہ کیا تھا،

اُسے نبھا کر دکھایا۔ انہوں نے جہاد کے میدانوں میں وہ معرکے دکھائے جو ہمیشہ

یادگار رہیں گے۔ اُن کی فتوحات کا راز اس بات میں مضمر تھا، کہ انہوں نے

موت کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ حضرت زبیرؓ کو مصر میں شریک تھے جب

قلعہ کا محاصرہ طویل پکڑ گیا۔ تو فرمایا اے لوگو! اُس سے پہلے میں اپنی جان کا نذرانہ

پیش کرنا ہوں۔ مجھے ٹوکرہ ہی میں ڈال کر رسی کے ذریعے قلعہ کے اندر اتار

دو۔ جب اندر پہنچ کر میں نعرہٴ تکبیر بلند کروں، تو تم بھی باہر سے جواب دینا۔ اللہ کو منظور

ہو! تو ہم کامیاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حضرت زبیرؓ کو اندر اتار دیا گیا، کچھ

اور لوگ بھی دیوار پر چڑھ گئے۔ آپ نے قلعہ میں داخل ہو کر تلوار چلائی شروع کر دی اور اندر

سے دروازہ کھول دیا۔ اسلامی فوج اندر داخل ہو گئی معرکے کا رن پڑا اور قلعہ فتح

ہو گیا۔ یہ ہیں وہ قربانیاں جن کے ذریعے مسلمانوں نے شجر اسلام کی آبیاری کی۔

حضرت زبیرؓ یہ موک کی لڑائی میں دشمن کی دو لاکھ کی تعداد کی فوج میں اکیلے

گھس گئے تھے۔ صفوں کو چیرتے ہوئے ایک سکر سے دوسرے سکر تک

چلے گئے۔ بہادری کے خوب خوب جوہر دکھائے جسم کا کوئی حصہ زخموں سے



خالی نہیں تھا۔ کندھے پر اتنا بڑا زخم کا نشان تھا کہ اس کا کڑا بن گیا تھا جس میں بچے  
 مارتھ ڈال کر کھیلے سہتے تھے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یاد دلایا کہ  
 تم جہاد اور شہادت کی تمنا کرتے تھے۔ تو اب یہ موقع تمہیں فراہم کیا جا رہا ہے  
فَقَدْ رَأَيْتُمْوهُ جسے تم نے دیکھ لیا ہے۔ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ اور تم  
 اسے اپنی آنکھوں کے سامنے نہ دیکھ رہے ہو۔ لہذا اب جان کی بازی لگانے کے  
 لیے تیار ہو جاؤ۔ اور ہر قسم کی مشکلات کو سینے سے لگا لو۔ آخر کار کامیابی تمہاری  
 ہی ہوگی۔



لَنْ تَنَالُوا ۲

الْإِصْرَان ۳

درس چہل و نہ ۴۹

آیت ۱۴۲ تا ۱۴۵

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ  
 أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ  
 وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضِيَ اللَّهُ شَيْئًا  
 وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٢﴾ وَمَا كَانَ لِلنَّفْسِ  
 أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ كِتَابٌ مُّوجِلٌّ ۖ وَمَنْ يُرِدْ  
 ثَوَابَ الدُّنْيَا فُوتِهَا مِنْهَا ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ  
 الْآخِرَةِ فُوتِهَا مِنْهَا ۖ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٥﴾

ترجمہ : اور نہیں ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول تحقیق گذر چکے ہیں  
 اُن سے پہلے بھی رسول۔ اگر وہ مر جائیں یا شہید کر دیے جائیں، تو کیا تم الٹے پاؤں پلٹ  
 جاؤ گے۔ اور جو شخص الٹے گا، اپنی اڑیوں پر، پس ہرگز وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں  
 پہنچائیگا۔ اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بدلہ دیتا ہے ﴿۱۴۲﴾ اور نہیں ہے  
 کسی جان کے لیے کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے۔ ایک مقرر کیا ہوا نوشتہ ہے  
 اور جو شخص دنیا کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اس کو بدلہ دیتے ہیں اُس میں سے۔ اور جو آخرت  
 کا ارادہ کرتا ہے۔ ہم اس کو اس میں سے بدلہ دیتے ہیں۔ اور ہم شکر ادا کرنے والوں  
 کا بدلہ دیں گے ﴿۱۴۵﴾

سلسلہ کلام غزوہ احد کے متعلق ہی چل رہا ہے۔ اس سے پہلے ارشاد ربط آیات  
 ہو چکا ہے کہ دشمن کے مقابلے میں سستی نہ دکھاؤ۔ اور کوئی تکلیف پہنچنے پر  
 ننگین بھی نہ ہو۔ اگر تم ایمان کے تقاضوں پر پورا اترو گے، تو غلبہ تمہیں ہی حاصل  
 ہوگا، تم احادیث تکلیف پہنچنے پر رنجیدہ خاطر ہو، تو اس قسم کی تکلیف تو دشمنوں کو بھی پہنچ



چکی ہے۔ فرمایا کہ ہم زمانے کے دنوں کو پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔ کبھی کسی گمراہ کا پلہ بھاری ہوتا ہے، کبھی کسی کا۔ اللہ تعالیٰ نے اذیت پہنچنے میں بھی حکمت رکھی ہے۔ اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ممتاز کرنا چاہتا ہے۔ اور بعض کو شہادت کے درجے پر فائز کرنا چاہتا ہے یہ نہ سمجھو کہ اس میں کافروں کو بڑائی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ ان سے ہرگز نہ محبت نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی مصلحت ہے کہ آزمائش میں ڈال کر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو، ان کی جانوں اور نعموں کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ اور کافروں کو مٹانا چاہتا ہے۔ ایسی آزمائشوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ جہاد اور صبر کرنے والے لوگوں کو ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ تم دشمن کے ساتھ ٹکریلے کے لیے بیتاب تھے۔ اب اللہ نے موقع فراہم کیا ہے۔ تو ٹھہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ثابت قدمی سے مقابلے پر آؤ۔

آج کی اس آیت میں بھی اُس خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو غزوہ احد میں پیش آیا۔ جنگ کی حکمت عملی کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیراندازوں کی ایک جماعت کو پہاڑ کے درے پر مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ یہاں فتح ہو یا شکست تم نے اس درے کو نہیں چھوڑنا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ دشمن بھاگ نکلا، اس دوران کچھ مجاہدین نے کفار کا تعاقب کیا۔ اور بعض دوسرے مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ اس موقع پر درے پر مقرر تیراندازوں نے غلطی کی۔ حضور علیہ السلام کے حکم کے برخلاف ان کی اکثریت پہاڑ سے نیچے اتر کر مالِ غنیمت پر متوجہ ہو گئی، صرف دس آدمی مقررہ مقام پر باقی رہ گئے۔ اُس وقت دشمن کی کمان خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھی۔ جب انہوں نے جنگی اہمیت کے حامل اُس درے کو خالی پایا تو گھڑ سواروں کی جماعت کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور مسلمانوں پر عقب سے حملہ کر دیا۔ بھاگنے والے مشرکین نے جب دیکھا کہ ان کی فوج مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گئی ہے۔ تو وہ بھی پلٹ آئے۔ اور اس طرح اہل اسلام کفار کے دو لشکروں کے درمیان



آگئے۔ درے پر موجود دس آدمی پہلے ہی شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے دوسرے  
 مسلمان بھی شہید ہوئے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے حضور علیہ السلام پر پتھر پھینکا جس  
 سے خود میں لگی ہوئی دو کٹیاں حضور علیہ السلام کے رخسار مبارک میں دھنس گئیں۔ آپ  
 شدید زخمی ہوئے۔ ابن قمیہ نے نبی علیہ السلام پر حملہ کیا جس سے آپ کے دانت  
 مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم اطہر سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا۔ حضرت  
 مصعب بن عمیر حضور کا دفاع کر رہے تھے۔ پرچم اسلام بھی ان کے ہاتھ میں تھا  
 انہوں نے بھی اپنی جان حضور پر قربان کر دی۔ ابن قمیہ نے شور مچا دیا کہ اُس نے  
 خود حضور علیہ السلام کو شہید کر دیا ہے۔

یہ سن کر مسلمانوں میں بددلی پھیل گئی۔ بہت سے ہمت ہار بیٹھے۔ بعض نے  
 تجویز کیا کہ عبداللہ بن ابی کوکرہ کو ابوسفیان سے امان حاصل کر لینی چاہیے۔ مگر بعض  
 دوسرے جانثاروں نے کہا۔ کہ جب حضور علیہ السلام ہی ہم میں موجود نہ ہے۔ تو  
 ہماری زندگیاں کس کام کی ہیں۔ ہمیں بھی دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو جانا  
 چاہیے۔ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا انس بن نضرؓ بنی نجار میں سے تھے کہنے  
 لگے۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیے گئے ہیں تو رب محمدؐ کو زندہ ہے  
 ہمیں اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر اپنا سفر جاری رکھنا  
 چاہیے۔ یہ کھردر ثمنوں پر حملہ آور ہوئے اور جام شہادت نوش فرمایا۔

اس موقع پر پورے لشکر اسلام میں افراتفری پھیل گئی۔ سب لوگ ادھر ادھر بھاگ  
 گئے، صرف کسترہ یا پچیس آدمی ثابت قدم رہے۔ ان میں حضرات ابوبکرؓ،  
 عمرؓ، علیؓ، طلحہؓ، ابوطالبؓ، ابوجانہؓ، سعدؓ وغیرہ شامل تھے۔ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام  
 کو زخمی حالت میں پہچانا اور لوگوں کو آواز دی کہ حضور علیہ السلام زندہ سلامت ہیں۔  
 آپ نے اُسے آواز نہایت رکھنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اللہ کے بندو!  
 تم کدھر بھاگ گئے ہو۔ آپ کے ارشاد پر لوگ پھر اکٹھے ہو گئے۔ انہوں نے  
 دشمن کا مقابلہ کیا اور دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔



ازلی ابدی  
ذاتِ خداوندی

آج کی آیت میں حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ پھیلنے سے جو بددلی پیدا ہو گئی تھی، اس کی طرف اشارہ ہے۔ اور مسلمانوں کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اس قسم کے واقعات سے بد دل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ یہ ایک فطری عمل ہے جو ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ نَّبِیُّنَ ہِیْ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول۔ آپ رسول ہیں۔ خود خدا تو نہیں جو ازلی ابدی ہستی ہے۔ بحیثیت رسول آپ کو بھی وہ آزمائشیں آسکتی ہیں جو آپ سے پہلے رسولوں پر آئیں۔ اللہ کے بہت سے رسول طبعی موت کے ذریعے اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچے اور ان میں سے بہت سے کافروں کے ہاتھوں شہید بھی ہوئے۔ لہذا رسول کی موت کے بعد مسلمانوں کا دین سے پلٹ جانا ہرگز روا نہیں۔ نبی اور رسول کی زندگی بھی ایک نہ ایک دن ختم ہونے والی ہے۔ اور وہ صرف خدا کی ذات ہے جو ازلی ابدی، حی اور قیوم ہے لہذا کسی ایسی متوقع صورت میں اہل ایمان کو بد دل نہیں ہونا چاہیے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور علیہ السلام کی ذات اقدس اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ بعض اوقات انسان اپنی جان چھیننے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں مگر اپنے پیروں میں شریک بن کر غریبہ ہستی کے متعلق بہت زیادہ حساس ہوتے ہیں لہذا ان کی تکلیف کے مقابلے میں اپنی جان کی بازی لگا دینے سے بھی گریز نہیں کرتے، جو لوگ راسخ العقیدہ اور ثابت قدم تھے، ان میں کسی قسم کی بددلی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر حضور علیہ السلام ہم میں موجود نہ بھی رہیں، دین تو تب بھی قائم رہیگا۔ اور اس دین کے لیے محنت اور کوشش کرنا اولین فرض ہوگا۔ دین تو منجانب اللہ ہی ہے۔ جو ازلی ابدی ذات ہے۔ لہذا اس دین کی حفاظت لازم ہے۔ لہذا راسخ العقیدہ مسلمان پھر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے۔

فرمایا قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ آپ سے پہلے بہت



سے رسول گزر چکے ہیں اَفْأَیْنَ مَوَاتٍ وہ اپنی طبعی موت سے وفات پا کر اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں اَوْ قُتِلَ یا شہید کر دیے جائیں اِنْ قَلْبُكُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ تَوَلّٰی ایمان والو کیا تم اپنے الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے کیا اپنے دین کو چھوڑ دو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی کہ رسول کے اس دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد دین تو ختم نہیں ہو جائے گا۔ اس لیے تمہیں اپنے دین پر قائم رہنا ہو گا۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ جب حضور علیہ السلام تم میں موجود نہیں رہیں گے۔ تو تم دین اسلام ترک کر کے پھر اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ فرمایا وَمَنْ یَنْقَلِبْ عَلٰی عَقْبِیْہِ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں پر پلٹے گا۔ فَکَنْ یَّضٰی اللّٰہُ شَیْئًا پس وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دین سے مرتد ہو کر وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور یاد رکھو! وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنے والوں کو بدلہ اور ثواب عطا کرے گا۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ سے مرزا یوں نے غلط استدلال کیا ہے کہ حضور علیہ السلام سے پہلے سب کے سب رسول گزر چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ اس سے وہ آپ کی موت ثابت کئے کے اپنے جعلی مسیح مرزا قادیانی کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ حالانکہ عبد اللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق الرسل سے مراد سارے رسول نہیں بلکہ کچھ رسول گزر چکے ہیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اگر الرسل سے سارے رسول بھی مراد لیے جائیں تو بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ آسمان پر اٹھایا جاتا بھی گزر جانے کے مترادف ہے۔ اس دنیا سے تو وہ ایک دفعہ گذر کر ہی آسمان پر گئے ہیں جہاں وہ زندہ ہیں اور قرب قیامت میں دوبارہ نزول فرمائیں گے۔ مرزا یوں کا سختیہ محض دجل، الحاد اور کفر ہے۔ اس آیت سے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوتی۔

دین پر  
ثابت قدمی

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے شکہ کرنے والوں کا تذکرہ کیا ہے کہ انہیں



اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ یہاں شکر ادا کرنے سے مراد دین پر ثابت قدم رہنا ہے۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ امیر الشاکرین تھے کیونکہ وہ جنگ احد کے موقع پر ثابت قدم رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر جب صحابہ کرامؓ سخت پریشانی کے عالم میں تھے۔ تو صدیق اکبرؓ نے یہی آیت تلاوت کی تھی۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ... اللہ سب کو تسلی ہو گئی کہ حضور علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ اسلام کی نعمت پر ثابت قدم رہنا ہی شکر گزاری کی علامت ہے اور سب سے بڑی نعمت ایمان ہے، جسے نصیب ہو جائے۔ جو شخص ایمان پر ثابت قدم ہے گا۔ اس کے پاؤں میں لغزش نہیں آئیگی۔ یقیناً وہ شکر گزار ہو گا۔ احد کے میدان میں جب مسلمان کفار کے دو گروہوں کے درمیان گھبر گئے، حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑ گئی تو کئی صحابہؓ تتر بتر ہو گئے۔ پھر جب آپ کو زندہ سلامت پایا گیا تو صحابہ کرامؓ دوبارہ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ اپنی لغزش پر نادم ہوئے اور پھر ثابت قدم ہو گئے۔ آئیگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو معاف فرما دیا۔ الغرض یہاں پر شکر گزاری سے مراد ایمان پر ثابت قدمی ہے۔

ابن قتیہ کا حشر  
ابن قتیہ نے حضور علیہ السلام کا دفاع کرنے والے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر کے حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ اڑادی تھی۔ آپ نے اس بد بخت کے متعلق فرمایا تھا۔ خدا تیری جڑ اکھاڑ دے۔ اس شخص کی سزا کے متعلق دو روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت تو یہ ہے کہ اس لڑائی میں حضرت ابو وجانہؓ نے اس کا سر قلم کر دیا تھا۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ شخص کہیں پہاڑوں کے درمیان سفر کر رہا تھا۔ اچانک ایک جنگلی بکر جسے عربی میں وعل کہتے ہیں نمودار ہوا، اور اس نے ابن قتیہ پر حملہ کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس وقت اسلام کے اور بھی بڑے بڑے دشمن تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ اور ابوسفیانؓ اور بعض دیگر لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ جنگ بدر میں حضرت حمزہؓ نے ہندہؓ کے بیٹے کو قتل کیا تھا،



اُسے آپ سے سخت عداوت تھی۔ چنانچہ آپ کی شہادت پر ہندوؤں نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا۔ اور آپ کا منہ بنایا، مگر وہ بھی ابوسفیانؓ کے ساتھ ایمان لے آئی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو اچھا بدلہ دیگا۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو کسی حالت میں بھی بد دل نہیں ہونا چاہیے۔ کسی بڑی سے بڑی ہستی کے فوت ہونے پر بھی جبرزع و فرزع نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ وہ بہر حال خدا کی مخلوق ہے اور اُسے ایک نہ ایک وقت پر فوت ہونا ہے۔ دنیا میں کسی ہستی کو دوام نہیں۔ صرف ذات خداوندی ہمیشہ قائم و دائم ہے۔

موت کا  
وقت مقرر ہے

فرمایا وَمَا كَانَ لِلنَّفْسِ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ کسی نفس کے لیے یہ بات نہیں ہے۔ کہ وہ مرے مگر اللہ کے حکم سے۔ ہر شخص کی موت اللہ کے حکم سے ہی واقع ہوگی۔ اور موت کیا ہے کِتَابًا مُّوَجَّہًا ایک مقرر نوشتہ ہے۔ موت اپنے مقررہ وقت سے ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ کے علم اور لوح محفوظ میں یہ چیز لکھی ہوئی ہے کہ فلاں شخص اتنی عمر پائیگا اور فلاں وقت میں فلاں بیماری یا فلاں حادثہ میں اس کی موت واقع ہوگی۔ مقصد یہ کہ جس طرح ایک عام امی کی موت کا وقت مقرر ہے اسی طرح اللہ کے برگزیدہ انبیاء بھی اپنے اپنے وقت پر داعی اجل کو لبیک کہتے رہے ہیں۔ مگر اُن کا لایا ہوا دین قائم رہا ہے۔ لہذا نبی کے بعد بھی اُس کے دین پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے۔ اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ دین کا دامن کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑنا۔

طلب دنیا

طلب آخرت

فرمایا ہر شخص کے لیے اجر و ثواب اسکی نیت اور ارادے کے مطابق ملتا ہے وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا جُوعًا شَرِبًا دینا کا ارادہ کرتا ہے نُوْتًا صَنَعًا ہم اُس کو دنیا میں سے ہی بدلہ دیتے ہیں۔ ہاں یہ بات ہے۔ کہ ہر مطلوب چیز مہیا نہیں کرتے بلکہ جتنا چاہتے ہیں اتنا دیتے ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں آتا



ہے عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ دنیا کی ہر خواہش پوری نہیں ہوتی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے، جتنا چاہے عطا کر دے۔ بِخِلَافِ اس کے وَمَنْ يُدِ ثَوَابَ الْفَحْرَةِ جو کوئی آخرت کے ثواب کا طلبگار ہے نُؤْتِيهِ مِنْهَا مَا يَسْتَحِقُّ اسے آخرت میں سے بدلہ دیں گے۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص دنیا کی خواہش کرتا ہے وہ غرض فانی کے لیے کرتا ہے، جو چند روز بعد ختم ہو جانے والی ہے اور جو کوئی آخرت کی خواہش کرتا ہے۔ تو اس سے مراد خدا تعالیٰ کی رضا ہے، جو دائمی ہے آخرت کی خواہش کے ذریعہ سے ہی انسان اپنی جان کی باتری لگا دیتا ہے۔ جس سے دین قائم ہوتا ہے۔ اسلام کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ یہی چیز روحانی ترقی کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و کامیابی کی دلیل ہے۔ اس خواہش کا مقصد وحید یہ ہے کہ انسان حَظِيرَةُ الْقُدُسِ کا مہربن جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جائے فَرَمَا وَ سَيَجْزِي اللَّهُ الشَّكْرِينَ ہم شکر ادا کرنے والوں کو پورا پورا بدلہ دیتے ہیں۔ اور شکر گزاری یہ ہے کہ انسان ایمان، توحید، اطاعت اور فرمانبرداری کے کاموں پر ثابت قدم ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سب سے پہلی ثابت قدمی حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کو حاصل ہوئی، جو براہ راست حضور کے فیض یافتہ تھے۔ جو کھوڑی بہت کمزوریاں رہ گئیں تھیں، وہ بھی رفع ہو گئیں۔ اُن کی غلطیاں معاف ہو گئیں اور وہ لوگ مجموعی طور پر شکر گزار بن گئے۔ یہی لوگ ایمان کی دولت کے محافظ تھے ایمان ہی اُن کی سب سے قیمتی متاع تھی جسے انہوں نے آئندہ نسلوں کو منتقل کیا۔ ایمان کے علاوہ باقی سب چیزیں فانی اور بے حقیقت ہیں۔



لن تنالوا ۲

ال عمران ۳

درس پنجاہ ۵۰

آیت ۱۴۶ تا ۱۴۸

وَكَايْنِ مَنْ بَيَّ قَتَلَ مَعَهُ رِبِّيُونَ كَثِيرُهُ فَمَا  
وَهُنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا

وَمَا اسْتَكَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (۱۴۶) وَمَا كَانَ  
قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَ  
إِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا  
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (۱۴۷) فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

۱۵۵۶

وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (۱۴۸)

ترجمہ: اور بہت سے نبی ایسے گزرے ہیں کہ ان کے ساتھ مل کر بہت سے  
اللہ والوں نے جنگ کی۔ پس وہ ہمت نہیں ہارے اس پر جو بھی ان کو اللہ کے  
راستے میں تکلیف پہنچی اور نہ وہ ضعیف یا سست ہوئے اور نہ وہ دشمن

کے سامنے (مبے)۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۴۶)

اور نہیں تھی ان کی بات مگر یہ کہ انہوں نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے  
لیے ہمارے گناہ بخش دے اور ہمارے معاملے میں ہماری زیادتی کو (بھی بخش دے)

اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ۔ اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما (۱۴۷)

پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور آخرت کا اچھا بدلہ بھی عطا فرمایا

اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۱۴۸)

ربط آیات

غزوہ احد میں اہل اسلام کو نقصان اٹھانا پڑا حتیٰ کہ خود حضور نبی کریم صلی علیہ وسلم  
کی شہادت کی خبر اڑ گئی اور مسلمانوں میں بد دلی پیدا ہو گئی تھی۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ  
نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ ایسے مواقع پر ایمان پر مضبوط رہیں اور کمزوری کا احساس



پیدا نہ ہونے دیں۔ بات سمجھائی کہ اللہ کا رسول خدا نہیں ہے، جواز لی ابدی ہو۔  
 بلکہ عام انسانوں کی طرح رسول نے بھی موت کا ذائقہ چکنا ہے۔ اگر اللہ کا رسول  
 تم میں موجود نہ ہے، تو کیا تم دین کو چھوڑ جاؤ گے دین تو اللہ کا ہے۔ جو حی اور قیوم  
 ہے، قائم و دائم ہے، لہذا اس کے دین کی جدوجہد ہمیشہ جاری رہنی چاہیے۔  
 آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ ایثار اور ان کے ساتھ شریک جہاد  
 لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ کہ وہ لوگ قربانیاں مے کے دین کی تقویت کا باعث  
 بنتے ہیں لہذا وہ لوگ مسلمانوں کے لیے اچھا نمونہ ہیں ان کی اقتدا کرنے کی چاہیے  
 سورۃ بقرہ میں اسرائیلی پیغمبر عزیریل علیہ السلام کا ذکر آچکا ہے۔ آپ کے پیروکاروں کی  
 ایک جماعت حضرت طالوتؑ کی سرکردگی میں دشمن سے نبرد آزما ہوئی۔

جہاد سنت  
 ایثار ہے

ایسے ہی واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے  
 وَكَانَ مِنْ نَبِيِّ قَاتِلٍ اور اللہ کے کتنے ہی نبی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے  
 جنگ کی، اس حالت میں مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ کہ ان کے ساتھ کثیر تعداد  
 میں رب والے یا اللہ والے بھی شامل تھے۔ مسلمانوں کو بتلانا یہ مقصود ہے۔ کہ  
 جہاد کا حکم صرف آخری امت کے لیے ہی مخصوص نہیں۔ بلکہ سابقہ انبیاء کے  
 لیے بھی جہاد کا حکم اسی طرح تھا، جس طرح نبی آخر الزماں اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے  
 لیے ہے۔ حق اور باطل کی کشمکش ہمیشہ سے ہے۔ لہذا ہر امت کے لیے  
 جہاد کم نہ ضروری رہا ہے۔ اے مسلمانو تسلی رکھو کہ جہاد ہی میں تمہاری اور تمہارے  
 دین کی بقا ہے۔ جو قوم جہاد ترک کر دیتی ہے وہ صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہے  
 رَبَّنَا کہ لفظ اسی سورۃ کے آکھٹوں رکوع میں بھی آچکا ہے وہاں  
 بھی عرض کیا تھا کہ رَبِّیْ یا رَبَّانی سے مراد رب والے یا اللہ والے ہیں۔ یہ وہ  
 لوگ ہیں جو اپنے انبیاء پر ایمان رکھنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت  
 کو تسلیم کرتے ہیں۔ سچے دین کی تعلیم پر عمل کرتے، اخلاص اور صداقت سے معمور ہیں  
 یہی لوگ ربانی ہیں جن کی نسبت اپنے رب کی طرف ہے، چونکہ یہ لوگ اپنے انبیاء



کے بھی متبع ہیں اس لیے یہ اُن کے صحابہ میں شمار ہو گئے۔ اور ایسے لوگ ہمیشہ سچائی کے راستے پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ اور بندہ دلی یا بے صبری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ان میں کسی قسم کی گجھڑاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ربیون میں علماء فقہاء اور دین میں سمجھ رکھنے والے لوگ بھی شامل ہیں کیونکہ انبیاء کے متبع ہمیشہ ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ جیسے فرمایا عکلی بصیرۃ انا ومن اتبعنی یعنی میں بھی بصیرت پر ہوں اور میرے متبع بھی بصیرت پر ہیں۔ انہیں دین کے کسی معاملہ میں اشتباہ نہیں۔ حقیقت حال ان پر آشکارا ہے۔ اور وہ اسی کا اتباع کرتے ہیں فرمایا جن اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ملکر جہاد کیا فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اللہ کے راستے میں انہیں جو بھی تکلیف پہنچی اُس پر انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی۔ اُن لوگوں پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں، مال ضائع ہوا، گھربار چھوڑنا پڑا، آدمی شہید ہوئے مگر اُن کے پاؤں میں لغزش نہیں آئی۔ دوسرے پارے میں ذکر آچکا ہے۔ کہ انہوں نے یوں کہا۔

وَقَالُوا مَا كُنَّا آلَ نَفَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أَخْرَجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا هُمُ اللَّهُ کے راستے میں کیوں جہاد نہ کریں جب کہ ہمیں ملک بدر کیا گیا۔ اور ہماری اولاد ہم سے چھین لی گئی۔ ہمارے بچوں کو غلام بنایا گیا اور ہماری بچیوں کو لونڈیاں بنالیا گیا، لہذا ہم ضرور دشمن کے ساتھ جہاد کریں گے جب اس عزم بالجزم کے ساتھ میدان جہاد میں اترے تو پھر کسی مشکل سے مشکل وقت میں بھی انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وَمَا صَعَفُوا اور نہ وہ ضعیف یا سست ہوئے وَمَا اسْتَكَانُوا اور نہ وہ دشمن کے سامنے مغلوب ہوئے۔ استکانت کا معنی اپست ہو جانا، دب جانا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ استکانت میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انہوں نے زبان سے بھی کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے ان کی کمزوری یا کسپی ظاہر ہوتی ہے۔

مومن ثابت  
قدم رہتا ہے



صبر بہترین  
تہ ہے

فرمایا واللہ یحب الصبرین اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اہل اسلام کو سمجھایا جا رہا ہے کہ جس طرح ان لوگوں نے صبر کیا۔ اسی طرح تم بھی مشکلات پر صبر کے ذریعے قابو پاؤ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی خبر پر دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ ثابت قدمی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیے تھا۔ مگر ابراہیمی میں صبر کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ مجاہدات کی ادائیگی۔ اور مصائب و مشکلات اور نفسانی خواہشات کے مقابلہ کے لیے صبر ہی بہترین ذریعہ ہے۔ دو گنا پارہ میں گزر چکا ہے "اَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ صَبْرًا وَمَنَازِلَہِ" کے ذریعے مشکلات کا مقابلہ کرو۔ جس قدر تعلق باللہ قائم ہوگا۔ اسی قدر مصائب کم ہو جائیں گے۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سابقہ لوگوں کی مشکلات کا ذکر فرما کر اہل ایمان کو ثابت قدمی کی ترغیب دلائی۔ اور نصیحت کی کہ ایسے اوقات میں کمزوری اور سستی دکھانے کی بجائے تعلق باللہ کو مضبوط بنانا چاہیے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ لَا تَحْتَمِلُوا لِقَاءَ الْعَدُوِّ اے ایمان والو! دشمن سے ٹکر لینے کی تمنا نہ کرو۔ البتہ اذا الْقَيْسُ فَقَا صَبْرًا اور جب مڑھ بھیسٹر ہو ہی جائے، تو پھر صبر کا دامن نہ چھوڑو واعلموا ان الجنة تحت ظلال السيوف یاد رکھو! جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ کمزوری دکھانے کی بجائے صبر کا دامن تھامے رکھو۔ کیونکہ جنت کا راستہ تلواروں کے سائے میں سے گزر کر جاتا ہے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ بیماری کا بھی یہی حکم ہے۔ کسی مومن کے لیے لائق نہیں کہ وہ بیماری کی خواہش کرے۔ ہاں اگر بیماری آجائے، تو پھر وادیا کرنے کی بجائے صبر کرنا چاہیے۔ اسی میں خدا تعالیٰ کی رضا ہے۔

فرمایا صبر کے علاوہ مجاہدین کا دوسرا حربہ ان کی دعا ہے۔ جب وہ میدان جہاد میں اترتے ہیں وہاں قَوْلُكُمُ لَا اَنْ قَالُوا تو ان کی زبان پر یہ

مجاہدین  
کی دعا



اس کے سوا کوئی اور بات نہیں ہوتی۔ وہ یوں کہتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا  
اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما دے دو کرپائے میں گنہگار چکا ہے  
حضرت طاہرؑ کے ساتھیوں نے بھی یہی دعا کی تھی۔ کہ اے اللہ! ہمارے  
گناہوں کو بخش دے۔ یہاں پر بھی یہی الفاظ ہیں اللہ والوں کا ہمیشہ سے پرشیوہ  
رہا ہے کہ جب میدان جنگ میں دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے۔ تو وہ اپنے پروردگار  
سے دعائیں کرتے ہیں۔ دُعا اللہ تعالیٰ سے تعلق کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس  
کو مومن کسی وقت ترک نہیں کر سکتا۔ دُعا عبادت کا پتھر اور خلاصہ ہے۔ بخود حضور  
علیہ السلام انیس غزوات میں بنفس بنفس شریک ہوئے جن میں سے آٹھ  
غزوات میں بالفعل لڑائی ہوئی۔ حضور نے مسلمانوں کو یہی دُعا سکھائی اللہم  
مَنْزِلَ الْكُتُبِ مَجْرَى السَّحَابِ - هَازِمَ الْأَحْزَابِ أَهْزَمَهُمْ  
وَانْصَرَفْنَا عَلَيْهِمْ اے مالک الملک جو کتاب کو نازل فرماتا ہے اور  
بادلوں کو اٹھاتا ہے، دشمنوں کے قدموں کو اکھاڑ دے اور ہماری مدد فرما۔  
فتح مکہ کے دن آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَسْجَرْنَا  
وَعَدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَخَدَّاهُ اُس خداوند قدوس کا لاکھ لاکھ  
شکر ہے جس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور دشمنوں کو شکست  
دی، وہی اللہ وعدہ لاشریک ہے۔ اس کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ آپ نے  
مجاہدین کو سکھایا کہ میدان جنگ میں جا کر یوں دعا کیا کرو اللہم اٰمِنْ ہُوَعِثْنَا  
اے اللہ! خوف کی حالت میں ہمیں امن نصیب فرما۔ وَاَسْتَشْعُرْنَا  
اور ہماری کمزوریوں کی پردہ پوشی فرما۔

جنگ کے موقع پر حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف دُعائیں صحابہؓ  
کو سکھائیں تاہم جو دعا یہاں قرآن پاک نے بیان کی ہے، وہ بڑی اہم دعا ہے۔  
فرمایا کہ مجاہدین کی زبان پر یہ دعا ہوتی ہے۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا اے اللہ  
ہمارے گناہ بخش دے۔ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، جنگ احد میں تھوڑی



سی کوتاہی ہو گئی تھی، اُسی لغزش کی معافی مانگی جا رہی ہے۔ وَلَسَرَفْنَا فِي أَفْسَارِنَا ہمارے معاملات میں جو زیادتیاں ہوئی ہیں۔ حُدُودِ اِعْتِدَالٍ سے جو تجاوز ہوا ہے، ہم اُن کی بھی معافی مانگتے ہیں وَتَثْبِثُ أَفْئِدَتَنَا اور ہمارے قدموں کو مضبوط فرما۔ ان میں لغزش نہ آنے پائے۔ اور ہم تیرے دین کی سر بلندی کے لیے ڈٹے رہیں۔ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے جس طرح اہل ایمان کے قدموں کو مضبوط کیا اُس کا ذکر سورۃ الفال میں آتا ہے وَيُثَبِّتُ بِهِ اَافْئِدَتَهُمُ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عمرو کی شکل میں تم پر اطمینان کی کیفیت طاری کر دی۔ تمہارے لیے آسمان کی طرف سے پانی اتار ا تا کہ تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی سنجاست (شیطان کی وسوسہ اندازی) کو دور کرے۔ تمہاری ہمت بندھائے۔ اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر فرشتوں سے بھی کہا اِنِّي مَعَكُمْ میں تمہارے ساتھ ہوں فَتَثَبَّتُوا اہل ایمان تم اہل ایمان کے قدم مضبوط کرو۔ مقصد یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کے قدم مضبوط کرے تو پھر کامیابی یقینی ہے۔ اور اگر خدا کسی قوم کے قدم اکھاڑ دے۔ تو کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔

مجاہدین کی دُعا کا چوتھا جزو ہے وَالْضُّعُفُ نَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ اے اللہ! کافروں کی قوم کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ کیونکہ ہم تو تیرے دین کی خاطر جنگ لڑ رہے ہیں۔ اور کافر تیرے دین کی نافرمانی کا پیغام دنیا میں پہنچا رہے ہیں۔ ہم تیری اطاعت اور فرمانبرداری کو دنیا میں غالب کرنا چاہتے ہیں، ہم مدد کے مستحق ہیں، لہذا ہماری مدد فرما۔ مجاہدین کی اس دُعا میں ہمارے لیے بھی تعلیم ہے۔ کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ایسی ہی دُعا کرنی چاہیے۔ جب بھی میدان جہاد میں اتریں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت کی دُعائیں کریں۔ الغرض! اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور ان کے مجاہدین کا تذکرہ کر کے ہمارے لیے مشعل راہ قائم کر دی۔



دنیا و آخرت  
کا ثواب

فرمایا جو لوگ اپنے انبیاء کی معیت میں جہاد کرنے والے تھے، اور اُس کے حضور دعائیں مانگنے والے تھے فَاتَّهَمُوا اللَّهَ ثَوَابَ الدُّنْيَا اِنَّ كَوَالِدَہٗ تَعَالٰی نے دنیا کا ثواب عطا کیا۔ یعنی انہیں دنیا میں فتح عطا کی جیسے سورۃ صف میں فرمایا **وَ اُخْذِیْ تَحِبُّوْنَہَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ** جب دشمن سے ٹھٹھ بھڑھ ہو، تو مسلمان کی خواہش یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اُسے فتح نصیب فرمائے۔ تاکہ خدا کا دین غالب ہو۔ **كَلِمَةُ اللّٰہِ ہِیَ الْعُلَیَّا** تاکہ اللہ کی بات بلند ہو جائے۔ اور اس کے دین کے دشمنوں کے ارادے ناکام ہو جائیں۔ چنانچہ دنیا کے ثواب سے مراد فتح و نصرت اور بالفتح مال غنیمت ہے مگر سب سے بڑی کامیابی اللہ کے کلمے کی بلندی ہے۔ باقی سب چیزیں اس کے تابع ہیں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے انہیں نہ صرف دنیا کا ثواب عطا کیا بلکہ **وَحَسَنَ ثَوَابٍ** **لِّلْآخِرَةِ** یعنی آخرت کا بہتر اجر بھی دیا اور یہ بہتر اجر آخری کامیابی، نجات اور جنت میں داخلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ **فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقُعْدِیْنَ دَرَجَةً** اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے والوں کے مقابلے میں جہاد کرنے والوں کو فضیلت بخشی ہے۔ فرمایا جنت کے سو درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجاہدین کو بلند سے بلند درجہ عطا فرمائے گا۔ وہ مجاہدین جو دین کی اشاعت اور کفر کو مغلوب کرنے کے لیے اپنی جان بھیلی پہ رکھ کر میدان جہاد کی طرف چلتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی عمل نہیں ہے۔ بہت بڑی بات ہے جس کی تفصیلات قرآن پاک اور احادیث میں جگہ جگہ موجود ہیں۔

محبوبانِ خدا

فرمایا یاد رکھو! **وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ** اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اُن سے محبت رکھتا ہے۔ نیکی کے کاموں میں جہاد، دین کی اقامت، صبر، خدا کی فرمانبرداری، اطاعتِ رسول۔ دنیا میں حدود اللہ کا اجرا، مصائب پر صبر، بلند ہمتی، اللہ کے دین کی سر بلندی کے لیے ہر وقت تیاری یہ سب باتیں شامل ہیں۔ اگر کبھی وقتی طور پر مسلمانوں کو نقصان پہنچا اور



کافروں کو عارضی کامیابی بھی حاصل ہو گئی تو اس سے کافر اللہ کے محبوب نہیں بن  
 سکتے بلکہ خدا کے محبوب ہمیشہ نیکی کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ دنیا کا اتار چڑھاؤ  
 محض آزمائش کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس میں بھی بہت سی مصلحتیں  
 ہیں جن میں سے چار کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نیکی کرنے  
 والوں کو ہی محبوب بناتا ہے۔



لن تنالوا

درس پنجاہ یک ۵۱

ال عمران ۳

آیت ۱۴۹ تا ۱۵۱

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا  
يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِيسِرِينَ ۝۱۴۹  
بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ۝۱۵۰ سَنُلْقِي  
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ  
مَا لَهُمْ يَنْزِلُ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَهُمُ الْبَارُ  
وَبِئْسَ مَثْوًى لِلظَّالِمِينَ ۝۱۵۱

ترجمہ : اے ایمان والو! اگر تم اُن لوگوں کی بات مانو گے جنہوں نے کفر کیا، تو وہ تم کو پٹا دیں گے تمہاری اڑھویوں پر، پھر تم پلٹ جاؤ گے نقصان اٹھانے والے ہو کر ۝۱۴۹ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ بہتر مدد کرنے والا ۝۱۵۰ عنقریب ہم اُن لوگوں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے جنہوں نے کفر کیا اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے ایسی چیزوں کو جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظلم کرنے والوں کا بہت بُرا ٹھکانا ہے ۝۱۵۱

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء اور اُن کھپیرو کاروں کا نمونہ بیان فرمایا اور اہل ایمان کو ترغیب دی کہ وہ بھی انہی لوگوں کا طریقہ اختیار کریں جو سابقہ انبیاء کے تبعین نے اختیار کیا انہوں نے دشمن کے ساتھ جہاد کیا اور ثابت قدم رہے ان کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو کامیابی عطا کی اور دنیا و آخرت کا ثواب عطا کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں

ربط آیات



اور صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں اور ان کے ماننے والوں کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ بہ خلافت اس کے نافرمانوں اور منافقین کے اقوال و افعال سے بچنا بھی ضروری ہے۔ دشمن کے غلط پراپیگنڈا سے اہل ایمان میں بددلی پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ لہذا دشمن کی چالوں سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے۔ جنگ احد کے واقعہ میں بیان ہو چکا ہے کہ جب حضور علیہ السلام زخمی ہو کر گر گئے، تو مشرک حملہ آور نے مشہور کر دیا کہ نعوذ باللہ آنحضرت علیہ السلام کو شبیہ کہ دیا گیا ہے۔ اس غلط پراپیگنڈہ کی بنا پر مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو گئی، منافقین کو موقع مل گیا۔ وہ کہنے لگے کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہمارے درمیان موجود نہیں ہے۔ تو پھر ہمیں ان کا دین چھوڑ کر اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جانا چاہیے۔ بعض نے کہا کہ ابوسفیان سے امان حاصل کر لینی چاہیے یہ سب پراپیگنڈا تھا، تاکہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی باتوں کا رد فرمایا ہے۔ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ یعنی حضور نبی کریم علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔ وہ خود خدا نہیں جو ازل سے ابدی ہے۔ بلکہ وہ تو فانی ہیں۔ اگر موت یا شہادت کی بنا پر وہ اس دار فانی سے رخصت ہو جائیں تو کیا تم آپ کے لائے ہوئے دین کو ترک کر دو گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین قیامت تک قائم ہے گا۔ مسلمانوں کو منافقین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اے ایمان والو! اِنْ تَطِيْعُوْا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اگرتم کافروں کی بات مانو گے اور منافق بھی کافروں میں شامل ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ يَسْرِدْ وَكُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ کہ وہ تمہیں پٹا دیں گے تمہاری اڑیوں پر۔ مراد یہ کہ ان کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ تمہیں دین حق سے دوبارہ جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ کہ تم سخت نقصان اٹھانے والے بن کر لوٹ جاؤ گے۔ مقصد یہ

عظیم نقصان



کہ اپنے دین پر قائم رہو۔ ہر حالت میں دین کی حفاظت کرو۔ تمہیں وقتی طور پر فتح ہو  
یا شکست اپنے دین پر ہر صورت میں قائم ہو۔ اگر تم نے دین کے پاکیزہ نظریات  
کو ترک کر دیا، تو پھر کفر اور جہالت کی طرف پلٹ جاؤ گے۔ اور یہ سب بڑا نقصان  
ہوگا۔

لہذا مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیں  
ورنہ وہ تمہیں دوبارہ جاہلیت کی طرف پھر دیں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے  
کہ جس مومن کے دل میں ایمان راسخ ہو گیا ہے، اس کو اگر آگ کے شعلوں میں  
بھی ڈال دیا جائے تو وہ کفر کی طرف پلٹنا پسند نہیں کریگا۔ وہ ہر قسم کی مشکلات  
بدداشت کر لے گا مگر ایمان کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے  
کہ اے ایمان والو! لَا تَخْذُوا بِطَانَةٍ مِّنْ دُونِكُمْ یعنی ایمان والوں کو چھوڑ  
کہ دوسروں کو اپنا دلی دوست نہ بناؤ۔ کافروں کو اپنے معاملات میں درخیل نہ ہونے  
دو۔ ورنہ وہ تمہیں کفر کی طرف لے جائیں گے۔ یہود و نصاریٰ ان سے بھی بدتر  
ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْ تَرْضَوْنِي اَلَيْسَ اِلٰهُكُمْ وَاَلَا النَّصَارَىٰ اٰی  
یہود و نصاریٰ کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کا دین اختیار نہ کرو اور اسی لیے  
اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ثابت قدمی اور دشمن کی سازشوں سے ہوشیار رہنے  
کی تلقین کی ہے۔

اس وقت دنیا میں مسلمان جس تنزل کا شکار ہیں اسکی اسی فیصد وجہ کفار  
کی مداخلت ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کے قوانین، سیاست، تجارت، تعلیم، ٹیکس  
وغیرہ میں دخل ہیں۔ غیر مسلم کافر ہوں یا مشرک، یہودی ہوں یا نصرانی، کھیسٹ  
ہوں یا دہریے وہ ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تدابیر کرتے ہیں۔ اپنے  
مکوں میں تعلیم کے نام پر ایسے شاگرد بنا کر بھیجتے ہیں جو مسلمانوں کے نظریات  
کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمن ایک صالح آدمی مولوی شہاب الدین  
کابٹا تھا جو کہ شیخ السنہ کا شاگرد تھا۔ مگر یہ یہودیوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ اسمتھ کا شاگرد

مسلمانوں کے  
تنزل کی وجہ



تھا جس نے اُس کے ذہن کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ صدر ایوب کے زمانے میں اُس نے کتاب لکھی تھی جن میں قرآن پاک کے وحی الہی ہونے کا انکار کر دیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ پورے کا پورا قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ اس میں آدھا یا کچھ کلام حضور خاتم النبیین صلی علیہ وسلم کا ہے۔ مقصد یہ کہ غیر مسلم لوگ مسلمانوں کو اپنے ہاں تعلیم دے کر اُن کے بنیادی نظریات پر اثر انداز ہوتے ہیں اور پھر انہی کے ہاتھوں ان کی قوم کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ روس کیا کر رہا ہے۔ افغانستان اور ایران وغیرہ میں اپنے نظریات پھیلا رہا ہے۔ مگر مسلمانوں کی آج زبوں حالی یہ ہے کہ اُن کی مرکزیت ختم ہو چکی ہے۔ رسولِ حق عقیقہ مفقود ہے۔ قرآن پر غور و تدبر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی تعلیمات سے دلچسپی نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا دین اور اخلاق دونوں بگڑ چکے ہیں۔ کفار ہمارے تمام معاملات میں ذلیل ہیں۔ ترکی کے معاملات میں امریکہ دخل انداز کر رہا ہے۔ عرب اُس کے مشورہ کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکتے، ترقی پذیر ممالک میں ایڈوائزر وہاں سے آتے ہیں۔ لہذا مسلمان ترقی کی بجائے تنزل کی طرف جا رہے ہیں۔ اللہ نے اس لیے خبردار کیا ہے کہ اگر اُن کی بات مانو گے تو وہ تمہیں دوبارہ کفر کی طرف لے جائیں گے عیسائی مشنریاں اس پر مستنزد ہیں۔ مسلمان ممالک میں خاص طور پر کام کر رہی ہیں۔ تیس تیس سال تک کام کرنے کے بعد رپورٹ دیتی ہیں کہ اگرچہ مسلمانوں کو عیسائی تو نہیں بنایا جا سکا۔ مگر اُن کے نظریات اس قدر بگاڑ دیے گئے ہیں کہ وہ مسلمان بھی باقی نہیں رہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان خطرات کو محسوس کریں۔ اپنے کام خود انجام دیں اور غیر مسلم اقوام کی مداخلت بند کریں ورنہ وہ کفار کے چنگل سے کبھی آزاد نہ ہو سکیں گے۔

فرمایا اختیار سے منہ موڑ کر صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے بکل اللہ مَوْلَاکُمْ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے۔ مولا کے بہت سے معنی آتے ہیں جیسے آقا، سید، ناصر، معین، سہا تھی۔ آزاد کیا ہوا غلام، چچا زاد بھائی وغیرہ



تقریباً پچیس معنی ہیں۔ مگر یہاں پر والا سے مراد مددگار ہے۔ خود اللہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا اَنْتَ مَوْلَانَا یہ لفظ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ سیدنا اور مولانا یعنی حضور ہمارے آقا، سردار اور راہنما ہیں۔ تاہم اس مقام پر اہل اسلام کو تسلی دی کہ اغیار کی تمام تر سازشوں کے خلاف تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ یقیناً تمہاری مدد کرے گا وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ وہ بہتر مدد کرنے والا ہے۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اس کی وحدانیت پر صدقِ دل سے ایمان لاؤ۔ اُس نے ہمیشہ اہل ایمان کی مدد فرمائی ہے وَلَقَدْ فَتَنَّاكَ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ اُس نے تمہاری غزوہ بدر میں مدد فرمائی حالانکہ تم اس موقع پر بہت کمزور تھے۔ اُس نے خنیں کے موقع پر بھی تمہاری مدد فرمائی۔ اس کی مدد ایسے طریقے سے شامل حال ہو جاتی ہے کہ انسان اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اسلام  
کا رعب

اہل اسلام کی مزید تسلی کے لیے فرمایا سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ہم کافروں کے دلوں میں عنقریب رعب ڈال دیں گے۔ جنگِ احد کے موقع پر ایسا ہی ہوا۔ بظاہر کافروں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بہت سے اکابر مسلمان شہید ہوئے۔ مگر پھر کافروں نے ہاں بھڑکنے سکے۔ انہیں واپس ہی جانا پڑا۔ ایک موقع پر ابوسفیان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مسلمان تعداد میں تھوڑے سے تو تھے۔ ان میں سے شہید اور زخمی بھی ہوئے۔ مگر ہم پھر بھی واپس پلٹ رہے ہیں۔ واپس جا کر اُن کا کام تمام کہہ دینا چاہیے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ انہیں دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس مکے لوٹ گئے۔ البتہ بنی کریم علیہ السلام اور آپ کے زخمی صحابہؓ نے آٹھ میل تک کفار کا تعاقب کیا۔

فرمایا اُن پر رعب اس لیے مسلط کر دیا بِمَا اشْرَكُوا بِاللَّهِ کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنائے ہیں۔ اور شرک سے ضعف پیدا ہوتا ہے اور حمیت



بھی ہو تو وہ حمیت جاہلیہ ہوتی ہے۔ بعض اوقات وہ تعصب اور عناد کی وجہ سے  
 بہادری کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں مگر عقل اور بصیرت سے خالی ہوتے ہیں  
 برخلاف اس کے اگر مومن کو وقتی طور پر تکلیف بھی پہنچے تو وہ بصیرت اور  
 سمجھ بڑھ رہتا ہے۔ کافر اندھے ہوتے ہیں۔ ان میں دہن اور کمزوری پیدا ہو جاتی  
 ہے۔ وہ توہمات کے پرستار ہوتے ہیں۔ مشرکین کا حال دیکھ لیں۔ ذرا ذرا  
 سی بات پر شوکن لیتے ہیں۔ وہ خود اعتمادی

سے عاری ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ ضعف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

فرمایا یہ لوگ جس شرک کا ارتکاب کرتے ہیں وہ ایسا ہے مَا لَمْ يُنْزَلْ  
 بِهِ سُلْطَانٌ جَسَی اللہ نے کوئی سند یا دلیل نہیں اتاری، سلطان کا معنی غلبہ  
 برہان، دلیل وغیرہ ہے۔ صاحب اقتدار کو بھی سلطان کہتے ہیں یعنی طاقت  
 اور قوت والا۔ بہر حال یہاں سلطان کا معنی دلیل ہے کہ مشرکین کے پاس شرک کی  
 کوئی دلیل نہیں بلکہ محض اپنے دوا یا باپ یا قوم کی اندھی تقلید ہے جس پر یہ لوگ مصر ہیں  
 اس کے برخلاف کفر کی تہذیب میں ہزاروں دلائل موجود ہیں۔ ان میں عقلی، نقلی، کتابی  
 سمعی، بصری ہر قسم کے دلائل موجود ہیں۔ انسان ذرا سا غور کرے تو اس کی سمجھ  
 میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے۔ ایک پتہ ہی لے لیں یا  
 گھاس کے ایک تنکے کی تخلیق پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آجائیگی  
 اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر قطعی طور پر فرمادیا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اُن کے پاس  
 شرک کی کوئی دلیل نہیں محض سنی سنائی باتوں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اور اس  
 کا نتیجہ یہ ہے وَمَا أُولَٰئِكَ إِلَّا لُغْوُ الْبَرِّ لُغْوُ الْبَرِّ لُغْوُ الْبَرِّ لُغْوُ الْبَرِّ  
 ہے۔ اور یاد رکھو! وَمَشْوَى الظَّالِمِينَ ظَالِمُونَ ظَالِمُونَ ظَالِمُونَ  
 برا ہے۔ کفر شرک کرنے والے سب بڑھ کر ظالم ہیں اِنَّ الشُّرُكَاءَ لَظُلُمٌ  
 عَظِيمٌ شُرک ظلم عظیم ہے۔ یہ اول مرتبہ کا ظلم ہے۔ اس کے بعد  
 حقوق ضائع کرنے والے۔ اور لوگوں کی جان و مال کے تلف کنندہ دوسرے

بلا دلیل  
 شرک



درجے کے مجرم ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے سب  
 سے بڑے مجرم ہیں۔ اُن کا اعتقاد فاسد ہے۔

---



لَنْ تَنَالُوا ۲

درس پنجاہ و دو ۵۲

ال عمران ۳

آیت ۱۵۲ تا ۱۵۳

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُمْ  
 بِإِذْنِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ  
 وَعَصَيْتُمْ مِّنْ أَمْرِ اللَّهِ مِمَّا كُنتُمْ تُحِبُّونَ ۚ  
 مِّنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ  
 الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَّفَكُمْ عَنْهُم لِيُبْتَليَكُمْ ۚ  
 وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى  
 الْمُؤْمِنِينَ ۝ (۱۵۲) إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلَوْنِ  
 عَلَىٰ أَحَدٍ ۖ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ  
 فَأَتَابَكُمْ غَمًّا بِغَيْرِ لَّيْلٍ ۖ فَتَنَزَّلُ عَلَى  
 مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا آصَابَكُمْ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا  
 تَعْمَلُونَ ۝ (۱۵۳)

ترجمہ: اور البتہ تحقیق اللہ نے تمہارے ساتھ اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا۔ جب کہ  
 تم اُن (دشمنوں) کو کاٹ رہے تھے اللہ کے حکم سے۔ یہاں تک کہ جب تم بزدل  
 ہو گئے اور تم نے معاملہ میں جھگڑا کیا۔ اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ  
 نے تمہیں وہ چیز دکھائی، جسے تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے بعض وہ ہیں جو  
 دنیا کا ارادہ کرتے ہیں۔  
 وہ ہیں جو آخرت کا ارادہ کرتے ہیں۔ پھر پھیر دیا تم کو اُن سے تاکہ تم کو آزمائش



میں ڈالے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف کر دیا ہے۔ اور اللہ فضل والا ہے اہل ایمان پر (۱۵۲) جب کہ تم اُدبہ جا رہے تھے اور کسی کی طرف نہیں پلٹتے تھے۔ اور اللہ کا رسول تم کو پکارتا تھا تیجھے سے، پس پہنچا یا اللہ تعالیٰ نے تم کو غم پر غم۔ تاکہ تم اُس چیز پر غم نہ کرو۔ جو تم سے فوت ہو گئی ہے۔ اور نہ اس پر جو تم کو پہنچی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اُن کاموں کی خبر رکھنے والا ہے، جو تم کہتے

ہو (۱۵۳)

رابطہ آیات

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور منافقین کی بات ماننے سے منع فرمایا۔ اور اس سے پہلے سابقہ انبیاء کرام اور اُن کے متبعین کا سوہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خبردار کیا کہ اگر کافروں اور منافقوں کی بات مانو گے تو وہ تمہیں الٹا جاہلیت کی طرف لے جائیں گے۔ اور تمہیں تمہارے پاکیزہ نظریات سے برگشتہ کر دیں گے جو کہ تمہارے لیے سخت نقصان کا باعث ہو گا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ تمہیں مخالفین کے پراپیگنڈا سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر مکمل بھروسہ کرنا چاہیے۔ وہی تمہارا آقا اور مددگار ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی بیان ہو چکا ہے۔ کہ کفار و مشرکین کے نظریات باطل ہیں وہ دہم میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دے گا۔ وہ جہنم کے مستحق ہیں، لہذا اُن کی بات کو کسی طور تسلیم نہیں کرنا۔

غزوہ احد  
سہری جائزہ

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے۔ کہ اے اہل ایمان! اگر تم تقویٰ اور صبر کی راہ پر مستقیم رہو گے، تو یقیناً تم کو بلندی حاصل ہوگی۔ چنانچہ جنگ احد کے ابتدائی حصہ میں حالات مسلمانوں کے حق میں تھے۔ کافر تعداد میں بھی زیادہ تھے، اور اُدھر مسلمانوں کے ایک ہزار مجاہدین میں سے تین سو کا لشکر عبداللہ بن ابی منافق کی معیت میں پہلے ہی علحدہ ہو گیا۔ کافروں کے پاس سامان حرب کی بھی فراوانی تھی مگر مسلمانوں کے پاس محض واجب سامان تھا۔ اس کے باوجود ابتدائے جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور اللہ نے غلبہ



عطا فرمایا۔ بیس کے قریب کافر واصل بجنم ہوئے۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ دو ترک بھاگتے چلے گئے۔ مگر مسلمانوں کی ایک کوتاہی کی وجہ سے جنگ کا پانسہ پٹ گیا اور اہل اسلام کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پہاڑی پر حضرت عبداللہ بن جبریرؓ کی قیادت میں پچاس تیر اندازوں کی ایک جماعت مقرر کی تھی اور انہیں حکم دیا تھا کہ ہمیں فتح ہو یا شکست تم اپنے مورچے کو مت چھوڑنا۔ جب تیر اندازوں نے دیکھا کہ نیچے مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی ہے دشمن بھاگ نکلا ہے، تو ان میں اختلاف رائے پیدا ہوا کہ آیا انہیں اپنے مورچے کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہیں ٹوٹے رہنا چاہیے۔ ان کے قائد کی رائے یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق انہیں یہیں موجود رہنا چاہیے۔ تاہم اکثریت کی رائے تھی کہ حضور کا موجود رہنے کا حکم مسلمانوں کی فتح تک کے لیے تھا۔ اب جب کہ فتح حاصل ہو گئی ہے تو اب وہاں ٹھہرنا کچھ ضروری نہیں رہا۔ چنانچہ تیر اندازوں کی اکثریت پہاڑ سے نیچے اتر کر مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئی۔ اور پہاڑی پر حضرت عبداللہؓ کے ہمراہ صرف دس آدمی باقی رہ گئے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد صحیح امی ہے الحرب خدعة یعنی لڑائی دھوکے سے ہوتی ہے۔ اس ہتھیار کو کفار کے رسالہ کے کمانڈر حضرت خالد بن ولیدؓ نے آزمایا، جو ابھی تک دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ وہ اپنے دستہ کے تین سو گھوڑ سواروں کے ہمراہ اس پہاڑی پر حملہ آور ہوئے جسے مسلمان تیر انداز چھوڑ چکے تھے۔ پہاڑی پر موجود دس گیارہ مجاہدین کی جماعت حملہ کی تاب نہ لاتے ہوئے شہید ہو گئی۔ کفار کے بھاگتے ہوئے سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان کا رسالہ مسلمانوں کے عقب میں پہنچ گیا ہے، تو وہ بھی واپس لوٹے اور اس طرح مسلمان جو پہلے ہی قلیل تعداد میں تھے کفار کے دو لشکروں کے درمیان گھبر گئے۔ ان میں ایسی افراتفری پھیلی کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہونے لگے۔



حضرت حذیفہؓ کے والد حضرت یمانؓ اسی افراتفری میں شہید ہو گئے، خود حضور علیہ السلام کا رخسار مبارک زخمی ہوا۔ ہونٹ پھٹ گیا۔ اور نیچے کا ایک دانت مبارک شہید ہوا۔ خود کی کھڑیاں ٹوٹ کر سر مبارک میں داخل ہو گئیں۔ خون بہنے لگا۔ آپ علیہ السلام پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور آپ زمین پر گر گئے۔ آپ کا دفاع کرنے والے دس میں سے نو مسلمان شہید ہو گئے۔ بعض مجاہدین نے زبردست جرأت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت طلحہؓ کے ہاتھ پر نیزے اور تیر کے زخم آئے جس سے ہاتھ شل ہو گیا۔ ابو دجانہؓ نے اپنی پشت کو ڈھال بنا کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا۔

مسلمانوں کو  
تنبیہ

ان حالات کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان کی غلطی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور ساتھ تسلی بھی دی ہے۔ کہ یہ واقعہ تمہارے لیے آزمائش تھی۔ اس ابتلا سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ بَشِكِ اللَّهُ تَعَالَى نَے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اِذْ تَحْسَبُوْنَهُمْ بِاِذْنِهِ جَبَ تَمَّ اللّٰہ کے حکم سے کافروں کو کاٹ رہے تھے اُن کو تیغ کر رہے تھے۔ اور وہ وعدہ یہی تھا۔ کہ اگر تم تقویٰ اور صبر سے کام لو گے تو تمہاری مدد کی جائیگی۔ چنانچہ ابتلا نے جنگ میں اللہ نے تمہاری مدد فرمائی تم اُن پر غالب آئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے جس کا معنی محسوس کرنا، پشت پر مالش کرنا، کاٹنا، استیصال کرنا وغیرہ آتا ہے۔ یہاں پر کاٹنا یا استیصال کرنا زیادہ مناسب حال ہے، مقصد یہ کہ ابتلا نے جنگ میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں کفار پر غلبہ عطا کیا حتیٰ اِذَا فِشَلْتُمْ حتیٰ کہ جب تم بزدل ہو گئے۔ وَتَنَادَعْتُمْ فِي الْاَمْسِ اور تم نے آپس کے معاملہ میں جھگڑا کیا۔ یعنی بعض نے کہا کہ ہمیں اس پہاڑی پر قائم رہنا چاہیے۔ جب کہ دوسروں نے کہا کہ اب اس کی ضرورت نہیں ہے لہذا انہوں نے مورچہ چھوڑ دیا۔ جنگ کے موقع یہ اختلاف رائے ہی نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ پوری فوج کو



یک جان ہو کر دشمن کو مقابلہ کرنا چاہیے۔ آگے سورۃ انفال میں آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ پر میں تنازعہ نہ کیا کرو۔ اس سے تفرقہ پڑ کہہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے فوج بزدل ہو جاتی ہے۔ اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ دشمن پر اس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔ لہذا جنگ کے دوران مکمل یک جہتی کی فضا برقرار رہنی چاہیے۔

غزوہ حد کے موقع پر یہ حالت برقرار نہ رہ سکی تین سو افراد کا گمروہ مدینہ سے روانگی کے وقت ہی علیحدہ ہو گیا تھا اس کے علاوہ مقام جنگ کے متعلق بھی مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہوا۔ کچھ لوگ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے اور بعض دوسرے شہر کے اندر مورچہ بندی کرنا چاہتے تھے اور پھر آخری اختلاف یہ ہوا کہ حضور علیہ السلام کی مقرر کردہ پچاس تیر اندازوں کی جماعت اپنے مورچہ پر قائم نہ رہی۔ درحقیقت یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی تھی۔ چنانچہ اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَعَصَيْتُمْ حَاوِمَ تم نے نافرمانی کی مَا آرَاكُمْ مَّا حَبِئْتُونَ بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھا دی جو تم پسند کرتے تھے، تمہاری پسندیدہ چیز تو فتح تھی جو تم نے دیکھ لی۔ دشمن بھاگ رہا تھا اور تم مال غنیمت اکٹھا کر رہے تھے۔ اس کے بعد تم نے نافرمانی کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوج میں ابتری پھیل گئی۔ اور تمہاری فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔

طلب دنیا اور طلب آخرت

فرمایا یہ صورت حال اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا تم میں سے بعض لوگ ایسے تھے جو دنیا کے طالب تھے یہ انہی تیر اندازوں کی طرف اشارہ ہے، جو مورچہ کو چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔ مال غنیمت کے اسی تعاقب کو حصول دنیا سے تغیر کیا گیا ہے وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ اور تم میں سے بعض دوسرے تھے جو آخرت کے طالب تھے۔ پچاس میں سے صرف دس گیارہ آدمی رہ گئے تھے جو حضور علیہ السلام کے حکم کی تعمیل میں مورچے پر قائم رہے اور شہید ہو گئے۔ بلاشبہ انہوں نے دنیا کے مقابلے میں آخرت



کو ترجیح دی۔ یہی لوگ آخرت کا ارادہ کرنے لگے تھے۔ فرمایا تم صرف تمہارے  
 پھر تم کو اُن سے پھیر دیا۔ ابتداء میں تم کافروں پر غالب آچکے تھے مگر اس  
 نافرمانی کی وجہ سے تم کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ کافروں کے ایک لشکر نے پیچھے سے  
 حملہ کر دیا اور دو سکر لشکر نے واپس ملٹ کر مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔  
 فرمایا یہ سب کچھ اس لیے ہوا۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائش  
 میں ڈال دے۔ مقصد یہ کہ میدانِ احد میں کفار کا جو پہ بھاری ہو گیا تھا۔ یہ مسلمانوں کی  
 آزمائش تھی کہ وہ اس قسم کے نامساعد حالات میں بھی کس حد تک ثابت قدم رہتے  
 ہیں۔ انسانوں کو اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔

اس مقام پر بعض حضرات نے غلطی کھائی ہے کہ کیا بعض صحابہ کرام واقعی  
 دنیا کے طالب تھے۔ سچی بات یہ ہے کہ تمام صحابہ سچے اور مخلص اہل ایمان تھے  
 ان میں محض دنیا کا طالب کوئی بھی نہیں تھا۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے  
 ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے وہ اپنے مقربین کی معمولی سی لغزش کا بھی  
 نوٹس لیتا ہے۔ صحابہ کرامؓ بڑے پائے کے ربی لوگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن  
 کی اس معمولی سی غلطی پر بھی انہیں آزمائش میں ڈال دیا۔ اس موقع پر انکا مال غنیمت  
 کا تعاقب بھی محض دنیا کے لیے نہیں بلکہ آخرت ہی کے لیے تھا۔ شرعی  
 قانون کے مطابق مال غنیمت میں سے ہر مجاہد کو حصہ ملتا ہے، خواہ وہ خود سے  
 جمع کرے یا کوئی دوسرا یہ فرض انجام دیتا ہے۔ لہذا اُن صحابہ کا مورچہ چھوڑ کر مال غنیمت  
 جمع کرنا اس وجہ سے نہیں تھا۔ کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو حصہ سے محروم  
 ہو جائیں گے، بلکہ یہ فریضہ بھی وہ تمام مسلمانوں کے مشترکہ مقصد کی خاطر ہی ادا کر  
 رہے تھے۔ لہذا مال غنیمت کے تعاقب کو طلبِ دنیا سے تعبیر کرنا درست  
 نہیں ہے۔ اُن کے دو سکر ساکتی جو مورچے پر قائم رہے اور غنیمت کا کچھ  
 خیال نہ کیا، وہ دنیا کی طلب کے بغیر محض آخرت کے طالب تھے۔ گویا دونوں  
 گمراہ درحقیقت آخرت ہی کے طلبکار تھے۔ ایک گمراہ دنیا کے راستے



آخرت کا طالب تھا اور دوسرا براہ راست آخرت چاہتا تھا۔ دنیا سے رغبت کسی کو نہ تھی چونکہ اس وقت مال غنیمت سامنے موجود تھا، اس لیے اسے طلب دنیا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بائیں ہمہ صحابہ کرامؓ کی دنیا داری سے مراد وہ دنیا طلبی نہیں ہے جو ہماری اور بعد میں آنے والے لوگوں کی ہے۔ ہم لوگ دنیا کے خواہشمند بالذات ہیں جب کہ صحابہ کرامؓ طالب دنیا بالذات نہیں تھے۔ بلکہ طالب بالعرض تھے یعنی آخرت کی خاطر دنیا کے طالب تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی تنبیہ فرمادی۔ یہ ایک آزمائش تھی۔

غلطی معاف ہوگئی

اس آزمائش کے بعد فرمایا وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ اللہ تعالیٰ نے تمہاری غلطیوں کو معاف فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جسے اللہ معاف فرمادے، وہ پاک ہو گیا۔ یہ غلطی کوئی قصداً یا عمداً نہیں ہوئی۔ بلکہ اجتہادی غلطی تھی جسے اللہ نے معاف کر دیا۔ صحابیہ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو ڈرانا بھی ضروری ہے اور مال غنیمت اکٹھا کرنا بھی لازم ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل ہو۔ چنانچہ اس بات پر اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمادی اور ساتھ تسلی بھی دے دی کہ اللہ نے تمہاری غلطی معاف کر دی ہے کیونکہ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر فضل کرنے والا ہے

مسلمانوں کو زبوں حالی

آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اس زبوں حالی کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جب کہ وہ سخت افراتفری کے عالم میں مبتلا ہو گئے تھے ارشاد ہے اِذْ تَصْعَدُ وُنْ جب تم اوپر جا رہے تھے۔ صعود کا معنی اوپر چڑھنا بھی ہے اور دور چلے جانا بھی۔ مقصد یہ ہے کہ جب کفار نے تم پر دو طرف سے حملہ کر دیا، تو تم دباؤ میں آگئے اور ان کے سامنے ٹھہرنے لگے۔ تم دور تک چلے گئے حتیٰ کہ پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ وَلَا تَلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ کسی کی طرف توجہ نہیں کر رہے تھے۔ حالانکہ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْلَاقِكُمْ اللہ کا رسول تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا۔ آپ فرما رہے تھے اِلٰی يٰۤاَعْبَادَ اللّٰهِ اللہ کے بندو! میری طرف آؤ، میں تو یہاں ہوں۔ حضور علیہ السلام کی شہادت کی افواہ نے لوگوں میں



سخت بددلی پیدا کر دی تھی۔ کافروں کا دباؤ پڑا۔ تو مسلمان بھاگ نکلے اور ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کو معاف کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اُس واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا فَكَثَابَكُمْ عَمَّا بَغِمَ تَمِیْسِ عَمِّ بِرِغَمِ دِیَا۔ ایک شکست کا غم، دوسرے حضور علیہ السلام کی شہادت کا غم تھا فرمایا یہ آزمائش اس لیے ڈالی گئی تھی لَکِنَّا لَا تَحْزَنُوا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو تم سے فوت ہو گئی ہے۔ یہ تو ابتلا تھی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کوئی استاذ اپنے شاگرد کی اصلاح کے لیے اُسے سزا دیتا ہے مقصد تمہاری اصلاح تھا تاکہ آئندہ اس قسم کی غلطی سے بچ جاؤ۔ نیز فرمایا ایسی چیز پر بھی غمگین نہ ہو وَلَا مَّا أَصَابَكُمْ جَوْتُمْ کُوبَیْجِی ہے۔ یعنی جو تکلیف اور پریشانی تمہیں آئی ہیں۔ نہ اُن پر زیادہ فکر مند ہو اور نہ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ یعنی اگر فتح حاصل نہیں ہو سکی۔ تو کوئی بات نہیں۔ فخر مت کرو۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بہتر فتوحات عطا کرے گا۔ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات موجود ہے۔ کہ تمہاری غلطی محض اجتہادی غلطی تھی، لہذا اللہ نے اس غلطی کو معاف کر دیا آئندہ محتاط رہو۔

مسلمانوں پر عقوبت سے حملہ ہونے کی وجہ سے جب یہ افواہ اڑ گئی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں اور لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو اللہ کے رسول نے آواز دی کہ بھئی! میں تو یہاں ہوں۔ پہلے تو کسی نے آپ کو پہچانا ہی نہیں۔ مگر بعد میں آپ کے صحابی حضرت کعبؓ نے آپ کو پہچان لیا اور مسلمانوں کو آواز دی کہ اللہ کے رسول یہاں زندہ سلامت موجود ہیں۔ اس پر لوگ پھر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ اُس موقع پر ابوسفیان نے پکار کر کہا ابن ابی کبشہ کہاں ہے۔ قریش مکہ حضور علیہ السلام کو خاندان رضاعت کی بنا پر یہ لقب دیتے تھے۔ اور اس سے آپ کی (غوذ باللہ) تحقیق مقصود ہوتی تھی۔ پھر ابوسفیان نے کہا ابن ابی قحافہ کہاں

اہل اسلام اور  
کفار میں مکالمہ



ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی کنیت تھی۔ وہ سمجھا کہ سب شہید ہو گئے ہیں آگے سے کوئی جواب نہیں آرہا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے جواب دیا، اللہ کے دشمن! ہم سب یہاں موجود ہیں۔ اللہ کا رسول بھی ہے۔ ابو بکرؓ بھی ہے اور میں عمرؓ بھی ہوں۔ ابوسفیان نے نعرہ مارا اُعلِ صبل یعنی صبل کی بجے۔ اس پر حضور علیہ السلام نے جوابی نعرہ لگایا اللہ اعلیٰ واجل اللہ ہی سب سے بڑا اور بزرگ ہے۔ ابوسفیان نے پھر کہا لنا العزائی ولا عزائی لکم ہمارا حامی عزئی ہے۔ اور تمہارا کوئی عزئی نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تم لوگوں کو اللہ مولانا ولا مولائی لکم ہمارا مولا اللہ ہے۔ اور تمہارا کوئی مولا نہیں۔ اُس نے پھر کہا۔ کہ ہم نے تمہارے شہیدوں کے ناک بان کاٹ ڈالے ہیں۔ نہ میں نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ میں اس پر ناراض ہوں۔ غرض میدان جنگ میں اس قسم کے مکالمے کا تبادلہ ہوا۔ مسلمانوں نے ان پر دوبارہ حملہ کیا اور مرہ واپس لوٹ گئے۔

باقی تفصیلات اگلی آیات میں دو تین رکوع تک آئیں گی۔



ال عمران ۳

آیت ۱۵۲ تا ۱۵۵

لن تنالوا

درس پنجاہ و سہ ۵۳

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نَفَاسًا  
يَغْشَى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ  
أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ  
يَقُولُونَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ  
الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّهِ يُخَفُّونَ فِي أَنفُسِهِمْ مَا لَا  
يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ  
شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِي  
بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ  
إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ  
وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ  
الصُّدُورِ ①۵۲ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى  
الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا  
وَلَقَدْ عَفَا اللّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ①۵۵

۱۵۵

ترجمہ: پھر اتارا اللہ نے تمہارے اوپر غم کے بعد امن اور نگھ جوڑ دیا۔ یہی تھی ایک  
گمروہ کو تم میں سے۔ اور ایک گمروہ ایسا تھا کہ ان کو فخر مند کیا تھا ان کی جانوں نے۔  
وہ گمان کرتے تھے اللہ کے بارے میں ناحق خیال، جاہلیت کا خیال۔ وہ کہتے تھے  
کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ آپ کہہ دیجئے معاملہ سب کا سب اللہ



کے ہاتھ میں ہے۔ یہ اپنے نفسوں میں اُن باتوں کو چھپاتے ہیں، جن کو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر معاملے میں ہمارے لیے کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہ دیجئے، اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو وہ لوگ نکلنے جن پر قتل کیا جانا لکھ دیا گیا ہے اپنی قتل گاہوں کی طرف تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے اُس چیز کو جو تمہارے باطن میں ہے۔ اور تاکہ صاف کر دے اللہ تعالیٰ اُس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو جانتا ہے (۱۵۴) بیشک تم میں سے وہ لوگ جنہوں نے نُشْت پھیری جس دن دو جہنمتوں کی آپس میں ٹکڑ ہوئی۔ بیشک اُن کو پھسلا یا شیطان نے اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے اُن کو معاف کر دیا ہے بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا اور بے دربار ہے (۱۵۵)

رَبِّ اٰیٰتِ اِن آیات کا تعلق بھی غزوہ احد ہی سے ہے۔ اس جنگ کی تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ اس جنگ کے دوران مسلمانوں کی کوتاہی کی بنا پر اُن پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ابتدائی فتح حاصل ہونے کے بعد مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ بہت سے اکابر صحابہ شہید ہوئے خود حضور علیہ السلام زخمی ہو گئے حتیٰ کہ آپ کی شہادت کی خبر بھی مشہور ہو گئی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی غلطی کو معاف فرما دیا۔ کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ فتح حاصل کرنے کے باوجود وہاں بھڑنے سکے بلکہ واپس بھاگ گئے۔ آج کے درس میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر مہربانی فرما کر کس طرح اُن کے غم و اندوہ کو اطمینان میں بدل دیا۔

ارشاد ہوتا ہے۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اٰمَنَةً

پھر اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد تم پر امن کی حالت نازل فرمائی۔ اور وہ امن کیا تھا نَعَسًا اُونِجْھ بھتی، جو تم پر طاری ہو گئی۔ امام ابو بکر حباصؓ فرماتے ہیں کہ دوران جنگ یند یا اونگھ کا وار د ہو جانا حضور علیہ السلام کی نبوت و صداقت کی عظیم دلیل

دوران  
جنگ یند



اور معجزہ ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت یہ تھی کہ بہت سے مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ بہت سے زخمی حالت میں تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود زخمی تھے۔ یہ تو سخت پریشانی کا عالم تھا۔ انسان کو نیند تو کجا ذرا سا چین بھی نصیب نہیں ہو سکتا ایسی حالت میں نیند کا آجانا اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی تھی۔ اور عام قانون بھی یہی ہے کہ اگر لڑائی کی حالت میں نیند طاری ہو جائے تو مستح و کامیابی کی علامت ہوتی ہے۔ یہ ایک نیک فال ہوتا ہے۔ کیونکہ تھکے ماندے پریشان حال شخص کو کچھ دیر کے لیے نیند آجائے، تو اُسے سکون حاصل ہو جاتا ہے۔ پریشانی دُور ہو جاتی ہے۔ اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ نیند کی حالت صرف خالص ایمان والوں پر طاری ہوتی تھی۔ منافق اس نعمت سے محروم ہے۔ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ نیند یا اونچھ بھی ایسی طاری ہوئی کہ ہاتھ سے تلوار گمہ پڑتی تھی جسے پھر اٹھانا پڑتا تھا، غرض اللہ تعالیٰ نے نیند کے ذریعے اہل ایمان کا غم دُور کر دیا، اُن کا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ پھر سے تازہ دم ہو گئے۔ سورۃ نبا میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا" اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث سکون بنایا ہے۔ اور یہ سکون اہل ایمان کو عین جنگ کی حالت میں حاصل ہوا۔ یَفْشَى طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ یہ اونچھ ڈھانپ رہی تھی تم میں سے ایک گمہ وہ کو جو بچے سچے مسلمان تھے۔ منافقوں کو یہ چیز نصیب نہیں ہوئی۔

فرمایا منافقوں کی حالت اُس وقت یہ تھی وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ کہ اُس گمہ وہ کو اُن کی جاہیں فکر مند کر رہی تھیں اُن کو چین نصیب نہیں ہوا۔ بلکہ وہ تو خوفزدہ ہو رہے تھے۔ کہ اب پتہ نہیں کیا ہو گا۔ ہم اس مشکل سے نکل سکیں گے یا نہیں۔ اُن کے دلوں میں طرح طرح کے باطل خیالات آ رہے تھے يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ عَيًّا الْحَقُّ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناحق گمان کرتے تھے۔ غلط خیال قائم کرتے تھے۔ کہ شاید اللہ اُن کی مدد نہیں کرے گا۔ اور انہیں مستح حاصل نہیں ہوگی۔ اور یہ گمان ایسے ہیں ظَنُّ الْجَاهِلِيَّةِ جاہلیت والے گمان ہیں۔ اور ساتھ ساتھ عقیدہ تقدیر کی تکذیب بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ جو کچھ ہو

منافقوں کا  
شبہات



رہا ہے یا آئندہ ہونے والا ہے وہ مشیت الہی کے مطابق جو کچھ اللہ کی تقدیر میں  
موجود ہے، وہ ہو کر رہے گا۔ تقدیر طبل نہیں سکتی۔ مومن تو اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو  
بھی خیر و شر آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت، ارادے اور مشیت سے آتا ہے۔ مگر  
منافقین زمانہ جاہلیت کے گندے عقائد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں يَقُولُونَ هَلْ لَنَا  
مِنْ الْأَمْرِ شَيْءٌ کیا معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہے؟ یعنی ہمیں تو غم  
پر غم پڑ رہا ہے کیا ہمارے لیے اچھائی میں بھی کچھ حصہ ہے؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا  
ہے قُلْ إِنْ الْأَمْرُ كَانَ لِلَّهِ اے نبی علیہ السلام آپ کہہ دیجئے کہ سارے کا سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے  
اُس کے ارادے اور مشیت میں کسی کو مجاز و دخل نہیں وہ جو چاہے کرتا ہے اللہ تعالیٰ بتلا ہے ہیں کہ ان منافقوں  
کی حالت یہ ہے کہ يُخَفُّونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ یہ لوگ اپنے نفسوں میں منافقانہ  
سازشوں اور گندے خیالات کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔

موت کا وقت

مقرر ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہیں کہ یہ بد بخت اپنی منافقت کا انداز ان الفاظ میں  
کہہ رہے ہیں۔ يَقُولُونَ كَوْكَبٌ لَنَا مِنْ الْأَمْرِ شَيْءٌ مآقت لَنَا  
لہم ہمارا کتبہ ہے۔ کہ اگر معاملے میں ہمارے لیے بھی کچھ ہوتا، تو ہم یہاں قتل نہ کئے  
جاتے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کو ہماری بھلائی منظور ہوتی تو ہمارے اتنے آدمی شہید نہ ہوتے  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا یہ خیال باطل محض ہے۔ کہ اگر جنگ میں شریک نہ ہوتے  
تو بچ جاتے۔ بلکہ فرمایا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ اگر تم اپنے گھروں میں بھی  
پڑے ہوتے لبرذ الذین کتب علیہم القتل الى مضاجعہم  
تو جن لوگوں کی تقدیر میں موت لکھی جا چکی ہے وہ اپنے قتل گاہ کی طرف ضرور نکل  
آتے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کے علم میں ہے کہ فلاں شخص کی موت کس مقام اور کس وقت  
پر واقع ہوگی۔ لہذا یہ ان کی خام خیالی ہے کہ اگر گھروں میں بیٹھ رہتے تو قتل نہ ہوتے  
جن خداوند کریم نے ان کے قتل کا مقام مقرر فرما دیا وہ ان کے اس مقام پر پہنچ  
جانے کا انتظام بھی فرما دیتا۔ لہذا اس قسم کے باطل خیالات دل میں نہیں لانے  
چاہئیں بلکہ تقدیر خداوندی پر راضی ہو جانا چاہیئے۔



مومن کی  
آزمائش

تقدیر پر ایمان لانا ایک مومن کا جزو ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے بغیر کوئی چیز واقع نہیں ہوتی۔ جو انسان پیدا کیے گئے ہیں۔ ان کے حوادث بھی ان کے ساتھ مقدر ہیں۔ غزوہ احد میں جو تکلیف پہنچی وہ مسلمانوں کے مقدر میں لکھی جا چکی تھی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت یوں بیان فرمائی وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے اُس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے ایسی ہی مشکل صورت حال میں کھڑے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ مقصد یہ تھا کہ آزمائے دیکھا جائے کہ ان میں سے کون سچے مومن ہیں اور کن کے دلوں میں کھوٹ موجود ہے۔ چنانچہ منافقین کا ایک گروہ توحید کی طرف آتے ہوئے ملتے کھلتے ہی واپس ہو گیا۔ اور جو میدان جنگ میں پہنچ گئے، ان میں سے بعض کے دلوں میں مختلف دوسوے پیدا ہونے لگے۔ کہ ہمیں فتح کیوں نہیں حاصل ہو رہی ہے اور یہ کہ اگر ہم اس جنگ کے لیے باہر نہ نکلتے تو شاید قتل ہونے سے بچ جاتے وغیرہ وغیرہ، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے کھڑے اور کھوٹے کی آزمائش فرمائی۔ کیونکہ جو راسخ العقیدہ مسلمان تھے وہ ہر حالت میں ثابت قدم رہے۔

اس آزمائش کی دوسری حکمت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلِيُخَيِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اُس چیز کو صاف کر دے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ مطلب یہ کہ دلوں میں جو مختلف دوسوے اور شبہات پیدا ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دور کر کے اہل ایمان کے دلوں کو ایسی اشیاء سے پاک صاف کر دیا۔

اس مقام پر آزمائش کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے صدور کا لفظ فرمایا کہ تمہارے سینوں میں جو بات پوشیدہ ہے اس کو آزمائے۔ اور آگے جہاں پاک صاف کرنے کا ذکر ہے وہاں قلوب کا لفظ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقیدہ، ایمان اور اخلاص کا مرکز دل ہے لہذا اس کی پاکیزگی کی ضرورت ہے تاکہ انسان کا عقیدہ اور ایمان درست ہو جائے اور اس میں دین کے لیے اخلاص پیدا ہو جائے۔



یہی وجہ ہے کہ مومن لوگ امتحان میں بالکل پاک صاف ہو کر نکلتے ہیں۔ جب کہ روگی دل والے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ بہر حال اللہ نے فرمایا کہ اس آزمائش کے ذریعے ہم نے تمہارے دلوں میں موجود میل کچیل کو صاف فرما دیا۔ تمہیں احساس ہو گیا کہ فلاں غلطی کی وجہ سے ہم پر یہ سختی آئی ہے۔ لہذا آئندہ کے لیے خبردار اور مستعد ہو گئے۔ اسی لیے علامہ اقبال کہتے ہیں ”مرد را در بلا روز صفا است“ یعنی مرد مومن کے لیے مصائب و مشکلات کا دن اس کے لیے بھنی صفائی کا دن ہوتا ہے۔ اسی طرح پرانے شعرا بھی کہتے ہیں

حوادث اور مصائب کی خوبی اللہ ہی کے لیے ہے کیونکہ یہ مصائب کمینوں کے لیے زنگ آلودگی اور شریف لوگوں کے لیے دلوں کی صیقل کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی طرح لوہے کی زبان سے کہلوا یا۔

میں تو فقط ایک ٹکڑا تھا۔ پھر تو نے مجھے مصائب میں ڈال کر تلواریں بنا دیا۔ اور حوادث کی گھردش نے میری دھار کو تیز کر دیا۔ مطلب یہ کہ انسان مصائب کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔ جب آزمائش آئے تو اس پر جزع فزع کرنے کی بجائے اُسے خوش دلی سے قبول کرنا چاہیے۔ اور اپنے عقیدے پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔

اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ریاضت و عبادت کا مقصد انسان کے نسمہ کی پاکیزگی ہے۔ نسمہ سے مراد روح ہے۔ جو مصائب و مشکلات میں پاک صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے نسموں کو پاک کر دیا۔ اُن کے دلوں کی کجیاں دور ہو گئیں۔ وَاللّٰهُ عَلَیْہُمْ اَبَدَاتِ الصُّدُورِ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے راز و نیاز کو جاننے والا ہے۔ اس سے تمہاری کوئی چیز پوشیدہ نہیں، خواہ وہ زبان پر ہو یا سینے میں ہو۔ لہذا اپنے نسمہ کو پاک صاف رکھو۔ اس میں بُرے خیالات کو جگہ نہ دو۔ ہر اچھائی اور تکلیف اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کے مطابق واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطابق وقتاً فوقتاً تمہارا



میتا رہتا ہے۔ اور مبارک باد کے مستحق ہیں وہ لوگ جو اس امتحان میں پورا اترتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرے مگر وہ کا ذکر فرمایا جو اس امتحان میں پورا نہ اتر سکے۔ اور پھر اس لغزش کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ تَمَّ مِنْ سَعْيِهِمْ وَهُمْ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ دَنِّهِمْ يَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَرَسُولِهِمْ يُخِذُ اللَّهُ جِزَاءَ الْكَافِرِينَ ۚ

پشت پھیری اُس دن، جس روز دو جماعتوں کی ٹڈ بھیسڑ ہوئی۔ اور یہ جنگ اہل اسلام اور کفار کے درمیان تھی۔ اس جنگ میں مسلمان سخت افراتفری کے عالم میں مبتلا ہو گئے اور ان کی اکثریت میدان جنگ سے بھاگ نکلی۔ صرف قلیل تعداد میں مخلص لوگ ثابت قدم رہے۔ اللہ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ تھی۔ إِنَّهَا اسْتَضَلُّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۚ اُن کے بعض اعمال یعنی کوتاہیوں کے سبب شیطان نے انہیں بھسلا دیا۔ تمام مسلمان بد دل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان میں سے بعض نے کمزوری دکھائی حالانکہ اس سے پہلے اسلام کے لیے ان کی بڑی بڑی قربانیاں موجود تھیں۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل ہیں جو سابقین الاولین اور پہلی ہجرت یعنی حبشہ کی ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں۔ مگر اس موقع پر ثابت قدم نہ رہ سکے۔ بعض بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اس موقع پر آپ کے دل میں کچھ کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے اکابر صحابہؓ شہید ہوئے۔ خود حضور علیہ السلام کو زخم آئے بلکہ شہادت کی خبر مشہور ہوئی۔ افراتفری کے عالم میں حضرت عثمانؓ کے پاسے ثبات میں لغزش آگئی، جبکہ شیطان مغل ہوا۔ اُس نے وسوسہ ڈالا اور پھر آپ ٹمک نہ سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے مگر جلد ہی دل کی وہ میل کچیل صاف ہو گئی۔ حضور علیہ السلام کے زندہ ہونے کی خبر ملی اور آپ واپس آ گئے۔ اس کے بعد پھر گھمسان کی لڑائی ہوئی اور کافروں کو بھاگتے بنی۔ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پھر راست قدم کھدوایا۔

بہر حال صحابہ کرامؓ کی یہ لغزش تھی کہ وہ ثابت قدم نہ رہ سکے، اللہ کا نبی اللہ کی طرف زخمی حالت میں موجود ہے، وہ پکار رہا ہے کہ اللہ کے بندو! کدھر جا رہے ہو، سے معافی

شیطان کا  
بھسلاؤ



اس طرف آؤ، یہ یقیناً غلطی تھی، جو بعض کوتاہیوں کی وجہ سے واقع ہوئی۔ شیطان نے دوسرا انداز ہی کی بجائے اس کے باوجود وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ وَاللَّهُ نے اُن کو معاف فرما دیا۔ پہلے بھی گنہگار چکا ہے۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ۔ اب پھر دہرایا جا رہا ہے کہ اللہ نے اُن غلطیوں سے درگزر فرمایا۔ لَقَدْ تَاكِيْدُ کے لیے ہوتا ہے۔ البتہ تحقیق اللہ اُن کو معاف فرما چکا ہے۔ صحابہؓ کی اس عام معافی کے بعد اب کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اُن پر نکتہ چینی کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں آتا ہے کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کیا کہ آپ جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ واقعہ ایسا ہی ہے۔ مگر اسی وجہ کیا تھی۔ وہ تو بخوبی شریک جہاد ہونا چاہتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام نے منع فرما دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور آپ کی زوجہ بیمار تھیں۔ اللہ کے رسول نے حضرت عثمانؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں ٹھہر جائیں آپ نے اُن کی تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ کی اس جنگ میں عدم شرکت کے باوجود اللہ تعالیٰ آپ کو شریک ہونے والوں جیسا اجر عطا کرے گا۔ اور اللہ کا رسول غنیمت میں ویسا ہی حصہ عطا کرے گا، جیسا کہ جہاد میں شرکت کرنے والوں کو ملیگا۔ بات واضح ہو گئی۔ کہ جنگ بدر میں حضرت عثمانؓ کی عدم شرکت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے تھی۔ حضور علیہ السلام کی سخت جگہ اسی دوران فوت ہو گئیں۔ اور حضور علیہ السلام نے حضرت عثمانؓ کو مال غنیمت سے برابر کا حصہ دیا۔ چنانچہ حدیث میں حضرت عثمانؓ کا نام بدری صحابہؓ میں موجود ہے۔

آپ پر یہ بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بیعت رضوان حدیبیہ میں بھی شریک نہیں ہوئے۔ اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کو حضور علیہ السلام نے کفار مکہ کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ اس وقت اس کام کے لیے آپ سے بہتر کوئی شخص نہیں تھا۔ اور بیعت رضوان کی ضرورت اس وقت پیش آئی جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی۔ بیعت رضوان



تو ان کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے سردھڑکی بازی لگانے کے لیے ہوئی تھی  
لہذا اس واقعہ میں ان کی شرکت کیونکر ممکن تھی۔ غرضیکہ لوگوں کا یہ اعتراض بھی قابل  
تنبہ نہیں۔

حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کی ان لغزشوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان  
کی معافی کا اعلان فرمادیا۔ لہذا جو شخص اس کے بعد بھی صحابہؓ کے بارے میں طعن تشنیع کا مرتکب  
ہوگا، اس کے اپنے ایمان میں فتور ہوگا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کے متعلق  
تو خود قرآن پاک میں ارشاد فرمایا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ "اللہ تعالیٰ  
ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ کو رضا الہی کی  
ڈگری حاصل ہو چکی ہے۔ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ "بیشک اللہ تعالیٰ  
بخشنش کرنے والا اور بے دربار ہے۔ وہ فوراً گرفت نہیں کرتا۔ بلکہ اہل ایمان  
کو موقع دیتا ہے۔ کہ اس قسم کی لغزشوں سے پرہیز کریں۔



لَنْ تَنَالُوا

ال عمران ۳

درس پنجاہ و چہار ۵۴

آیت ۱۵۶ تا ۱۵۸

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا  
وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا  
غُزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا تَدَاوَوْا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ  
اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ  
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ (۱۵۶) وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي  
سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ  
خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ (۱۵۷) وَلَئِنْ مِتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ  
لَا إِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ۝ (۱۵۸)

نہر جمعہ اے ایمان والو! تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائی بندوں سے  
کہا جب کہ انہوں نے زمین میں سفر کیا یا وہ مجاہد تھے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے  
تو نہ مرتے یا نہ مارے جاتے، تاکہ کمرے اللہ اس بات کو حسرت اُن کے دلوں  
میں۔ اور اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ  
تم کام کرتے ہو ۝ (۱۵۶) اور اگر تم اللہ کے راستے میں مارے گئے یا مر گئے  
البتہ بخشش اللہ کی جانب سے اور مہربانی، بہتر ہے اس چیز سے جس کو  
یہ جمع کرتے ہیں ۝ (۱۵۷) اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ تعالیٰ کی  
طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے ۝ (۱۵۸)

بطائت

گزشتہ دروس میں گزر چکا ہے اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کی خاص طور پر یقین فرمائی ہے۔  
ایک بات یہ کہ اے مسلمانو! صبر و استقلال سے کام لینا اور اللہ کے فرستادہ



انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا اسوہ اختیار کرنا۔ اور دوسری بات یہ کہ کافروں کا کتنا نہ ماننا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور خاص طور پر منافقین کے غلط پر اپنی پکینڈا سے متاثر نہ ہونے کی تلقین کی ہے۔ غزوہ احد میں تین سو منافق ابتداء ہی میں لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گئے جو کہ صریح غدار ہی تھے۔ پھر ان میں سے جو لوگ شریک جنگ بھی ہوئے، وہ بھی دل شکستگی کے ساتھ، گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ کس طرح انہوں نے بندہ کی کامنظاہرہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی وقتی شکست کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند کی صورت میں امن نازل فرمایا جب کہ منافق اس نعمت سے محروم ہے۔ انہیں اپنی جانوں کی فکر لاحق ہو رہی تھی۔ وہ ایسا محسوس کر رہے تھے کہ شاید وہ اب زندہ سلامت واپس نہیں جاسکیں گے۔ بہر حال آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی توجہ منافقین کی ایک اور سازش کی طرف لاکر اُس سے بچنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

منافقین کی تدبیر

ارشاد ہوتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا ایسے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ ان کفار میں منافقین کا گمروہ بھی شامل ہے۔ خاص طور پر اعتقادی منافق اس جماعت کے بدترین لوگ ہوتے ہیں، جن کے متعلق خود قرآن پاک کا فیصلہ ہے الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ یعنی ایسے منافقین کا ٹھکانا جہنم کے سب سے نیچے والے خطرناک گڑھے میں ہوگا۔ ان کی سازش اب یہ ہے۔ وَقَالُوا لَا تَخَافِهُمْ کہ انہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہا تھا۔ اور بھائی بندوں سے مراد مسلمان ہیں۔ اور یہ بات انہوں نے اُس وقت کہی إِذَا ضَلُّوا فِي الْأَرْضِ جب انہوں نے یعنی مسلمانوں نے زمین میں سفر کیا أَوْ كَانُوا عِزًى یا جب وہ جہاد میں شریک ہوئے یا طلب یہ کہ جب کبھی مسلمان تجارتی یا دیگر سفر پر گئے اور وہاں موت آگئی۔ یا پھر کسی جہاد میں شریک ہوئے تو شہادت نصیب ہوگئی۔ ایسی صورت حال میں منافقین کہنے



لگے تو مَکَانُوْا عِنْدَنَا اگرمیہ مسلمان ہمارے پاس ہوتے یعنی مذکورہ سفر پر نہ جاتے یا جنگ میں شریک نہ ہوتے تو کیا ہوتا مَکَانُوْا وَمَا قُتِلُوْا نہ وہ مرتے اور نہ مارے جاتے یعنی اُن کی جان بچ جاتی۔ دراصل منافق مسلمانوں کو سفر اور جہاد سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔ کہ یہی چیزیں ان کی موت کا سبب بن رہی ہیں، لہذا اُن کو نہ کسی سفر پر جانا چاہیے۔ اور نہ کسی جہاد میں شریک ہونا چاہیے۔ اس آیت کریمہ میں اِخْوَانِهِمْ کا لفظ توجہ طلب ہے۔ منافقین اور مسلمانوں کو بھائی بند کہا گیا ہے۔ اور یہ اس اعتبار سے کہ مدینے میں ہونے والے سارے قومی بھائی تھے۔ مختلف خاندانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود بیحیثیت قوم یہ لوگ بھائی بھائی تھے۔ ایسا بھی تھا کہ ایک ہی خاندان کے افراد ہونے کے باوجود بعض لوگ مسلمان ہو گئے، بعض منافق اور کافر رہے اور اُنہیں سے بعض یہودی تھے۔ لہذا یہ سب لوگ آپس میں ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اور پھر ان میں رشتہ داری اور قرابت بھی تھی، اس واسطے اخوان کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ منافق کافروں نے اپنے مسلمان بھائی بندوں سے کہا کہ تم خواہ مخواہ دور دراز کا سفر اختیار کرتے ہو اور جہاد میں شریک ہو کر اپنی موت کو دعوت دیتے ہو۔ ہماری طرح گھر میں بیٹھے رہتے تو تمہاری جان بچ جاتی۔

حشر ہیں

ایسی بات کرنے سے منافقین کا مقصود یہ ہے۔ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن مسلمانوں کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے۔ اُن کے دل میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ منافقین بات تو صحیح کہتے ہیں۔ واقعی اگر جہاد میں شریک نہ ہوتے تو ہمارے آدمیوں کی جان بچ جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ منافقین کی ایسی مایوس کن باتوں میں نہ آئیں۔ بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق جہاد میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوں کیونکہ دین اسلام اور مسلمانوں کی بقا اسی راز میں مضمر ہے۔

حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ



منافقین کے دلوں میں حسرت پیدا کر دے۔ اگر مسلمان کفار و منافقین کی اس چال میں نہ آئیں اور وہ سفر اور جہاد میں برابر شریک ہوتے رہیں تو یہ چیز خود منافقین کے لیے باعث حسرت ہوگی کہ ان کی تمام تر سعی کے باوجود مسلمان ان کے ہکا و بکا میں نہیں آئے، لہذا ان کے دلوں میں حسرت و یاس پیدا ہوگی اور وہ خود اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جلتے رہیں گے۔

موت و حیات  
کا سرشتہ

گزشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ موت و حیات کا سرشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مرنے والا جس شخص کی جس وقت موت مقرر ہو چکی ہے، لامحالہ اس میں سرور و فرق نہیں آسکتا، کوئی گھڑ میں بیٹھا ہے یا سفر و جہاد میں شامل ہو، موت کا وقت بہر حال معین ہے۔ کوئی بھی اس سے بچ نہیں سکتا۔ لہذا کفار و منافقین کا یہ کہنا کہ مسلمان جہاد میں شریک ہو کر خود موت کے منہ میں جاتے ہیں۔ ناقابل فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بات سمجھا دی کہ اگر اس قسم

کا عقیدہ مسلمانوں میں بھی پیدا ہو جائے تو یہ بہت بُری بات ہے۔ انہیں اپنے عقیدہ موت و حیات پر ثابت قدم رہنا چاہیے۔ کیونکہ واللہ یحییٰ ویکفیت و زندہ کرنا اور موت دینا تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ موت و حیات کا مالک تو وہ ہے جب تک چاہے کسی کو زندہ رکھے اور جب چاہے اسے اپنے پاس بلا لے۔ اس کی حکمت کو وہی مالک الملک جانتا ہے۔ محض جہاد میں شرکت موت کو دعوت دینے والی بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ دیکھیے حضرت خالد بن ولیدؓ اسلام کے عظیم سپاہی اور قابل جرنیل تھے۔ انہوں نے یہود کو اور موت جیسے عظیم معرکہ سر کیے۔ ان کے جسم کا ایک بالشت بمقام بھی لیا نہیں تھا۔ جہاں پر فیر، تلوار، یا نیزہ کا زخم نہ آیا ہو مگر میدان جہاد میں شہادت نصیب نہیں ہوتی۔ زندگی کے آخری حصہ میں افسوس کا اظہار کیا کرتے تھے کہ بے شمار جنگوں میں حصہ لیا۔ مگر تمام تر خواہشات کے باوجود شہادت نصیب نہیں ہوئی اور موت بستر پر آرہی ہے فرماتے تھے فَلَا قَرَّتْ أَعْيُنُ الْحَبِيبِ خُذْ اس بزدل کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کھے



جو موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہوتا۔ اسے میری حالت سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے میں نے کتنے جہاد کیے بسا اوقات دشمن کے ترغیب میں رہا ہوں مگر اُنکے ہاتھوں موت نہیں آئی۔ لہذا جہاد سے گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ موت کا خوف نہ لانا منافقت کی چال ہے اس سے خبردار رہنا چاہیئے۔ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ تم کام کرتے ہو۔

شہداء کے  
لیے انعام

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلٰكِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَوْ مَاتُمْ کی راہ میں شہید ہو گئے اَوْ مَاتُمْ یا طبعی موت مرے تو اس کا حاصل یہ ہو گا۔ لَكُمْ غُفْرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری بخشش کا اعلان ہو جائے گا۔ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ غلطیاں قلم زد کردی جائیں گی۔ اور یہ

بہت بڑی کامیابی ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کسی شخص کی عبادت کے پس منظر میں تین نظریات ہوتے ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی عبادت کرتا ہے۔ وہ مامورات اور منہیات کو اس لیے انجام دیتا ہے کہ کہیں خدا کی گرفت میں نہ آجائے۔ اُس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہوتا ہے فَصَحَّ زُحْرٍ عَنِ النَّارِ وَاَدْخَلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَاَنَّا کہ جس شخص کو دوزخ کی آگ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر لیا گیا، وہی کامیاب و کامران ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر عبادت گزار کو خدا کی جانب سے مغفرت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کہتا ہے جاؤ تمہاری غلطیاں معاف کردی گئی ہیں۔ غزوہ احد میں مسلمانوں سے غلطی ہوئی مگر وہ خاص خدا پرست لوگ تھے۔ جو نہی غلطی کا احساس ہوا، پھر اکھٹے ہو گئے اور جانبازی کا ثبوت دیا۔ انہوں نے بلاشبہ اللہ کی مغفرت حاصل کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ۔ اللہ نے ان کو معاف فرمادیا۔

مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں کہ عبادت کہہ تے وقت کسی شخص کے پیش نظر حمد و سراوی چیز ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتیں حاصل ہوں، اُس کی خوشنودی اور تقرب حاصل ہو اور اس کے صلہ میں اُسے بلند درجہ نصیب ہو۔ فرمایا ایسے شخص



کا مقام رحمت ہے۔ اسی لیے فرمایا اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کا صلہ  
 مغفرت اور رحمت ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ سمجھا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت  
 خیرٌ ممّا یجمعون ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو یہ دنیا میں اکٹھا کرتے ہیں۔  
 یہ چند روزہ دنیا ہے۔ اس کا مال و اسباب اور روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی کے  
 مقابلے میں صفر ہے۔ اصل چیز ایمان اور نیکی ہے۔ لہذا اس کو اختیار کرنا چاہیئے۔ اور  
 منافقوں کی چال میں نہیں آنا چاہیئے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ کسی  
 عبادت گزار کے پیش نظر تیسرا مقصود یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائے  
 وہ یہی دعا کرتا ہے اَسْئَلُكَ بِرِضَاكَ اے مولا اکرم! میں تیری رضا چاہتا ہوں۔  
 اور یہ سب سے بلند مقام ہے

اللہ کے  
 حضور پیشی

آگے ارشاد ہوتا ہے وَلَیِّنْ مِّمَّنْ اَوْ قَتَلْتُمْ اَکْرَمَ طَبِیْعِی مَوْت  
 مرو یا شہید ہو جاؤ لا الی اللہ تحسروُنَ تو لا محالہ تم سب خدا تعالیٰ کی طرف ہی  
 اکھٹے کیے جاؤ گے۔ مومن کا یہ ایمان ہے کہ مرنے کے بعد اُسے براہِ راست خدا تعالیٰ  
 کے حضور پیش ہونا ہے بعث بعد الموت پر اُس کا یقین ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ زندہ  
 رہنے میں ہی تمہارا فائدہ ہے، مرنے کے بعد محروم ہو جاؤ گے۔ بلکہ یاد رکھو! تمہیں  
 بہر حال اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ اور وہ باز پرس بھی کر سکتا ہے۔ لہذا موت  
 کے ڈر سے جہاد سے اجتناب نہ کرو۔ مجرم اور گنہگار بن کر رب العزت کے حضور  
 پیش نہ ہونا بلکہ ایسے اعمال لے کر حاضر ہونا جن کی وجہ سے تمہیں اللہ کی مغفرت  
 اور مہربانی حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منع فرمادیا کہ کافروں اور منافقوں  
 کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ ان کی سازش کا شکار نہ ہوں اور اپنے دین پر قائم رہیں۔



ال عمران ۳

آیت ۱۵۹ تا ۱۶۰

لن تنالوا

بغیر رس پناہ و شجہ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا  
 غَلِيظَ الْقَلْبِ لَأَفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ  
 وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا  
 عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ①۵۹  
 إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ  
 فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ  
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ①۶۰

ترجمہ: پس اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لیے نرم خو ہیں۔ اور اگر آپ سخت مزاج اور تنگ دل ہوتے، تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پراگندہ ہو جاتے ہیں ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے اللہ نے بخشش مانگیں اور معاملے میں ان سے مشورہ کریں۔ پس جب آپ نے پختہ ارادہ کر لیا، تو اللہ پر بھروسہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ①۵۹ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا، پس تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اور اگر وہ تمہیں رسوا کر دے تو کون ہے۔ جو اس کے سوا تمہاری مدد کرے۔ اور چاہیے کہ ایمان والے اللہ ہی پر بھروسہ کریں ①۶۰

رابطہ آیت گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا کہ کافروں کے ساتھ مشابہت نہ کریں۔ وہ تمہیں بزدل بنا کر دین اسلام سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جہاد میں شریک ہونے والا لازماً ہی



شہید نہیں ہوگا، بلکہ اگر اس کی زندگی باقی ہے، تو وہ میدان جنگ سے بھی زندہ سلا  
 واپس آئے گا۔ اور جس شخص کی موت بھی جاچکی ہے وہ اگر اپنے گھر میں بھی بیٹھا ہوگا  
 تو عین موقع پر اپنی قتل گاہ پر پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بھی یاد دلایا  
 کہ اگر وہ راہِ خداوندی میں شہید ہو گئے تو اللہ کی مہربانی ان کے شامل حال ہوگی۔ اور  
 دنیا کے اُس مال و متاع سے بہتر ہوگی جسے لوگ زندگی بھر اکٹھا کرتے رہتے ہیں۔  
 فرمایا کوئی طبعی موت مرے یا راہِ حق میں شہید ہو جائے، سب کو اللہ رب العزت  
 کی بارگاہ میں اکٹھا ہونا ہے، جہاں تمہاری بہتری کے وافر سامان موجود ہیں، لہذا موت  
 سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

اب آج کے درس کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام  
 کی تعریف فرمائی ہے۔ کہ اللہ کے فضل سے آپ نہایت ہی نرم دل، ہنشین اور  
 مہربان ہیں۔ اپنے صحابہ کے ساتھ حسن سلوک فرماتے ہیں۔ غزوہ احد کے موقع پر  
 انہوں نے غلطی ضرور کی۔ جس کی وجہ سے بہت سی تکلیف اٹھانا پڑی۔ مگر بہر حال  
 یہ لوگ مخلص تھے۔ آپ ان کی غلطیوں کی اصلاح فرمائیں اور آپ تنگ دل ہو  
 کہ ان پر ناراض نہ ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو دین کی تہ تیغ کر جائے گی اور مسلمانوں کی چھ  
 محوڑی سی جماعت قائم ہو گئی ہے۔ اس کے ٹوٹ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے اخلاق حمیدہ اور اپنی خصوصی عنایت  
 کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لَئِنْ لَّمْ يَكُنِ لَّكَ  
لَدُنَّا سَبَبٌ لِّنُتَّ لَّهُمْ آپ ان کے لیے نرم ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی  
 خاص مہربانی ہے کہ آپ کو اپنے صحابہ کے لیے نرم بنایا۔ یہاں پر فسح  
 میں مکا زاید ہے۔ عربی زبان میں یہ تاکید کے لیے آتا ہے اور اس کی مثالیں  
 قرآن پاک میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔ جیسے فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّثْقَلَهُمْ  
 پس یہ سبب بنی اسرائیل کے عہد و پیمان توڑنے کے ہم نے ان پر سختیاں کیں  
 اور ان کو گرفت میں لیا۔ عربی کلام مشہور شاعر ایشی بھی اپنے کلام میں مکا کا لفظ اپنی



معنوں میں استعمال کرتا ہے۔

اذہبی مالیک ادرکتی العلم

عدانی عن ہیکم اشفاق

جاؤ اب میرے اندر بہد باری آگئی ہے۔ تم جس شوق و محبت سے مجھے ابھارتی تھی وہ اب مجھ سے دُور ہو گئی۔ مجھے خود بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

بر حال یہ حکا تاکید ہے۔ اگر اس کو درمیان سے ہٹا بھی دیا جائے تو معنی

میں خاص فرق نہیں آئے گا جیسے فَبِرَحْمَةِ رَبِّكَ اللہ کی مہربانی سے

لَسْتُ لَهُمْ آپ اُن کے لیے نرم ہیں۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا اگر آپ تندہ

ہوتے یا سخت مزاج ہوتے، یا پھر غلیظ القلب تنگ دل ہوتے لَانْفَضُّوا

مِنْ حَوْلِكَ تو یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے پراگندہ ہو جاتے۔ یہ اللہ کا فضل عظیم

ہے کہ آپ عالی اخلاق اور نرم مزاج ہیں۔ آپ کی رحم دلی کا یہ عالم ہے کہ غزوہ لہد

میں جلیل القدر صحابہؓ کے ترتر بتر ہو جانے کے باوجود آپ نے اُن کو ملامت نہیں

کی اور نہ اُن کے سختی سے پیش آئے۔ آپ نے ہر ممکن حد تک صحابہ کی اصلاح

فرمائی ہے۔ اگر آپ دنیوی سلاطین کی طرح صاحب اقتدار ہوتے تو صحابہؓ کی

اس غلطی کا سختی سے نوٹس لیتے اور اُن کو سزائے کمر دیتے۔ مگر ایسی کوئی بات نہیں

ہوئی، کیونکہ آپ نرم دل اور شائستہ مزاج تھے۔ اگر آپ میں یہ عالی ظرفی نہ ہوتی، تو

لوگ آپ کے گرد جمع نہ ہوتے۔

بخشش معافی اس بات کا امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کچھ زنجش باقی رہتی

اور مشورہ کہ صحابہ کرامؓ نے خلافت تو قیام عمل کیوں کیا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سفارش

کمر دی فَاعْفُ عَنْهُمْ اے نبی کرمؐ اپنے صحابہ کی یہ لغزش معاف کر دیں

دل میں اُن کے متعلق کسی قسم کا رنج نہ رکھیں بلکہ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ ان کے

لیے اللہ تعالیٰ نے بخشش طلب کر دیں۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کے لیے اللہ

کا رسول بخشش طلب کرے گا۔ وہ ضرور فائز المرام ہوگا۔



اس بات کا بھی امکان تھا کہ حضور علیہ السلام کے دل میں کوئی رنج تو باقی نہ ہے مگر ان کی لغزش کی وجہ سے آئندہ آپ صحابہ سے مشورہ ہی نہ کیا کریں۔ جیسے غزوہ احد کے موقع پر کیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں بھی صاف فرمادیا وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ اور معاملات میں ان سے مشورہ فرمایا کہ میں حضور علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ جنگ یا دیگر معاملات میں صحابہ سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔

ہاں مشورہ کی ضرورت ان امور میں پیش آتی تھی جن میں وحی الہی کے ذریعے واضح حکم موجود نہیں ہوتا ہے کیونکہ جہاں اللہ کا حکم موجود ہو۔ وہاں اس کا اتباع لازم ہے، جیسا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ جیسے فرائض میں احکام الہی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر وحی نہ آئے تو پھر پیغمبر علیہ السلام اجتہاد بھی کرتے ہیں اور مشورہ بھی انکے معاملہ میں مہینہ بھر وحی نہ آنے کی وجہ سے آپ پریشان تھے۔ آپ منبر پر کھڑے ہو کر فرماتے تھے يَا أَيُّهَا النَّاسُ اسْتَشِيرُوا عَلِيَّ لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے، میں نے تو اپنی بیوی میں کوئی بُرائی نہیں دیکھی مگر بعض لوگ بُرائی کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔ پھر جب وحی نازل ہو گئی تو سارے اہم اور بہتان ختم ہو گئے، آپ کی تسلی ہو گئی اور مجرموں کو سزا دی گئی۔ منافقوں کو ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دے دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کے متعلق دور کو رخ نازل فرمائے۔

مشاورت  
کی مثالیں

حضور علیہ السلام نے بہت سے معاملات میں اپنے صحابہ کو اہم سے مشورہ کیا۔ غزوہ خندق کے موقع پر خندق کھودنے کا مشورہ سلمان فارسی نے دیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا حضور! میں نے اپنے ملک میں دیکھا ہے کہ جب دشمن ہجوم کرتا ہے۔ تو بے اوقات اپنے شہروں اور بستیوں کے ارد گرد خندق کھود کر دفاع کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس مشورہ کو شرف قبولیت بخشا اور خندق کھودنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مدینہ کی تین اطراف میں خندق کھود دیا گیا۔ اور ایک طرف خود دشمن کا دفاع کیا۔ مجاہدین صرف تین چار ہزار تھے۔ جب کہ مقابلے میں پچیس ہزار کا جم غفیر تھا۔ مشرکین نے بڑی تیاری اور سامان کے ساتھ حملہ کیا مگر ناکام ہے



آپ نے فرمایا، مشرکوں کا یہ آخری حملہ تھا، اُسندہ وہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کریں گے بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم ہی اُن پر حملہ آور ہوں گے۔

اسی جنگ کے دوران جب دشمن کا دباؤ زیادہ بڑھ گیا تو حضور علیہ السلام کا خیال ہوا کہ قبیلہ غطفان کے بعض سرداروں سے معاہدہ کر لیا جائے۔ آپ کا خیال تھا کہ مدینہ کے درختوں کی آمدنی یا پھل کا کچھ حصہ اس قبیلہ کو پیش کر دیا جائے اور اس کے بدلے میں اُن سے عہد لیا جائے کہ وہ مشرکوں کا ساتھ نہ دیں۔ معاملہ بڑا ہی نازک تھا۔ خطرے کی وجہ سے مسلمانوں کے دل اچھل کر گلے تک آ رہے تھے۔ اس منظر کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ احزاب یوں بیان فرمایا بَلَّغْتَ الْفَلُوبِ الْحَنَاجِرَ اُس تمام تر دباؤ کے باوجود مدینہ کے انصار صحابہ حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت حدید بن عبادہؓ نے حضور علیہ السلام کی رائے سے اتفاق نہ کیا بلکہ عرض کیا، حضور! ہم اپنے دفاع کی سرٹوڑ کو شش کر رہے ہیں، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے بہتری کا سامان پیدا کرے گا، مگر مدینہ کی آمدنی کا کچھ حصہ قبیلہ غطفان کو دنیا منظور نہیں ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان صحابہ کی رائے سے اتفاق کیا۔ آپ نے مجوزہ معاہدہ نہ کیا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی مدد فرمائی اور مشرک ناکام و نامراد واپس لوٹ گئے۔

اسی طرح غزوہ بدر کے موقع پر حباب بن منذر نے مشورہ دیا تھا کہ اگر ہم فلاں مقام پر پڑاؤ کریں تو ہمیں پانی اور دیگر ضروریات کے حصول میں سہولت ملے گی آپ نے اس رائے کو قبول فرماتے ہوئے اُسی مقام پر ڈیرا جمایا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی مسلمانوں کی مدد فرمائی اور انہیں فتح عظیم سے نوازا۔ غرضیکہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہیں جن میں نبی کریم علیہ السلام نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ کا واضح حکم بذریعہ وحی نہیں ملتا تھا تو آپ مشورہ بھی کرتے تھے اور اجتہاد بھی فرماتے تھے۔ گو یا اللہ تعالیٰ نے مشورہ کا قانون بھی سمجھا دیا۔

مشورے کی فقہی حیثیت کے متعلق بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ یہ

مشورہ کی فقہی حیثیت نبی علیہ السلام کے لیے مستحب تھا۔ مگر بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ



مشاورہ ہر امر کا صیغہ ہے۔ لہذا حضور علیہ السلام کا صحابہ سے مشورہ فرمانا  
 وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔ جو حضرات مستحب ہونے کے قابل ہیں وہ مندرجہ  
 ہیں کہ آپ کے لیے مشورہ کمنا ضروری نہیں تھا۔ بلکہ صحابہ کرام کی طیب خاطر کے  
 لیے تھا۔ امام ابو بکر جصاصؓ بہت بڑے مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ انہوں نے قرآن کے  
 احکام پر عظیم کتاب لکھی جس میں صرف احکام پر بحث کی گئی ہے۔ آپ حنفی امام تھے  
 رنی کے سینے والے تھے۔ یہ علاقہ بڑا مردم خیز خطہ ہوا جس میں امام عبدالقادر رازیؒ  
 عبداللہ بن مبارکؒ، امام فخر الدین رازیؒ وغیرہ ہوئے ہیں۔ امام ابو بکر جصاصؓ فرماتے  
 ہیں کہ مشاورہ ہر حکم کا حکم و جوہی جس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل نہ ہو  
 اس معاملہ میں حضور کا صحابہ سے مشورہ کمنا واجب تھا۔ البتہ یہ بات قابل غور ہے کہ  
 مشورہ کن صحابہ سے کیا جائے۔ ہر شخص تو مشورہ دینے کا اہل نہیں ہوتا۔ اس کا الگ  
 قانون موجود ہے۔ تاہم حضور علیہ السلام اکثر معاملات میں کبار صحابہؓ سے مشورہ فرمایا  
 کرتے تھے۔ آپ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق مشورہ کیا اور پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ  
 کی رائے کو تسلیم کیا اگرچہ حضرت عمرؓ کی رائے مختلف تھی۔ سند احمد کی حدیث میں  
 یہ الفاظ آتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ سے  
 فرمایا لو جمعتمہما ما خالفتكما اگر تم دونوں کسی معاملہ میں متفق ہو جاؤ۔  
 تو میں تمہارے خلاف نہیں کروں گا۔ یعنی تمہاری رائے کو اختیار کروں گا شیخانؒ  
 اور بعض دوسرے صحابہؓ نہایت ثقہ لوگ تھے، صاحب فہم، موقع شناس  
 اور سمجھدار تھے۔ لہذا آپ ایسے ہی لوگوں سے مشورہ فرمایا کرتے۔ غرضیکہ اکثریت  
 کی رائے یہ ہے کہ مشورہ کا حکم وجوہی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی فرماتے ہیں کہ مشاورت واجب ہے اور یہ خدا کے  
 لوگوں سے ہونی چاہیئے۔ مگر آج کے مسلمان امرا، ملوک اور سلاطین صحیح لوگوں سے  
 مشورہ کمنا ترک کر چکے ہیں۔ بد خلافت اس کے من مانی کارروائیاں کر رہے ہیں  
 جسکی وجہ سے قوم و ملت کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ جب خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم



مشورہ کرنے کے پابند تھے۔ تو کسی حاکم کو یہ حق نہیں پہنچتا وہ اصحابِ حل و عقد سے مشورہ کیے بغیر اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کے پیچھے چلتا ہے۔ ہماری تاریخ میں بنو عباس کے زمانے سے یہ مصیبت چلی آرہی ہے۔ کہ ملوک مشورہ سے معاملہ سلجھانے کی بجائے من مانی کرتے ہیں۔ اور اگر مشیر رکھے ہوئے ہیں تو ایسے جو محض اُن کی ہاں میں ہاں ملانے والے ہوں، جو کچھ صاحبِ اقتدار نے کہ دیا انہوں نے اُس پر ہر تصدیق ثبت کر دی۔ یہی چیز قوم کو تباہی کی طرف لے جانے والی ہے۔

حضرت علیؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، حضور! جو بات ہمیں قرآن و سنت میں نہ مل سکے اُس کے متعلق کیا طریقہ اختیار کیا جائے آپ نے فرمایا: شاوروا فقہاء العابدین یعنی دین میں سمجھ رکھنے والے اور نیک لوگوں سے مشورہ کیا کرو ولا تمضوا رایۃ الخاصة اور کسی خاص اُگے دُکے کی بات کو نہ مانو کسی فاجر فاسق کو اپنا مشیر نہ بناؤ بلکہ نیک اور صالح لوگوں سے مشورہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں بہکت ڈالے گا۔

نانی کی وراثت کا مسئلہ پیدا ہوا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا اس کا حل میں قرآن و سنت میں تو نہیں پاتا لہذا لوگوں سے مشورہ کروں گا۔ آپ نے اس کے لیے اعلان فرمایا۔ پھر جس کے پاس علم تھا اُس نے آکر گواہی دی تو معاملہ طے ہوا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ بھی اہل لوگوں سے مشورہ کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بعض معاملات میں عورتوں کی رائے بھی لے لیتے تھے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم رؤف الرحیم سے فرمایا کہ آپ اپنے معاملات میں مشورہ کر لیا کریں فَإِذَا عَزَمْتَ پھر جب آپ سنجیدہ ارادہ کر لیں۔ آپ معاملہ کے متعلق کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں مشورہ کے ذریعے کوئی بات طے ہو جائے فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ تو اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اُس معاملہ میں عمل پیرا ہو جائیں اور کوئی حکم ہو تو اُس کو جاری کر دیں۔ اس سے مفسرینِ کرام نے قانون اخذ کیا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں آراء مختلف ہوں تو پھر امیر کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اکثریت کے



فیصلہ کو قبول کرے یا اقلیت کی رائے کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا آخری فیصلہ جاری کرے۔ عام دنیوی امور میں کثرت رائے کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے مگر اسلام کا اصول یہ ہے کہ اگر کوئی معاملہ اتفاق رائے سے طے ہوتا ہے تو اسے بعینہ تسلیم کر لیا جائے اور اگر اس میں اختلاف رائے واقع ہو جائے تو پھر امیر اپنی صوابدید سے اکثریت یا اقلیت میں سے کوئی بھی رائے تسلیم کر کے فیصلہ دے سکتا ہے وہ کثرت رائے کو تسلیم کرنے کا پابند نہیں ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اے نبی کریم ! جب آپ کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں، تو پھر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کو پایہ تکمیل پہنچا دیں۔ کیونکہ معاملہ جنگ کا ہو یا کوئی اور ہو اس کا بناؤ یا بگاڑ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے۔ آپ اس کے بھروسہ پر کام شروع کر دیں کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ يَحِثُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ، بیشک اللہ تعالیٰ انہی کو پسند فرماتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ متوکل علی اللہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو اپنے معبود حقیقی کو پہچانتے ہیں۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے دوسرا قانون یہ بیان فرمایا اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا تو کوئی دوسرا تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ نیچی کے کاموں میں مدد کرے گا۔ فسق و فجور، عیاشی، فحاشی اور فیشن کے کاموں میں مدد نہیں کرے گا اور نہ وہ ایسے لوگوں کو غالب کرے گا۔ اور دوسری بات یہ وَاِنْ يَخْذُكُمُ اللّٰهُ اَوْ اُخْرٰى اور اللہ وہ تم کو رسوا کر دے۔ اور وہ برائی، بیجائی، ظلم اور کھنڈ کرنے والوں کو ذلیل و خوار بھی کر دیتا ہے اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے تو فرمایا يَا دُرُكْهُوْ! فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْۢ بَعْدِهٖ پھر اس کے سوا تمہاری کون مدد کرے گا۔ کوئی بڑے سے بڑا حاکم بادشاہ یا ڈکٹیٹر کوئی بھی ہو تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ احکم الحاکمین نے تمہاری مدد روک لی ہے اور اس سے بڑی سپر پاور اور کوئی نہیں جو اس کے حکم اور ارادے کو بھی چیلنج کر سکے، لہذا تمہیں اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہو گا، اس کی مشیت ماننے



خلافت کوئی بھی تمہاری مدد کو نہیں پہنچے گا۔ فرمایا جب یہ اصول اٹل ہے تو پھر یہ بھی  
 حقیقت ہے۔ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ کہ جن لوگوں کے دل  
 نور ایمان سے منور ہیں وہ اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ وہ ادھر ادھر اندھیرے  
 میں ٹھکریں نہیں مارتے۔ غیر اللہ کے دروازوں پر نہیں جاتے بلکہ فقط اسی ذات  
 وعدہ لا شریک پہ بھروسہ کرتے ہوئے اپنے معاملات اسی کے سپرد کرتے ہیں۔



لن تنالوا

درس پنجاہ و شش ۵۶

ال عمران ۳

آیت ۱۶۱ تا ۱۶۳

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغْلِبَ وَمَنْ يَغْلِبْ يَأْتِ بِمَا نَلَّ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ  
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ (۱۶۱) أَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ  
كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا أُولَٰئُكَ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ  
الْمَصِيرُ ۝ (۱۶۲) هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ  
بَصِيرٌ ۝ (۱۶۳) بِمَا يَعْمَلُونَ

ترجمہ: اور نہیں لائق نبی کے یہ بات کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو شخص خیانت  
کرے گا، تو وہ لایکا اُس چیز کو جو اُس نے خیانت کی قیامت کے دن۔ پھر پورا پورا  
بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اُس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ۝ (۱۶۱) بھلا  
جس شخص نے اللہ کی رضا مندی کی تابعداری کی، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا  
ہے جو اللہ کی ناراضگی اور غصہ لے کر لڑتا ہے۔ اور اُس کا ٹھکانا جہنم میں ہے  
اور وہ لوٹ کر جانے کی بہت ہی بڑی جگہ ہے ۝ (۱۶۲) اللہ کے نزدیک یہ  
مختلف درجات ہیں۔ اور اللہ نگاہ میں رکھتا ہے ان کاموں کو جن کو یہ لوگ  
کرتے ہیں۔ ۝ (۱۶۳)

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق عالیہ ربط آیات  
کا تذکرہ فرمایا تھا کہ آپ کا حسن اخلاق کامیابی کی دلیل ہے۔ اسلام کی تبلیغ کے  
سلسلہ میں بھی اللہ کا عام قانون یہی ہے اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ  
وَالْمَوْعِظَةِ کہ تبلیغ اسلام کا فریضہ اچھے طریقے سے اور خوش اخلاقی سے



انجام دو حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون کی طرف روانہ کرتے وقت فرمایا تھا کہ تم ایک اکھڑ مزاج اور ظالم قوم کے پاس جا رہے ہو۔ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ لہذا فرعون کے ساتھ نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کر جائے بغرضیکہ اسلام نے ہمیشہ خوش خلقی کی تعلیم دی ہے۔

حضور علیہ السلام کے صحابہ سے احد کے موقع پر جب لغزش ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ ان کو معاف کر دیں، ان کے لیے بخشش کی دعا کریں اور ان سے مشورہ بھی کرتے رہیں۔ کہیں دل بدداشتہ ہو کر آپ صحابہ سے مشورہ کرنا ترک نہ کر دیں بلکہ انہیں ہمیشہ اعتماد میں لے لیا کریں کیونکہ مشورہ بڑی اہم چیز ہے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو یہ بھی فرمایا کہ مشورہ کے بعد جب آپ کسی معاملہ کے متعلق کوئی حتمی فیصلہ کر لیں تو پھر اللہ کے بھروسہ پر اسے انجام دے دیں۔ کیونکہ متوکلین اللہ کے محبوب ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر عظیم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق علی کو ایک اور پہلو سے بیان فرمایا ہے۔ اللہ کا نبی جس طرح نرم مزاج اور رحم دل ہوتا ہے، اُسی طرح وہ امین اور دیانت دار بھی ہوتا ہے۔ کسی نبی کے متعلق یہ گمان کرنا کہ وہ (نغوذ باللہ) خیانت کا سر تکب بھی ہو سکتا ہے، بنی کے منصب کے خلاف ہے۔ اللہ کا نبی معصوم عن الخطایا ہوتا ہے۔ وہ امت کے لیے بہترین نمونہ ہوتا ہے۔ لہذا وہ کسی غیر اخلاقی فعل کا ارتکاب نہیں کرتا۔

شانِ نزول

ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ یہ بات کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے یا کسی چیز کو چھپائے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق غزوہ بدر سے متعلق ایک واقعہ کے ساتھ ہے۔ جنگ بدر میں جو مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا، اس میں سے ایک کھبل یا چادر گھم پائی گئی۔ اس کے متعلق لوگوں نے مختلف خیالات کا اظہار کیا۔ بعض نے کہا کہ شاید یہ چادر حضور علیہ السلام نے خود لے لی ہو۔ اس قسم کی بات اگر منافق کرے تو اس سے



کچھ عہد نہیں کیونکہ انہیں تو بات کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے۔ البتہ اگر کسی مسلمان نے یہ بات کی ہوگی تو یہ سمجھ کر کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی بھی چیز حاصل کرنے کا مکمل حق حاصل ہے۔ لہذا اسی حق کی بنا پر آپ نے یہ چادر لے لی ہوگی۔  
 بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی طرف سے ایسے فعل کے ارتکاب کی سختی سے  
 ترمید فرمائی۔ اور لوگوں کو خبردار کیا کہ تمہارا بنی اخلاق کے عالی مرتبہ پر فائز ہے۔  
 لہذا یہ گمان بھی نہ کرنا کہ مسلمانوں کی اطلاع کے بغیر خود بخود بھی کوئی چیز اپنے لیے  
 رکھ لے گا۔

غلول کا  
مقصود

غلول اصل میں مال غنیمت میں سے کسی چیز کے چھپا لینے کو کہتے ہیں اس  
 کے علاوہ غلول کا اطلاق مطلقاً خیانت پر بھی ہوتا ہے۔ یہ لفظ کسی دوسرے کے حق  
 کے ضیاع پر بھی بولا جاتا ہے۔

ترمذی شریف میں حضور علیہ السلام کی حدیث مبارکہ ہے ان اللہ لا یقبل  
 صلوٰۃ بغیر طہور، ولا صدقۃ من غلول یعنی اللہ تعالیٰ طہارت  
 کے بغیر نماز قبول نہیں کرتا اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔  
 مقصد یہ کہ غلول مطلقاً خیانت پر بھی بولا جاتا ہے اور مال غنیمت میں سے کسی چیز کے  
 چھپا لینے کو بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی جملہ مسلمانوں کے ساتھ خیانت کا ارتکاب ہوتا ہے  
 اسلام نے اس ضمن میں بڑی واضح ہدایات دی ہیں۔

خیانت پر

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لا یحل لامرء مسلم مالاً خبیلاً  
 بطیب نفسہ کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ کسی دوسرے مسلمان کے  
 مال کو اس کی اجازت کے بغیر قبضہ میں لے۔ اگر اپنی خوشی سے ایک مسلمان دوسرے  
 کو کوئی چیز دیتا ہے، تو وہ جائز ہے اور چوری، خیانت، دغا بازی یا فراڈ  
 سے کوئی چیز حاصل کرنا دوسرے بھائی کا حق ضائع کرنا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث  
 میں تو یہ بھی آتا ہے کہ اگر کچھ آدمی اکٹھے کھجوریں کھا رہے ہوں۔ تو کسی کے لیے  
 روا نہیں کہ وہ ایک کی بجائے دو دو کھجوروں کا لقمہ بنائے البتہ اگر اس کے



شریکِ طعام اُس کو اجازت دے رہے ہیں، تو پھر جائز ہے۔ غرضیکہ کسی مسلمان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ کسی دوسرے بھائی کا حق بغیر اُس کی اجازت کے حاصل کرے چہ جائیکہ اللہ کا بنی ایسا کام کرے۔

ترمذی شریف میں غزوہ خیبر یا کسی اور جنگ سے متعلق واقعہ آتا ہے حضور علیہ السلام کا کمرہ نامی ایک غلام تھا۔ وہ جنگ میں مارا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ اُس کے لیے شہادت مبارک ہو۔ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا کَلَّا ہرگز نہیں، وہ تو جہنمی ہے۔ اُس غلام نے غنیمت کے مال میں سے ایک چادر غصب کی تھی، وہ اس پر شعلے بن کر چمپٹ رہی ہے۔ یہ سن کر لوگ سخت خوفزدہ ہوئے۔ اور جس کسی نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مال غنیمت میں سے تقسیم کے بغیر حاصل کی ہوئی تھی سب واپس کر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر کسی شخص نے جوئے کا ایک تسمہ یا دو تسمے بھی ناحق وصول کئے ہیں۔ تو وہ بھی دوزخ میں لے جانے کا باعث ہیں۔ آپ نے فرمایا شراکاء فی النار وشیکان فی النار ایک شخص نے مشترکہ مال میں سے ایک معمولی دھاگہ رکھ لیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام کی وعید سنی تو وہ دھاگے کو حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، اب تو وہ مال تقسیم ہو چکا ہے۔ اس دھاگے کو میں اب باقی مسلمانوں میں کیسے تقسیم کروں۔ تم نے غلط کام کیا ہے غرضیکہ آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ گویا خیانت کبیرہ گناہ ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا من خرج روحہ الجسد وهو بری من ثلاث دخل الجنة الکبر والعقل والدین یعنی جس شخص کی روح اس حالت میں اُس کے جسم سے جدا ہوئی کہ وہ تین چیزوں سے پاک ہے یعنی تکبر، خیانت اور قرض، تو وہ شخص جنت کا حقدار ہے۔

تکبر، غلول اور قرض

تکبر صرف ذات باری تعالیٰ کو ہی سزاوار ہے۔ کسی انسان کے لیے یہ بہت ہی بُری خصلت ہے۔ تکبر کا عام معنی ہے بطل الحق و غمط الناس



یعنی سچی بات کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر جاننا۔ طاقت، دولت، اقتدار، قومیت وغیرہ کی بنا پر دوسرے کو حقیر جاننا اور سچی بات کو ٹھکرا دینا تکبر کی نشانی ہے۔ یہ وہی بیماری ہے۔ جو ابلیس کو لاحق ہوئی اَلْبَاسُ وَاسْتَكَدَّ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔ ابلیس نے انکار کیا اور تکبر کیا جبکہ وحبر سے وہ جہنمی بھڑا۔ اُس نے کہا کہ میں ناری ہو کہ خاکی کے سامنے کیسے جھک سکتا ہوں، میں آدم کی تعظیم نہیں کر سکتا، کیونکہ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ میں اُس سے اعلیٰ ہوں۔ تکبر بہت بُری بیماری ہے۔ اور اس کا علاج اس سے زیادہ مشکل ہے، بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ایک پیار کو سوئی کے ساتھ اٹھا کر دوسری جگہ منتقل کرنا آسان ہے مگر تکبر کو کسی کی طبیعت سے نکالنا بہت مشکل ہے، بزرگان دین لوگوں کی تربیت کرتے وقت سب سے آخر میں تکبر کو ان کے دل و دماغ سے نکالتے ہیں۔ یہ ایسی بیماری ہے۔ جس کا علاج بڑا مشکل ہے فرمایا دوسری چیز غلول یعنی خیانت ہے جس کی وجہ سے لوگ جنت سے محروم ہو کر دوزخ میں چلے جائیں گے۔ خیانت خواہ مال غنیمت سے ہو یا مطلق خیانت، یہ بہر حال بہت بُری خصلت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت میں داخلے کے لیے اس سے بریت ضروری ہے تیسری اہم چیز قرضہ ہے۔ فرمایا کسی شخص کے ذمہ قرضہ نہیں ہونا چاہیے جب کہ وہ زندگی کی آخری سانس لے رہا ہو۔ قرض دوسرے کا حق ہوتا ہے جسے لازماً واپس لوٹانا چاہیے اُسے اور اسے بغیر جان نہیں بچ سکتی، آخرت میں پکڑا جائے گا۔ عورتوں کا مہر بھی انان کے ذمہ قرضہ ہوتا ہے۔ جو لوگ ادا نہیں کرتے وہ مجرم ہیں۔ اگر معاف بھی کرنا ہے تو عورت خوشی سے معاف کر دے۔ اگر محض رواجی طور پر معافی کا لفظ ادا کر دیا، تو اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ بڑے بڑے مالدار لوگ مہر ادا نہیں کرتے اور معافی کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ قرض کو خدا بھی معاف نہیں کرتا جب تک حقدار اُسے معاف نہ کر دے۔ اُسے معمولی بات سمجھ کر اس سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ بہتر ہے کہ ہر مسلمان



حتی الامکان قرضہ لینے سے اجتناب کرے۔ اسکی بجائے تکالیف برداشت کرے  
صبر کرے مگر قرض نہ لے کیونکہ اس کی ادائیگی میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں۔  
جب قرض ادا نہیں کرتا اور مال منہول اور جھوٹے وعدے کرتا ہے تو مزید صبرم کا ارتکاب  
کرتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو ان تین چیزوں  
یعنی تکبر، خیانت اور قرضہ سے بچ کر آگیا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

خان کی سزا

الغرض! فرمایا کسی نبی کے یہ لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے وَمَنْ يُفْلِكْ  
اور جو کوئی خیانت کا ارتکاب کرے گا یاتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تو وہ  
خیانت شدہ چیز کو قیامت کے دن اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ اور پھر اس کی سزا  
ہوگی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے۔ اے لوگو! میں نے تم کو خبردار کر دیا  
ہے۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کا اونٹ چوری کرے گا، تو قیامت کے  
دن اُسے اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کی زمین  
پر ناجائز قبضہ کیا ہے۔ تو زمین کا وہ ٹکڑا ساتوں زمین نیچے تک اس کے گلے میں  
ڈال دیا جائے گا۔ جو اُسے کھینچتا ہوا لائے گا۔ اسی طرح فرمایا۔ اگر کسی نے سوا اونٹ  
چوری کیے ہیں، تو سب کے سب اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ بعض لوگوں نے اس اشکال کا  
اظہار کیا ہے کہ زمین جیسی بڑی چیز یا سوا اونٹ ایک آدمی کیسے اٹھا کر لائے گا۔ اس  
ضمن میں مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں مغربی ذہن کے انگریزی دان  
لوگ کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہی سوال کسی صحابی نے حضور علیہ السلام  
کی خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز کفار کے جسم اتنے  
بڑے بڑے ہو جائیں گے کہ ان کی ایک دائرہ آمد پہاڑ کے برابر ہوگی اور ان کے  
بیٹھنے کی جگہ مدینہ سے ربذہ تک یعنی چھتیس<sup>۳۶</sup> میل لمبی چوڑی ہوگی۔ تو اتنے بڑے جسم  
کے لیے سوا اونٹ یا کوئی اور بڑی چیز اٹھانا کیسے مشکل ہوگا۔ اس کے علاوہ یہ بھی  
ہو سکتا ہے کہ اٹھائی جانے والی چیز حقیقی نہ ہو بلکہ مثالی ہو۔ اونٹ سوہوں یا ہزار مثالی  
رنگ میں پیش کرنا کونسا مشکل ہے۔ اور اگر کپڑے کا ایک گٹھا ہے تو بھی گھسیٹ



کمر لانا ہو گا۔ مقصد یہ ہے کہ اُس دین ہر بُرا فعل ظاہر کر دیا جائے گا۔ انسان جس چیز کو زندگی بھر چھپائے پھر تار ہا، قیامت کے دن سب کے سامنے ہو گی، یہ حال حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ بچ جاؤ! میں نے تم کو خبردار کر دیا ہے۔ جو کوئی خیانت سے کسی چیز پر قبضہ کرے گا۔ وہ سب قیامت کو ظاہر ہو جائے گا۔

جہنم کے عمل

فرمایا قیامت کے دن تمام پوشیدہ اعمال ظاہر کر دینے کے بعد  
تَعَوُّفِي كُلِّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ اور کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہیں ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ تمہارے خود کردہ اعمال ہیں، میں نے ان کو شمار کر رکھا ہے اب اس کا بھگناں کرو۔ ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہو گا۔ کسی کا عمل کسی دوسرے کے ذمے نہیں لگایا جائیگا۔ اور ہر جرم کی سزا جرم کی سنگینی کے مطابق دی جائے گی۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں بے حد و بیشمار ہوں گی اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوں گے۔ نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہو گا جو بڑھ کر سات سو تک یا لاکھوں گنا تک بھی ہو سکتا ہے۔

نیکی بد  
برا بد نہیں

اگے ارشاد ہوتا ہے۔ اَفَمَنْ اَتْبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ اَبَاوْا بِسَخَطِ  
مَنْ اللّٰهِ کیا وہ شخص جو اللہ کی رضا چاہتا ہے اُس شخص کی مانند ہے جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے۔ کفر، شرک، نافرمانی، حق تلفی، چوری، خیانت وغیرہ خدا کی ناراضگی کے کام ہیں۔ جو شخص عمر بھر ان کاموں میں لگا رہا وہ اُس شخص کی طرح کیسے ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے، اُس کے احکام پر عمل کرتا ہے۔ اور مخلوق خدا کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی مول لینے والے کے متعلق فرمایا وَمَا وُدُّ جَهَنَّمَ  
ایسے شخص کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور یہ لوٹ کر جانے کی نہایت ہی بُری جگہ ہے۔

نیکی اور  
بدی کے درجات

ہر نیکی و بد کے متعلق فرمایا هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ اللہ کے  
 اُن سب کے درجات ہیں نیکی کے بھی درجات ہیں اور بُرائی کے بھی درجات



ہیں۔ جس قسم کا عمل ہو گا، اُسی قسم کی جزا ہو گی۔ مجرمین میں سے چور، ڈاکو اور خائن وغیرہ  
 کا درجہ الگ ہو گا۔ کافر الگ ہوں گے، مشرک اور بدعتی اپنے درجے میں ہوں گے  
 عیاشی، فحاشی اور شراب نوشی کرنے والے اس درجہ میں ہوں گے۔ اور ان سے ایک  
 ایک جرم کا مواخذہ کیا جائے گا۔ اور درجہ بدرجہ سزا دی جائے گی۔ اسی طرح نیچی کے بھی  
 درجات ہوں گے۔ اللہ نے فرمایا وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا عَمِلُوا ہر شخص کے  
 درجات اس کے عمل کے مطابق ہوں گے۔ جس طرح دنیا میں اونچ نیچ ہے  
 اسی طرح آخرت میں بھی تفاوت ہو گا۔ بعض لوگ نہایت بلند درجوں میں ہوں گے  
 اور بعض نہایت ہی پستی میں ہوں گے۔ فرمایا وَاللّٰهُ بِصِيْرٍ بِمَا يَعْمَلُوْنَ  
 اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ لہذا  
 وہ اعمال کے مطابق ہی جزا اور سزا کا فیصلہ کرے گا۔



ال عمران ۳

آیت ۱۶۴

لن تنالوا ۴

درس پنجاہ و ہفت ۵۷

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا  
مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ  
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي  
ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾

ترجمہ: تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے اندر انہی میں  
سے ایک رسول بھیجا ہے۔ وہ ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا  
ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بیشک اس سے پہلے یہ لوگ گھلی گھراہی

میں تھے ﴿۱۶۴﴾

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی وضاحت فرمائی تھی کہ نبی کی شان کے  
شایاں نہیں کہ وہ مال غنیمت میں سے کوئی چیز از خود اپنے پاس رکھ لے۔ وہ تو  
جماعت کا سربراہ ہے۔ اس کو اللہ نے اجازت دی ہے کہ جو چیز چاہے سرعام  
اپنی تحویل میں لے۔ لہذا اُسے کیا ضرورت ہے کہ کوئی چیز خفیہ طور پر لے لے۔  
اللہ کا پیغمبر ایسا نہیں کر سکتا۔ اللہ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی جو اس قسم کا گمان  
کر رہے تھے۔ آج کے درس میں کہ اللہ جل جلالہ نے اپنے رسول کو اہل ایمان کے  
لیے بطور نعمت پیش کیا ہے۔ آپ کے اوصاف حمیدہ اور آپ کے فرائض  
کا تذکرہ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ تحقیق تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا ہے۔ مَنَّ کا عام فہم معنی احسان کرنا ہے۔ جب کہ  
اس کا اصل معنی قطع کرنا ہے۔ عربی محاورے کے مطابق جس شخص کو نعمت حاصل ہو  
جائے اس کی تکلیف قطع ہو جاتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے۔ چنانچہ

احسان خداوندی



خزائے عمل کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ"۔ اُن کے لیے ایسا اجر ہوگا جو منقطع نہیں ہوگا کبھی زائل نہیں ہوگا بلکہ ابدی ہوگا۔ اونٹوں کے چلنے سے جو گمہ دروغبار اٹھتا ہے اُسے منین کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی آہستہ آہستہ منقطع ہوتا رہتا ہے غرضیکہ مَنْ کا لفظی معنی قطع کرنا اور اصطلاحی معنی احسان کرنا آتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

قرآن پاک کو اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے لیے عموماً اور متقین اور مومنین کے لیے خصوصاً ذریعہ ہدایت فرمایا ہے۔ جیسے "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔ "هُدًى وَبُشْرَىٰ لِّلْمُؤْمِنِينَ" مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔ نیز "هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ" عام لوگوں کے لیے منبع ہدایت ہے اس طرح حضور علیہ السلام کی یہ دو حیثیتیں بھی بیان فرمائی ہیں۔ جیسے آپ کی زبان سے کہلوا یا قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اٰلِھِمْ سُوْلَ اللّٰہِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا۔ اے نبی علیہ السلام! آپ فرمادیں کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ سب کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ اور آپ کی لائی ہوئی ہدایت و راہنمائی سے سب سے زیادہ مستفید و متقین اور مومنین ہی ہوتے ہیں۔ لہذا حضور علیہ السلام کی رسالت کا زیادہ احسان بھی انہی پر ہے اور وہ احسان یہ ہے اِذْ بَعَثَ فِیْہُمْ رَسُوْلًا کہ ان میں ایک رسول بھیجا اور رسول بھی وہ جو عظیم الشان، عالی مرتبت اور کمال عظمت والا، اللہ تعالیٰ کی دو عظیم نعمتوں میں سے پہلی نعمت حضور بنی کر۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود مبارک ہے۔ جو تمام انسانیت کے لیے بالعموم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص بہت بڑی نعمت ہے۔ کسی انسان کو جس قدر کمالات حاصل ہو سکتے ہیں، وہ صرف پیغمبر علیہ السلام کے واسطے سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبر کی ذات ایک مومن کے لیے حصول کمال کا ذریعہ بھی ہے اور تقرب الی اللہ کا بھی اور پھر بالآخر نجات کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ لہذا عظیم ترین نعمت یہی ہے



مفسرین کرام اہم جعفرؑ کا قول بیان کرتے ہیں۔ کہ دنیا کی مادی نعمتیں تو عام ہیں۔ کوئی انسان ان سے خالی نہیں۔ "أَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً" اللہ نے تمہیں ظاہر و باطن کی تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ اور ان کی تعداد اس قدر ہے کہ تمہارے احاطہ شمار سے باہر ہے۔ اسی لیے فرمایا "وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا" اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو، تو ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ انسان کے اپنے وجود اور اس کی باطنی قوتوں سے لے کر ظاہری جسم کے تمام متعلقات اور اس کے ارد گرد اللہ کی اتنی نعمتیں موجود ہیں۔ کہ وہ ان سے ہر وقت استفادہ کرتا رہتا ہے۔ اہم صاحب فرماتے ہیں کہ اتنی کثیر تعداد میں نعمتیں موجود ہونے کے علاوہ دو نعمتیں ایسی ہیں جو ان سب سے بڑھ کر ہیں۔ فرمایا ایک نعمت پیغمبر خدا کا وجود ہے اور دوسری اللہ کا کلام قرآن پاک ہے اور یہ دونوں نعمتیں صرف ایمان والوں کو حاصل ہیں۔ مادی نعمتیں تو بعض اوقات ایمان سے محروم لوگوں کو اہل ایمان سے بھی زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔ مگر عظیم ترین نعمتیں یعنی پیغمبر خدا اور قرآن پاک صرف اہل ایمان کا حصہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو نسل انسانی میں پیدا کر کے ان کے عروج، ترقی اور اعلیٰ مراتب کا بندوبست کر دیا ہے اور قرآن پاک جو اللہ کا کلام اور اس کی صفت ہے، اُسے نازل کر کے انسانیت کی عظمت کو مزید بلند کر دیا ہے۔ یاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے متعلق اس کا عام قانون یہ ہے "لَإِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" اگر حصول نعمت پر میرا شکر ادا کرو گے تو میں انعامات میں اضافہ کروں گا "وَلَإِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ" اگر کفران نعمت کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا شدید ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر احسان فرمایا کہ ان میں ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا "مِنْ أَنْفُسِهِمْ" انہی میں سے یعنی انسانوں میں سے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ملائکہ یا جنات میں سے نہیں بنایا بلکہ اہل ایمان کی جنس انسانی میں سے اٹھایا ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے۔



کہ عرب و عجم میں سے اللہ نے آپ کو عربوں میں پیدا فرمایا۔ اور پھر عربوں کے قبائل میں سے بہتر قبیلے میں پیدا کیا، یعنی اللہ نے آپ کو عرب کے ربیع اشرف قبیلے میں اٹھایا گویا اس لفظ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء انسان اور بشر ہیں بلکہ سید البشر ہیں یعنی آپ تمام انسانوں کے سردار ہیں اور اسی نسل انسانی میں سے ہیں کسی دوسری جنس سے نہیں ہیں۔

سید محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ آخری دوہ کے عظیم مفسر گزے ہیں۔ آپ نے روح المعانی جیسی عظیم تفسیر تیس جلدوں میں قلمبند کی ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ تفسیر انہوں نے جوانی کے عالم میں لکھی ہے۔ آپ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ہم عصر تھے۔ شاہ صاحب نور ۱۲۳۹ھ میں ہی وفات پا گئے، تاہم آپ کا زمانہ ۱۲۷۰ھ تک جاتا ہے۔ علم تفسیر کے ساتھ ساتھ آپ کو فقہ اور علم حدیث پر بھی عبور حاصل تھا۔ آپ نے اپنی تفسیر میں یہ واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ کسی نے امام عراقیؒ سے دریافت کیا کہ حضرت! ایمان کے صحیح ہونے کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ اللہ کا رسول بشر ہے، عربوں میں ہے اور عجمی نہیں ہے؟ آپ نے جواب دیا بیشک شرط ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام کے متعلق یہ عقیدہ نہ رکھے اس کا ایمان صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اس پر نصوص قرآنی کا انکار لازم آئیگا۔ اور آدمی کافر ہو جائے گا۔ تو گویا منْ اَنْفُسِهِمْ میں یہ تمام متعلقات شامل ہیں۔ اگر اس معاملہ میں کوئی ناواقف ہے۔ مسئلے کا پوری طرح علم نہیں تو اسے بتانا پڑے گا کہ بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ہمارے بنی انسان تھے اور عربوں میں سے تھے اور عجمی نہیں تھے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص آپ کی بشریت یا عربی ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ دائرہ کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانے میں لوگوں نے عیسائیوں کی طرز پر نور من نور اللہ کا عقیدہ وضع کر لیا ہے۔ گویا انہوں نے فَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا اللہ کے رسول کو اس کا جزو بنا دیا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ جو بیٹا ہوتا ہے وہ باپ کا جزو ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس چیز سے پاک ہے۔ انہوں نے بیٹا بنا کر خدا کا جزو بنایا، ہم نے اللہ کے نور میں سے نور کہہ کر جزو

عقیدہ نور  
من نور اللہ



ہونے کی تصدیق کر دی۔ فرق کیا رہ گیا؟ ہاں بھی! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نور ہدایت یقیناً ہیں۔ آپ کے نور ہدایت کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیلی۔ مگر آپ انسان اور بشر ہیں اور بڑے بڑے عالی مرتبے والے ہیں حضور علیہ السلام کی بشریت کا اقرار قطعاً باعثِ توہین نہیں بلکہ اشرف المخلوقات میں سے ہونے کی بناء پر آپ کی عظمت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق پر اللہ نے بطور انعام اس بات کا اعلان فرمایا کہ دیکھو میں نے مٹی سے کس قدر باکمال ہستی کو پیدا کیا ہے۔ میری ترقی میرے اس بات کی ترجمانی یوں کی ہے میرے مالک نے میرے حق میں یہ جان کیا خاکِ ناپسند تھا میں سوچھے انسان کیسا

لہذا بشر ہونا کمال کی علامت ہے نہ کہ توہین کی۔ صحابہ کرامؓ بھی حضور علیہ السلام کے متعلق یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ اُن کے زمانہ میں نور من نور اللہ کا کوئی عقیدہ موجود نہیں تھا۔ آپ نور ہدایت ہیں مگر انسان ہیں۔ عائشہ صدیقہؓ سے بالکل بالوضاحت مروی ہے کان رسول اللہ بشی من البشر حضور علیہ السلام انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ مسلم کی روایت میں موجود ہے کہ نبی علیہ السلام نے خود فرمایا میں بھی انسان ہوں۔ میں کبھی کبھی بھول جاتا ہوں۔ اگر نماز میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔ وہاں پر ذکر و تہنیتی کے الفاظ موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ خطا اور نیاں انسان سے ہی سرزد ہوتی ہے۔ انسانی زندگی کے تمام لوازمات کھانا پینا، قضائے حاجت بیوی بچے، صحت، بیماری، زندگی اور موت وغیرہ تمام انبیاء کے ساتھ بھی یکساں ہیں۔ امور طبعیہ رونا ہنسنا وغیرہ انبیاء کے ساتھ بھی لازم ہے۔ البتہ یہ ہے کہ انبیاء کا ایمان، اعتقاد، اور اخلاق غایت درجے کا ہوتا ہے اور وہ حد کمال تک پہنچے ہوئے ہیں، مگر میں بہر حال انسان۔

آیت کے اگلے حصے میں اللہ نے اپنے نبی کے وہ کام بیان فرمائے ہیں جو وہ انجام دیتا ہے۔ پیغمبر خدا علیہ السلام کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ یٰٰتِلُوا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ



وہ لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کے کلام اور اُس کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔ یہ تلاوت پاک ہے اور اس لحاظ سے حضور علیہ السلام اولین مبلغ اسلام ہیں۔ تلاوت قرآن عموماً دو مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔ پہلا مقصد اُنْزِلَ مَا اَوْحِيَ الْيَنِّكَ مِنْ الْكِتَابِ میں ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے اس کی تلاوت کریں تاکہ لوگوں کو اللہ کے احکام و فرامین کا علم ہو سکے۔ اس کو تلاوت برائے تبلیغ بھی کہہ سکتے ہیں۔ تلاوت کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ انسان خود تلاوت کر کے قرب الہی حاصل کر سکے۔ نماز کے دوران تلاوت کلام پاک بہترین عمل ہے۔ اور اس کا اجر کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اُس وقت انسان اللہ کی صفت کے ساتھ متلبس ہوتا ہے اور اُسے درجہ کمال حاصل ہوتا ہے۔

باعتبارِ ورد تلاوت قرآن سب سے اعلیٰ و درجہ ہے حضور علیہ السلام نے تلاوت قرآن کو افضل الاوراد فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص ایمان کی حالت میں نیک نیتی کے ساتھ تلاوت قرآن کرے گا میں اُسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ اگرچہ وہ مجھ سے کوئی سوال نہ کرے۔ تلاوت کلام پاک کا اجر اس قدر زیادہ ہے کہ ایک ایک حرف کے بدلے اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔ یہ شرف صرف قرآن پاک کو ہی حاصل ہے کہ کوئی اُسے سمجھ کر پڑھے یا بغیر سمجھنے۔ اُسے مجرم نہیں رہے گا۔ یہ ہے وہ قرآن مجید جس کے متعلق فرمایا کہ اللہ کا بنی اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔

فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا فریضہ یہ ہے وَيُزَكِّيهِمْ اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لحاظ سے امت کے لیے مرشد ہیں کیونکہ تزکیہ نفس کو نامرشد کا کام ہے تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کی باطنی گندگی دور ہو جائے۔ اس عمل کو بِزْكَانِ دِينِ تَخْلِيَةٍ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کہ انسان کی تمام رذیل خصلتیں دور ہو جائیں، کفر، شرک، نفاق اور بد اخلاقی وغیرہ سے پاک ہو جائے۔ اور اس کے بجائے انسان اوصاف حمیدہ سے متصف

مرشد گاہ



ہو جائے۔ شرک کی جگہ توحید آجائے کفر کی بجائے ایمان حاصل ہو۔ اور بد اخلاقی ہنوش اخلاقی میں بدل جائے۔ یہ ہے وہ تذکیہ جسے مرشد بہ حق انجام دیتا ہے۔ جب یہ عمل پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے تو معصیت کی بجائے عبادت کی صفت آجاتی ہے۔ اور تمام کمزوریں دور ہو کر انسان کا عقیدہ اور دل و دماغ بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام تمام کائنات کے لیے بالعموم اور اہل ایمان کے لیے بالخصوص مرشد کامل ہیں۔ آپ نے اپنے صحابہؓ کی تربیت اسی طریقہ پر فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق حمیدہ اور تربیت خاصہ سے متعلق بہت سے واقعات ملتے ہیں۔ حضرت معاویہؓ سلمیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نماز میں کلام کرتا ہوا داخل ہوا۔ کچھ لوگوں نے اشارے کنائے سے مجھے ڈانٹا۔ مجھے بھی غصہ آیا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو حضور علیہ السلام نے نہایت شفقت سے اپنے پاس بلا کر فرمایا دیکھو! نماز میں انسانی کلام کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نماز تو اللہ کے ذکر کے لیے ہے۔ اس میں تبلیغ و تہلیل قرآن کی تلاوت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات ہوتی ہے۔ لہذا نماز میں کوئی دوسرا کلام نہیں کرنا چاہیے۔ آپ نے نہ مجھے سرزنش کی اور نہ بڑا بھلا کہا بلکہ نہایت مشفقانہ انداز میں بات سمجھا دی۔ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم مَآءِ آيْتٍ مُّعَلِّمًا میں نے کبھی ایسا شفیق معلم نہیں دیکھا۔

اسی طرح ایک آدمی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اس شخص کی طرف قہر آلود نظروں سے دیکھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُسے کچھ نہ کہو، یہ ادھر ادھر بھاگے گا تو باقی مسجد کو بھی آلودہ کرے گا۔ جب وہ شخص پیشاب کر چکا تو آپ نے فرمایا یہاں پانی بہا کر حجہ کو صاف کر دو۔ ابو داؤد شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے وہاں سے تھوڑی سی مٹی بھی نکلوا دی اس کے بعد آپ نے اس آدمی کو نرمی سے سمجھایا کہ یہ اللہ کا گھر ہے۔ یہاں تلاوت قرآن پاک، نماز اور دیگر عبادات ہوتی ہیں۔ یہاں گندگی پھیلانا مناسب نہیں۔

ایک شخص نے آکر عرض کیا۔ حضور! میں ایمان قبول کرنے کے لیے تیار ہوں



مگر مجھے زنا کی لت پڑ چکی ہے جو مجھ سے چھوڑتی نہیں۔ حضور علیہ السلام نے اُسے اپنے قریب بلایا۔ اُس پر اپنا دست شفقت رکھا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ہدایت نصیب فرما۔ پھر آپ نے اُس شخص کو سمجھایا کہ دیکھو اگر کوئی دوسرا شخص تمہاری ماں یا بہن یا بیٹی کے ساتھ ایسی حرکت کرے، تو کیا تم پسند کرو گے۔ عرض کیا حضور! ہرگز نہیں، آپ نے فرمایا کہ جن کے ساتھ تم زیادتی کرتے ہو، وہ بھی کسی کی ماں، بہن یا بیٹی ہوتی ہے۔ یہ سن کر وہ شخص سخت ناوم ہوا اور اس قبیح فعل سے ہمیشہ کے لیے نائب ہو گیا۔ اسی چیز کا نام تنزیہ ہے کہ انسان سے بری خصلتوں کو نکالا جائے اور اس میں اچھی خصلتیں پیدا کی جائیں۔ یہی وہ فریضہ ہے۔ جو بنی علیہ السلام انجام دیتے ہیں۔

قرآنی تعلیم

فرمایا اللہ کا بنی تیسرا کام یہ کہ تَابَ وَتَعَلَّمَ لَهُمُ الْكِتَابَ وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیتا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن پاک ہے قرآن پاک اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کے اولین مخاطبین بھی عرب ہی تھے، اس کے باوجود اس کے رموز و نکات کی وضاحت کی ضرورت پیش آتی تھی۔ بعض اوقات بعض امور کو سمجھنے میں اہل زبان بھی وقت محسوس کرتے ہیں۔ لہذا یہ بھی نبی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ امت کو منزل من اللہ کتاب کی تعلیم دے۔ قرآن پاک کی یہ آیت جب نازل ہوئی تھی يَتَّبِعَنَّ لَكُمْ اَلْخَيْطُ اَلْبَيْضُ مِنَ اَلْخَيْطِ اَلْاَسْوَدِ یعنی جب سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔ تو سحری کھانا بند کر دو۔ تو بعض اہل زبان نے بھی سفید اور سیاہ دھاگے پاس رکھ لیے، تاکہ اختتام سحری کا تعین کر سکیں۔ جب یہ بات حضور علیہ السلام کے پاس بیان کی گئی تو آپ مسکرائے اور فرمایا تمہارا تجزیہ بڑا لمبا چوڑا ہے جس میں تم نے رات اور دن کو لپیٹ کر رکھ لیا ہے۔ فرمایا سیاہ اور سفید دھاگے سے مراد رات اور دن ہیں۔ یہ عام دھاگے مراد نہیں ہیں۔ چنانچہ اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مِنَ الْفَجْرِ کے الفاظ کا اضافہ فرما دیا۔

امن اور ہدایت پانے والے لوگوں کی یہ صفت بیان ہوئی الَّذِينَ اٰمَنُوا



وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْإِيمَانُ لَمْ يَلْبِسُوا ظُلْمًا ۚ  
 نہیں کی ہے اس پر بھی صحابہؓ کو اشتباہ پیدا ہوا۔ کہ ایسا کونسا آدمی ہے جس نے  
 اپنے نفس پر کوئی زیادتی نہ کی ہو۔ وہ متفکر ہو گئے کہ اس طرح تو نجات بہت مشکل ہے  
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہؓ کی اس تشویش کا علم ہوا تو فرمایا کہ یہاں پر ظلم سے مراد عام گناہ  
 نہیں ہے، معمولی لغزشیں تو لوگوں سے ہر وقت سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ بلکہ بعض کبیرہ  
 گناہ بھی سرزد ہو جاتے ہیں، جو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں تاہم یہاں پر ظلم سے  
 مراد شرک ہے جسکی کوئی معافی نہیں۔ لہذا جو کوئی شرک سے محفوظ رہا، اس کی نجات  
 ممکن ہے۔ اسی لیے تو حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی تھی۔  
 يَا بُنَيَّ لَا تَشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ۚ اے بیٹے! اللہ کے  
 ساتھ شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ شرک گناہ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے  
 کہ ہر نظامِ معاف فرما دوں گا، سوائے شرک کے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا نبی لوگوں  
 کو ان کی تعلیم دیتا ہے۔

تعلیمِ حکمت

چوتھی چیز فرمایا **وَالْحِكْمَةُ** پیغمبر خدا لوگوں کو حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ حکمت  
 کا عام فہم مطلب دانائی، دانشمندی یا گہری سمجھ کی باتیں ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے ایک جاہل قوم کی تربیت اس طریقے سے کی کہ انہیں دنیا کی متمدن قوموں کی صف  
 میں لا کھڑا کیا۔ یہ لوگ علم و حکمت اور اخلاق سے عاری تھے، مگر نبی حضور علیہ السلام کی تعلیم  
 حکمت کا نتیجہ تھا کہ انہیں علم و حکمت کے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ اور انہی کو لانے  
 والے لوگ دنیا کے معلم بن کر ابھرے۔

حکمت سے مراد حضور علیہ السلام کی سنت مبارکہ بھی ہے۔ مولانا گنگوہیؒ فرماتے  
 ہیں کہ ہر صحیح حدیث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، وہ قرآن کی  
 شرح ہے۔ جو چیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل یا تقریر سے ثابت  
 ہو وہ سب راہِ ہدایت ہے۔ حکمت کی تشریح پہلے اور دو کتب میں بھی تفصیل  
 کے ساتھ آچکی ہے۔



فَرَمَا وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَكُمْ ضَلِيلٌ مُّبِينٌ بِشَاكٍ حُضُورِ كِي بَعَثْتَ سَے

قبل یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے یعنی اس قدر بھٹکی ہوئی قوم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
تعلیم قرآن و حکمت، تزکیہ نفس اور تلاوت قرآن کے ذریعے ایک باخلاق

اور متمدن قوم بنا دیا۔ اُس زمانے میں جبکہ جگہ بہت رکھے ہوئے تھے حتیٰ کہ خود بیت اللہ

شریف میں ۳۶۰ بت تھے، پوری کی پوری قوم مشرک کی لعنت میں گرفتار تھی تو حید  
کا تصور رکھنے والا کوئی اکاؤنٹ آدمی ہی ملتا تھا۔ انہوں نے ملتِ ابراہیمہ کے اصول

کو بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ گزشتہ چار پانچ صدیوں سے پوری دنیا مشرک کی پیٹ میں آچکی  
تھی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص احسان فرمایا کہ ایک عظیم الشان رسول مبعوث

فرما کر ایمان اور نیکی کی دولت عطا فرمائی۔ قرآن و سنت عظیم نعمتیں عطا کیں۔ اس

سے زیادہ اللہ کا کیا احسان ہو سکتا ہے۔



کُنُتَّالْوَامِ

الْاِمْصِرَانِ ۳

آیت ۱۶۵ تا ۱۶۸

درس پنجاہ و ہشت ۵۸

اَوَلَمَّا اَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَهَا  
 قُلْتُمْ اِنَّا هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ اِنَّ  
 اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَا اَصَابَكُمْ يَوْمَ  
 التَّقٰی الْجَمْعِیْنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾  
 وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا صِلْ وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا  
 قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ اَدْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ  
 قِتَالًا لَا تَبْعُنَاكُمْ هُمْ لِّلْکُفْرِ یَوْمَیْذٍ اَقْرَبُ  
 مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ  
 فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾  
 الَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا  
 قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوا عَنِ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنَّ  
 کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾

ترجمہ: کیا جس وقت پہنچی تم کو مصیبت، تو تم سے پہنچائی تھی اس سے دو گنی۔ تم نے کہا  
 یہ کہاں سے آئی ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، وہ تمہارے نفسوں کی طرف سے آئی  
 ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۱۶۵﴾ اور جو کچھ تم کو اس دن  
 پہنچا جس دن دو جہانیں آمتے سامنے ہوئیں، پس اللہ کے حکم سے اور تاکہ اللہ تعالیٰ  
 متنازعہ کرے ایمان والوں کو ﴿۱۶۶﴾ اور تاکہ متنازعہ کرے ان لوگوں کو جنہوں نے  
 منافقت اختیار کی۔ اور ان سے کہا گیا اڑ لڑو اللہ کے راستے میں یا دشمن کا دفاع



کرو تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جانتے کوئی لڑائی تو ضرور تمہارا اتباع کرتے۔ وہ لوگ کفر کی طرف اس دن زیادہ قریب تھے بہ نسبت ایمان کے۔ اپنے مومنوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُس چیز کو جس کو وہ چھپاتے ہیں (۱۶۷) وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں کے بارے میں کہا اور خود بیٹھ گئے، اگر یہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مائے جلتے۔  
ایسے پیغمبر! آپ کہ دیجئے پس ہٹاؤ تم اپنے نفسوں سے موت کو اگر تم پیچے ہو (۱۶۸)

ربط آیات

اس درس کی آیات بھی واقعہ احد کے سلسلہ ہی کی کڑیاں ہیں۔ پہلی آیات میں گنہگار چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں یا کافروں کی بات ماننے سے منع فرما دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا کہ جن لوگوں سے غلطی سرزد ہو گئی تھی ان کے ساتھ نہ می اختیار کریں اور ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی اللہ رب العزت سے معافی طلب کریں اور آئندہ اس کے ساتھ مشورہ کیا کریں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت میں خیانت کے مسئلہ کو بیان فرمایا۔ پھر خداوند کریم نے اپنے اُس عظیم احسان کا تذکرہ فرمایا جو اُس نے بنی نوع انسان پر بالعموم اور اہل ایمان پر بالخصوص کیا۔ اور وہ احسان یہ ہے۔ کہ انہی کی نسل اور خاندان میں سے ایک عظیم الشان رسول مبعوث فرمایا، جو اللہ کا پیغام ان تک پہنچاتا ہے۔ ان کا تذکرہ کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

آج کے درس کی آیات بھی غزوہ احد کے ضمن میں ہی ہیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی کوتاہی کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ بیشتر مسلمان شہید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر چوڑھویں آئیں۔ ان تمام عوامل کا مسلمانوں کو بہت صدمہ تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے انہیں مختلف طریقوں اور مختلف الفاظ سے تسلی دی اور







کہتے ہیں کہ غزوہ احد کے موقع پر سپہ سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی نہایت اعلیٰ درجے کی تھی۔ مگر یہ بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی غلطی تھی۔ کہ وہ پہاڑی درہ پر قائم نہ رہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس درے کو کسی صورت میں بھی ترک نہیں کرنا۔ مگر ان کی اکثریت نہ صرف پہاڑ سے نیچے اتار آئی بلکہ آپس میں جھگڑا بھی کیا جس کی وجہ سے اہل ایمان کو مجموعی طور پر نقصان اٹھانا پڑا۔ بہر حال انہیں مسلمانوں کی غلطی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ تکلیف تمہارے ہی نفسوں کی طرف سے پہنچی تھی اس میں تمہارا اپنا ہی قصور تھا۔ اور یہ بھی یاد رکھو۔ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جو مالک الملک فتح سے ہکنا کر سکتا ہے، وہ نسخ کو شکست میں تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے۔ اور وہ تمہیں تمہاری غلطیوں پر توبہ بھی کر سکتا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اس شکست کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ دُونُ جَمَاعَتٍ يَحْنِي أَهْلَ كُفْرٍ وَ اہل اسلام کے اکٹھا ہونے کے دن یعنی غزوہ احد کے موقع پر جو تکلیف تمہیں پہنچی ہے اس میں کفار نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ بلکہ فَبِإِذْنِ اللَّهِ اللہ کے حکم سے ہی ایسا ہوا ہے۔ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر، اس کی مشیت اور ارادے کے بغیر واقع نہیں ہو سکتی۔ لہذا اس پر افسوس کا زیادہ اظہار نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ کہ اللہ تعالیٰ معلوم کرے کہ مومن کون لوگ ہیں۔

شکست کی حکمت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ہر چیز ہر وقت موجود ہے۔ اسے تکلیف میں مبتلا کرنے کے اہل ایمان کا ایمان جاپننے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ یہ علم کا معنی امتیاز کرنا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو باقی لوگوں سے ممتاز کرنا چاہتا تھا جب اس قسم کی آزمائش آئی تو سب لوگوں کو علم ہو گیا۔ کہ پکے مومن کون ہیں اللہ



نے انہیں کمزور ایمان والوں سے علیحدہ کر دیا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ کا اس واقعہ سے یہ منشاء بھی تھا وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا  
تاکہ منافقوں کو بھی ممتاز کر دے، اہل ایمان سے علیحدہ کر دے کہ یہ ہیں وہ لوگ جو مومن  
نہیں بلکہ کافر ہیں اور آئندہ اہل ایمان اُن کے دھوکے میں نہ آئیں۔ منافقین نے  
اپنے نفاق کا اظہار تو ابتداءً ہی کر دیا تھا جب کہ اُن کا ایک جھوٹا راستہ  
ہی سے واپس لوٹ گیا تھا۔ اور ————— میدان

احد تک پہنچا ہی نہیں۔ اُن میں سے جو میدان جنگ میں پہنچ گئے وہ بڑے فخر مند  
تھے۔ انہوں نے طرح طرح کی باتیں بنائیں جن سے اُن کی بندہ لی کا اظہار ہوتا تھا  
مسلمانوں کی تسلی کے لیے اللہ تعالیٰ نے میدان جنگ میں اُن پر غینہ طاری کر دی  
جبکہ جسے وہ تازہ دم ہو گئے اور اُن کے تمام تفکرات رفع ہو گئے۔ مگر  
منافقوں کو یہ سعادت بھی نصیب نہ ہوئی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے مختلف مواقع  
پر واضح کر دیا کہ اہل ایمان کون ہیں اور منافق کون۔ تو یہاں پر بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں  
کے گروہ کو تکلیف پہنچنے میں ایک حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں  
کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دے۔

جابر جانیہ یا  
دفاعہ  
جنگ

اُس کے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے تعلق سے جنگی حکمت عملی کا تذکرہ فرمایا ہے  
ارشاد ہوتا ہے۔ وَقِيلَ لَهُمْ اَوْرِثُوا مَنَاقِبُ الَّذِينَ قَاتَلُوا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ اَوْرِثُوا مَنَاقِبُ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اَوْرِثُوا مَنَاقِبُ  
جنگ دومہی طریقوں سے لڑائی جاتی ہے اقدامی جنگ (OFFENSIVE WAR)  
ہوتی ہے یا دفاعی جنگ (DEFENSIVE WAR) ہوتی ہے۔ اسلام میں دونوں قسم  
کے جہاد روا ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اسلام نے جنگ میں ہل  
کرنے کا حکم بھی دیا ہے۔ اگر کسی علاقے میں دشمن نے ظلم و ستم اور فتنہ و فساد کا بازار  
گرم کر رکھا ہو، شرفا کی عزت و مال محفوظ نہ ہو۔ اسلام کے خلاف سازش کا گڑھ بنا  
ہوا ہو، تو ایسی صورت میں گندے عنصر کا قلع قمع ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اسلام جنگ



یہ اقدام کی اجازت دیتا ہے۔ دوسری صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب دشمن خود چڑھائی کرے جیسا کہ جنگ خندق کے موقع پر ہوا تھا۔ تو ایسی حالت میں دفاعی جنگ لڑی جاتی ہے۔ ایسے موقع پر مرد، عورت، جوان، بوڑھا سب پر فرض عاید ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنا دفاع کرے عام حالات میں تو جہاد فرض کفایہ ہے۔ مسلمانوں کی فوج موجود ہے وہ دشمن کے ساتھ نبرد آزما ہو، باقی لوگوں کو میدان جنگ میں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی، مگر جب دشمن اہل اسلام پر چڑھ دوڑے تو یہ جنگ فرض عین بن جاتی ہے۔ اس میں ہر مرد و زن کی شرکت لازم ہوتی ہے۔ تو یہاں پر منافقوں سے کہا جا رہا ہے کہ آؤ اللہ کے راستے میں جارحانہ جنگ لڑو یا کم از کم دفاع میں ہی شریک ہو جاؤ۔ بعض اوقات بھرپور دفاعی طاقت دیکھ کر بھی دشمن مرعوب ہو جاتا ہے۔ لہذا اے گمراہ منافقین اگر تم حملہ کرنے کے لیے باہر نہیں نکل سکتے تو کم از کم دشمن کے حملہ کو روکنے کے لیے تو مسلمانوں کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہو جاؤ۔

منافقوں کی  
جیلہ سازی

فرمایا اس کے جواب میں منافقین اپنے نفاق کا اظہار یوں کرتے ہیں قَالُوا نُوْفَلُّكُمْ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ اگہ ہم یہ کسی ڈھب کی لڑائی جانتے تو ضرور تمہارا اتباع کرتے یعنی تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاتے۔ مگر یہ تو کسی ڈھب کی لڑائی ہی نہیں۔ دشمن کی تعداد زیادہ ہے اور ہم قلیل تعداد میں ہیں۔ یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے لہذا ہم اس لڑائی میں تمہارے ساتھ شامل ہونے کو تیار نہیں۔ اس طرح منافقین جنگ سے بچنے کے لیے جیلہ سازی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس دن ان کے نفاق کا پول کھل گیا۔ اور ان کی حالت یہ ہو گئی۔ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ وہ لوگ اس دن ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب ہو گئے۔ پہلے تو یہ لوگ صرف دُور سے منافق تھے اور زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے تھے مگر اُس دن انہوں نے زبان سے بھی ایسی بات کہ دی جس کی وجہ سے ظاہری طور پر بھی کفر کے قریب تر ہو گئے۔



اللہ تعالیٰ نے فرمایا، ان کی خصالت یہ ہے يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ اپنے  
 مونہوں سے ایسی بات کہتے ہیں مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ جو ان کے  
 دلوں میں نہیں ہے۔ زبان سے تو مسلمانوں کی حمایت کا دم بھرتے ہیں مگر دل  
 میں نفاق بھرا ہوا ہے۔ کہ کسی طرح جنگ میں شریک ہونے سے بچ جائیں۔  
 دل و زبان کا یہی تضاد منافقت کی نشانی ہے۔ عبداللہ بن ابی نے بھی یہی بات  
 کی تھی۔ کہ ہماری تو بات ہی نہیں مانی گئی۔ ہم کہتے تھے شہر میں رہ کر دفاع کریں گے  
 مگر یہ باہر نکل گئے، لہذا ہم ایسی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان  
 کی منافقت کا پردہ یہ کہہ کر فاش کر دیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ اللہ تعالیٰ  
 خوب جانتا ہے جس چیز کو جو وہ چھپاتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں چھپے  
 ہوئے رازوں سے بھی واقف ہے۔ لہذا اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتے بلکہ خود ہی  
 نقصان اٹھائیں گے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے منافقین کی ایک اور خصالت کا تذکرہ کیا ہے الَّذِينَ  
قَالُوا لَا حُورًا لَهُمْ وَقَعَدُوا وہ لوگ جنہوں نے اپنے بھائی بندوں یعنی  
 مسلمانوں کے متعلق یوں کہا اور خود بیٹھ رہے لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا  
 اگر یہ ہماری بات مان لیتے، تو قتل نہ ہوتے۔ یعنی ہم تو شہر میں رہ کر دفاع کے حق  
 میں تھے۔ مگر انہوں نے ہماری بات نہیں مانی لہذا باہر میدان میں جا کر مارے گئے۔  
 غرضیکہ طرح طرح کے چلے بہانے کیے کہ مسلمانوں کو اس حربے شکست ہوئی ہے  
 ان کی جنگی حکمت عملی درست نہیں تھی یا انہی صفت بندی اور مورچہ بندی کمزور تھی  
 اللہ نے فرمایا کہ یہ سب ان کی بہانہ سازی ہے۔ اصل میں یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں  
 اور اسے پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے بد باطن لوگوں کو مسنہ توڑ جواب دیا وَقُلْ اِنَّ  
نَبِيَّ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ ان سے کہ دیں فَادْرَعُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الصَّوْتِ  
 میں روک لو اپنے آپ سے موت کو۔ انہوں نے کہا تھا۔ کہ اگر مسلمان باہر نکل کر

موت سے فرار  
 ممکن نہیں



لڑتے لڑتے شہید نہ ہوتے، ہم جنگ میں عدم شرکت کی بنا پر بچ گئے۔ اللہ نے فرمایا  
 اگر تم موت کو وارد ہونے سے اس طرح روک سکتے ہو، تو روک کر دکھا دو۔ تم خواہ  
 گھر میں بیٹھے رہو یا کہیں چلے جاؤ، موت ہر صورت اپنے وقت پہ آکر ہے گی تم اُسے  
 ٹال نہیں سکتے، کیونکہ موت و حیات قبضہ قدرت میں ہے۔ اُس کا پہلو گرام یقیناً  
 اٹل ہے۔ اِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ  
 جب کسی کی موت کا معین وقت آجاتا ہے تو پھر — ایک سکنڈ بھی آگے پیچھے  
 نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ کہ تم گھر میں بیٹھے ہونے سے موت کو ٹال سکتے  
 ہو۔ بسا اوقات جنگ میں شریک لوگ بخیر و عافیت واپس آتے ہیں۔ اور پیچھے  
 رہ جانے والے مر جاتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے ایک شخص کا واقعہ بیان کیا ہے۔ کہ  
 ساری رات بیمار کے پاس بیٹھا روتا رہا کہ بیچارہ بیت جلد مر جائیگا۔ مگر جب صبح  
 ہوئی تو خود لقمہ اجل بن گیا جب کہ مریض ابھی زندہ تھا۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا  
 اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو یعنی گھر بیٹھے کہہ موت  
 کو وارد ہونے سے روک سکتے ہو، تو اسے روک کر دکھا دو۔ مگر تم ہرگز ایسا نہ  
 کر سکو گے۔

الغرض! غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست میں جو حکمتیں پوشیدہ تھیں اللہ نے  
 اُن کو بیان فرمادیا۔ منجملہ اُن کے ایک حکمت یہ بھی تھی کہ منافقوں کا طرز عمل واضح  
 ہو جائے۔ اس طرح اللہ جل جلالہ نے اس ایک واقعہ کے ذریعے ہزاروں اصول  
 سمجھائیے۔ اور آئندہ کے لیے مسلمانوں کو مستعد بننے کی تعلیم دی۔



لَنْ تَنَالُوا ۝

الْ عَمَلُ ۝

درس پنجاہ و نہ ۵۹

آیت ۱۶۹ تا ۱۷۱

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا  
 بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ  
 بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ  
 لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۚ أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ  
 وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ  
 ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

وقف لازم

ترجمہ: اور نہ خیال کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو مارے گئے اللہ تعالیٰ  
 کی راہ میں مرنے، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے پاس، اُن کو روزی دی جاتی ہے ﴿۱۶۹﴾  
 وہ خوش ہونے والے ہیں اُس پر جو اللہ نے ان کو دیا ہے اپنے فضل سے۔ اور  
 وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو ابھی تک اُن سے نہیں ملے  
 اُن کے پیچھے سے۔ یہ کہ نہیں ہوگا اُن پر کوئی خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۷۰﴾ وہ  
 خوشخبری حاصل کرتے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل سے اور یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ  
 نہیں ضائع کرتا ایمان والوں کے اجر کو ﴿۱۷۱﴾

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تنبیہ فرمائی کہ وہ منافقوں، یہود اور ربط آیات  
 اور نصاریٰ کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ جو روش انہوں نے غزوہ احد کے موقع پر اختیار  
 کی تھی اس سے منع فرمایا۔ نیز منافقین نے شہدائے احد کے متعلق کہا تھا لَوْ كَانُوا  
 عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا یعنی اگر یہ لوگ جنگ میں شریک ہوتی بجائے  
 ہمارے ساتھ پڑے ہوتے تو نہ مارے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس دعوے  
 کی بھی تردید فرمائی۔ دوسری بات اللہ نے یہ بھی بیان فرمائی کہ جب منافقین سے کہا گیا



تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ دَفَعُوا أَوِ اللَّهِ کے راستے میں جہاد کرو یا کم از کم دشمن سے دفاع ہی کرو۔ تو انہوں نے یوں حیلہ سازی کی کہ یہ تو کوئی ڈھب کی لڑائی نہیں ہے جس میں ہم شریک ہوں۔ یہ تو خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ اگر کسی ڈھب سے جنگ کی منصوبہ بندی کی جاتی تو ہم ضرور اس میں شامل ہوتے۔ بلکہ شہدائے اعدا کے متعلق انہوں نے کہا لَوْ أَطَاعُوا مَا قُتِلُوا لَإِلهِ ہمارے بات مانتے تو قتل نہ ہوتے اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کی تردید فرمائی۔

جہاد فی سبیل اللہ آج کے دور میں اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے لوگوں کی فضیلت اور ان کا درجہ بیان فرمایا ہے۔ اور ان کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی زندگی جیسی قیمتی متاع کا نذرانہ پیش کرتے ہیں انہیں حقیقی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور وہ بلند ترین مراتب پر فائز ہو جاتے ہیں۔ لہذا فرمایا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے انہیں مردہ مت گمان کرو۔ اللہ کی راہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ، دین کی اقامت اور اللہ اور اس کے رسول کے مشن کا قیام ہے۔ نیکی کے تمام امور فی سبیل اللہ ہی تصور ہوتے ہیں تاہم ان سب میں جہاد کا مرتبہ بلند ترین ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عام نیکی کا معیار یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں خلوص نیت کے ساتھ ایک پیسہ خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس گنا اجر عطا فرماتا ہے۔ سورۃ النعام کے آخری رکوع میں موجود ہے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَكَلَّ عَشْرَ امِّثَالِهَا جو کوئی ایک نیکی لے کر آیا اس کا بدلہ کم از کم دس گنا ہے۔ اور مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کئے گئے اثواب کم از کم سات سو گنا ہے اسکے بعد واللہ یُضَاعَفُ لِمَنْ يَشَاءُ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہیگا دگنا کر دیگا۔ یہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہو گا۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں نماز کے متعلق فرمایا کہ یہ عِمَادُ الدِّینِ یعنی دین کا ستون ہے اور جہاد کے متعلق فرمایا کہ اسلام کی کوہان کی بلندی جہاد ہے۔



دین، اہل دین اور ملت کو جہاد کی وجہ سے عزت نصیب ہوتی ہے۔ جہاد کریں گے تو کامیابی ہوگی، غلبہ حاصل ہوگا۔ اور جہاد ترک کر دیں گے تو ذلیل و خوار ہو کر رہ جائیں گے۔ دوسروں کے محکوم ہو جائیں گے۔ مذہب، ملت اور خود بھی دوبارہ کاشکار ہو جائیں گے۔

اس سے پہلے سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ یَقْتُلُ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۚ یعنی اللہ کے راستے میں جان دینے والوں کو مردہ مت کہو۔ اُن کو تو حقیقی حیات نصیب ہو چکی ہے جو اس دنیا کی زندگی سے لاکھوں کمزوروں سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہاں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت گمان کرو۔ یہ نہ سمجھو کہ وہ بالکل ختم ہو چکے ہیں۔ بَلْ اَحْیَآءٌ ۚ بلکہ وہ تو زندہ ہیں ان کو ایسی زندگی ملی ہے جو اس زندگی سے بہت فائق ہے اور وہ زندگی ہے کہاں، فرمایا عِنْدَ رَبِّہُمْ اپنے پروردگار کے پاس سورۃ بقرہ میں شہداء کی زندگی کے متعلق فرمایا وَلَٰکِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ تم کو اس زندگی کا شعور نہیں ہے۔ شہداء جس جہاں اور جس مقام پر موجود ہیں، وہ چیر تہاری عقل میں نہیں آسکتی اور نہ ہی تمہاری نگاہ اُسے دیکھ سکتی ہے۔ وہ دوسرا جہان ہے۔ جہاں کے احکامات مختلف ہیں۔ تمہیں اس کا شعور حاصل نہیں ہے۔ اس مقام پر فرمایا، وہ اپنے پروردگار کے ہاں زندہ ہیں اور یُرَدُّوْنَ اُن کو روزی دی جا رہی ہے۔ یہ شہداء کی خصوصیت ہے کہ مرنے کے بعد وہ عالیشان مقام اور نعمتوں میں رہتے ہیں۔ جس قسم کی اُن کی خواہش ہوتی ہے اسی قسم کی اُن کو روزی دی جاتی ہے۔ گویا شہداء کو فی الوقت باعزت روزی مل رہی ہے۔

شہداء کے فضائل کے متعلق حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ شہید کا پہلا قطرہ خون زمین پر گرتے ہی اللہ تعالیٰ اُس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ البتہ حقوق العباد اور دین (قرض) پھر بھی اُس کے ذمہ واجب الادا ہوتے ہیں۔ کسی کا حق تلف کیا ہے۔ قرض لے کر واپس نہیں کیا، تو جب تک صاحب حق

شہداء کی  
زندگی

شہداء کے  
مناقب



معاذ نہیں کرے گا۔ اس سے خلاصی نہیں ہوگی۔ موطا امام مالک کی روایت میں آتا ہے کہ شہدار کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے جسموں میں سوار ہو کر یسوع فِ الْجَنَّةِ حَدِثٌ یساکو جہاں چاہتے ہیں سیر و تفریح کرتے ہیں، کھاتے پیتے ہیں اور پھر ان قندیلوں کی طرف آجاتے ہیں جو عرش الہی کے ساتھ لٹک رہی ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ جنت الفردوس جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ اور عرش الہی اس کے اوپر ہے۔ جس کے ساتھ قندیلیں ہیں جن میں شہدار بسیرا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنا اعلیٰ مقام عطا کیا ہے۔

قاضی شہار اللہ پانی پتی اپنے وقت کے فقیہ، محدث اور نہایت صلح آدمی تھے ساری عمر علم اور مخلوق خدا کی خدمت میں گزاری۔ آپ شاہ ولی اللہ کے شاگرد ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ آپ وقت کے بیقی ہیں۔ اہم بیقی چوتھی صدی میں گزرے ہیں۔ آپ اہم شافعی کے مقلد تھے۔ آپ نے حدیث کی بہت کتابیں جمع کی ہیں، جن میں سنن کبریٰ آپ کی بڑی مشہور کتاب ہے۔ قاضی شہار اللہ کے پیر مظهر جان جاناںؒ تھے جو عالمگیر کے خالہ زاد بھائی تھے۔ شاہ ولی اللہ کے ہم عصر تھے شاہ صاحب نے انہی بڑی تعریف کی ہے۔ انہوں نے بھی شاہ صاحب کے متعلق بڑے تعریفی کلمات کہے ہیں۔ آپ بڑے کامل جیسے کے مرد مومن تھے۔ آپ رخص کے بڑے خلاف تھے۔ اس لیے رافضیوں نے آپ کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا۔ اُس زمانے میں رافضیوں کا بڑا دور دورا تھا۔ دسویں صدی ہجری کے بعد جب صفوی خاندان ایران میں آیا، اُس وقت سے اس لعنت کو بڑا عروج حاصل ہوا اب رخص کے ساتھ ساتھ خارجیت بھی پھیل رہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے ہی حالات ہیں۔ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا فتنہ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھے۔ اب تو عقیدے کی حفاظت بڑا مشکل کام ہو گیا ہے۔

قاضی شہار اللہ پانی پتی بہت سی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ فارسی زبان میں آپ کی کتاب صلابہ منہ درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔ یہ فقہ کی مستند



کتاب مانی جاتی ہے۔ آپ کی سب سے زیادہ معروف تالیف تفسیر منظر ہی ہے۔ جو آپ نے اپنے پیرو مرشد مرزا مظہر جانجانا کی طرف منسوب کی۔ قاضی صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ میرے مرشد نے فرمایا کہ میں کشفی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہدار پر اللہ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ انہیں یہ انعام اس لیے حاصل ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی سب سے قیمتی متاع یعنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ یہ عنایت صرف شہدا تک ہی محدود ہے۔ کیونکہ مقربین فرشتوں پر بھی خداوند تعالیٰ کی ذاتی تجلیات نہیں پڑتیں، ان پر صفاتی تجلیات ہی پڑتی ہیں۔ ذاتی تجلیات صرف انسانوں کے لیے خاص ہیں۔ شہیدوں کے بعد صدیقیوں کا درجہ ان سے بھی بلند ہے۔ اور پھر انبیاء کا درجہ سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ بہر حال قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ ان کے مرشد نے بیان کیا کہ میں کشفی نگاہ سے دیکھ رہا ہوں کہ شہداء پر اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات پڑ رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ شہدار کی زندگی عام مومنین کی نسبت بہت اعلیٰ درجے کی زندگی ہے۔

جہاں تک برزخ زندگی کا تعلق ہے، وہاں تو ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں زندہ ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہدار کا درجہ تو بلند ہے، عام مومنین کو بھی برزخ میں زندگی حاصل ہوتی ہے، جس میں انہیں راحت کا احساس بھی ہوتا ہے اسی طرح کافروں اور منافقوں کی ارواح بھی برزخ میں زندہ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ انہیں عذاب کا احساس ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شہدار کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ انہیں مردہ گمان نہ کہو، بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور وہاں انہیں روزی دی جاتی ہے۔ صرف معتزلہ فرقہ ایسا ہے جو برزخ زندگی کا قائل نہیں، ان کے نزدیک اس دنیا کی زندگی کے بعد بس آخرت کی زندگی ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ شہدار کو اس زندگی کے منقطع ہونے کے فوراً بعد برزخ کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ جہاں انہیں روزی ملتی ہے اور دیگر خوشیاں بھی حاصل ہوتی ہیں، تاہم اہل ایمان کو حقیقی انعامات حشر کے بعد حاصل ہوں گے برزخ میں اس کا



کچھ نمونہ حاصل ہوتا ہے۔ وہاں جو کچھ بھی انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا  
فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ اللہ نے جو کچھ انہیں اپنے فضل سے  
 عطا کیا ہے، اُس پر خوش ہونے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ الغامات پر وہ  
 خوش ہو رہے ہیں۔

پچھلوں کے  
 متعلق بشارت

اُس کے اللہ تعالیٰ نے دو بشارتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو شہدار کو عالم برزخ میں  
 حاصل ہوتی ہیں۔ پہلی بشارت کے متعلق فرمایا وَيُتَبَشَّرُونَ بِالَّذِينَ لَكُمْ يَلْقَوُا فِيهِمْ  
مَنْ خَلْفَهُمْ وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اُن لوگوں کے بارے میں جو اُن سے  
 نہیں ملے۔ یعنی شہدار کے عزیز و اقارب، ارشتہ دار، احباب وغیرہ جو ایما ندار  
 ہیں اور ابھی تک دُنیوی زندگی بسر کر رہے ہیں، اُن کے متعلق انہیں یہ خوشخبری ملتی  
 ہے الْأَخَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کہ اُن پر بھی خوف نہیں  
 ہوگا اور وہ بھی غمگین نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خوشخبری دی  
 جاتی ہے کہ تمہارے فلاں فلاں اعزہ و اقارب بھی تمہاری طرح دنیا میں نیکی کے  
 راستے پر چل رہے ہیں۔ اور اسی صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے وہ بھی تمہاری طرح رستہ  
 کے مقام میں پہنچیں گے۔ چنانچہ یہ خوشخبری شہدار کے لیے مزید خوشی کا باعث  
 ہوتی ہے۔ فرمایا دوسری بشارت یہ ہے يُتَبَشَّرُونَ بِنِعْمَةٍ  
مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت اور احسان حاصل ہے  
 اور اللہ تعالیٰ کا فضل بھی اُن کے شامل حال ہے۔ قیامت کے بعد تو سب  
 لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا مگر شہدار کو یہ نعمتیں فی الوقت مل رہی  
 ہیں۔ اور اب انہیں یہ یقین حاصل ہو گیا ہے وَلَاِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ  
الْمُؤْمِنِينَ بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔  
 اہل ایمان اپنے اور اچھے عہدیدے کے ساتھ جو نیک عمل کرے گا۔ اللہ تعالیٰ  
 اس کا ضرور بدلہ دیگا۔ یہ تو عام مومنین کے متعلق ہے مگر شہدار کو تو نہایت اعلیٰ مقام  
 حاصل ہے۔ انہوں نے اپنی عزیز ترین متاع اللہ کی راہ میں قربان کر دی، اللہ کے



مشہد کا غسل  
اور جنازہ

دین کے قیام کے لیے سر و صر کی بازی لگادی، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بہترین اجر عطا فرمایا۔  
حدیث شریف میں آتا ہے کہ کافروں کے ہاتھوں شہادت پانے والے  
شہیدوں کو غسل دینے کا حکم نہیں ہے۔ اُن کو اُسی طرح خون میں لت پت قبر میں اتار دیا  
جائے شہدائے احد کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا ان کے ہتھیار زبرہ وغیرہ زاید  
لباس میں آتے ہیں یہ ان کے جسم سے اُتار دو اور اُن کے اصل لباس کمرے قمیض، تہ بند  
پاجامہ وغیرہ سمیت دفن کر دو۔ فرمایا شہدار کا خون قیامت کے دن دوبارہ تروتازہ  
ہو جائے گا۔ جس سے کشتوری جیسی خوشبو آئیگی اور یہ ایسی حالت میں خدا تعالیٰ کی  
بارگاہ میں پیش ہوں گے۔ البتہ فقہائے کرام، محدثین، مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی  
شخص جنابت کی حالت میں شہید ہو جائے تو اس کے غسل کے مسئلہ میں اختلاف رائے  
ہے۔ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں بھی شہید کو غسل دینے کی  
ضرورت نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جنبی شہید کے لیے  
غسل ضروری ہے۔ دلیل کے طور پر فرماتے ہیں کہ حضرت خطلہؓ جنابت کی حالت  
میں شہید ہوئے تھے، انہوں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی جنگ زوروں پر تھی۔  
انہیں غسل کا موقع نہ ملا۔ اسی حالت میں میدان جنگ میں کود گئے اور شہید ہو گئے۔  
حضور علیہ السلام نے اُن کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے  
بارش کے پاکیزہ پانی سے چاندی کے برتن میں زمین و آسمان کے درمیان حضرت خطلہؓ  
کو غسل دے رہے تھے، لہذا ثابت ہوگا کہ جنبی شہید کا غسل ضروری ہے۔

شہدا کا جنازہ پڑھنے کے متعلق امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اُن کا جنازہ پڑھنے کی  
بھی ضرورت نہیں کیونکہ ان کی مغفرت تو ہو چکی ہے۔ تاہم امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ  
اور امام احمدؒ کی رائے ہے کہ جنازہ پڑھا جائے۔ اُن کی دلیل یہ ہے کہ جنازہ صرف  
گناہوں کی معافی کے لیے ہی نہیں بلکہ درجات کی بلندی کے لیے بھی پڑھا جاتا  
ہے۔ شہدا کا جنازہ پڑھتے کا مقصد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے  
بیر معونہ کے مقام پر بستر صحابہ کرامؓ جو قرار، فضلا اور منتخب بزرگوار تھے، شہید

شہدار  
بیر معونہ



کر دیے گئے۔ یہ کفار کی سازش تھی۔ ابو بکر عامر بنی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔  
 کہ ملک نجد میں تعلیم اسلام کے لیے تبلیغ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ آپ نے  
 ستر صحابہ کرامؓ ان کے ساتھ بھیج دیے۔ جب یہ قافلہ بیرمحوئے کے مقام پر پہنچا، تو  
 انہیں دھوکے سے شہید کر دیا گیا۔ ان شہداء اور شہداء کے متعلق بخاری شریف  
 میں روایت ہے کہ انہوں نے عالم بزرخ میں اپنی اچھی حالت اور اللہ کی طرف  
 سے انعام و اکرام کے متعلق تمنا کی تھی کہ ان کی اس حالت کا علم دنیا میں پہنچنے  
 والے ان کے بھائیوں کو ہو جائے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں  
 تمہاری حالت کو تمہارے بھائیوں تک پہنچاتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان  
 سے وحی نازل فرمائی **يٰۤاَيُّهَا قَوْمَنَا اِنَّا لَفِيْكُمْ رٰسُوْنَ** اور رضیاعہ  
 ہماری قوم تک یہ بات پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے ہیں۔ وہ ہم سے راضی ہو گیا  
 اور ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں یہ قرآن پاک کی آیت تھی۔ جو کافی عرصہ پڑھی جاتی رہی، بعد میں منسوخ ہو گئی۔  
 الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر شہداء کی فضیلت بیان فرمائی ہے اور  
 خوشخبری سنائی ہے کہ وہ مومنوں کے نیک اعمال کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کا بہتر  
 اجر عطا کرتا ہے۔



لَنْ تَنَالُوا ۴

ال عمران ۳

درس شصت ۶۰

آیت ۱۴۲ تا ۱۴۵

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا صَابَهُمُ  
 الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا أَجْرٌ  
 عَظِيمٌ ﴿١٤٢﴾ الَّذِينَ قَالُوا لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ  
 قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَحِيلُوا  
 وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿١٤٣﴾ فَانْقَلَبُوا  
 بِنِعْمَةِ اللَّهِ مِنْ اللَّهِ وَفَضِّلْ لَمْ يَمَسَّ سَوْءٌ  
 وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿١٤٤﴾  
 إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ ۚ فَلَا تَخَافُوهُمْ  
 وَخَافُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٤٥﴾

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچا۔

ان لوگوں کے لیے جنہوں نے نیکی کی ہے اور ڈراتے ہیں بہت بڑا اجر ﴿۱۴۲﴾

وہ لوگ جن کے لیے لوگوں (یعنی کافروں) نے کہا کہ بیشک لوگوں (یعنی مکے والوں) نے

تمہارے لیے اکٹھا کیا ہے (شکم) پس ان سے ڈرو۔ پس (اس بات نے) ان

کے ایمان کو زیادہ کیا۔ اور انہوں نے کہا، کافی ہے ہم کو اللہ اور وہ بہتر کارساز ہے ﴿۱۴۳﴾

پس وہ کوڑے اللہ کی نعمت اور فضل کے کہ نہ پہنچی ان کو کوئی برائی۔ اور انہوں

نے اللہ کی خوشنودی کی پیروی کی۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے ﴿۱۴۴﴾

بیشک یہ بات کہ شیطان ہے جو ڈراتا ہے اپنے دوستوں کو۔ پس ان سے

نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو ﴿۱۴۵﴾



یہ آیات بھی غزوہ احد ہی کے ضمن میں ہیں۔ سابقہ درس میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی فضیلت بیان فرمائی اور ان منافقوں کی مذمت کی جو کہتے تھے کہ اگر مسلمان ہماری بات مانتے، لڑائی کے لیے باہر نہ نکلتے، تو نہ مائے جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے شہداء کو مردہ کہنے سے منع فرمایا، بلکہ ان کی حیاتِ جاودان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہیں روزی دی جا رہی ہے اور وہ صدق اور قرب کے مقام پر فائز ہیں۔ اپنے پس ماندگان کے متعلق انہیں بشارت ملتی ہے کہ اگر وہ بھی صراطِ مستقیم پر گامزن ہے، تو شہداء کے ساتھ آئیں گے۔ اللہ نے واضح فرمادیا کہ وہ ایمان والوں کے اجرِ کسبی صورت میں ضائع نہیں ہوتا۔ یہ بات کسی گزشتہ درس میں بیان ہو چکی ہے۔ کہ غزوہ احد میں مشرکین کے سالار لشکر ابوسفیانؓ تھے۔ بڑے بڑے ائمہ کفر تو جنگِ بدر میں ہی مائے گئے تھے اور اب سیادتِ ابوسفیانؓ کو حاصل تھی۔ اگر یہ مسلمانوں کو ابتدائی طور پر مستحقِ حاصل ہوئی، مگر بعض صحابہ کی غلطی کی وجہ سے یہ فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ مسلمانوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ مگر اللہ تعالیٰ پھر مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی، کافروں کے دلوں میں رعب ڈالا اور وہ فتح حاصل کرنے کے باوجود پس پا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ تاہم ابوسفیانؓ نے لوٹتے وقت اعلان کیا۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ اگلے سال پھر بدر کے مقام پر محرم ہو گا۔ گویا اہل اسلام کو چیلنج کیا۔ کہ اگلے سال بدر کے مقام پر پھر مقابلہ کے لیے تیار ہو کر آئیں۔

آج کے درس کی پہلی آیات دو مختلف واقعات سے متعلق ہیں اور اس لحاظ سے ان کے شانِ نزول بھی مختلف ہیں۔ پہلی آیت میں اُن صادقین کا ذکر ہے جنہوں نے تکلیف کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف بیان کی ہے۔ مفسرین کرام اس آیت کا پس منظر غزوہ احد ہی بیان کرتے ہیں۔ مشرکین اہل اسلام کو کاری ضرب لگانے کے بعد جب واپس ہوئے تو راستے میں ابوسفیانؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کہ مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرنے کے باوجود نہ انہوں نے کوئی قیدی بنائے ہیں اور نہ ہی کوئی اور مفاد حاصل کر سکے ہیں۔ مسخ بھی مسلمان ہیں۔ اب بھی پلٹ کر اُن کا صفایا کر دینا چاہیے۔ اہل مکہ کے اس



بڑے ارادے کی خبر جب حضور علیہ السلام کو پہنچی۔ تو اپنے بچے کچھے زخمی صحابہ کو جمع فرمایا اور اس خبر سے مطلع فرمایا، اس کے ساتھ ہی یہ مشورہ بھی کیا کہ پیشتر اس کے کہ مشرکین پلٹ کر ہم پر حملہ کریں، کیوں نہ ہم خود ان کا تعاقب کر کے ان کے ناپاک ارادے کو خاک میں ملا دیں۔ صحابہ کرامؓ اگرچہ تھکے ماندے اور زخم خوردہ تھے مگر وہ حضور علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ مسلمان مدینہ طیبہ سے آٹھ میل دور حجاز الاسد کے مقام تک کفار کے پیچھے گئے، جب مشرکین کو علم ہوا، تو انہوں نے پسپائی میں ہی اپنی خیر منائی اور اس طرح دونوں لشکروں کی دوبارہ ٹکڑ بھیر نہ ہو سکی۔ حضور علیہ السلام کا لشکر وہاں تین دن تک ٹھہرا رہا، وہاں پر تجارتی لین دین میں منافع بھی حاصل کیا اور پھر باغزت مدینہ لوٹ آئے۔ تو پہلی آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ زخم خوردہ اہل ایمان نے بنی علیہ السلام کے حکم کو بسر و چشم تسلیم کیا اور اس کی تعمیل کی۔

آج کے درس کی دوسری آیت کا پس منظر ۴ھ کا واقعہ ہے۔ احد کے موقع پر ابوسفیانؓ مسلمانوں کو چیلنج کر گیا تھا کہ آئندہ سال پھر ہمارا تمہارا بدر کے مقام پر مقابلہ ہو گا۔ اس پلان کے تحت ابوسفیانؓ دوبارہ کا لشکر لے کر جس میں عکباس کے قریب گھوڑ سوار بھی تھے مکہ سے نکلا۔ مسلمانوں کا رعب تو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ جب یہ لشکر روحا کے مقام پر پہنچا، تو انہوں نے مسلمانوں کو بدل کرنے کے لیے ایک اور منصوبہ بنایا۔ اور وہ یہ تھا کہ کسی طرح مدینہ میں یہ خبر بڑھا چڑھا کر پہنچائی جائے کہ اہل مکہ بہت بڑے لشکر اور ساز و سامان کے ساتھ مقابلہ کے لیے آ رہے ہیں۔ اب مسلمان ان سے بچ نہیں سکتے۔ کفار کا خیال تھا کہ اس قسم کے پراپیگنڈہ سے مسلمان ہر عجب ہو کر خود ہی ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور مقابلے کی جرأت نہیں کریں گے۔ چنانچہ اس مقام پر مشرکین کو معبد خزاعی نامی ایک شخص ملا جو مدینہ کی طرف جا رہا تھا۔ انہوں نے پراپیگنڈا کا کام اس سے لینا چاہا۔ وہ شخص اگرچہ اُس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا۔ مگر دل سے حضور علیہ السلام کا طرفدار تھا۔ اُس شخص نے مشرکین کو بتایا کہ وہ مسلمانوں کی



طاقت اور جذبہ ایمانی سے واقف ہے، تم اُن کا مقابلہ نہیں کر سکو گے، لہذا بہتر ہے کہ یہیں سے واپس چلے جاؤ، ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے۔ اس سے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا مزید رعب داخل ہو گیا۔ مگر وہ جس قبیح مقصد کے لیے آئے تھے اُس سے دستبردار ہونے کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے مطلوبہ پراپگنڈہ کے لیے دو ستر لوگوں کی خدمات حاصل کیں۔ قبیلہ عبدالقیس کا ایک قافلہ مدینہ کی طرف رواں تھا۔ اُس کے قافلہ دار کی کچھ ممنت سماجیت کی، کچھ للچ دیا اور انہیں اپنے حق میں پراپگنڈہ کرانے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا اور انہوں نے لشکر کفار کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ تو اہل اسلام پر اس پراپگنڈہ کا اثر یہ ہوا۔ کہ جذبہ شہادت سے سرشار ہو کر اُن کی قوت ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ آج کی دوسری آیت کریمہ میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔

پراپگنڈہ کو ہمیشہ سے ایک مؤثر ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا ہے معاملہ مذہبی ہو یا سیاسی، معاشی ہو یا معاشرتی ہر صورت میں پراپگنڈہ کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے میں پراپگنڈہ اہم کردار ادا کرتا ہے۔ خاص طور پر جنگ کے دوران اپنی قوم کی حوصلہ افزائی اور دشمن کی اعصاب شکنی کے لیے پراپگنڈہ بہترین ہتھیار ثابت ہوا ہے۔ اس زمانے میں پراپگنڈہ کی ابتداء تو انگریزوں نے کی تھی۔ اس کا اصول یہ تھا کہ اگر گتے کو بھی مارنا مقصود ہو تو پہلے سخت پراپگنڈہ کر دو کہ یہ باور لائے، اس کے بعد اُس کو گولی مار دو۔ آج کل اس ہتھیار کا سب سے زیادہ استعمال اشتراکی ممالک خصوصاً روس کے ہاں ہوتا ہے۔ اس پراپگنڈہ کی ابتداء غریب کی حمایت سے ہوتی ہے۔ لوگوں کے ذہنوں کو سرگرداںی کے خلاف تیار کیا جاتا ہے۔ جب لوگوں کے دلوں میں اشتراکیت کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو جاتا ہے، تو پھر ہمسایہ ملک پر حملہ کر دیا جاتا ہے اور اُسے ہمیشہ کے لیے اشتراکیت کے جہنم میں جھونک دیا جاتا ہے۔ بہر حال کفار مکہ نے بھی اسی ہتھیار کو آزمایا مگر اہل ایمان کے ناقابل شکست ایمان پر اس کا کوئی منفی اثر

پراپگنڈہ بطور  
مؤثر ہتھیار



مرتب نہ ہوا، بلکہ اُن کے ایمان مضبوط سے مضبوط تر ہو گئے۔

الغرض! اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں صحابہ کرامؓ کے ایمان کی پختگی کا ذکر فرمایا ہے۔ الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا من بعد ما اصابهم القرح بعد اس کے کہ وہ زخم خوردہ تھے انہیں احد کے مقام پر سخت جانی نقصان اٹھانا پڑا اور صحابہ کرامؓ شہید ہو چکے تھے باقیوں میں بیشتر زخمی تھے مگر جب اللہ کے رسول نے منشائے یزدی کے مطابق دشمن کے

تغائب کا حکم دیا، تو

بچے کچھے زخمی صحابہؓ نے اس حکم پر دل و جان سے لبیک کہا اور دشمن کے تغائب میں تھمیل چلے گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر صحابہؓ کی مدح بیان فرما کر تمام اہل اسلام کو ترغیب دی ہے۔ کہ وہ بھی اسلام کے اولین جانثاروں کی تقلید میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کے لیے ہمیشہ تیار رہیں۔ اللہ نے فرمایا لِلَّذِينَ احْسَنُوا مِنْهُمْ ان میں سے جن لوگوں نے نیکی کا استہانتیار کیا واثْقُوا اور پیمیزگاری اختیار کی اَجْرٌ عَظِيمٌ ایسے لوگوں کے لیے اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح پہلے نیک لوگوں کو انعامات سے نوازا ہے آئندہ بھی نیکی کرنے والوں کو بلند درجات عطا فرمائے گا۔

ایمان میں  
بھانپنا

اب اگلی آیت میں وَمِمَّنْ رَاٰ كَيْفَ وَاَقَعَتْ کی طرف اشارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ وہ لوگ کہ جن کو لوگوں نے کہا یہاں پر الناس سے مراد وہی تاجر لوگ جن کا تعلق قبیلہ عبد القیس سے تھا اور وہ مدینہ کی طرف جا رہے تھے اور انہوں نے مشرکین کے کہنے پر مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کیا۔ مفسرین کلام فرماتے ہیں کہ اس ناس سے مراد جماعت بھی ہو سکتی ہے اور فرد واحد بھی۔ کیونکہ عربی زبان میں اس لفظ کا اطلاق دونوں معانی پر ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہائے احناف بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کے لا اكلهم الناس واللہ یعنی اللہ کی قسم میں ان لوگوں سے کلام نہیں کرے گا۔ اور اس کے بعد وہ شخص اگر کسی آدمی سے بھی کلام کرے گا تو



اُس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ ناس کا لفظ جماعت اور فرد واحد پر یکساں بولا جاتا ہے  
چونکہ مدینہ کی طرف پورا قافلہ جارہا تھا اور اُن سب کو مشرکین نے پراپیگنڈا پر آمادہ کیا  
تھا، اس لیے اس ناس سے جماعت مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مشرکین نے  
صرف ایک آدمی کو اس کام پر مامور کیا تھا۔ اگر ایسا ہے تو پھر ناس سے مراد وہ فرد  
واحد ہوگا۔ بہر حال یہاں پر اَلَّذِیْنَ سے مراد مدینہ والے اہل ایمان ہیں اور الناس سے  
مراد وہ ایک یا زیادہ تجار ہیں جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کیا۔ تو معنی یہ  
ہوا کہ جب قافلے والوں نے مدینہ طیبہ کے مسلمانوں سے یوں کہا۔ اِنَّ النَّاسَ قَدْ  
جَمَعُوا لَکُمْ بِشَکٍّ لَّوْکُمْ نے تمہارے لیے اکٹھا کیا ہے۔ یہاں پر ناس  
سے مراد مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے تجارتی قافلے کو اپنے حق میں پراپیگنڈا کے لیے  
بھیجا تھا۔ مطلب یہ کہ قافلے والوں نے اہل مدینہ سے جا کہہ کہا کہ مکے والوں نے  
تمہارے مقابلے کے لیے کثیر فوج اور وافر اسلحہ اکٹھا کر رکھا ہے۔ اور وہ تم پر غمغیم  
حملہ آور ہونے والے ہیں لہذا فَاحْشَوْهُمْ اِنَّ سَے ڈر جاؤ۔ مقصد یہ تھا کہ  
تم اہل مکہ کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ لہذا جنگ کے بغیر ان کی اطاعت قبول کر لو۔  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مشرکین کے اس جھوٹے پراپیگنڈا سے مسلمان خوفزدہ نہ ہوئے  
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا بَلْکَ اُن کے ایمان میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ اسلام پر مزید حجم  
گئے۔ مشرکین سے ڈرنے کی بجائے اُن کے جذبہ جہاد میں مزید اضافہ ہوا۔ اور انہوں  
نے کہا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ہمارے لیے ہمارا اللہ کافی  
ہے۔ وہ بہترین کارساز ہے۔ ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔

یہ کلمہ بہترین ورد بھی ہے۔ یہ اس بات کا اقرار ہے کہ خالق، مالک اور مسبب  
ذات واحد ہے، فتح و شکست اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی نے ہمارا کام بنانا ہے  
جب تک کسی چیز میں اللہ اثر نہ ڈالے اُس وقت تک کوئی چیز مفید نہیں ہو سکتی۔ لہذا  
اسی پر ہمارا بھروسہ ہے۔ حضرت ابو الحسن شاہ ولی نے اس ورد کے فضائل اور مختلف مقاصد  
کے لیے اُسے پڑھنے کے متعلق ایک رسالہ القول الجلیل لکھا ہے۔ بہر حال



حَسْبُنَا اللَّهُ وَفِيهِ الْوَكِيلُ حصول مقصد کے لیے بڑا اچھا وظیفہ ہے۔

صحابہ کرامؓ کی فضیلت

اہم اہم بوجہ جصاصؓ فرماتے ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ اور عام اہل ایمان کو یہ بات سمجھائی ہے کہ تم بھی انہی کا طریقہ اختیار کرو۔ ان مجاہدوں کو تکلیف بھی آتی ہے تو جزع جزع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ کے دین پر مزید جمع جاتے تھے۔ احد کے موقع پر فراسی اجتہادی غلطی ہوئی تھی، تو فتح شکست میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے اُسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہنیت سمجھا اور پھر جان فروشی پر استعداد ہو گئے۔ اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر زخم خوردہ صحابہؓ نے دشمن کا آٹھ میل تک تعاقب کیا اور تین دن تک وہاں بٹھڑے۔ اگلے سال ۳ھ میں حبیب ابوسفیانؓ کے لشکر کی خبر ملی تو حضور علیہ السلام پندرہ سو جانثاروں کے ساتھ بدر کے مقام پر پہنچے وہاں پر آٹھ دن تک انتظار کیا مگر ابوسفیانؓ کو سامنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہ غزوہ بدر صغریٰ کہلاتا ہے۔ وہاں پر جنگ تو نہ ہوئی۔ البتہ صحابہؓ نے وہاں کی منڈی میں تجارت کی جس سے کافی نفع حاصل ہوا۔ جسے تمام مجاہدین میں برابر برابر تقسیم کر دیا گیا۔ اسی مالی فائدے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ اِلٰى الْبِلَادِ الَّتِي كَانُوْنَ فِيْهَا۔ اس انعام سے تجارتی منافع اور آخری ثواب دونوں مراد ہیں۔ اور فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ خاص مہربانی ہے جو ان کے شامل حال تھی۔ اس کے علاوہ وہ بالکل صحیح سلامت واپس آئے لَمْ يَمَسَّ مِنْهُمْ شَيْءٌ اور اہل ایمان کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچی اور ان کی خصوصیت یہ ہے وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی پیروی کی۔ اللہ کے حکم کے سامنے تسلیم خم کر دیا۔ جب انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے تابع کر لیا تو پھر واللہ ذو فضل عظیم اللہ تعالیٰ بھی بہت بڑے فضل والا ہے۔ اُس نے دنیا میں بھی ان کو غالب کیا۔ اور آخرت میں بھی ان کو واقف حصہ عطا کرے گا۔

شیطانی فعل

مشرکین کی اس سازش کے متعلق آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَتَمَّازِلَنَّهُمْ



الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ شَيْطَانُ ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے یعنی اس  
 جھوٹے پراپیگنڈا سے شیطان کے اپنے دوست (یعنی کمزور ایمان والے اور منافق قسم کے  
 لوگ) تو ڈر سکتے ہیں۔ مگر اہل اسلام پر اس کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا (امام شاہ ولی اللہؒ نے اسی تفسیر  
 کو اختیار کیا ہے، دیکھو فتح الرحمان اور امام بیضاویؒ نے دونوں تفسیروں کو اختیار کیا ہے)۔  
 اس کا دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان نے اپنے حواریوں کے ذریعے جھوٹا  
 پراپیگنڈا کھڑا کیا تاکہ مسلمان ڈر جائیں۔ اور مشرکین کی اطاعت قبول کر لیں۔ اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کو فرمایا فَلَا تَخَافُوهُمْ فَمَنْ تَمَنَّاهُمْ اَنْ يَمُوتَ وَرُوْا اَنْ يَمُوتَ  
 اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اس کے بجائے وَخَافُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ  
 اگر تم بچے سچے مومن ہو تو مجھ سے ڈرو کہ کہیں میرے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو جائے  
 اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں صحابہ کرامؓ کا نمونہ بیان فرمایا کہ ان کے بعد آنے  
 والے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے۔ کہ تم کو بھی صحابہؓ کی طرح تکلیف کے باوجود دین  
 کی خاطر ہمہ تن تیار رہنا چاہیے اور تمہاری زبان پر بھی حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ  
 کے الفاظ ہونے چاہئیں۔ اگر اللہ کی ذات پر بھروسہ کر کے دشمن کے مقابلہ میں ٹٹ  
 جاؤ گے تو فتح و نصرت تمہارا استقبال کرے گی، جب کہ اِنَّ السَّانِیْنَ اپنے آپ کو  
 ہمہ تن اللہ کے سپرد کر دیتا ہے تو پھر فَاَنْقَلِبُوْا كَاٰمِدِيْنَ بن جانا ہے اللہ تعالیٰ  
 کے انعام اور فضل اس کے شامل حال ہو جاتے ہیں گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کا  
 وعدہ گزر چکا ہے۔ کہ اگر تم ایمان اور اخلاص پر قائم رہو گے تو ہم کافروں کے دلوں میں  
 تمہارا رعب ڈال دیں گے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج کافروں کے دلوں میں مسلمانوں  
 کا رعب باقی نہیں رہا، کیونکہ مسلمان اپنے مرکز کو ترک کر چکے ہیں۔ آج ہم امریکہ اور روس  
 کے آگے کار بنے ہوئے ہیں۔ ہم ان کی مادی مدد کے محتاج ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہمارا رعب  
 ان پر کیسے وارد ہو سکتا ہے۔ آج مسلمانوں میں صحابہ کرامؓ والی جانفشانی کا کمر وڑاں حصہ  
 بھی باقی نہیں رہا۔ کیونکہ ہمارا ایمان کمزور ہو چکا ہے۔ اور دنیا صرف ایمان سے ڈرتی  
 ہے۔ اِنَّ النِّعْزَ! اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کا نمونہ بیان فرمایا کہ آئندہ آنے والے مسلمانوں  
 کے لیے راہ عمل متعین کر دی ہے۔



لَنْ تَنَالُوا

درس شصت و یک ۶۱

ال عمران ۳

آیت ۱۷۶ تا ۱۷۸

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾  
 الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَنْ يَضُرُّوا  
 اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسِبَنَّ  
 الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّئُهُمْ خَيْرًا لَّأَنفُسِهِمْ  
 إِنَّمَا نُمَلِّئُهُمْ لِيُزِدُوا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ  
 مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

ترجمہ :- اور آپ کو وہ لوگ غم میں نہ ڈالیں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں۔ بیشک یہ لوگ  
 اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ ان کے لیے آخرت  
 میں حصہ نہ بنائے اور ان لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے ﴿۱۷۶﴾ بیشک وہ لوگ جنہوں نے  
 ایمان کے بدلے کفر کو خریدا، اللہ تعالیٰ کو ہرگز کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور ان کے  
 لیے دردناک عذاب ہے ﴿۱۷۷﴾ اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ بیشک  
 جو مہلت ہم ان کو دے رہے ہیں، وہ ان کے نفسوں کے لیے بہتر ہے۔ بیشک ہم  
 مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ مزید گناہ کرتے رہیں۔ اور ان کے لیے ذلت ناک عذاب ہے ﴿۱۷۸﴾

شہداء کے فضائل بیان کرنے کے بعد گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین  
 کی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ غزوہ احد کے اختتام پر صحابہ کے زخموں کے ابھی خون بھی  
 بند نہیں ہوئے تھے کہ وہ اللہ اور رسول کے حکم کی تعمیل میں کفار کے تعاقب میں نکل



کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اجرِ عظیم کی بشارت سنائی۔ پھر مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لیے جو پراپیگنڈا کا ہتھیار استعمال کیا تھا، اہل ایمان نے اس کا بھی کوئی اثر قبول نہ کیا، بلکہ اُن کے ایمان مزید مضبوط ہو گئے۔ اُن کی زبان پر **حَسْبُنَا اللَّهُ وَفِيهِ الْوَكِيلُ** کے الفاظ تھے، گویا انہوں نے دشمن سے خوفزدہ ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسے کا عملی نمونہ پیش کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیوی انعام سے بھی مالا مال کیا اور آخرت میں اُن کے لیے واقف حصہ مقرر کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے پراپیگنڈا کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا **إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُفْسِدُ فِعْلَكُمْ**۔ جس کے ذریعے وہ اپنے دوستوں کو توڑا سکتا ہے، مگر اہل ایمان پر اُس کا کوئی بس نہیں چلتا۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ”یہ جو ہوسو شیطان ہے، کہ ڈراتا اپنے دوستوں سے“۔ یعنی اپنے حواریوں کے ذریعے اہل ایمان کو ڈراتا ہے۔ موجودہ زمانے میں بھی دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے اس قسم کے ذرائع اختیار کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ آج کی سرد جنگ (COLD WAR) اور اعصابی جنگ (NEYOUS WAR) اسی قبیل سے ہیں۔ مگر جن لوگوں کو خدا کی ذات پر بھروسہ ہے وہ مادی اسباب کو بھی جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے بھی واقف ہیں۔ انہیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر چیز پر حاوی ہے۔ مومن اللہ کے حکم کے مطابق اسباب کو اختیار کرتے ہیں مگر وہ خوب سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے بھی کامیابی عطا کر سکتا ہے۔ بہر حال مخالفین کا پراپیگنڈا شیطانی فعل ہے، جس کے ذریعے وہ اہل ایمان کو خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر اہل ایمان پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا کہ شیطانی تدابیر سے ڈرو بلکہ محض میری نافرمانی سے ڈرو۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اُن منافقین کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جو مشرکین کے منافقین کی خدمت غلط پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر کفر کی طرف دوڑتے ہیں تاکہ اُن کے ساتھ تعلقات



استوار کر کے کسی آئندہ مصیبت سے مامون رہیں۔ اللہ نے ایسے لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ لَيْسَ أَعُونُ فِي الْكُفْرِ اے پیغمبر علیہ السلام! وہ لوگ آپ کو غم میں نہ ڈالیں جو کافروں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں تاکہ ان کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کر سکیں۔ فرمایا آپ دین کے معاملہ میں فکر مند نہ ہوں اِنَّهُمْ لَنْ يَصُحُّوا وَاللّٰهُ شَهِيدٌ یہ لوگ اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہاں پر اللہ کو نقصان پہنچانے سے مراد اللہ کے دین کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس قسم کا طرز کلام قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آتا ہے۔ جیسے سورۃ حج میں آتا ہے وَكَيِّنْصُورَ اللّٰهُ مِنْ تَنْصُورِ اور اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا، جو اسی مدد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت ہے، وہ تو خود مدد کرنے والا ہے اور ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ مگر مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا۔

لفظ لن مستقبل کے لیے نفی تاکید کا معنی دیتا ہے۔ یعنی یہ لوگ آئندہ زمانہ میں بھی اللہ کے دین اور اہل ایمان کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے بشرطیکہ اہل ایمان اپنے ایمان پر پوری طرح قائم رہیں۔ اس مقام پر تو منافقین کی بات ہو رہی ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے یہ اصول بتلادیا کہ سچے مومنوں کے خلاف یہود، نصاریٰ، مشرکین یا کسی بھی دشمن دین کی سازش کامیاب نہیں ہو سکیگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لیکر آج تک غیر مسلم مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سازشیں کرتے رہے ہیں۔ خصوصاً گزشتہ چار صدیوں میں تو اہل اسلام کے خلاف اس قدر طوفان برپا کیا گیا ہے کہ بچاے اجتماعی طور پر مغلوب ہو گئے ہیں۔ تاہم دین اور اہل اسلام کو جس قدر بھی نقصان پہنچا ہے یہ ہماری اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے۔ اگر مسلمان صراطِ مستقیم پر قائم رہیں تو اللہ کا وعدہ آج بھی موجود ہے کہ تمام حربے استعمال کرنے کے باوجود یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

فرمایا ان کی سازشوں کے صلے میں یُرِيدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ



حَظًا فِي الْآخِرَةِ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اُن کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ اہل ایمان کے خلاف کافروں کے ساتھ ساز باز کریں گے، خدا تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالیں گے، اُس کے ماننے والوں کا کچھ خیال نہ کریں گے اُن کا آخرت میں کیا حصہ ہو سکتا ہے، البتہ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ اُن کے لیے بہت بڑا عذاب ضرور ہوگا۔

ایمان  
اور کفر

آگے اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر کا تقابل بیان فرمایا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوْا  
الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ وہ لوگ جہنم کے بدلے میں کفر خریدا۔ فرمایا یا در کھو  
لَنْ يُّضَيِّعَ وَاللّٰهُ شَیْئًا وہ نہ خدا کو کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ اس کے  
دین کو۔ اللہ کا دین صداقت اور حقانیت پر مبنی ہے، اس کو اختیار کرنے والے  
لوگ ہمیشہ قائم رہیں گے، حتیٰ کہ مسیح علیہ السلام نازل ہو جائیں یعنی قیامت برپا ہو جائے  
یہ ایمان اور کفر کا تقابل ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی آچکا ہے "فَمَارِجَتْ تِجَارَتُهُمْ"  
منافقین نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی کو خریدا ہے۔ لہذا اس تجارت نے  
انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ یہاں بھی معاملہ ایسا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل،  
حواس، ظاہری اور باطنی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ انسانی زندگی ایک پونجی ہے جو اللہ نے  
اُسے وجود کے ساتھ عطا کی ہے۔ اور حکم دیا ہے کہ اس زندگی کی پونجی کو ایسی تجارت  
میں لگاؤ جو تمہارے لیے نفع بخش ہو۔ اس پونجی سے ایمان اور نیکی کا سامان خریدو  
جو تمہیں جنت تک لے جائے گا۔ ترمذی شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام  
کا ارشاد مبارک ہے۔ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ جو خوف کھاتا ہے وہ جلدی چل  
پڑتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ میں جلدی چل کر وقت پر منزل مقصود  
تک پہنچ جاؤں۔ اور جو جلدی پہنچ گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا۔ حضور علیہ السلام  
نے یہ بھی فرمایا اَلَا اِنَّ سَلْعَةَ اللّٰهِ عَالِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی کا سودا بڑا مہنگا ہے  
اللہ کے ساتھ جنت کا سودا مطلوب ہے تو اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا ہو  
گی۔ اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے سورۃ توبہ میں کی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی



مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ بِأَنْ لَّهُمُ الْجَنَّةُ اَللّٰهُ تَعَالٰی  
 نے ایمان والوں کے ساتھ سودا کیا ہے کہ ان کی جان اور مال خرید کر اُس کے بدلے  
 میں جنت عطا فرمائی ہے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی اور مال جیسی  
 قیمتی پونجی عطا کر کے فرمایا کہ اس کے بدلے میں مہنگا سودا یعنی جنت خرید لے اور اللہ تعالیٰ  
 نے انسان کو عقل و فہم کی قوت بخشی، جو اس عطا کیے اور بقول امام بیضاوی انسان  
 کی ہدایت کے لیے تمام اندرونی اور بیرونی ذرائع مہیا کیے۔ اپنے رسول بھیجے، معلم  
 اور مبلغ مقرر کئے تاکہ انسان نیکی کو اختیار کرے۔ اور پھر اس قیمتی پونجی کے بدلے  
 میں جنت جیسی اعلیٰ چیز خریدے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ کہ انسانی زندگی ہے  
 تو بڑی قیمتی پونجی مگر جلد ختم ہو جانے والی ہے۔ فرماتے ہیں۔

عمر بخت است و آفتاب تموز

اند کے ماند و خواہر غمر ہنوز

انسان کی عمر کی مثال بہت کی ڈلی جیسی ہے اور ادھر بھادوں کا سورج بھی نکلا ہوا ہے  
 جب کہ سورج کی تپش اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ ایسے وقت میں بہت جلدی جلدی بچھل  
 جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ بہت یعنی عمر کھڑی رہ گئی ہے۔ اور صاحب دھوکے  
 میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس پونجی سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ اس قیمتی  
 پونجی کے بدلے ایمان خرید و جو کہ تمہارے لیے فلاح دوام کا سامان ہو گا۔

مسند احمد، تہذیبی اور دینی میں حضرت صدیق اکبرؓ سے مروی ہے کہ حضور  
 نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا، حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کونسا آدمی  
 بہتر ہے۔ فرمایا مَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ جس کی عمر دراز ہو اور اعمال  
 اچھے ہوں۔ آپؐ پھر پوچھا گیا، حضور! (صلی اللہ علیہ وسلم) بڑا انسان کون ہے۔  
 فرمایا مَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ جس کی عمر زیادہ ہو مگر اعمال بُرے  
 ہوں۔ انسان کی عمر، جو اس، تندرستی قیمتی پونجی تھی مگر اس نے اس سے برائی خریدی  
 فرمایا اس برائی کا وبال انہی پر ہو گا۔ وہ اِنْ يَفْصَحْ عَرَكَاتٍ لَّنْ يَضُرَّوْا اللّٰهَ شَيْئًا



اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ وَلَٰكُهُمْ عَذَابٌ اَلِيْسٌ اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

آخری امت  
کی عمریں

حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی کہ سابقہ امتوں کی لمبی لمبی عمریں ہوا کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ چار سو، پانچ سو اور ہزار سال تک کی عمریں بھی پائی گئیں، مگر فرمایا اعمار امتی ما بین ستین الی سبعین میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہونگی۔ فرمایا وَقَلَّ مَنْ يَّجُوزُ ذٰلِكَ بہت کم لوگ ہوں گے جو اس سے آگے جائیں گے۔ یہ بھی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جن لوگوں کو اللہ نے دنیا میں ساٹھ سال کی عمر عطا کی ان کے لیے قیامت کے روز اعلان ہوگا۔ اِنَّ ابناء الستین یعنی ساٹھ سال کی عمر والے لوگ کہاں ہیں۔ وہ لوگ فوراً حاضر ہو جائیں گے۔ فرمایا یہ اس لیے ہوگا کہ قرآن پاک میں موجود ہے۔ "اَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرْ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرْ وَجَاءَكُمْ النَّذِيْرُ كَمَا يَأْتِيْهِمْ النَّذِيْرُ" کہ اتنی عمر نہیں دی کہ انسان نصیحت پکڑ لے۔ نیکی حاصل کرے اور ایمان اور تقویٰ کی دولت حاصل کر لے فرمایا یہ ساٹھ سال کی عمر کے متعلق ہے۔ جب کوئی انسان اس عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ تو پھر اس کا کوئی عذر قابل قبول نہیں رہتا۔ انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ نیکی کمانے کے لیے مجھے دنیا میں مہلت نہیں ملی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ سے مراد بالوں کی سفیدی ہے۔ یہ انسان کو ڈرا رہی ہے۔ کہ تمہاری عمر ختم ہونے کے قریب ہے، اب ہوشیار ہو جاؤ۔ اور جس قدر نیکی کما سکتے ہو، کمالو۔

کفار کے لیے  
مہلت

اس کے بعد فرمایا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُفَخُّ اَنفُسَهُمْ وَهُمْ لَا يُفْسِحُوْنَ کافر لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہماری عطا کردہ مہلت ان کے حق میں بہتر ہے۔ ہم انہیں مہلت اس لیے دے رہے ہیں۔ تاکہ وہ مزید گناہ کا ارتکاب کر لیں اور پھر یکبارگی ہماری گرفت میں آجائیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی شاگرد اساتذ کے بار بار کہنے پر تعلیم کی طرف توجہ نہ دے، تو اساتذ آخر اسے کتنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اور کہتا ہے اچھا! جب



امتحان کا وقت آئیگا تو پھر تم سے نمٹ لوں گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ تمہیں جو بڑھیل دی جا رہی ہے یہ تمہارے فائدے کے لیے نہیں لکھا نُصَلِيْ لَكُمْ لِيَنْفِذَ اِذَا دُؤِاْ اِثْمًا بلکہ اس واسطے کہ تم مزید گناہ میں مبتلا ہو جاؤ۔ اور پھر جب میری پکڑ آئیگی تو تم ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤ گے۔ سورۃ الرحمن میں جنوں اور انسانوں سب کو مخاطب کر کے فرمایا سَتَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهُ الثَّقَلَيْنِ ”تمہاری خبر لینے کے لیے عنقریب فارغ ہوا چاہتے ہیں۔ تمہارے کئے کی سزا تمہیں مل کر رہیگی۔ یہاں بھی یہی چیز سمجھائی جا رہی ہے۔ کہ زندگی کی قیمتی پونجی کو اچھی تجارت میں لگا کر اس سے آخرت کا سامان خرید لو۔ اس عمر کو غنیمت جانو۔ صحت سے فائدہ اٹھاؤ مال کو اچھے مصرف میں لگاؤ۔ اگر اس پونجی سے فائدہ نہ اٹھایا تو یاد رکھو! وَلَكُمُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ایسے لوگوں کے لیے زلت ناک عذاب بھی تیار ہے۔ وہ بچ نہیں سکیں گے۔



لَنْ تَنَالُوا ۝

الِ عَمُرَان ۝

درس شصت و دو ۶۲

آیت ۱۴۹

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ  
عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۚ وَمَا  
كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي  
مَنْ يُرْسِلُ مِنْ يَشَاءُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ  
وَإِنْ تَوَلَّوْا وَتَقَرَّبُوا فَكُفُّوا عَنِ عَظِيمِ ۝ (۱۴۹)

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے کہ وہ اپنے پیغمبروں کو چھوڑ دے جس پر تم ہو،  
یہاں تک کہ جدا کر دے خبیث کو پاک سے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ تم کو خبیث  
پر مطلع کر دے۔ مگر اللہ منتخب فرماتا ہے جس کو چاہے اپنے رسولوں میں سے۔ پس  
ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور بچتے رہو گے،  
پس تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے (۱۴۹)

گزشتہ درس میں نافرمان لوگوں کی مالی آسودگی اور ان کو اللہ کی طرف  
سے مہلت دینے کا تذکرہ تھا۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اگر ایسے لوگوں کو دنیا کی  
نعمتیں حاصل ہو جائیں، لمبی عمر مل جائے اور وہ کفر، شرک اور بُرائی کا ارتکاب کرتے  
رہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اللہ کے محبوب بن گئے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات  
اللہ تعالیٰ اس لیے مہلت دیتا ہے تاکہ وہ معصیت میں دوڑتے چلے جائیں،  
اور پھر اس کی انتہا یہ ہوگی کہ وہ عذابِ مہین کا شکار ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس  
اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا کہ اگر انہیں کسی وقت تکلیف آجائے  
وہ مصیبت کا شکار ہو جائیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کے مقبول بندے  
نہیں ہیں، بلکہ خداوند تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی بڑی قدر و منزلت ہے اور وقتی



تکلیف محض اُن کا امتحان ہے۔

شکست کی  
تکوینی حکمت

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ غزوہ احد میں مسلمانوں کی شکست کی وجہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی نہیں تھی، بلکہ اس کی بہت سی حکمتیں تھیں، جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے دلوں کا امتحان لینا چاہتا تھا اور اُن کے اخلاص کو ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سَبَّحَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ کے الفاظ پہلے آچکے ہیں۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کی تکوینی حکمت بیان فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلص مومنوں اور منافقوں کے درمیان واضح امتیاز پیدا کرتا چاہتا ہے۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ کون خالص مومن ہیں اور کون منافق، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ پچھے مسلمان منافقین کی سازشوں سے اپنا دفاع کر سکیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے مَا كَانَ اللَّهُ لِيُنْزِلَ الْفُتُونِ عَلَى مَا أَنْتَ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے کہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو۔ حَتَّى يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے علیحدہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہیں ہے کہ خالص مومن اور منافق آپس میں ملے جلے بلا امتیاز چلتے رہیں۔ جو لوگ ایماندار ہیں اور اپنی فکر، ذہن اور عمل کے لحاظ سے پاک ہیں۔ وہ فکری، ذہنی اور عملی لحاظ سے ناپاک لوگوں کے ساتھ کیسے اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ انہیں تو بہر حال تمیز ہونا چاہیے۔ بدعتیہ کی، کفر اور شرک گندگی ہے۔ قرآن پاک نے صاف فرمایا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ مُتَسَرِّفُونَ۔ اللہ نے منافق کو بھی ناپاک فرمایا ہے۔ مگر مومن کی شان یہ ہے کہ وہ جنابت میں بھی ناپاک نہیں ہوتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ الْمُؤْمِنُ لَا يَجْسُ مَوْمِنٌ كَيْفَ نَجِسَ نَجِسٌ ہوتا، اسی روح ہمیشہ پاک رہتی ہے وقتی طور پر اس کا جسم ناپاک ہو جاتا ہے، اس کے لیے غسل فرض ہو جاتا ہے، مگر ایسی حالت میں بھی وہ دوسرے شخص کو سلام کر سکتا ہے۔ اس سے مصافحہ کر سکتا ہے۔ لوگوں سے میل ملاپ کر سکتا ہے، اللہ کا ذکر کر سکتا ہے۔ جس



روح میں ایمان اور توحید بھری ہوئی ہے، وہ ناپاک نہیں ہوتی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی یہ  
تکوینی حکمت ہے کہ وہ مخلصین کو منافقین سے الگ کر دے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شکست  
دے کہ یہ منافقوں کو ممتاز کرے، وہ مالک الملک ہے۔ وحی کے ذریعے بھی منافقوں  
کی نشاندہی کرنے پر قادر تھا۔ بعض دیگر مواقع پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے ہی  
بتلایا کہ فلاں شخص منافق ہے۔ سورۃ توبہ میں اس کی مثال موجود ہے أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ  
أَنَّهُمْ يُفَتِّشُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّسَّةً أَوْ مَسَّةَيْنِ میں ایک دوسرے منافقوں کی ضرور  
رسوائی ہوتی ہے۔ جس سے پتہ چل جاتا ہے کہ کون کون منافق ہے بعض منافقین  
کے متعلق صریح آیات بھی نازل ہوتی ہیں۔ مگر یہ لوگ پھر بھی نہ اپنے نفاق کا اقرار  
کرتے ہیں اور نہ توبہ کرتے ہیں۔ اگر غزوہ احد کے موقع پر ان کو محض وحی کے  
ذریعے علیحدہ کیا جاتا تو یہ لوگ اعتراض کر سکتے تھے کہ ہم تو پکے مسلمان ہیں، ہمیں  
کیوں جدا کیا گیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے وحی کی بجائے مومنوں کو بالفعل مشاہدہ  
کرا دیا۔ کہ دیکھ لو یہ لوگ منافق ہیں۔ ان میں سے تین سو کے قریب تو راستے ہی سے  
عبداللہ بن ابی کی معیت میں واپس چلے گئے، اور جو جنگ میں شریک بھی ہوئے  
انہوں نے بزدلی کی بعض ایسی باتیں کیں جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو گیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ  
نے فرمایا کہ وہ اب عذر نہیں کر سکیں گے کہ انہیں بلا وجہ جدا کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ  
نے منافقوں کو اہل ایمان سے جدا کرنے کی تکوینی حکمت بیان فرمادی۔

غیب کی  
خبریں

آگے دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ  
عَلَى الْغَيْبِ اللہ تعالیٰ ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر ایماندار کو غیب پر مطلع کر دے۔  
یعنی اللہ پر یہ لازم نہیں کہ ہر ایک کو دور کے حال سے واقف کر دے۔  
کہ فلاں مومن یا فلاں منافق ہے۔ فلاں توحید پرست ہے اور فلاں مشرک ہے  
اس کے بجائے وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنُ يَّشَاءُ اللہ تعالیٰ اپنے  
رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ کے



منتخب لوگ ہوتے ہیں ”إِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ“ یہ چنے ہوئے لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر اللہ تعالیٰ خاص صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے اور پھر ان کو غیب کی بات بتلاتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں ہونے دیتا۔ جب وحی آتی ہے تو فرشتوں کا پیر الگ جاتا ہے۔ سورۃ جن میں موجود ہے فَإِنَّهُ يُسَلِّطُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا نازل وحی کے وقت اللہ تعالیٰ آگے پیچھے پیر لگا دیتا ہے۔ اور مطلوبہ چیز براہ راست نبی کے قلب پر وارد ہوتی ہے۔ اور یہ وحی انبار غیب یعنی غیب کی خبریں جاتی ہے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی کی اور ان کو نبوت عطا کی مگر اے پیغمبر! آپ خود تو وہاں موجود نہیں تھے۔ یہ سب خبریں ہم نے آپ کو وحی کے ذریعے بتائیں۔ یہ خبریں اخبار غیب کہلاتی ہیں

غیب کا مفہوم

غیب کا معنی مخفی اور پوشیدہ ہے۔ عربی زبان میں پست جگہ کو بھی غیب کہتے ہیں۔ گھر کے اندر جو دبا ہوا حصہ ہوتا ہے اس کو بھی غیب کہتے ہیں۔ علامہ بیضاویؒ نے غیب کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے مَا لَا يَدْرِكُهُ الْحِسُّ ایسی چیز جسے حواس کے ذریعے معلوم نہ کیا جاسکے، حواس ظاہرہ ہوں یا باطنہ لا تقتضيه بدهة العقل وہاں تک عقل کی رسائی نہ ہو سکے۔ جو چیز عقل اور حواس کے ذریعے معلوم ہوگی، وہ غیب نہیں ہوگی بلکہ اخبار غیب بن جائیگی۔ غرض غیب وہ چیز ہے جو نہ حواس سے معلوم ہو سکے اور نہ عقل کا وہاں تک اور اک ہو۔

غیب اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا یہ کہ غیب لذاتہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ذاتی ہے۔ کسی کا عطا کردہ نہیں۔ اس کے علاوہ مخلوق کے پاس جس قدر علم ہے وہ سب اللہ کا دیا ہوا

غیب خاصہ  
خداوندی ہے



ہے کسی فرد کے پاس ذاتی علم غیب نہیں ہے۔ یہ تو سیدھا مسئلہ ہے۔ کہ مخلوق میں سے کسی کی ذات اور ہستی بھی اس کی ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے تو علم جو صفت ہے وہ کیسے ذاتی ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہر صفت بشمول علم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ علم محیط بھی اللہ کی ذات کے ساتھ مختص ہے۔ اُس کے سوا کسی کا علم، علم محیط نہیں۔ قرآن پاک میں بار بار آیا ہے۔ "وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ" یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ نیز "وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ" ازل سے لے کر اب تک کے ذرہ ذرہ کا احاطہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات کو ہے۔ اُس کے علاوہ نہ کسی کو ذاتی علم ہے اور نہ وہ ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سب سے زیادہ علم انبیاء علیہم السلام کو عطا کرتا ہے۔ اور پھر تمام انبیاء میں سے سب سے زیادہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا ہے۔ لیکن آپ کا علم بھی نہ ذاتی ہے اور نہ محیط ہے۔ آج کے دور میں تو کہا جاتا ہے کہ نبی علیہ السلام ذرے ذرے کا علم جانتے ہیں۔ اہل بدعت نے اس آیت کو غلط معنی پہنائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی کو علم غیب عطا کر دیتا ہے۔ یہ عقیدہ کتاب، سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے لہذا باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کُلّی علم کسی کو نہیں دیا۔ قرآن پاک میں بیسیوں آیات ہیں جو اس مسئلہ کو واضح کرتی ہیں۔ قرآن پاک نے تو صاف کہہ دیا ہے "وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ" ہم نے اپنے نبی کو نہ شعر و شاعری سکھائی ہے اور نہ یہ اُس کی شان کے شایان ہے شاعری کتابِ فَنّ ہے۔ دنیا میں اس کی لاکھوں کتابیں موجود ہیں مگر یہ چیز نبی کو نہیں سکھائی گئی۔ دنیا میں کتنے علوم ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے جیسے جادو، کمانت، شجر وغیرہ۔ کیا ہم ہر علم کو نبی کی ذات میں جمع کریں گے۔ نبی علیہ السلام نے تو خود دعا کی "اللَّهُمَّ قَرِّأْنِي أَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَلِيمٍ لَا يَنْفَعُ اِلَّا اللّٰهُ" میں غیر نفع بخش یعنی مضر علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں، وہ مجھے نہ دیا جائے۔ تو ایسی صورت میں نبی علیہ السلام کے لیے علم محیط کیسے تسلیم کیا جائے گا۔



اللہ تعالیٰ انبیاء کو وہ علم دیتا ہے جس سے اُس کے دین، شریعت اور انانوں کی تکمیل مقصود ہوتی ہے۔ ہر ہر بات کا علم نہ بنی کے لیے ضروری ہے اور نہ اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی اکرم صابن بنانا نہیں جانتے تھے یا وہ مشین فٹ نہیں کر سکتے تھے تو یہ یہودہ اعتراض ہوگا۔ جس علم کی نبی کو ضرورت تھی اللہ نے پورا پورے دیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا **الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي** آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اہل بدعت نے انبیاء کے لیے علم غیب اور علم محیط ثابت کرنے میں لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ وہ بھی مجبور ہیں جب تک انبیاء کے لیے علم غیب ثابت نہیں ہوگا، یہ سلسلہ اولیا اور پیروں تک کیسے پہنچے گا۔ یہ عیسائیوں والا عقیدہ ہے جو مکملانوں میں بھی عود کر آیا ہے قرآن نے تو صاف فرمادیا **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ** اللہ کے سوا ارض و سما میں کوئی ذات نہیں جو غیب جانتی ہو تفسیر مہارک والے امام عبداللہ نسفی مسطورین **صدی ہجری میں حنفی امام** سے ہیں۔ آپ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت فرقہ باطنیہ کے خلافت نص ہے۔ جو واضح کرتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور نبی کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ فرقہ باطنیہ والے حسن ابن صباح کے پیروکاروں میں سے ہیں۔ آغا خانی بھی انہی کی ایک شاخ ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے رافضیوں اور شیعوں کے اڑتالیں اقسام بیان کیے ہیں جن میں سے بعض گمراہ ہیں اور بعض قطعی طور پر کافر۔ ان باطنیہ فرقے والوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے امام معصوم بھی ہوتے ہیں اور غیب دان بھی۔ تو امام عبداللہ نسفیؒ نے اسی بات کی تردید کی ہے۔ ان کا دوسرا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ مچلون مایشاء و موم و یحرمون مایشاء و ان کے امام جس چیز کو چاہیں حلال قرار دے دیں اور جس کو چاہیں حرام کہہ دیں۔ یہ بھی باطل عقیدہ ہے۔ کسی چیز کی حلت و حرمت صرف



اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ یہ اختیار نبی کو بھی حاصل نہیں۔ وہ بھی اللہ کے حکم کے مطابق حلال و حرام اشیا کی وضاحت کرتا ہے، نہ کہ حلت و حرمت کا اختیار خود رکھتا ہے جب نبی کو یہ اختیار حاصل نہیں تو اماموں کو کیسے حاصل ہو گیا۔

بہر حال امام بیضاویؒ آیت وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے بعض الغیوب یعنی غیب کی بعض باتیں بتلا دیتا ہے۔ اور یہ بعض ہوتا ہے۔ کل نہیں ہوتا۔ تقریباً سی جملہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی بعض خبریں اپنے انبیاء کو وحی کے ذریعے بتا دیتا ہے۔ جتنی ضرورت ہوتی ہے، اس سے مطلع کر دیتا ہے مگر ذاتی علم یا علم محیط صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی ہے فرمایا فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ تمہارا فرض ہے کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اسی میں تمہاری فلاح ہے وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّكُمْ كَاٰفِرُوْنَ ایمان لاؤ گے وَتَتَّقُوْا اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے۔ کفر، شرک، بدعت، معاصی اور ذنوب سے بچتے رہو گے۔ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کی حفاظت کرو گے فَلََكُمْ مِّنْ اَجْرٍ عَظِيْمٍ تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب الطواف القدس میں فرماتے ہیں کہ تقویٰ ”محافظت بہ حدود و شریع“ کا نام ہے۔ شریعت کی حدود میں بہتے ہوئے حلال و حرام کا امتیاز نہ کرنا، صحیح اور غلط میں فرق نہ کرنا ہی تقویٰ کہلاتا ہے۔ جو شخص تقویٰ کے معیار پر پورا اُتتا، اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے بہت بڑے انعام کا وعدہ فرمایا ہے۔

اجر عظیم



ال عمران ۳

آیت ۱۸۰

لَنْ تَنَالُوا

درس شصت و سہ ۶۳

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْغُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۱۸۰

۱۸۰

ترجمہ: اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ وہ ان کے لیے بہتر ہے، بلکہ وہ اُن کے لیے بُری ہے۔ اُن کے گلے میں وہ چیز طوق بنا کر ڈالی جائیگی جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا قیامت کے دن۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے وراثت آسمانوں کی اور زمین کی۔ اور جو کچھ وہ کام کرتے ہیں اللہ اس کی خبر رکھتا ہے ۝۱۸۰

اس سورۃ کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا ذکر فرمایا، اور ان کے فاسد عقیدے کو بیان کیا۔ یہاں پہ زیادہ تر تذکرہ نصاریٰ کا ہے۔ مگر مختصر یہودیوں کا بھی کچھ بیان آیا ہے۔ اُس کے بعد جنگ احد سے متعلق بہت کچھ آچکا ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی باتیں سمجھائی ہیں اور آخر میں خبیث اور طیب کے امتیاز کا ذکر کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اچھے اور بُرے عقیدے میں امتیاز پیدا کر کے چھوڑے گا اور واضح ہو جائیگا کہ سچے مومن کون ہیں، اور گندے عقیدے والے منافق کون ہیں۔ اس طرح مالک ذوالجلال نے غزوہ احد میں شکست کی تکوینی جہت بھی بیان فرمادی۔

اللہ تعالیٰ کے دین کی تقویت کے لیے جہاد بہت بڑا عمل ہے جس

جہاد بالمال







ہے۔ بخل کی وجہ سے انسان فر ارض بھی ادا نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر جو شخص اپنے مال سے اللہ کی فرض کردہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ وہ مسنون اور مستحب صدقہ و خیرات کب کر بیگا۔ اسی لیے بخل کو بدترین اخلاقی بیماری کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَمَنْ يُؤْتِ شَيْئًا نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ جس شخص کو اس کے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا، یقین جانو وہ کامیاب ہو گیا۔ انسان کا مزاج تو ویسے ہی مال کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے اِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ انسان مال کی شدید محبت میں گرفتار ہے ہر طریقے سے مال حاصل کرنا چاہتا ہے اور پھر خرچ کر دینے میں بخل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو صلح کے باب میں بھی فرمایا ہے وَاحْضَرْتِ الْاَنْفُسَ الشُّحَّ یعنی مال خرچ کر کے بھی صلح کر لینی چاہیے نفسوں کے پاس بخل حاضر ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خرچ کرنے سے روک جاتے ہیں۔

حضور علیہ السلام کے سامنے عرض کیا گیا، یا حضرت! فلاں شخص میں بخل کی بیماری پائی جاتی ہے فرمایا اَتَىٰ دَاوُدُ مِمَّنِ الْبَخْلُ بخل سے بڑھ کر بدی بیماری کونسی ہو سکتی ہے۔ اگلی آیت میں یہودیوں کی اس بیماری کا ذکر بھی آ رہا ہے۔ قرآن پاک نے یہودیوں کی خرابیوں میں بخل کو بھی شامل کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے مطلقاً بخل سے منع فرمایا ہے۔ یہ بدترین بیماری ہے۔

نسائی شریف کی روایت میں آتا ہے لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيمَانُ فِي قَلْبٍ عَبْدٍ أَبَدًا یعنی کسی مومن بندے کے دل میں بخل اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔ جو سچا مومن ہوگا، وہ بخل نہیں ہو سکتا۔ اگر بخل ہے تو ناقص الایمان ہے اسے اپنے ایمان کی اصلاح کرنا ہوگی۔

جس طرح مال اللہ کا فضل ہے۔ اسی طرح علم کو بھی اللہ کا فضل کہا گیا ہے اور بخل نہ مال میں روا ہے اور نہ علم میں، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم جیسی دولت عطا فرمائی ہے اور وہ اس کو آگے نہیں پہنچاتا، بخل کرتا ہے۔ تو حضور علیہ السلام



ایسے شخص کی مذمت بیان فرمائی ہے۔ مَنْ سُئِلَ عِلْمًا فَكْتَمَهُ اَلْجَمُّ بِلِجَاوٍ مِنْ  
 نَارِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ یعنی جس شخص سے کوئی علم کی بات پوچھی گئی جسے وہ جانتا تھا مگر اس  
 نے وہ بات چھپا دی، فرمایا قیامت کے دن اُس کے منہ میں آگ کی لگام ڈالی جائیگی۔ سائل  
 علم کا محتاج تھا مگر صاحب علم نے اُس کی ضرورت کو پورا نہ کیا، لہذا اُس نے سخیل کیا۔ اس  
 لحاظ سے علم کا سخیل مال کے سخیل سے بھی بُرا ہے۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔  
 اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى .....  
 جو لوگ ہماری نازل کردہ واضح باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں۔ فرمایا اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ  
 اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ الْعٰنُوْنَ ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور دوسرے  
 لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ یہ ملعون لوگ ہیں اسی لیے بعض مفسرین  
 فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پیش نظر مسلمانوں پر بہت بڑی ذمہ داری آتی ہے۔  
 مسلمان حامل قرآن ہیں مگر اس وقت حالت یہ ہے کہ دنیا کی پانچ ارب کی آبادی میں  
 سے سوا چار ارب اس نعمت سے محروم ہیں۔ انہیں قرآنی ہدایت کی ضرورت ہے۔  
 اور اگر قرآن کا علم ان تک نہ پہنچے اور وہ کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا رہیں تو اس کے  
 ذمہ دار مسلمان ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن جیسی عظیم نعمت دی جسے انہوں نے  
 چھپائے رکھا اور ضرورت مند تک آگے نہیں پہنچایا۔ قرآن پاک کی طرح سنت رسول  
 صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت بڑی نعمت ہے مگر اس کو بھی مستحقین تک نہیں پہنچایا جا رہا  
 ہے۔ یہ بھی حق بات کو چھپانے اور قیصہ و ن عن سبیل اللہ کے مترادف ہے  
 اللہ کے راستے سے روکنے والی بات ہے۔ لہذا اہل اسلام کی ذمہ داری ہے۔  
 کہ وہ دین اسلام کے علم کو دوسروں تک پہنچائیں۔ نہ خود برائی کا ارتکاب کریں اور  
 نہ دوسروں کو کہہ دیں۔ یہ سب کچھ فضل میں شامل ہے۔

فضل کے لفظ میں اور بھی بہت سی چیزیں آتی ہیں۔ مثلاً سورۃ فتح میں نبی علیہ السلام  
 معنوں میں کے صحابہؓ کی مدح میں آتا ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَضَّلْنَا اللّٰهَ وَرَضَوْنَا اللّٰهَ  
 فضل اور رضوان تلاش کرتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ رضوان سے

سے محروم ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے احصاء کا شمار ہرے ہمت میں ہو جاتا



مراد اللہ تعالیٰ کا تقرب اور خوشنودی ہے۔ اور فضل میں ارتفاق، معاش پامایا جاتا ہے۔ جس شخص کو جائز ذرائع سے رزق حلال میسر آ رہا ہے یہ خدا کا فضل اور ارتفاق ہے۔ دوسرے فرائض کے بعد کسبِ رزق حلال بھی انسان کے لیے فرض ہے اگر اللہ نے یہ نعمت عطا کی ہے۔ تو اس کے خرچ کرنے میں بخل نہ کرو، کیونکہ جس ذاتِ باری تعالیٰ نے یہ عطا کیا ہے، وہ چھین بھی سکتا ہے۔ ہم نے اپنی زندگی میں کتنے مشاہدات کیے ہیں۔ کہ بڑے بڑے امیر کبیر اور دولت مند چند دلوں میں قلاش ہو گئے۔ لہذا مال کے ساتھ درجہ کی محبت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اپنے ہاتھ سے خرچ کر دینا چاہیے۔

مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے یا بن آدم ان تبذل الفضل خبیث لک اے آدم کے بیٹے! اگر تمہارے پاس ضرورت سے زیادہ مال ہے تو اسے خرچ کر دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے وان تمسک شیئ لک اور اگر روکے رکھو گے تو یہ تمہارے لیے بُرا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر تم نے مال کے فرائض ادا نہیں کیے تو جہنم لازم آئیگی اور اگر فرائض ادا کر دیے ہیں۔ پھر بھی فضیلت سے محروم رہو گے۔ اس میں شر کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور پایا جائے گا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی دعائیں فرمایا کرتے تھے اللہم اجعل رزق ال محمد قوتاً اے اللہ! آلِ محمد کی روزی بس اتنی کر دے جس سے گزراوقات ہو جائے اس سے زاید کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ کہیں شر میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اخلاق کا  
بگاڑ

حجۃ اللہ الباقی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عظیم کتاب ہے۔ گزشتہ بارہ صدیوں میں اسلام کی تائید و خدمت میں ایسی کتاب نہیں ملتی، یہ کتاب ہمارے درسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ آپ کی دوسری محکمۂ آراء کتاب ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء ہے۔ اس میں خلفائے اربعہ کی سوانح حیات اور ان کا نظام حکومت مذکور ہے۔ بیٹا صاحب ان دونوں کتابوں میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں اخلاق کا بگاڑ پیدا کرنے



والی دو چیزیں ہیں ایک امپریلزم جسے شہنشاہیت یا ملکیت کہا جاتا ہے اور دوسری  
 سرمایہ داری۔ انبیاء علیہم السلام ایسی ہی چیزوں کی اصلاح کے لیے تشریف لاتے ہیں  
 ملکیت میں من مانی کاروائیاں کی جاتی ہیں، کسی کے حقوق کا خیال نہیں کیا جاتا جس کی  
 وجہ سے اخلاق میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اور سرمایہ داری میں بھی انسان حلال و حرام کی  
 تمیز کے بغیر مال اکٹھا کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے، جس سے دوسرے لوگوں کے  
 حقوق ضائع ہوتے ہیں، لہذا یہ دونوں چیزیں انسانی اخلاق کے بگاڑ کا موجب ہیں۔  
 اللہ تعالیٰ نے سورۃ فجر میں فرمایا وَتَجِبُونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا تم جی بھر کر  
 مال جمع کرنا کرتے ہو، غریب مساکین کا خیال نہیں رکھتے یتیموں کی سرپرستی  
 نہیں کرتے، لہذا ذلت کا شکار ہو کر رہو گے۔ ہم مشرقی ممالک کے باشندے  
 سرمایہ داری کا شکار ہیں۔ برخلاف اس کے بعض ممالک میں اشتراکی نظام رائج  
 ہے۔ یہ سب نظام خدا اور اس کے دین سے انکار یہ مبنی ہیں، اس لیے ملعون ہیں  
 ہاں! اسلامی نظام ہی وہ نظام ہے جسے بنیاد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آخرت کے  
 مواخذہ پر رکھی گئی ہے۔ لہذا اس میں حق تلفی کی بجائے حق رسی ہوتی ہے۔ ذرائع آمدنی  
 پر کنٹرول کر کے عدلت و حرمت کو واضح کیا جاتا ہے۔ سرمایہ داری کی حوصلہ افزائی  
 کی بجائے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ رزق حلال کمانے کی ترغیب دی جاتی ہے  
 اسی لیے شاہ صائب فرماتے ہیں کہ اسلام نے باطل نظاموں کو ختم کر کے اپنا  
 اعلیٰ و ارفع نظام قائم کیا ہے۔ جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اقتدار دیا تو انہوں  
 نے قیصر و کسریٰ کے غلط نظاموں کو حکیم تبدیل کر دیا اور دنیا میں ایک صالح نظام  
 قائم کیا، خلافت راشدہ کا نظام دنیا میں مثالی نظام تھا، مگر آج مسلمان اس نظام کو بھول چکے ہیں۔  
 فرمایا بخیلوں کو جو کچھ اللہ نے دیا ہے، وہ اُسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں  
 بلکہ وہ اُن کے لیے شر ہے۔ اور اُن کے بخل کی آخرت میں سزا یہ ہوگی۔  
 سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ قیامت کے دن بخیلوں کے  
 گلے میں اس چیز کو طوق بنا کر ڈالا جائے گا، جس کے ساتھ انہوں نے بخل کیا۔

بخل کی  
 سزا



بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کی دولت عطا کی اور اُس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن یہ مال سانپ بن جائیگا۔ اور اُس کے گلے میں پڑے گا اُس کو کاٹے گا۔ اور کہے گا۔  
 اَنَا كُنْتُ لَكَ اَنَا مَالُكَ میں تیرا وہ مال ہوں، میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو سمیٹ  
 سمیٹ کر رکھتا تھا، جسے تو عیاشی اور فحاشی میں صرف کرتا تھا اور جس کے ساتھ تو  
 غریب و مسکین کی پرورش نہیں کرتا تھا۔ فرمایا اسی طرح اگر کسی کے پاس جانور تھے  
 اور اُس نے اُن کا حق ادا نہیں کیا۔ تو وہ اُس شخص کو لٹا کر اسکے اوپر سے گزریں گے  
 اس کو روندیں گے، اُس کو سینگ ماریں گے۔ اور اس کو کاٹیں گے۔

فرمایا یہ نہ سمجھو کہ اگر دنیا میں کسی کو مال مل گیا تو وہ اس کی ذاتی میراث ہے  
 بَلْكَ وَاللّٰهُ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زَمِيْنٍ وَّ اَسْمٰنٍ کی تمام وراثت اللہ تعالیٰ  
 کی ہے۔ ہر چیز کا خالق بھی وہی ہے۔ اور مالک بھی وہی ہے احسن اللہ  
 علیک اللہ نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہیں عارضی طور پر اس کا مالک بنایا۔ پھر  
 اپنے احکام بھیجے تاکہ اُن کے مطابق عمل کر کے اس مال سے نیکی کمالو۔ اُس  
 کے مال کو اُسی کے راستے میں خرچ کرو، بخل نہ کرو۔ اور یاد رکھو! وَاللّٰهُ يَمَّا  
 تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ تمہارے ہر فعل کی اللہ تعالیٰ کو خبر ہے۔ يَنْتَبِھُكُمْ  
 يَمَّا عَمِلُوْا تم جو کچھ دنیا میں کر رہے ہو، وہ سب کچھ تمہارے سامنے آجائیگا  
 اور پھر تمہیں اُس کا بھگتان کرنا ہوگا۔



لَنْ تَنَالُوا ۚ

الْإِصْرَانِ ۚ

آیت ۱۸۱ تا ۱۸۲

درس شصت چہار ۶۴

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ  
وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۚ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ  
الْأَنْبِيَاءَ بِفِرَاقٍ ۚ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ  
الْحَرِيقِ ۝ (۱۸۱) ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ آيِدِيكُمْ  
وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَالَمِينَ ۝ (۱۸۲)

وقف لازم

ترجمہ: البتہ تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات سنی ہے جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ  
فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ ہم ضرور لکھیں گے اس چیز کو جو انہوں نے کہی ہے۔ اور انکا  
اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی۔ اور پھر ہم (جو اسے عمل کے وقت) کہیں گے کہ چکو  
جلائے جانے والے عذاب کا مزہ (۱۸۱) اور یہ اس وجہ سے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں  
نے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے (۱۸۲)

اس سے پہلے درس میں یہودیوں کے نخل کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ آج کی آیات  
بھی اسی سلسلہ سے متعلق ہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کی ہجرت مدینہ  
کے وقت خود مدینہ طیبہ اور اس کے ارد گرد یہودی کثیر تعداد میں آباد تھے۔ خیبر  
یہودیوں کا خاص گڑھ تھا۔ اس کے علاوہ حواریہ مدینہ میں بنی قریظہ، بنی نضیر اور  
بنی قنیقاع کی بستیاں تین تین چار چار میل کے فاصلے پر آباد تھیں۔ ان آیات  
کے شان نزول کے متعلق جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اُسے اہم بیضاوی، صاحب  
تفسیر منظرہ اور ابن جریر وغیرہ نے محمد بن اسحاق مؤرخ کی روایت سے نقل کیا ہے  
فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دعوت اسلام  
کا پیغام مدینہ بنی قنیقاع کی طرف بھیجا۔ یہ دعوت نامہ بائیں مضمون تھا کہ اتقوا اللہ

شان نزول



یعنی اللہ سے ڈر جاؤ، ایمان لے آؤ کیونکہ تم جانتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بہت حق رسول ہیں اور اس بات کی گواہی خود تمہاری کتب میں موجود ہے الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ۔ نیز یہ بھی کہ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو وَاَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ کو قرض حسن دو۔ حضرت صدیق اکبرؓ یہ مکتوب لے کر بنی قینقاع کے ہاں پہنچے اُس وقت یہودیوں کا بڑا عالم فخاص بن عازوراد بیت المدراس میں تعلیم دے رہا تھا۔ حضور علیہ السلام کا مکتوب پڑھ کر کہنے لگا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اسی لیے تو وہ ہم سے قرض طلب کرتا ہے (العیاذ باللہ) یہودی عالم نے یہ بھی کہا کہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر سود حرام کیا ہے اور ہمارے لیے جائز بنایا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے یہ سن کر برداشت نہ کر سکے اور اُس یہودی عالم کے تھپڑ مارے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ حائل نہ ہوتا تو میں تلوار سے تمہارا کام تمام کر دیتا۔

روایت میں آتا ہے کہ فخاص بن عازوراد نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اُس کے ساتھ زیادتی کی ہے آپ نے دریافت کرنے پر صدیق اکبرؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی تھی، کہتا تھا اِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ اَغْنِيَا۔ یعنی اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودی کی اس گستاخی کا جواب دیا ہے۔

جہاں تک اللہ کو قرض حسن دینے کی بات ہے۔ اُسے یہودی اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہ سمجھ سکے۔ اللہ تعالیٰ نہ تو فقیر ہے (نعوذ باللہ) اور نہ اُسے اپنی مخلوق سے قرض کی ضرورت ہے۔ اہل نے جس قرض حسن کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد یتیموں، مسکینوں، بیواؤں اور دیگر مستحقین پر خرچ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ تم اپنے مال میں سے مستحقین پر خرچ کرو۔ اور اُس کا اجر مجھ سے وصول کر لو۔



فَرَمَا مِنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَهُ جُورًا اللَّهُ  
کو قرض دے گا، میں اس کا دگنا چوگنا اجر عطا کر دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کے راستے  
میں خرچ کرنے والوں کو یقین دلایا ہے کہ تمہارا خرچ کیا ہو مال ضائع نہیں جائیگا  
بلکہ اس کے عوض میں تمہیں بڑھا چڑھا کر عطا کیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اُس کے  
سامنے تمام مخلوق محتاج ہے۔ جیسا کہ اُس کا اپنا ارشاد ہے "يَا أَيُّهَا النَّاسُ  
أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ" اُس کی ذات  
بے نیاز ہے اور تم سب اس کے سامنے فقیر اور محتاج ہو۔

حلال و حرام  
کی حکمت

یہاں پر یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کے  
جتنے احکام نازل فرمائے ہیں وہ سب انسانوں ہی کے فائدے کے لیے ہیں  
یا ان کے نقصان سے بچنے کے لیے ہیں۔ لوگ جس قدر صدقہ خیرات کرتے  
ہیں یا زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی چیز نہیں جاتی اور  
نہ ہی اُس کو ان چیزوں کی ضرورت ہے۔ وہ تو غنی ہے۔ اس میں باقی انسانوں  
کے لیے فائدے ہیں۔ امیر آدمی کے صدقہ خیرات سے محتاج کی پرورش  
ہو جاتی ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ نے آپس میں ہمدردی اور غمگساری کا ذریعہ پیدا فرمادیا  
ہے اس سے پاکیزہ جذبات پیدا ہوتے ہیں اور انسان کو تہذیب نفس حاصل ہوتی  
ہے۔ اس سے انسان کے اخلاق کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ چیزیں بہر حال نبی نوع  
انسان کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ اسی طرح اللہ جل جلالہ نے جن چیزوں کو حرام  
بھڑایا ہے۔ ان میں لوگوں کے لیے نقصانات ہیں۔ اول تو کوئی نہ کوئی جسمانی  
نقصان ہوگا، وگرنہ روحانی نقصان تو لازمی ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان  
چیزوں کو انسانوں کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔

یہودی کی  
گت خیاں

یہودیوں نے حرص اور غفلت کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی شان میں بہت  
سی گت خیاں کیں جن کا تذکرہ قرآن پاک میں ملتا ہے۔ جب ان بد بختوں کو مالی  
پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تو کہنے لگے۔ يٰۤاَللّٰهُ مَفْلُوكٌ خُذْ اَتَعَالٰی کے



ہاتھ جکڑے گئے ہیں وہ ہم پر فیاضی نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا  
 عَلَتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعَنُوا ان بے نصیبوں کے اپنے ہاتھ جکڑے ہوئے  
 ہیں اور ان پر اللہ کی لعنت برس رہی ہے فرمایا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ  
 بلکہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں۔ وہ تو اپنی فیاضی کی بارش نازل فرما رہا ہے۔ وہ  
 جس طریقے سے چاہے خرچ کرتا ہے اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں بقیقت  
 یہ ہے کہ یہودی کفر کے کلمات بول کر گستاخی کا ارتکاب کر رہے ہیں اور بے ادبی میں مبتلا  
 ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ سورۃ بقرہ میں بیان ہو چکا ہے۔ انہوں نے  
 موسیٰ علیہ السلام سے کہا لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى نَرَى اللَّهَ جَهَنَّمَ ہم ہرگز ایمان  
 نہیں لائیں گے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ان کھلی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ  
 نے اس گستاخی کی فوراً سزا دی اور وہ گرفت میں آگئے۔

آج کے درس کی آیت کرمیہ میں بھی یہودیوں کی گستاخی کا تذکرہ کرتے ہوئے  
 فرمایا لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاكُمْ  
 بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ)  
 فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ فرمایا یہودیوں کے اس گستاخانہ کلام کا بدلہ یہ ہے کہ  
 سَنَكْتُبُ مَا قَانُوا ہم اس بات کو ضرور لکھ لیں گے۔ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے  
 اسے لکھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہر چیز اس کے علم میں ہے۔ تاہم انصاف کے  
 تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ان کی یہ بات لکھ لی جائیگی اور دفتر میں محفوظ ہو  
 جائیگی۔ پھر حساب کتاب کے دن لا کر ان کے سامنے رکھ دی جائیگی۔ تاکہ وہ  
 اس کا انکار نہ کر سکیں۔

اس گستاخی کے علاوہ یہودیوں کی ایک بہت بڑی خصلت ناحق قتل انبیاء ہے  
 فرمایا وَقَتْلُهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ان کی جانب سے اللہ کے نبیوں  
 کا ناحق قتل بھی ہم نے لکھ رکھا ہے۔ ہم اس کی بھی ان کو ضرور سزا دیں گے۔ بنی کا قتل تو  
 یقیناً ناحق ہوتا ہے۔ بلکہ کسی عام مسلمان کا قتل ناحق بھی اکبر الکبائر میں سے ہے۔



اور بدترین جرم ہے۔ تاہم یہاں پر لفظ بغیر حق سے مراد یہ ہے کہ انبیاء کا قتل خود ان قاتلین کے نزدیک بھی ناحق تھا حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ کے نزدیک سبے سخت سزا کا مستحق وہ شخص ہوگا جس نے اللہ کے نبی کو شہید کیا ہوگا۔ یاد رہے شخص سب سے زیادہ ملعون ہوگا جسے اللہ کا نبی قتل کرے۔ ایسے شخص کی مثال ابی ابن خلف کی ہے۔ جو غزوہ احد میں نبی علیہ السلام کے نیزہ کی زد میں آکر جہنم واصل ہوا تھا۔ بنی اسرائیل کے قتل کا ذکر تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ کیا ہے خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی یہودیوں نے نبی علیہ السلام کو شہید کرنے کی کئی مذموم کوششیں کیں۔ خیبر میں آپ کو زہر دیا گیا مگر اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ پھر بنی انصیر کے علاقے میں دنیا پر کے اُپر سے آپ علیہ السلام پر پتھر گرنے کی سعی لا محال کی گئی۔ یہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے ان قبیح کارناموں کو نظر استحسان دیکھتے تھے اور ان پر فخر کرتے تھے۔ اگرچہ حضور علیہ السلام کے زمانے کے یہودی قاتلین انبیاء کے صدیوں بعد آئے مگر اپنے سابقین کی بُرائی کی حمایت کرنے کی وجہ سے یہ اس قتل ناحق میں شریک سمجھے گئے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایک شخص بالفعل بُرائی نہیں کرتا، مگر بُرائی کرنے والے کو دل سے اچھا سمجھتا ہے، تو وہ بھی بُرائی کرنے والے کے ساتھ شامل سمجھا جائے گا۔ البتہ ایسا شخص جو اپنے سامنے بُرائی ہوتی دیکھ کر دل سے بُرا مانتا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

گستاخی کی سزا

ان گستاخیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا وَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ اور پھر ہم جزائے عمل کے وقت کہیں گے جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔ تم خدا تعالیٰ کی شان میں بیودہ کلمات بولتے تھے کہ خدا فقیر ہو گیا ہے جو ہم سے قرض مانگتا ہے۔ لو آج اس گستاخی کی سزا بھگت لو۔ فرمایا ہماری سخت سزا تمہارے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی بلکہ ذلالتِ بِصَافَّةٍ مَتَّ اَيَّدِيكُمْ يَوْمَ تَبْصُرُونَ ہے جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا۔ تم نے دنیا میں جس قسم کے اعمال انجام دیے یہ ابھی کا بدلہ ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے لَهَا مَا كَسَبَتْ



وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتُ تھار ہی اپنی ہی کھائی تھائے سائے آئے گی۔ یہ تھاری  
 بد اعمالیوں کا صلہ ہے۔ جو تمہیں مل رہا ہے۔ اور یاد رکھو! وَلَنْ يَكُنَّ لِيُشْرَ  
 بِظُلْمٍ لِّلْعَبِيدِ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا، وہ تو انصاف  
 کرنے والا ہے۔ رحیم و کریم ہے۔ یہاں پر ظلامت و مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور معنی  
 یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بالکل ظلم نہیں کرتا یا ذرہ بھر بھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا۔  
 مگر انسان خود اپنی نافرمانی، بد اعتقادی، بد اعمالی اور معاصی کی وجہ سے شدید سزا  
 کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔



لَنْ تَنَالُوا

در شصت و پنج ۶۵

الْ عَمَل ۳

آیت ۱۸۳ تا ۱۸۵

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا لَنُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتّٰى  
يَاْتِنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاؤَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ  
قَبْلِى بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِى قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ  
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۸۳ فَاِنْ كَذَّبُوْكُمْ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُوْلٌ  
مِّنْ قَبْلِكَ جَاؤُوْا بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝۱۸۴  
كُلُّ نَفْسٍ ذٰئِقَةٌ لِّلْمَوْتِ ۝۱۸۵ وَاِنَّمَا تُؤْفَوْنَ اَجُوْرَكُمْ  
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۝۱۸۶ فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ  
فَقَدْ فَاَزَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝۱۸۷

ترجمہ: وہ وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے  
کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لائے، جس کو  
اگ کھا جائے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہ دیجئے، تحقیق تمہارے پاس مجھ سے  
پہلے رسول آئے واضح نشانیاں لے کر، اور اس چیز کو لے کر جو تم نے کہی ہے۔ پس  
تم نے ان کو کیوں قتل کیا، اگر تم سچے ہو ۝۱۸۳ پس اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں۔ تو  
بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول جھٹلائے گئے ہیں، جو لائے تھے۔  
کھلی نشانیاں، اور صحیفے اور روشن کتابیں ۝۱۸۴ ہر ایک نفس موت کا ذائقہ  
چکھنے والا ہے۔ اور بیشک تم کو تمہارا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا قیامت کے دن  
پس جو شخص دوزخ کی آگ سے دور کر دیا گیا۔ اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو بیشک  
وہ کامیاب ہو گیا، اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر دھوکے کا سامان ۝۱۸۵



ربط آیات

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے نجل اور حرص کا تذکرہ کر کے ان کی مذمت کی تھی۔ وہاں ان کی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اُس گستاخی کا بیان بھی تھا جس میں انہوں نے کہا کہ اگر اللہ ہم سے قرض حسن مانگتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں پر متنبہ کر دیا تھا کہ اُس نے ان گستاخانہ کلمات کو تحریر کر لیا ہے۔ نیز یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان کے آباؤ اجداد کے قتل انبیاء کے فعل کو بھی اُس نے لکھ رکھا ہے۔ اور قیامت کے دن انہیں جلائیے والے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ دراصل قبولیت اسلام کے خلاف اہل کتاب کی یہ حیلہ سازی تھی۔ وگرنہ وہ اسلام کی سچی اور مبنی بر حقیقت دعوت کو ٹھکرا نہیں سکتے تھے۔ انہیں حقیقت حال کا علم ہو چکا تھا۔ مگر وہ محض اپنی ہٹ دھرمی و عناد اور ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے پر تیار نہ ہوتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ اگر انہوں نے اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا تو پھر ان کی ریاست قائم نہیں رہ سکیگی اور ان کے اکل حرام مشمولہ سود کے تمام اُسے بند ہو جائیں گے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور حیلے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو صرف اُسی صورت میں ایمان لائیں گے جب اللہ کا رسول ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر آئے جسے آگ ہمارے سامنے کھا جائے۔ اس درس میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس بیہودہ بہانے کا جواب بھی دیا ہے۔

سربراہی کی لعنت

سربراہی ہمیشہ تسبیل حق میں مانع رہی ہے۔ سابقہ انبیاء کے دور میں بھی یہی چیز تھی، بڑے بڑے زور پستول نے ہر جائزہ و ناجائزہ طریقے سے دولت اکٹھی کر رکھی تھی۔ مال اکٹھا کرنا اور پھر اُسے جائزہ کی بجائے ناجائزہ امور پر خرچ کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔ اللہ کے نبی انہیں حرام راستے سے دولت کھانے اور حرام راستے پر خرچ کرنے سے روکتے تھے۔

عدل و انصاف کا حکم دیتے تھے، جس کی وجہ سے سربراہی دارائے ذہنیت کے



لوگ انبیاء کے گمراہ جمع نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ سورۃ ہود میں حضرت شعیب علیہ السلام کی تقریر موجود ہے۔ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا، اے میری قوم! خالص اللہ ہی کی عبادت کرو، اُس کے سوا تمہارا کوئی اللہ نہیں۔ نیز یہ کہ ناپ تول میں ڈنڈی نہ مارو۔ کسی کا حق نہ کھاؤ، زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔ **بَقِیَّةُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ** لوگوں کے حق ادا کرنے کے بعد جو چیز تمہارے پاس بچ جائیگی۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔ اور اگر تم نے حقداروں کے حق ادا نہ کئے، تو وہ چیز تمہارے لیے بہتر نہیں ہوگی۔ اس وعظ پر قوم سخت چین بچیں ہوئی۔ اور کہنے لگی **یٰٰشُعَیْبُ اَصْلَوْنٰكَ نَاْمُرُكَ اَنْ نَّتَّوَلَّكَ مَا كُفَّیْنَا اِلٰی شُعَیْبٍ اِذَا كُنَّا فِی الْمَآءِ** نمازیں یہ کہتی ہیں۔ کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کے معبودوں کو ترک کر دیں اور اُن سے کُل فِیْ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ یا ہم اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ تم ہمیں اس کام سے بھی روکنا چاہتے ہو۔ تم ہمارے مال پر پابندی لگانا چاہتے ہو۔ ہمیں تمہاری یہ بات ہرگز قبول نہیں۔ اور اگر اللہ کا بنی یہ کہے کہ مجھ پر ایمان لا کر جو چاہے کرتے پھرو۔ تو پھر وہ سارے کے سارے بنی کے گمراہ کھٹے ہو جائیں گے مگر اللہ کا پیغمبر تو انہیں شتر بے دھارہ نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ تو حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز سکھائیگا۔ اللہ کا بنی انہیں جائز ذرائع سے کھانے اور جائز امور پر خرچ کرنے کی تلقین کرتا ہے اسی لیے تو لوگ اُس کی مخالفت کرتے ہیں۔ اور اُسے تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں، طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مکہ کے دولت مند مشرکین کا بھی یہی حال تھا۔ وہ بھی حضور علیہ السلام کو نبی ماننے کے لیے تیار نہ تھے اور اس کے لیے کئی بہانے بناتے تھے۔

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ایک اور حیلہ کا ذکر کیا ہے ایمان لانے کے لیے انہوں نے نبی علیہ السلام کے سامنے ایک اور شرط پیش کی ارشاد ہوتا ہے۔ **الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ عٰہِدُ اِلَیْنَا اَلَا نُوْمِنُ**

قرآنی کی  
فرمائش



لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ وَهَ لُوكَ جَهَنَّمَ نَعْلَمُ مَا كَمَا كَمَا اللَّهُ  
 نے ہمارے ساتھ عہد کیا ہے کہ ہم کسی رسول پر اُس وقت تک ایمان نہ لائیں ،  
 جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جس کو آگ کھا جائے۔ امام رازیؒ  
 اپنی تفسیر میں نقل کرتے ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کے  
 متعلق تو ایسی بات کی تھی کہ جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے اُسے اس قسم کی سوختنی قربانی  
 پیش کرنے کو کہا جائے مگر دو نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کو اس شرط سے مستثنیٰ قرار دے دیا۔

سابقہ امتوں میں مال غنیمت کا استعمال بھی جائز نہیں تھا۔ لہذا محاذ جنگ  
 سے حاصل ہونے والا مال لوگ استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ سارے سامان ایک مقام  
 پر اکٹھا کر دیا جاتا تھا۔ آسمان سے سفید رنگ کی معجزانہ آگ آتی تھی جو اُسے جلا کر رکھ  
 کر دیتی تھی۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ یہ مال ان لوگوں کے لیے حلال نہیں  
 تھا اس لیے وہ خود ہی اُسے آگ لگا کر ضائع کر دیتے ہوں۔ مگر نبی آخر الزمان کی  
 امت کے لیے اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو حلال قرار دیا ہے صحیح حدیث میں  
 حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عاقبتی  
 اور ضعف کو دیکھ کر ہمارے لیے مال غنیمت جائز قرار دے دیا ہے۔ سورۃ انفال  
 میں بھی موجود ہے فَكُلُوا مِنْهَا غَنِمَتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا مال غنیمت  
 کے حلال اور طیب مال میں سے کھاؤ۔

بائیل کی روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کی قبولیت کی نشانی  
 یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اُسے جلا دیتی تھی۔ چنانچہ بعض مواقع پر کوئی نبی  
 سوختنی قربانی کرتا تھا تو آگ اُسے جلا دیتی تھی۔ جو نبی کی صداقت کی دلیل بھی جاتی  
 تھی سورۃ مادہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر ہے کہ  
 اُن میں سے ایک کی قبول ہو گئی اور دوسرے کی نہ ہوئی، بعض روایات کے  
 مطابق وہاں بھی مقبولیت کی نشانی یہی تھی کہ اُسے آگ نے جلا دیا تھا جب کہ



دوسری غیر مقبول قربانی صحیح سلامت بچ گئی تھی۔ الغرض! اہل کتاب نے بنی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایسی ہی معجزانہ قربانی کی فرمائش کی، اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک ایسی قربانی کا مشاہدہ نہ کریں ہم کسی رسول پر ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس فرمائش کے جواب میں فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! ان کو کہ دیجئے قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِیْ مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے رسول آئے ہیں بِاٰیٰتِنَا واضح باتیں لے کر۔ بِیِّنٰتٍ معجزے کو بھی کہتے ہیں اور واضح دلائل اور واضح احکام پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیسے نماز، روزہ، توحید، صبر، شکر، خدا کا ذکر وغیرہ یہ سب بنیات اور دین کے بڑے اہم اصول ہیں۔ اللہ کے نبی ہر بات میں واضح دلائل پیش کرتے ہیں۔ خاص طور پر توحید کے متعلق تو بڑے بڑے عقلی اور نقلی دلائل اور مشاہدہ کے ہزاروں دلائل پیش کیے گئے ہیں جن کو سن کر اور دیکھ کر ہر سلیم الفطرت انسان تسلیم کر نہ پھر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور عنادی ذہن والے لا جواب ہو جاتے ہیں اور جہالت پر اُتر آتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توحید باری تعالیٰ کے متعلق عقلی، نقلی اور مشاہداتی دلائل کہتے مضبوط تھے جن کا جواب نہ باپ دے سکا، نہ بادشاہ وقت اور نہ ساری قوم نتیجہ یہ ہوا کہ دلائل کا جواب دلائل سے دینے کی بجائے مار پیٹ پر تیار ہو گئے، باپ نے گھر سے نکال دیا۔ حتیٰ کہ پوری قوم دشمن جان بن گئی۔ اسی لیے فرمایا کہ اے پیغمبر علیہ السلام آپ ان سے کہ دیں کہ مجھ سے پہلے بھی اللہ کے رسول واضح دلائل لے کر آئے ہیں وَ بِالَّذِیْ قُلْتُمْ اور وہ چیز بھی لائے ہیں جسکی تم لوگ فرمائش کر رہے ہو یعنی مجھ سے پہلے اللہ کے نبی سو فتنی قربانی کی دلیل بھی تمہارے آباؤ اجداد کے سامنے پیش کر چکے ہیں مگر انہوں نے پھر بھی انکار کر دیا۔

تورات میں حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کا ذکر موجود ہے۔ بعل نامی بت کے پجاری ہی یہودی تھے۔ ان کو حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا کہ آؤ میدان میں نکلو، ایک بیل میں اللہ کے نام پر قربان کرواتا ہوں، تم ایک بیل اپنے بت بعل



کے نام پر قربان کر دو، پھر دیکھتے ہیں کہ کس کی قربانی کو آسمانی آگ جلا کر قبولیت کے درجہ تک پہنچائی ہے۔ چنانچہ دونوں قربانیاں کی گئیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو آگ نے جلا دیا اور اسرائیلیوں کی قربانی ویسی کی ویسی رہی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اب یہودی حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ کا نبی تسلیم کر لیتے مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے، بلکہ آپ کے اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے نبی کو پہاڑوں میں پناہ لے کر جان بچا نا پڑی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ملک سے ہجرت کر گئے۔ فرمایا تمہارے آباؤ اجداد نے منہ مانگا معجزہ دیکھنے کے باوجود فَلِمَ قَتَلْتَهُمْ پس تم نے یعنی تمہارے آباؤ اجداد نے ان کو کیوں قتل کیا۔ کیوں ان کی جان کے دشمن بنے۔ فرمایا اس بات کا جواب دورانِ کُنْتُمْ صِدِّقِينَ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ مقصد یہ کہ آج تم مجھ سے وہی پُرانا قربانی والا معجزہ طلب کر رہے ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری فرمائش پوری بھی کرے، پھر بھی تم منہ پر تیار نہ ہو گے بلکہ کسی اور جیلے بہانے سے انکار کر دو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور اس کے متبعین کو تسلی دی اور فرمایا اے اہل حق! آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ بیشک یہ لوگ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں فَإِنْ كَذَّبُوا اگر یہ لوگ ایسا کرتے ہیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلُ صَنِّ قَبْلِكَ بیشک آپ سے پہلے بھی اللہ کے رسول جھٹلائے گئے ہیں۔ جس طرح آج آپ کی قوم آپ کا انکار کر رہی ہے اسی طرح سابقہ قومیں سابقہ انبیاء علیہم السلام کا انکار کرتی رہی ہیں اور نبی بھی ایسے جبار و با لبیڈت والے جو کھلی نشانیاں یعنی معجزات اور دلائل لے کر آئے۔ اور بڑی نصیحت آموز باتیں لے کر اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے۔ زبور صحیفے کو کہتے ہیں جس میں وعظ و نصیحت کی باتیں ہوں۔ اسی لیے حضرت داؤد علیہ السلام کا صحیفہ زبور کہلاتا ہے۔ صحیفے میں احکام لاتے زیادہ نہیں ہوتے البتہ معاشرتی پند و نصائح ہوتے ہیں۔ فرمایا اس کے علاوہ اللہ کے وہ پیغمبر والکذیب المُنیر روشن کتاب بھی لے کر آئے، مگر پھر بھی تمہاری



قوم نے انہیں تسلیم نہ کیا۔ روشن کتاب سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں وعظ و نصیحت کے علاوہ ہر قسم کے احکام منجہ حلال و حرام کے احکام، سیاسی اور معاشی احکام، جہاد، عبادات اور دیگر معاشرتی احکام موجود ہوں۔ فرمایا اللہ کے نبیوں نے تمام حجت پوری کر دی مگر اُن لوگوں نے اُن کا نہ صرف انکار کیا، بلکہ ان کے قتل کے لیے ہوئے۔ لہذا اے پیغمبر! آپ بد دل نہ ہوں۔ پیغمبروں کو جھٹلانا ان کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔ یہ لوگ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے لہذا آپ اپنا کام کرتے چلے جائیں۔

موت اور  
جڑائے عمل

فرمایا كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ہر ایک نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے، کوئی فری روح موت سے نہیں بچ سکتا۔ یہ قطعی اور یقینی بات ہے أَفَاِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ جس طرح نبی اور اُس کے ماننے والے موت سے ہم کنار ہوں گے، اسی طرح اُن کے مخالفین کو بھی یہ گھائی لازماً عبور کرنا ہوگی۔ یہ زندگی ختم ہو جائے گی اور سب کو نئی زندگی میں داخل ہو کر رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا۔ وَإِنَّمَا تُوَفَّقُونَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ اور پھر فیصلہ کے دن تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اس میں نہ کمی ہوگی اور نہ کسی پر ظلم کیا جائے گا۔ ہر شخص کو اُس کے کئے کا پھل مل جائے گا۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جیسا انسان کا اپنا وجود جس طرح انسان کے اپنے جسم کے موجود ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اسی طرح جڑائے عمل بھی لاریب واقع ہو کر رہیگی۔ فَمَنْ نَزَحْزَحَ عَنِ السَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ پس جو شخص دوزخ سے دور کر دیا گیا، اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ وہ کامیاب ہو گیا یہ ایسی کامیابی ہے جس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت، سرمایہ اور اقتدار سب پہنچ ہیں۔ اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان دوزخ سے بچ کر جنت کا داخلہ حاصل کر لے جو ہمیشہ کے لیے خدا تعالیٰ کی رحمت کا مقام ہے۔ جو وہاں پہنچ گیا، وہ حظیرۃ القدس کا ممبر بن گیا اور اُسی کے لیے فلاح و کامیابی ہے۔



دنیا دھوکہ  
محض ہے

فرمایا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْفُرُوسِ اور دنیا کی زندگی  
محض دھوکے کا سامان ہے۔ شیطان بہت بڑا دھوکے باز ہے اُس نے  
لوگوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ آدمی اس دنیا کے کاموں میں مگن ہو کر اس کو  
مستقل ٹھکانا سمجھنے لگتا ہے اور آخرت کے انجام سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس  
کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اکثر لوگ حقیقت سے بے برہ ہو کر دین حق کی مخالفت  
پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں اور پھر بد اعمالی اور بد عقیدگی کا ذخیرہ جمع کر کے آخرت  
میں نامراد و ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس واسطے فرمایا کہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اس  
سے ہوشیار رہنا چاہیے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے قبول حق میں اہل کتاب کے جھوٹے حیلے بہانوں کی  
نہ مست بیان فرمائی اور نبی علیہ السلام اور آپ کے متبعین کو تسلی دی کہ تکذیب حق  
سے پہچان نہ ہوں۔ اللہ والوں کو ایسی آزمائشوں سے ہمیشہ گزرنا پڑا ہے۔



لَنْ تَنَالُوا ۲

درشست و شش ۶۶

الْاِعْمُرَان ۳

آیت ۱۸۶

لَتَبْلُوَنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فَوَلْتَسْمَعَنَّ مِنَ  
الَّذِيْنَ اَوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اِذْىٰ كَثِيْرًا  
وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝۱۸۶

ترجمہ : البتہ تحقیق تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں اور جانوں میں۔ اور البتہ ضرور  
سنو گے اُن لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تھی تم سے پہلے اور اُن لوگوں سے جنہوں نے  
شرک کیا بہت سی تکلیف دہ باتیں۔ اور اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کی راہ پر قائم  
رہو گے تو بیشک یہ مقصودی کاموں میں سے ہے ۝۱۸۶

رابطہ آیات

گزشتہ درس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو اہل کتاب  
کی ایذا رسانیوں کے خلاف تسلی دی گئی تھی۔ کہ اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں۔  
تو آپ اس سے دل برداشتہ نہ ہوں، کیونکہ یہ لوگ تو ہمیشہ سے اللہ کے نبیوں کی  
تکذیب کرتے رہے ہیں حالانکہ وہ پیغمبر اللہ کی طرف سے واضح نشانیاں، کتاب  
اور نصیحت آموز باتیں لے کر آتے رہے۔ فرمایا اہل کتاب کی بیہودہ باتوں سے  
قطع نظر آپ تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں۔ نیز فرمایا کہ ہر نفس نے موت کا مزہ  
چکھنا ہے۔ اور اس گھمٹائی کو عبور کر کے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش ہونا ہے  
وہاں ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا۔ کسی کے ساتھ زیادتی  
نہیں ہوگی۔ آج کے درس میں بھی اہل کتاب اور مشرکین کی اسی قسم کی اذیت سناں  
باتوں کا تذکرہ کر کے حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرامؓ کو تسلی دی گئی ہے۔  
کہ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔



ارشاد ہوتا ہے لَتُكَلِّفُونَ اے اہل ایمان! البتہ تم ضرور آزمائے جاؤ گے یہاں پر کل تاکید اور ن ثقلید دونوں آئے ہیں اور یہ دونوں حروف تاکید کے لیے آتے ہیں، لہذا معنی یہ ہوا کہ تمہاری آزمائش لازماً ہوگی۔ اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور آزمائش کس چیز میں ہوگی، فرمایا فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ تمہارے مالوں میں بھی آزمائش ہوگی اور جانوں میں بھی ہوگی۔ یعنی دیندار لوگوں ————— کو مالی اور جانی ہر دو لحاظ سے آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ دین کے معاملہ میں پتہ خلو ص کون ہے اور کمزور ایمان والا کون ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى قَدْرِ دِينِهِ انسان اپنے دین کے مرتبہ اور مقدار کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ کوئی شخص جس قدر دین میں مضبوط ہوگا، بسا اوقات اُسکی آزمائش بھی اسی قدر سخت ہوتی ہے۔

آزمائش کا یہ قانون اللہ تعالیٰ نے کئی ایک سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ سورۃ بقرہ میں گنہ چکا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ اور ہم تمہاری ضرور آزمائش کریں گے خوف اور بھوک کے ذریعے اور مال، جان اور پھلوں کے نقصان کے ذریعے۔ جب بھی مالی یا جانی نقصان ہوتا ہے، اہل ایمان کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ کہ اس تکلیف پر وہ کہاں تک ثابت قدم رہتا ہے۔ سورۃ انبیاء میں آتا ہے وَنَبْلُوَكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ہم خیر و شر دونوں طریقوں سے آزماتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس دنیا کو دارالابتلاء کہا جاتا ہے اس دنیا کو کوئی مستقل گھر نہ سمجھنی چاہیے، یہ تو آزمائش کا گھر ہے۔ اکثر مقامات پر آزمائش کے سلسلہ میں مال و جان کا ذکر کیا گیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی کو مال اور اولاد و حیمہ آزمایا جاتا ہے اور کسی سے یہ چیزیں واپس لے کر آزمائش میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ کبھی بیماری میں مبتلا کر کے آزمایا جاتا ہے اور کبھی جہاد میں جہاد شہادت پلا کر انسان کی کھڑی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عام قانون



بتا دیا تاکہ اللہ والے ہر وقت امتحان سے گزرنے کے لیے تیار رہیں۔ ایک ابتلا  
جنگ احد میں آئی تھی تو اس کے بعد بھی کوئی امتحان آسکتا ہے۔ لہذا اہل ایمان کو  
اس سے گھبرانا نہیں چاہیے۔

تکلیف دہ  
باتیں

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک دوسری آزمائش کے متعلق خبردار کیا۔  
وَلْتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ تَمْضِرُ سُنُوكَ  
اِنَّ لَوُكُوں كى طرَف سے جنس تم سے پہلے كتاب دى گى وَهِنَ الَّذِيْنَ اَشْحَى كُوَا  
اور اِنَّ لَوُكُوں سے جنہوں نے شر ك كى اَذَى كَشِيْراً بہت سی تكليف دہ باتیں،  
یعنی یہود و نصاریٰ اور مشركین كى طرَف سے تمہیں اذیت ناك باتیں سننا پڑیں گے۔  
ایسی تكليف دہ باتیں وہ پہلے بھی كرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی باز نہیں آئیں گے لہذا  
اہل ایمان كو اس كے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔ مشركین كے متعلق تو سچی سورتوں میں  
آپ جگہ جگہ پڑھتے ہیں كہ وہ قرآن پاك، پیغمبر خدا اور اہل ایمان كے متعلق كس قسم كى  
زبان استعمال كرتے تھے۔ اُس وقت سے لیکہ یہ اذیت ناك سلسلہ آج كے جاری  
ہے۔ مشركین كو دنیا میں جہاں كیوں غلبہ حاصل ہوتا ہے یا انہیں موقع ملتا ہے۔ وہ  
اہل ایمان كو ذلیل كرنے سے باز نہیں آتے۔ باقی ہے اہل كتاب تو ان كے  
متعلق آپ جانتے ہیں كہ ہجرت كے وقت مدینہ كے گھر دو نواح میں جو یہودی  
آباد تھے انہوں نے اہل اسلام كے متعلق كیا كیا شوشے چھوڑے، اور نئے نئے  
مسلمانوں پر كس طرح عرصہ حیات تنگ كرنے كى كوشش كى۔ كعب بن اشرف  
یہودیوں كا دولت مند تاجر اور سردار تھا۔ وہ بد بخت شجر بھی كھتا تھا۔ اور اپنے اشعار میں  
حضور علیہ السلام كى ہجو بیان كرتا تھا۔ اور ایسے قبیح اشعار سر عام پڑھنے كى دوسروں  
كو بھی ترغیب دیتا تھا۔ یہ لعین اپنے شعروں میں مسلمان پاكدامن اور با عصمت  
عورتوں كے ساتھ اپنے عشق و محبت كا اظہار كرتا تھا۔ مسلمانوں كے لیے یہ چیز  
نہایت ہی تكليف دہ تھی۔ بدر میں مسلمانوں كے ہاتھوں مشركین كى ذلت ناك  
شكست كے بعد یہ شخص مكہ گیا اور اہل مكہ كو مسلمانوں كے خلاف حملہ كرنے پر اُگایا



وہ کہا کرتا تھا کہ مسلمانوں کے ذہن کی نسبت مشرکین کا ذہن بہتر ہے۔ اس شخص نے معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کی تھی، آخر حضور علیہ السلام کے حکم سے مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ بعض دوسرے یہودی بھی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن بن گئے۔ چنانچہ خیبر کے یہودیوں نے کھانے میں زہر ملا کر حضور علیہ السلام کو شہید کر نیکی ناکام کوشش کی۔ بعض دیگر سازشیں بھی کیں، جو آج تک جاری ہیں۔

امیر شکیب ارسلان شام کے رئیس اور عالم تھے۔ ترکی خلافت میں عہدیدار ہے۔ پہلی جنگ عظیم میں ہسپتالوں کے انچارج تھے۔ آپ نے طرابلس کی لڑائی میں بطور مجاہد شرکت کی، اور دوسری جنگ عظیم میں بھی انگریزوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ انگریزوں نے شام پر قبضہ کر کے ان کو جلا وطن کر دیا تھا۔ اپنے بیس سال تک یورپ میں جلا وطنی کی زندگی گزاری اور ۱۹۴۶ء میں فوت ہوئے۔

ایک امریکی انگریز نے (THE NEW WORLD OF ISLAM) (اسلام کی دنیائے جدید) کے نام سے کتاب لکھی جس میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے حالات قلمبند کئے۔ ایک مصری شخص نے اس کا ایک جلد میں عربی ترجمہ کیا جس کا نام "حاضر العالم الاسلامی" رکھا۔ اور اُسے امیر شکیب ارسلان کو پیش کیا کہ وہ اس کتاب کا مقدمہ تحریر فرمادیں۔ آپ نے تین جلدوں پر محیط ایک عظیم مقدمہ لکھا جس میں انگریز مصنف کی غلط بیانی کا بھی پورا وہ چاک کیا۔ اور اہل اسلام کے حالات کو حقیقی رنگ میں پیش کیا۔ جنگ عظیم اول و دوم کے درمیانی عرصہ کی یہ ایک عظیم کتاب تھی۔ امیر شکیب لکھتے ہیں کہ یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں نے قرآن کریم اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریباً چھ لاکھ کتابیں شائع کی ہیں۔ اہل کتاب کی طرف سے مسلمانوں کی ذل آزاری کا اندازہ اس ایک بات سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔

جرمنی کے نوٹرک نامی ایک ناہنجار نے لکھا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) مرگی کے دورے پڑتے تھے، اس دوران جو کچھ آپ بڑبڑاتے تو لوگوں



نے اُسے قرآن کا نام سے دیا۔ العیاذ باللہ۔ غرضیکہ ان لوگوں سے جیسا بھی بن پڑا انہوں نے دین کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کیا۔ یہودی تو انہی ابدی سازشی ہیں، اسلام کے خلاف انہوں نے امریکی جبرمینی اور فرانسیسی انگریزوں کو بھی شامل کر لیا ہے، بلکہ اب خود پس منظر میں رہ کر دوسروں کے ہاتھ سے اپنی خباثت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ سب اہل اسلام کی دل آزاری کی باتیں ہیں ہندوستان میں اپنے دورِ اقتدار میں ایک انگریز نے اپنے کتے کا نام احمد رکھا تھا۔ اس پر ساری دنیا میں احتجاج ہوا، تو اُس نے معافی مانگی کہ مجھے علم نہیں تھا کہ میں نے کس قدر گھناؤنے فعل کا ارتکاب کیا ہے۔ بعض اوقات یہ بد بخت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تصویریں شائع کرتے ہیں یا ان کے کارٹون اور فلمیں بناتے ہیں۔ پچھلے دنوں بعض خبیثوں نے کپڑے پر قرآن پاک کی آیات شائع کر کے اس کی تذلیل کا پہلو نکالا۔ اور پھر ایسے کپڑے سے ایسی قمیصیں تیار کیں۔ کہ بیٹھنے پر آیت الحکسی پیٹھ کے نیچے آجائے۔ اس قسم کے ملبوسات یہودیوں نے امریکہ اور کینیڈا سے تیار کروا کے بھیجے تاکہ اسلام اور اہل اسلام کی تذلیل ہو۔ بعض اوقات یہ لوگ قرآن (اسلام) کو رجعت پسند مذہب اور مسلمانوں کو رجعت پسند لوگ کہتے ہیں۔

مسلمانوں کی دل آزاری کا اس بات میں بھی بہت سامان ہے۔ کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ انہوں نے لغت کی کتاب (منجد) میں لکھا ہے کہ مسیح کا معنی ہی ابن اللہ ہے۔ العیاذ باللہ، یہ اللہ تعالیٰ پر کتنا بڑا بہتان ہے۔ وہ تو خود قرآن میں فرماتا ہے۔ کہ زمین و آسمان پھٹ جائیں، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں اس بات پر اَنْ دَعَوُا لِلرَّحْمٰنِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا پکارا جائے۔ یہ اتنی سخت بات ہے۔ مگر ان لوگوں کے منہ اس قدر چھٹ چکے ہیں کہ انہیں وہی تباہی بکنے میں کچھ جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ روسی بھی بگڑے ہوئے یہودی اور عیسائی ہیں۔ انہوں نے اشتراکیت



کے سائے میں پناہ لے رکھی ہے یہ بھی اہل اسلام کو تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ  
فروگذارشت نہیں کرتے۔ درل آزماری کے نئے نئے سامان پیدا کرتے رہتے ہیں  
ہندوستان میں ہنود نے بھی اس سلسلہ میں پورا پورا پارٹ ادا کیا ہے۔ راجپال نے  
رنگیلار رسول نامی کتاب لکھ کر اہل اسلام کو غیظ و غضب کا نشانہ بنایا، اُسے ایک غریب  
بڑھئی نوجوان مسلمان غازی علم الدین شہید نے قتل کیا۔ دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب چودھواں  
باب قرآن پاک کی مذمت میں لکھا تھا۔ مختلف آیات قرآنی کے ساتھ اس نے تمسخر  
کیا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے متعلق لکھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں  
کا خدا کوئی بدو تھا جو اونٹ چرایا کرتا تھا، اسی لیے تو صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقہ اللہ  
یعنی اللہ کی اونٹنی کہا گیا ہے۔ ان ہندوؤں نے بھی اللہ تعالیٰ پر بغیر خدا اور قرآن پاک  
کے متعلق ایسی ایسی ناقابل برداشت باتیں کیں، اس معاملہ میں نصاریٰ، یہود اور ہنود  
سب لکھتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنے میں کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے  
دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی باتیں تم پہلے بھی سن چکے ہو اور آئندہ بھی سننی  
پڑیں گی، اس کے لیے ہمیشہ تیار رہو۔

صبر کی تقنین

ان دو باتوں یعنی مال و جان میں آزمائش اور مخالفین کی طرف سے تکلیف دہ  
باتیں سننے کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان دو تکالیف کا علاج بھی  
بیان فرمایا ہے۔ وَإِنْ تُصِيبُوا اور اگر تم صبر کرو گے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ  
نے صبر کی بہت زیادہ تقنین فرمائی ہے۔ کہیں فرمایا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ  
یعنی اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا يَا أَيُّهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ اے اہل ایمان! صبر اور  
نماز کے ساتھ استعانت پکڑو۔ سورۃ احقاف میں حضور علیہ السلام کو مخاطب کرتے  
ہوئے اللہ نے فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعِزِّ مِنَ الرُّسُلِ  
وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ آپ جلد بازی نہ کریں بلکہ اُولو العزم رسولوں کی طرح صبر  
سے کام لیں۔ مقصد یہ کہ اے پیغمبر علیہ السلام اگر آپ کے مخالفین آپ کو مختلف



طریقوں سے اذیت پہنچاتے ہیں تو آپ بھی اُن کا اُسی طریقے سے تہ کی بہ تہ کی جواب نہ دیں، بلکہ صبر کا دامن تھامے رکھیں۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دنیا اہل حق کا شیوہ نہیں، دشمن کا مقابلہ احسن طریقے سے کریں۔ اگر کسی نے کتاب لکھ کر مخالفت کی ہے۔ تو آپ اس کا جواب اُسی معروف طریقے سے دیں۔ یا اگر کوئی صورت باقی نہیں رہی تو اُن کے خلاف جہاد کریں، تاکہ دنیا سے فتنے کو ختم کیا جاسکے۔ محض اشتعال انگیز باتیں سن کر مشتعل ہو جانا اصول صبر کے خلاف ہے۔ ایسی ہی اذیت ناک باتوں کا دوسرا علاج فرمایا وَتَثَقُّوا اِگرم تقویٰ کی راہ اختیار کرو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی بھی بار بار تاکید کی ہے۔ تقویٰ کا معنی "محافظت بہ حدود شرع" ہے۔ یعنی کسی بھی حالت میں شریعت کی حدود کو عبور نہیں کرنا چاہیئے۔ گالی کا جواب گالی سے نہیں دینا چاہیئے۔ یہودگی کا جواب یہودگی نہیں ہے۔ بلکہ تقویٰ کا تقاضا یہ ہے۔ کہ برائی کا جواب اچھائی سے دے لیا کرنے سے لوگوں پر اس کا بہت اچھا اثر مرتب ہوگا۔ تہلے اخلاق اور صبر سے مخالفین کے دل کمزور ہو جائیں گے اور وہ جلد ہی مغلوب ہو جائیں گے۔ ضد میں آکر ایسا نہ کریں کہ اگر اہل کتاب نے حضور علیہ السلام کی شان میں کوئی ایسی ویسی بات کی ہے تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کوئی نازیبا الفاظ کہ دیں۔ العیاذ باللہ۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ اُس کے بھیجے ہوئے تمام رسول اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ اہل اسلام تو ایسا ہی کہتے ہیں۔ مگر تورات کی طرف اپنی نسبت کرنے والے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پتھر پھینک دیا کہہ تے اور نہ حضور خاتم النبیین کو۔ اسی طرح نصاریٰ جو انجیل کے حامل ہونے کے دعویدار ہیں، نہ قرآن پاک کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور نہ محمد الرسول اللہ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ یہ سب ضد، عناد اور تعصب کی وجہ سے ہے۔

تقویٰ کی  
طرح

فرمایا اگر تم صبر کرو گے اور تقویٰ کا دامن پکڑو گے فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ تو یہ مقصود ہی امور ہیں، یعنی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ

مقصود ہی امور



محدث و ملوئی اس کا ترجمہ کہہ تے ہیں "ایں انکار ہائے مقصود است" یہ چیزیں الے  
 کاموں میں سے ہیں کہ جن پر پختہ عزم ہوتا چاہیئے۔ ایک مسلمان کے لیے لازم ہے  
 کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و فرامین بدل و جان قبول کرے۔ فرمایا صبر اور تقوے  
 اپنی عزم بالجزم امور میں سے ہیں۔

---



لَنْ تَنَالُوا

الْ عَصْرَانِ ۳

درس شصت و ہفت ۶۷

آیت ۱۸۷

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَا لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ  
وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبَيَّسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: اور (اس بات کو اپنے خیال میں لاؤ) جب کہ اللہ تعالیٰ نے نچتہ عہد لیا ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی کہ اس کو تم ضرور لوگوں کے سامنے ظاہر کر دو گے۔ اور اس کو چھپاؤ گے نہیں۔ پس انہوں نے اُسے پس پشت پھینک دیا۔ اور اس کے بدلے میں خریدی تھوڑی سی قیمت۔ پس بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے خریدی ﴿۱۸۷﴾

سبب آیت

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے آزمائش کا اصول بیان فرمایا تھا۔ اور مسلمان کو

خبردار کر دیا تھا۔ کہ تمہیں تمہارے مالوں اور جانوں کے ذریعے لازمی طور پر آزمایا جائیگا۔

لہذا اس قسم کے امتحان کے لیے ہمہ وقت تیار رہو۔ نیز یہ کہ کسی مومن کا ایمان جس قدر

پختہ ہوتا ہے، اس کی آزمائش بھی اُسی قدر سخت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا

کہ تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بڑی دل آزار باتیں سننی پڑیں گی۔ مگر

ان سے دل بدداشتہ ہو کہ تبلیغ دین کا کام ترک نہ کر بیٹھنا، بلکہ اپنا کام ہمیشہ اور ہر

حالت میں جاری رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تکلیف دہ امور پر اہل ایمان کو تسلی

دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ اگر تم صبر کا دامن پکڑے رہو گے کہ صبر ملت ابراہیمی کا بہت

بڑا اصول ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی راہ پر گامزن رہو گے، تو یہ

باتیں مقصود ہی امور میں سے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر اور تقویٰ کی راہ

اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ کہ ان دو سنہری اصولوں کو مضبوطی سے پکڑے

رکھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس امتحان میں کامیاب فرمائیگا۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ

نے بنی اسرائیل کے اُس عہد و پیمان کا ذکر فرمایا جو ان سے عہد لیا گیا کہ تمہیں میری



طرف سے جو احکام پہنچیں گے، تم انہیں لوگوں کے سامنے بلا حکم و کاست واضح طور پر بیان کر دو گے اور اُس میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھو گے۔ مگر اہل کتاب اس عہد پر قائم نہ رہ سکے اور انہوں نے اچھی چیز کے بدلے کم قیمت چیز خرید لی جسکی وجہ سے وہ امتحان میں پورے نہ آ سکے اور ناکام ہو گئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ آوَوْا الْكِتَابَ**

مِثَاقِ اہل کتاب

اے پیغمبر علیہ السلام! اُس بات کو اپنے دھیان میں لاؤ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے پختہ عہد لیا۔ مِثَاق و ثِق کے مادہ سے ہے اور اس کا معنی پختہ عہد کرنے کا ہوتا ہے۔ ایسا عہد جسکی پابندی نہایت ضروری ہوتی ہے۔ یہ اُس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے بارے میں بنی اسرائیل سے لیا تھا، حالانکہ وہ یہ بیان تو اور بھی ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے مثلاً **عَمِدَ السَّيِّئَاتِ** جو عالم ارواح میں تمام نوع انسانی کی ارواح سے لیا گیا تھا۔ اللہ نے پوچھا تھا **أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو تمام ارواح نے بیک زبان اقرار کیا تھا **قَالُوا بَلَىٰ** کہ ہاں مولا کریم! تو ہی ہمارا رب ہے۔ بنی اسرائیل سے خصوصی طور پر لے گئے عہدوں کا ذکر بھی سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا **لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ** کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے اور والدین اقربا، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ تو حسن سلوک کریں گے۔ اسی طرح سورۃ مادہ میں آئیگا کہ **لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا** ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی میں بعض رسولوں کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر دیا۔

بہر حال یہاں یہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اس عہد کا ذکر فرمایا ہے

جس میں ان کو دی گئی کتاب کے متعلق فرمایا تھا۔ **لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ** کہ تم اُسے لوگوں کے سامنے لازماً ظاہر کر دو گے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پرہ کی ضمیر کتاب کی طرف لوٹتی ہے اور معنی یہ ہوتا ہے کہ تم اُس کتاب کو



ضرورت ظاہر کر دو گے، بعض دوسرے مفسرین کہہ ام فرماتے ہیں کہ ۵ کی ضمیر میثاق کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ کہ تم لوگوں کے سامنے اس عہد کا واضح اعلان کر دو گے کہ ہم نے اللہ سے یہ پختہ وعدہ کیا ہے۔ بہر حال عہد یہ تھا کہ تم اللہ کے احکام لوگوں کے سامنے بلا کم و کاست واضح طور پر بیان کر دو گے وَلَا تَكْتُمُونَكَ اور اُسے چھپاؤ گے نہیں یہ عہد تورات و انجیل دونوں کتابوں میں موجود تھا بلکہ موجودہ تحریف شدہ کتابوں میں اب بھی ایسی آیتیں موجود ہیں۔ جن سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ جو کتاب میں نے تم کو دی ہے اس کو لوگوں کے سامنے علی الاعلان بیان کرنا، اس کے احکام کو ظاہر کرنا، جو چیزیں تمہیں اندھیرے میں دی ہے اُسے تم روشنی میں لوگوں سے بیان کرنا، بعض مقامات پر آتا ہے کہ اس کے متعلق اپنی اولادوں کو بتلاتا۔ انجیل میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کتاب کا اعلان کو بھٹوں اور مکانوں پر کرنا اور منادی کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتلائی ہے۔ اور اس کو چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔

عزیز

مگر اس پختہ عہد کے باوجود اللہ نے فرمایا قَبِذُوهُ وَرَأَوْا ظُهُورَهِمْ انہوں نے اس کتاب کو یا عہد کو پس پشت ڈال دیا۔ دوسری جگہ پر ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور پھر یہ بھی کہ کتاب میں جو چیزیں ان کے مفاد میں تھیں انہیں ظاہر کر دیا اور باقی باتوں کو چھپا دیا۔ قرآن پاک کی شہادت کے مطابق جن چیزوں کو انہوں نے چھپا دیا وہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق پیش گوئیاں تھیں جو اللہ نے تورات و انجیل میں بیان فرمائی تھیں۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے کہ یہ لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ یہ وہ نبی ہیں الَّذِي يَجِدُ وَنَاكَ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ جن کا ذکر ان کی تورات و انجیل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُنُوْا عِدَّةٌ لِّهٖ يَوْمَ تَاْتِ السَّاعَةُ لَا تَرٰكُمْ عِدَّةٌ وَلَا يَحِثُّ عَلٰیكُمْ يَوْمَ تَاْتِ السَّاعَةُ لَا تَعْرِفُوْنَ كَمَا يَغْرِفُوْنَ اَبْنَاءَهُمْ يَوْمَ يَكْفُرُ كُلٌّ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُوْنَ



اور وہی پیغمبر ہے جسکی خوشخبری اُن کی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر یہ لوگوں کے سامنے اُسے ظاہر نہیں کرتے بلکہ چھپا جاتے ہیں۔

غرضِ فاسد

اہل کتاب کی طرف سے کتمانِ حق اُن کی غرضِ فاسد کی بنا پر تھا اور وہ یہ تھی کہ اگر قرآن پر ایمان لائیں گے، خاتم النبیین کو رسول مان لیں گے، تو اُن کی ساری چودھرا ختم ہو جائے گی۔ جیسا کہ پہلی آیتوں میں گتر چکا ہے۔ یہود کی اصل بیماری زر پرستی اور سرمایہ داری تھی جس کی وجہ سے وہ ساری برائیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد اُن کے لیے دولت جمع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ قرآن پاک تو حلال و حرام کی تمیز سکھاتا ہے۔ نہ وہ حرام ذرائع سے دولت جمع کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ اُسے ناجائز امور میں خرچ کرنے دیتا ہے۔ قرآن تو برائیوں کو ختم کرنے کے لیے آیا ہے۔ وہ تو صاف صاف کہتا ہے۔ "لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ سود اور رشوت کو بند کرو۔ حرام کاری کو ختم کرو۔ عیاشی، فحاشی اور زنا پر قدغن لگا دی جاتی ہے۔ اس لیے قرآن پاک کا قانون ان لوگوں کو راس نہیں آتا۔ برطانیہ کے ایک وزیرِ اعظم گلیڈسٹون نے قرآن پاک ہاتھ میں لیکر پارلیمنٹ میں اعلان کیا تھا کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے لوگ مہذب نہیں ہو سکتے۔ ظاہر ہے کہ اُن کی تہذیب تو یہ ہے کہ زنا اس وقت تک زنا شمار نہیں ہوتا جب تک وہ فریقین کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ اگر مرد و زن باہمی رضامندی سے اس فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، تو قانون کی نظر میں یہ کوئی جرم نہیں۔ بلکہ وہاں تو لواطت تک کو جائز قرار دے دیا گیا ہے۔ قرآن تو حکم دیتا ہے "وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ" یعنی زنا کے قریب تک نہ جاؤ، مگر یہ مہذب قوم ہر فحاشی کو جائز تصور کرتی ہے۔ قرآن شراب پر پابندی عاید کرتا ہے اور اُسے "مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" قرار دیتا ہے۔ کہ یہ ناپاک ہے اور شیطانِ عمل ہے جوار، قمار بازی سب اسی حکم میں آتے ہیں۔ مگر یہود نصاریٰ کے ہاں سب کچھ جائز ہے۔ وہ قرآن پاک کو اللہ کا کلام اور حضور بنی امیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا نبی کیسے



مان سکتے ہیں حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهُ مِفْتَاحُ كُلِّ شَيْءٍ  
شرابِ مست پیو کہ یہ ہر بُرائی کا دروازہ کھولتی ہے۔ مقصد یہ کہ اہل کتاب اپنی من مانی غرض فاسدہ  
کی بناء پر اللہ کا قرآن اور اس کے نبی کا فرمان اپنانے کے لیے تیار نہیں۔ وگرنہ وہ خوب  
جانتے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں برحق ہیں اور اس کی شہادت ان کی اپنی کتابوں میں موجود  
ہے۔ مگر وہ اسے چھپا جاتے ہیں۔

ان غرض فاسدہ کی وجہ سے حقائق کو چھپا جانا اس آخری امت میں بھی عود کر آیا ہے  
شُرک و بدعات کی ترویج اسی قبیل سے ہے۔ اہل بدعت حق سے روگردانی کرتے  
ہوئے اپنے پیٹ کی خاطر سنت کی بجائے بدعت اور توحید کی بجائے شرک کو اختیار  
کرتے ہیں اور اسی کے حق میں پراپیگنڈا کرتے ہیں۔ اگر صحیح مسئلہ بتایا جائے تو لوگوں کی  
کایا پیٹ جانے لگتا ہے۔ ان نام نہاد عالمانِ دین کا جو فیس لے کر غلط مسائل  
بیان کرتے ہیں اور حق کو چھپاتے ہیں۔ بعض مولوی سو روپے کی خاطر نکاح پر نکاح پڑھا  
دیتے ہیں۔ انہیں ذرہ خدا کا خوف نہیں آتا کہ وہ حرام میں حصہ دار بن رہے ہیں۔ ہمارے  
معاشرے کی روستا عرس، تیجا، چالیسواں وغیرہ سب باطل طریقے ہیں جن کے ذریعے  
لوگوں کا مال بھٹم کیا جاتا ہے۔ قبروں پر چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان پر گنبد بنائے  
جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے فرمان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے حضور علیہ السلام نے  
نے تو فرمایا لَا تَجْعَلُوا قُبُورَ رِجَالٍ بِرِجَالٍ اِنْ بَطَلَ لَكُمْ دُخَانٌ، چونا اور سمنیٹ مت لگاؤ۔  
مگر آج عالیشان گنبد بنائے جا رہے ہیں۔ یہ کہاں کا دین ہے۔ آج کون ہے جو  
انہیں دین کا اصل مسئلہ بتائے اور کون ہے جو اس پر عمل کرے۔ حضرت  
خواجہ معین الدین چشتیؒ کا بہت بڑا دربار تو بنادیا مگر ان کی تعلیم کو بھی کسی نے پڑھا ہے  
آپ کے ملفوظات میں موجود ہے کہ کسی نے دریافت کیا، حضرت! بعض اوقات  
بارش کی وجہ سے قبر کی مٹی ضائع ہو جاتی ہے، کیا اسے بچتہ کیا جاسکتا ہے؟ آپ نے  
فرمایا، نہیں۔ قبر جتنی بوسیدہ ہوگی، اس پر اللہ کی رحمت اتنی ہی زیادہ برسے گی۔  
خواجہ صاحبؒ نے فرمایا، مجھ پر یہی ہے کہ میں نے اپنے لیے جھوٹ پڑی تک نہیں بنائی مگر آج  
ابن ماجہ ص ۱۶۱ (فیاض)



اُن کی قبور پر کتنی عالیشان تعمیرات ہو چکی ہیں۔ کیا اُن کی تعلیمات کا یہی اثر ہے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اعراض فاسدہ کی بیماری کا نتیجہ ہے۔

جس ظالم بادشاہ نے میلاد کا سلسلہ شروع کیا تھا، وہ فاسق آدمی تھا بظاہر بڑا دیندار اور بنی کریم علیہ السلام سے محبت کا دعویدار تھا۔ مگر بدشاہ کا دروازہ کھول گیا۔ اب سرکاری طور پر بھی میلاد منایا جا رہا ہے۔ جن چیزوں سے اللہ اور اس کے رسول کی محبت پیدا ہوتی ہے، وہ کہاں ہیں۔ تمام فرائض، سنن اور مستحبات کے تارک میلاد کو ہی اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا کہ بھائی! اس معاملہ میں قرآن کیا کہتا ہے؟ حضور علیہ السلام کا فرمان کیا ہے؟ حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ مگر آج محبت کا مرکز سنت کی بجائے بدعت قرار پا چکا ہے یہ وہی یہودیوں والی کتمان حق کی بیماری مسلمانوں میں بھی پیدا ہو گئی ہے۔ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

”إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ“ جو کتاب کے ذریعے نازل کردہ حق بات کو چھپاتے ہیں۔ اُن پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے، اُس کے فرشتے بھی اور تمام مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ اللہ نے تو عہد لیا تھا کہ حق بات کو ظاہر کرنا اور اس کو چھپانا نہیں مگر ان لوگوں نے بالکل الٹ عمل کیا۔

اللہ تعالیٰ یہ عام اصول بیان فرمادیا کہ حق بات کو چھپانا نہیں بلکہ ظاہر کرنا ہے۔ ہاں ایک صورت ایسی ہے جس میں بعض امور کو عوام الناس کے سامنے بیان کرنا فتنہ یا گمراہی کا باعث بن سکتا ہے۔ مثلاً وحدت الشہود اور وحدت الوجود وغیرہ جیسے مسائل ایسے ہیں جو علما تک محدود رہنے چاہئیں۔ عوام میں بیان نہیں کرنے چاہئیں میلہ شریف میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے مَا أَنْتَ بِمُحَدِّثٍ قَوْمًا حَدِيثًا لَا تَبْلُغُهُمْ عَقُولُهُمْ إِلَّا كَانَ لِبَعْضِهِمْ فِتْنَةٌ لوگوں کے سامنے ایسی بات بیان کرنا جن کی عقل کی رسائی اُس بات تک نہ ہو، تو وہ فتنے کا باعث ہو سکتی ہے لہذا بعض اوقات بعض چیزوں کا چھپانا ضروری ہو جاتا ہے۔ ایسی باتیں اہل علم کے



ساتھ تبادلہ خیال کے طور پر تو ہو سکتی ہیں مگر علوم کے لیے مناسب نہیں۔

الغرض! حق بات کو چھپا جانا اہل کتاب کی بیماری اغراض فاسدہ کی بنا پر ہوتی۔  
 حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے دس بڑے علم تھے  
 جن میں سے اسلام کی دولت صرف حضرت عبداللہ بن سلام کے حصے میں آئی، باقی  
 سب محروم ہے حالانکہ وہ حقیقت کو پہچانتے تھے مگر ان کی اغراض فاسدہ ان  
 کے اڑے آتی تھیں۔ وفد بخران میں شامل بڑے پادری کے بھائی نے دوران سفر  
 ہی بات کی تھی کہ اگر تم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا سچا رسول مانتے  
 ہو، تو تسلیم کیوں نہیں کہہ لیتے۔ تو وہ کہنے لگا کہ اگر ہم حق کو تسلیم کر لیں تو ہم رومی  
 بادشاہوں کی عطا کردہ جاگیروں سے محروم ہو جائیں گے۔ ہمارے اعزاز ختم ہو  
 جائیں گے۔ اور ہماری اغراض پوری نہیں ہوں گی۔

تخیر دنیا  
کی طلب

فرمایا اہل کتاب نے عمدہ شکنی کی اور اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا وَاَشْتَوْا  
 بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اور کتاب اللہ کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال خریدا۔ چند لوگوں کی  
 خاطر دین حق کو بیچ ڈالا۔ اور حقیقت کے بدلے گمراہی مول لی۔ توحید کی جگہ بدعت  
 اور شرکیہ افعال کو رائج کیا۔ سحر، جادو، گنہ گار اور تعویذ کے ذریعے دنیا کا حقیر مال اکٹھا  
 کیا۔ اللہ کا فرمان ہے مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ دنیا کا سارا مال بھی قلیل ہے۔  
 آخرت کے مقابلے میں ہسکی کوئی حیثیت نہیں، تہذیب شریف کی روایت میں  
 آتا ہے کہ دنیا کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لے  
 سوئی کے ذریعہ وہ کتنا پانی حاصل کر لیگا۔ فرمایا آخرت کی نسبت پوری دنیا ایک  
 سوئی کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص پوری دنیا کا مال و متاع بھی سمیٹ کر رکھ  
 لے تو کتنے روز اس کے پاس رہے گا۔ آخری امت کی تو عمر ہی چھوڑی ہے  
 پہلی امتوں کے لوگ چار چار پانچ پانچ سو سال تک بھی عمر میں پاتے تھے۔ مگر  
 وہ بھی دنیا کا مال دنیا میں ہی چھوڑ کر چلے گئے۔ لہذا اس دنیا کے بڑے سے بڑے  
 مال کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ مگر لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی، وہ ہمہ وقت



دنیا کے حقیر مال کے پیچھے دوڑ رہے ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا، ہر امت کا کوئی نہ کوئی فتنہ ہوتا ہے۔ اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔ لوگ اسی کے پیچھے دوڑتے رہیں گے۔ صحیحین کی روایت میں آتا ہے حضور بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مجھے اپنی امت پر فقر و ناداری آنے کا ڈر نہیں بلکہ خوف یہ ہے۔  
 اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمْ الدُّنْيَا كَمْ تَمُورُ بِهَا بِمُضِلَّةٍ دِي جَائِغِي وَتَهْلِكُكُمْ  
 كَمَا أَهْلَكْتَهُمْ اور یہ تمہیں اُسی طرح تباہ کر دیگی جس طرح پہلے لوگوں کو  
 کیا۔ اسی لیے فرمایا کہ جن لوگوں نے دنیا خریدی فَبِئْسَ مَا يَكُشْتُونَ  
 بہت بُری چیز ہے جو انہوں نے خریدی۔ ایمان کو یاد کر کے دنیا کا حقیر مال خریدا  
 انہوں نے نہایت ہی گھائے کا سودا کیا۔

---

۱۔ ترمذی ۳۳۸ (فیاض)



لَنْ تَنَالُوا

الْإِعْمَارَ

آیت ۱۸۸ تا ۱۸۹

درس شصت و ہشت ۶۸

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحَدِّثُوا  
بِمَالِهِمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّ لَهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ  
وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَ  
الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

۱۹  
۶۸  
۱۰

ترجمہ : نہ گمان کریں آپ اُن لوگوں کے بارے میں جو خوش ہوتے ہیں اُس چیز  
پر جو انہوں نے کی ہے۔ اور پسند کرتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے، اُن  
باتوں پر جو انہوں نے نہیں کیں۔ پس نہ گمان کریں آپ کہ اُن کو عذاب سے  
کامیابی حاصل ہوگی۔ اور اُن کے لیے تو دردناک عذاب ہے ﴿۱۸۸﴾ اور اللہ تعالیٰ  
ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں۔ اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۸۹﴾  
گذشتہ کئی دروس سے اہل کتاب اور منافقین کی قباحتوں کا ذکر ہو رہا ہے  
اہل کتاب کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گستاخی کرنا، اذتکانہ دولت کرنا اور بخل سے  
کام لینا، اسلام قبول کرنے میں مختلف حیلے بہانے کرنا اور یہودہ مطالبات کرنے  
کے متعلق تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تسلی دی اور فرمایا  
کہ تمہاری آزمائش بھی ضرور ہوگی، اس کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے، اور  
جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اے  
اہل ایمان! تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی جانب سے بہت سی تکلیف دہ  
باتیں سننا پڑیں گی، جن کی وجہ سے تمہیں کوفت ہوگی اور فرمایا کہ ایسی باتوں کا  
مقابلہ تم صبر اور تقویٰ کے ذریعے کرنا، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور کامیاب کرے گا۔  
اہل کتاب کی اس خرابی کا بھی تذکرہ ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے

گذشتہ  
سے پوچھتے



عہد لیا تھا کہ وہ اللہ کی کتاب کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں گے۔ اور اسے چھپائیں گے نہیں۔ مگر انہوں نے اس نچمٹے عہد کو پس پشت ڈال دیا اور ان تمام پیشین گوئیوں کو چھپا لیا، جو اللہ کے آخری نبی، اس کے صحابہ اور قرآن حکیم کے متعلق انہی اپنی کتابوں میں موجود تھیں۔ اللہ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنی اغراض فاسدہ کی بنیاد پر ایسا کیا، اور حق کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال خریدا۔

منافقوں کے متعلق اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہیں مگر دل میں کفر بھرا ہوا ہے۔ ان کا معاملہ ایسا ہے کہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اسلام کا دعوے کرتے ہیں اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اسلام کی نسبت تمہارا دین اچھا ہے۔ اس طرح سے یہ لوگ دونوں طرف کے مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب جہاد کا موقع آتا ہے تو مختلف جیلوں بہانوں سے اُسے ملتے ہیں۔ سورۃ توبہ اور بعض دیگر سورتوں میں اسکی تفصیلات موجود ہیں۔ اب آج کے درس میں اللہ جل جلالہ نے اہل کتاب اور منافقین کی ایک اور بری خصلت کا تذکرہ کیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْهُم مِّنْ غَيْرِ غِيَالٍ اُنْ لَّوْگُوں کے بائے میں جو اس چیز پر خوش ہوتے ہیں جو انہوں نے کی۔ وَيَحْبُوتُونَ اَنْ يُّحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا اور چاہتے ہیں کہ اُن کی اُن باتوں پر تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیں۔ فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق فَلَا تَحْسَبَتْهُمْ بِمَفَاذَةٍ مِّنْكَ الْعَذَابِ آپ یہ مت گمان کریں کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے۔ یہاں پر تَحْسَبَنَّ اور يَحْسَبَنَّ دونوں قرائن منقول ہیں تَحْسَبَنَّ مخاطب کا صیغہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اے پیغمبر علیہ السلام! یاد رکھو مخاطبین۔ ظاہر ہے کہ اول مخاطب تو نبی علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ اور پھر دیگر اہل ایمان۔ یعنی آپ اُن لوگوں کے متعلق گمان نہ کریں جو اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور ناکہ وہ پر تعریف چاہتے ہیں۔ اور اگر اُسے

اہل کتاب کی  
خام خیالی



یَحْسَبَنَّ كَيْدًا جَانًا، تو یہ غائب کا صیغہ ہے۔ اور مطلب یہ ہو گا۔ کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور ناکردہ پر مدح چاہتے ہیں، وہ یہ گمان نہ کریں کہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ انہوں نے کیا کیا اور کیا نہ کیا۔ جو کچھ اہل کتاب اور منافقین نے کیا وہ تو یہ ہے کہ حق بات کو چھپایا اور اس کے بدلے میں دنیا کا حقیر مال وصول کیا۔ ہر قسم کی بڑائی، دھوکہ اور فریب کیا، اور اس پر بھی خوش ہوئے ہیں۔ کہ ہم نے بہت بڑا معرکہ مار لیا ہے۔ اور جو کام نہیں کیا، وہ نیکی کا کام ہے۔ حق بات کو ظاہر نہیں کیا۔ حضور علیہ السلام اور قرآن پاک کے متعلق پیشین گوئیوں کو ظاہر نہیں کیا۔ اور چاہتے ہیں کہ ان کے ناکردہ کاموں پر بھی لوگ ان کی تعریف کریں کہ یہ بہت اچھے دیندار آدمی ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ محض ان کی خام خیالی ہے اس قسم کی ہوشیاری اور چالاکی کر کے وہ عذاب الہی سے نہیں بچ سکتے۔ انہیں اپنے کئے دھڑے کا حساب دینا ہو گا۔ منافقین کا بھی یہی حال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے نفاق کا کسی کو علم نہیں، ہمیں کوئی گرفت نہیں کر سکتا، لہذا توقع رکھتے ہیں کہ لوگ ہمیں نیک سمجھیں اور عابد و زاہد سمجھیں کہ ہماری تعریف کریں۔ اللہ نے فرمایا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق سورۃ مومنوں میں فرمایا وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجَلَةٌ، کہ وہ نیکی کا کام کرنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اَنَّهُمْ يُرَاجِعُونَ۔ کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ نامعلوم ہماری نیکیوں میں کتنی کوتاہی ہوئی ہیں۔ چنانچہ برگزگان دین کا مقولہ ہے کہ بعض نیک آدمی نماز پڑھ کر بھی اس قدر گھبرا جاتے ہیں جیسے کوئی چوری کر کے نکلنا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ نامعلوم اس فرض میں کس قدر کوتاہی اور غلطی واقع ہوئی ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائے اہم غزائی فرماتے ہیں کہ نیکی کرنے کے بعد انسان کو اللہ تعالیٰ سے بہتر اجر کی توقع رکھنی چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اُس نے نیکی کی توفیق بخشی۔ اور ساتھ ڈرتے

اہل ایمان  
کی خدا غنی



بھی رہنا چاہیے۔ کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو، اسی طرح روزہ ہے۔ روزہ رکھ کر بھی دل میں خوف رہنا چاہیے۔ کہ یہ قبولیت کے قابل بھی ہوئے یا نہیں۔ اسی لیے تو فرمایا **الْإِيمَانُ بَيْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ** یعنی ایمان خوف اور امید کے درمیان پایا جاتا ہے صحیح ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بھی ڈرتا ہے اور اُس کے ساتھ امید کا دامن بھی دالہتہ رکھے۔ اللہ فرمایا ہے کہ ہمارے نبی بھی **يَذَعُونَكَ رَغَبًا وَرَهَبًا** نہیں رغبت اور خوف کے ساتھ پکارتے ہیں۔ اور ہمارے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

مح کے  
طالب یا کار

اپنی تعریف کرانے کی بیماری یہودیوں سے نکل کر اہل اسلام تک بھی پہنچ چکی ہے اللہ والے توبیخی کرنے کے بعد بھی اپنی تعریف نہیں چاہتے مگر آج کا ہر چھوٹا بڑا اسی چکر میں پڑا ہوا ہے کہ کسی طرح اخبار میں نام آجائے تو لوٹ چھپ جائے تو بیت بڑا مقصد پورا ہو جائے گا۔ حکومت کے کارپروازان خصوصاً صدر، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ اور دیگر وزراء حضرات اپنی ہر کردہ اور ناکردہ پر تعریف سننا چاہتے ہیں۔ یہ تو صریحاً ریاکاری ہے۔ اور اچھے کام پر بھی پانی پھیرنے کے مترادف ہے، لہذا اگر اللہ نے کسی کو نیکی کی توفیق عطا کی ہے۔ تو اُسے شہرت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے بلکہ حتی الامکان اُسے پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

البتہ ایک چیز ہے۔ نیک کام کر کے اگر مومن کے دل میں خوشی پیدا ہو۔ تو یہ طبعی امر ہے۔ اس میں کوئی صرج نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ روزہ دار کو دو وقت خوشی حاصل ہوتی ہے۔ ایک خوشی اُسے افطاری کے وقت حاصل ہوتی ہے۔ کہ اس کی ذمہ داری پوری ہوئی اور دوسری خوشی اُس وقت حاصل ہوگی۔ جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ روزے کا اجر عطا فرمائیں گے۔ یہ طبعی خوشی ہے اور جائز ہے۔ ہاں اگر خوشی اس وجہ سے ہے کہ لوگ اُسے روزہ دار کہیں یا نمازی اور سپر ہیزگار تصور کریں، تو یہ خطرناک بیماری ہے۔ یہ چیز ریاکاری کہلاتی ہے اور نفاق کی تعریف میں بھی آتی ہے۔ ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین عذاب



سے سابقہ پڑے گا۔

مسلم شریف، میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک لمبی حدیث آتی ہے۔  
 قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شہید سے اس کے اعمال کے متعلق دریافت  
 فرمائیں گے، تو وہ عرض کرے گا، مولا کریم! میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا  
 اور اپنی جان جیسی قیمتی متاع تیرے راستے میں قربان کر دی۔ اللہ کریم فرمائیں گے  
 تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو نے جہاد میں اس لیے حصہ لیا کہ تمہاری بہادری کے چرچے  
 ہوں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا ہے۔ اس کے بعد وہ اونڈھے منہ جہنم میں ڈال  
 دیا جائے گا۔ اسی طرح ایک عالم سے دریافت کیا جائے گا۔ کہ میں نے اپنے  
 دنیا میں علم کی دولت عطا کی، تو نے اسے کہاں صرف کیا۔ عرض کرے گا۔ کہ میں نے دین  
 کا علم حاصل کر کے دوسروں تک پہنچایا۔ آپ کی کتاب قرآن پاک میں مشغول رہا۔ اللہ  
 فرمائے گا تو جھوٹ کہتا ہے۔ تو قرآن اس لیے پڑھتا تھا۔ کہ لوگ تجھے عالم اور قاری  
 کہیں۔ تیرا یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا اب تیرا ٹھکانا جہنم میں ہے۔ اسی طرح ایک  
 ایک تیسرے شخص سخی کا معاملہ پیش ہو گا۔ وہ بھی کہے گا کہ دنیا میں میں نے تیرا عطا  
 کردہ مال تیری رضا کے لیے تیرے بتائے ہوئے راستے پر خرچ کیا۔ مولا کریم  
 فرمائیں گے تو بھی جھوٹا ہے۔ تو نے سخی کہلانے کے لیے مال صرف کیا، تاکہ تیری  
 سخاوت کے چرچے ہوں۔ تیرا بھی یہ مقصد دنیا میں پورا ہو چکا۔ پھر حکم ہو گا اور وہ  
 بھی اونڈھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

الغرض! موجودہ زمانے میں ذاتی نمود و نمائش ایک فیشن بن چکا ہے۔ ہر شخص  
 اس دوڑ میں سب سے آگے نکلنا چاہتا ہے۔ ہاں اللہ کے بندے کچھ ایسے بھی  
 ہیں جو ہر نیک کام رعنائی کی خاطر کرتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کی خود نمائی نہیں  
 کرتے بلکہ اپنے آپ کو ہمیشہ ہیچ سمجھتے ہیں۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ خط لکھتے تو آخر  
 میں اپنے آپ کو احقر الانام لکھتے یعنی سارے انسانوں میں حقیر بندہ۔ حضرت مولانا حسین احمد دہلویؒ  
 اپنے آپ کو تنگ اسلاف اسلاف کے لیے باعث شرم سے تعبیر کرتے تھے



شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنا تعارف فقیرِ ولی اللہ کی حیثیت سے کرتے تھے۔  
 شیخ السنہ مولانا محمود الحسن اپنے آپ کو بندہ محمود یعنی اللہ کا بندہ محمود کہتے تھے۔ مگر آج تو  
 آواہی اُلٹ چکا ہے۔ ہر کس و ناقص اپنے آپ کو سب سے بڑا محدث، سب سے بڑا صوفی  
 اور سب سے بڑا زاہد و عابد کہلاتے پھرتے ہیں۔ بڑے بڑے پوسٹروں پر اور جیسے جیسے جلوسوں  
 میں ناموں کے ساتھ لمبے لمبے القابات کی فہرست پر غور فرمائیں اور پھر دیکھیں کہ یہ  
 لوگ اس طرح کی خوش نمائی پر کس قدر خوش ہوتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ریاکاری میں  
 داخل ہیں۔ مقصد یہ کہ جس طرح یہود اپنے ہر کردہ کام پر خوش ہوتے تھے۔ اور تاکوڑہ  
 پر تعریف چاہتے تھے، آج اہل اسلام بھی اسی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ الا ماشاء اللہ  
 اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائے۔ آمین۔

اقتدارِ اعلیٰ

فرمایا در کھو! وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَسْمٰنِ وَزَمِنْ كِی بادشاہی  
 اللہ ہی کی ہے۔ جب حقیقی اقتدارِ اعلیٰ اُس مالکِ الملک کے پاس ہے۔ تو پھر  
 کتمانِ حق کرنے والے مجرمین، مخلوق خدا کو ہدایت کی بجائے گمراہی کے راستے پر چلا  
 لے، جھوٹی تعریف پر خوش ہونے والے اور ریاکار لوگ اللہ کی سزا سے کیسے بچ سکتے  
 ہیں۔ وہ تو ایک دن پچھڑے جائیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے۔ کہ  
 دنیا میں لوگ جس مال کی خاطر دھوکہ کھاتے تھے، غلط بیانی کرتے تھے، اُس پر بھی اُن  
 کا قبضہ نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کی ملکیت میں ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو عطا کر دے  
 اور جب چاہے واپس لے لے، اُس کے سامنے سب حقیر اور بے بس ہیں۔ دُنیا  
 کی یہ چند روزہ بادشاہت اسی مالک کی عطا کردہ ہے اور انسانوں کے پاس امانت  
 ہے۔ انہیں اس کا حساب دینا ہوگا۔ مسلم شریف کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد  
 مبارک ہے کہ بڑے بڑے حکمرانوں، بادشاہوں اور عہدیداروں کو قیامت کے دن  
 سب سے زیادہ افسوس ہوگا۔ وہ حسرت کے ساتھ کہیں گے کاش ہم اس اقتدارِ پُرفائدہ  
 نہ ہوتے۔ کسی کو جتنا بڑا اقتدار حاصل ہوگا۔ ذمہ داری بھی اتنی ہی بڑی ہوگی، اُس دن صاحبانِ  
 اقتدار بصد حسرت کہیں گے هَلَاكَ عَنِّي سُلْطَانِيَّةٌ، آج میرے اقتدار نے



مجھے کچھ فائدہ نہ دیا، سب کچھ تباہ ہو گیا۔ نہ فوج کام آئی۔ نہ پولیس اور نہ کوئی سیکورٹی کاش میں دنیا میں حکومت پر فائز نہ ہوتا۔ اُس دن ہی بچ سکیں گے۔ جنہوں نے اقتدار کا تصرف عدل و انصاف کے ساتھ کیا ہو گا۔ جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، انہیں یقین رکھنا چاہیئے کہ بادشاہی تو خدا تعالیٰ کی ہے۔ اگر اس کے حکم پر چلتے رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ فلاح عطا فرمائے گا، وہ اس دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور آخرت کی کامیابی بھی انہی کے مقدر میں ہے۔ وَسَرَّ مَائَا وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ہر قسم کی بادشاہی اُسی کی ہے۔ سزا و جزا پہ بھی وہ قادر ہے۔ لہذا جھوٹے، مکار، اور کتمان حق کرنے والے لوگوں کو مالک الملک کی گرفت کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اور صاحبِ بصیرت لوگوں کو اللہ کی طرف سے بہتر جزا کی امید رکھنی چاہیئے۔ وہ ضرور کامیاب ہونگے۔



لَنْ تَنَالُوا ۝

ال عمران ۳

درس شصت و نہ ۶۹

آیت ۱۹۰ تا ۱۹۱

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ  
 لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ (۱۹۰) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَمًا  
 وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَنَكَ  
 فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (۱۹۱)

ترجمہ: بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف  
 میں البتہ نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے (۱۹۰) وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ  
 کو، کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں یا کمر وٹوں کے بل لیٹے ہوں اور وہ غور و فکر کرتے  
 ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے  
 نہیں پیدا کیا اس کو باطل، پاک ہے تیری ذات، پس بچا تو ہمیں آگ کے عذاب  
 سے (۱۹۱)

سورۃ کی ابتدا  
 اور انتہا

آج کے درس سے سورۃ ال عمران کا آخری رکوع شروع ہو رہا ہے۔ سورۃ کی ابتداء  
 میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید بیان فرمایا تھا اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ  
 یعنی اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ اور قائم ہے  
 اب سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسئلہ توحید کے دلائل بیان فرمائے  
 ہیں۔ گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حاکمیت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔  
 وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ قادر مطلق اور معبود بحق  
 وہی ہے۔ اب آمدہ آیات میں دعویٰ ملکیت، قدرتِ تامہ اور توحید کے دلائل



بیان ہوئے ہیں۔ یہ ایسی صفات ہیں جو صرف اللہ رب العزت کے ساتھ مختص ہیں  
متصرف فی الامور، قادر مطلق، مستحق عبادت، نافع، ضار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات  
ہے۔ ان امور میں کسی اور کو کوئی دخل حاصل نہیں۔

شان نزول

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین حضور علیہ السلام سے  
طرح طرح کے بیودہ سوال کرتے تھے، آپؐ معجزات طلب کرتے تھے، اور  
جیلے ہلنے سے خود اسلام قبول نہیں کرتے تھے اور دوسروں کو قبول کرنے سے  
روکتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کے شان نزول کے متعلق فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ  
مشرکین مکہ نے یہودیوں سے سوال کیا کہ تمہارے بنی موسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ وہ  
کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بضا جیسی نشانیاں رکھتے تھے۔ اُن کے ہاتھ  
پر کئی معجزے ظاہر ہوئے، پانی میں راستہ بن گیا، بارہ چشمے جاری ہو گئے، ہن و سلوا  
نازل ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد مشرکین نے نصاریٰ سے دریافت کیا کہ  
تمہارے بنی عیسیٰ علیہ السلام کیسے تھے۔ عیساویوں نے کہا، وہ مردوں کو زندہ کرتے  
تھے، مادر زاد اندھوں کو بینا کرتے تھے اور کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ اس پر مشرکین  
نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دیکھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور  
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کے سامنے کیسی کیسی نشانیاں ظاہر کیں۔  
آپؐ بھی ہمارے سامنے معجزہ پیش کر میں اور وہ یہ کہ صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیں۔  
مشرکین کے اس قسم کے مطالبات کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں موجود ہے کہ انہوں  
نے اجلے چشمہ کا معجزہ طلب کیا۔ اور کہا کہ آپؐ کے لیے کھجور اور انور کا باغ ہونا  
چاہیے۔ جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں یا ہم پر آسمان گرا دے یا اللہ اور فرشتوں کو  
ہمارے پاس لے آ۔ تمہارے لیے سونے کا محل ہونا چاہیے یا آپؐ کو آسمان پر  
چڑھ جانا چاہیے اور پھر ہمارے سامنے آسمان سے کتاب نازل ہونی چاہیے وغیرہ  
تو اس مقام پر مشرکین نے صفا پہاڑی کو سونے کا بنانے کا مطالبہ پیش کیا تو اللہ تعالیٰ  
نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی۔



حضرت عطار کی روایت میں ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا کہ حضور نبی کریم علیہ السلام کا کوئی عجیب و غریب واقعہ بیان کریں۔ انہوں نے فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات عجیب و غریب تھے۔ تاہم انہوں نے بتایا کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام رات کو میرے گھر تشریف لائے۔ میں لحاف میں لیٹی ہوئی تھی۔ آپ بھی تھوڑی دیر لحاف میں لیٹ گئے اور پھر فرمایا، عائشہ! مجھے اجازت دو، میں اپنے رب کی عبادت کروں۔ چنانچہ اٹھ کر آپ نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ یہ آیت اِنِّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَ پڑھتے رہے اور روتے رہے حتیٰ کہ سینہ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ اس طرح کافی وقت گزر گیا اور صبح ہو گئی۔ حضرت بلالؓ اذان کے لیے آئے اور عرض کیا۔ آپ اس قدر گمراہی کیوں کرتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دی ہیں۔ آپ نے فرمایا اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا۔ کیا میں اپنے پروردگار کا شکر گزار بندہ نہ بن جاؤں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ہے اِنِّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

نشانات قدرت

بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے سوال کے جواب میں اپنی الوہیت اور ملکیت کے متعلق دلائل پیش فرمائے ہیں، دلائل عقلی اور نقلی دونوں قسم کے ہو سکتے ہیں تاہم یہاں عقلی دلائل کا تذکرہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل تو عام ہیں جن کا مشاہدہ تمام انسان شب و روز کرتے ہیں۔ لہذا ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا معجزہ طلب کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

تاہم یہ لوگ تعصب اور عناد کی بنا پر حضور علیہ السلام سے ہر روز نئے نئے معجزات کی فرمائش کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اِنِّ فِي خَلْقِ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِشَكِّ زَمِيْنٍ وَّاَسْمَانٍ كِی تَخْلُقُ مِنْ وَّاَخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اور شب و روز کے اختلاف یعنی آگے پیچھے آنے میں لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ

لے درجہ البیان ۱۲۵ ج ۲ (فیاض)



البتہ عقلمند کے لیے نشانیاں ہیں۔

ظاہر ہے کہ اتنے بڑے بڑے آسمانوں اور اتنی وسیع و عریض زمین کی تخلیق کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ ان اشیاء کی پیدائش جن دانس کے پس کی بات نہیں۔ پھر اس زمین میں بڑے بڑے دریا چلائے اور سمندر پیدا کئے، بلند و بالا پہاڑ پیدا کئے، ان کے اندر انسانی فائدے کے لیے معدنیات پیدا کیں۔ اسی زمین پر پھل، پھول، سبزیاں اور اناج پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لیے کیا یہ کوئی کم دلائل ہیں۔ اس کے علاوہ رات اور دن کا آگے پیچھے مقرر اوقات میں آنا اور پھر موسموں کا تغیر و تبدل، کبھی گرمی ہے، کبھی سردی ہے۔ کبھی بہار ہے اور کبھی خزاں ہے۔ کبھی بارشیں برس کمر سبز لویں اور پھلوں کو روئیدگی میں مدد دے رہی ہے۔ یہ سب کچھ ہی حجت و صوب پھلوں اور فصلوں کو بچا رہی ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا خود بخود یعنی (AUTOMATIC) ہی ہو رہا ہے؟ اس پورے نظام کو چلانے والی کوئی ہستی موجود ہے یا نہیں۔ انسان پوری زندگی غور کرتا ہے، آخر کار اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس پورے کارخانہ قدرت کی چلانے والی واحد ذات ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ اُسی کی قدرت اور حکمت کا کام ہے، جو الوہیت میں متفق ہو ہے۔ فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام کے یہ کم دلائل ہیں؟ نہیں بلکہ صاحبان عقل و خرد کے لیے یہی دلائل کافی ہیں بشرطیکہ وہ غور و فکر کر کے ان کو سمجھنا چاہے۔

الباب ثب کی جمع ہے اور لب مغز یا غلاصہ کو کہتے ہیں۔ باوام، اخروٹ وغیرہ کا مغز ہوتا ہے جسے انسان استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا لب لباب اُس کی عقل ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ دوران زندگی بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے۔ محنت مزدوری، کاروبار، تعلیم و تعلم ہر چیز عقل پر موقوف ہے۔ انسان نیکی بدی اور حق و باطل کی پہچان بھی اسی عقل کے ذریعے کرتا ہے۔ چنانچہ انسان کے لیے کسی قانون کی پابندی کا دار و مدار بھی عقل پر ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان مکلف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسا کمال جوہر عطا فرمایا ہے۔ جس کو بروئے کار لا کر انسان بڑے بڑے کام انجام دیتا ہے۔ تو فرمایا کہ تخلیق لہرض و سما اور شب و روز کے تغیر و تبدل کے دلائل جو ہم نے پیش



کہے ہیں۔ اُن سے عقلمند ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ اِن دلائل قدرت میں غور و فکر کے اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتے ہیں۔

فرمایا جو انسان عقل کو بروئے کار نہیں لاتے، وہ انسان نہیں بلکہ جانور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال میں فرمایا ہے "إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُورُ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ" بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں گونگے اور ہرے ہیں۔ جانور بھی اپنے مالک کو پہچانتا ہے۔ مگر یہ حضرت انسان ہے جسے اللہ نے عقل عسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔ مگر اُسے بروئے کار لا کر اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کرتا۔ وہ تو آسمان وزمین کو دیکھ کر ہی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا یقین کر لیتے ہیں کہ یہ کام سوائے اُس مالک الملک کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ دن اور رات کی تبدیلی اُسی کے حکم سے آتی ہے "يُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ" یعنی رات اور دن کو پٹیاں دینا اُسی کا کام ہے، اس میں کسی دوسرے کو تصرف حاصل نہیں۔ لہذا جو شخص اپنی عقل کو استعمال کرے گا وہ انسانیت میں کمال حاصل کرے گا اور اعلیٰ درجہ پائیگا۔

باقی ہے مادہ پرست لوگ، تو یہ دنیا کا کتابھی علم حاصل کر لیں، یہ اللہ تعالیٰ کی مصنوعات کی تادوں میں ہی اُکھڑ کر رہ جاتے ہیں اور صانع کی صحیح معرفت حاصل نہیں کر سکتے، ایسے لوگ بڑے بڑے سائنس دان تو ہو سکتے ہیں، بڑے بڑے فلاسفر تو کہلا سکتے ہیں، محقق اور دانشور بھی ہو سکتے ہیں، مگر قرآن پاک کی زبان میں اولی الالباب نہیں ہو سکتے، جو غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک نہیں پہنچ سکے وہ احمق ہیں۔ انہیں دنیا کے بڑے بڑے علم نے بھی کچھ فائدہ نہیں دیا۔ جس نے خدا کو پہچان کر اسکی عبادت نہیں کی۔ اللہ کا ذکر نہیں کیا وہ کیسا سکارہ ہے۔ وہ تو جاہل ہے اُسے عقلمند نہیں کہہ سکتے۔

آگے فرمایا عقل مند وہ لوگ ہیں الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں فليَمَّا وَقَعُوا عَلَىٰ جُنُوبِهِمْ كَهْطَرِ هُمْ يَابِسُطٌ ہو یا اپنی گردنوں کے بل لیٹے ہوں ہر حالت میں اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اور اس



یاد آوری میں آگے ان کی دعاؤں کا ذکر بھی آ رہا ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں کس قسم کی التجا کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی فکر کیسی صحیح ہے، اور ان کے عقائد کیسے پختہ ہیں۔ گو یا اللہ تعالیٰ کی یاد سے ہی عقلمند پہچانے جاتے ہیں، یہی ان کی علامت ہے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کَانَ  
يَذْكُرُ اللّٰهَ فِي كُلِّ أَحْيَانِهِ آپ تمام اوقات میں اپنے رب کو یاد کرتے  
ہتے تھے، آپ کا کوئی وقت ذکرِ الہی کے بغیر نہ گزرتا تھا۔ عمران بن حصینؓ کی  
روایت میں آتا ہے۔ کہ ذکر میں ہر قسم کی عبادت بھی شامل ہے، جو کہ ہر حالت میں  
کی جاسکتی ہے۔ جیسے فرمایا صَلِّ قَائِمًا نماز کھڑے ہو کر پڑھو۔ اور اگر کھڑے ہو کر  
ادا نہیں کر سکتے فَصَلِّ قَاعِدًا تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اور ایسا بھی نہیں کر سکتے تو عَلٰی  
جَنْبِكَ پہلو کے بل لیٹ کر ہی ادا کر لو۔ آگے فہمائے کہ ام نے اجتہاد سے  
یہ اشارہ فرمایا ہے۔ اگر لیٹ کر بھی نماز پڑھنے سے معذوری ہو تو اٹھا کر  
بھی پڑھ لینی چاہیے۔ کیونکہ یہ اہم ترین عبادت ہے اور بہترین ذکر۔ جیسا فرمایا  
اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي میں ذکر کرنے کے لیے نماز پڑھو۔ مقصد یہ کہ ذکر میں  
تمام عبادات بھی شامل ہیں۔

اب ذکر قلبی بھی ہے اور زبانی بھی۔ ہم عوام لوگوں کے لیے زبانی ذکر ہی بہت بڑی سعادت ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت تمام اوراد کا سر دار ہے۔ یا پھر وہ اذکار کریں جو قرآن پاک میں یا سنت خیر الانام میں وارد ہوئے ہیں یا پھر اسلاف کرام نے بتائے ہیں۔ ہمیں ایسے اذکار کی پابندی کرنی چاہیے، اس کے علاوہ مختلف اوقات کے خصوصی ذکر ہیں جیسے رات کا ذکر، صبح کا ذکر، و صو کرتے وقت کھانا کھاتے وقت، بازار چلتے وقت، نیند سے بیداری کے وقت وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ کوئی وقت اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہونا چاہیے، جس قدر کثرت سے ذکر کہہ لیا، اُسی قدر فلاح حاصل ہوگی **وَ اذْكُرْ وَاللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ**



تُفْلِحُونَ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ، کامیاب ہو جاؤ۔ ذکر الہی ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ باقی تمام عبادات کی کوئی نہ کوئی حد (Limit) ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی عبادات محدود ہیں مگر ذکر الہی کی کوئی حد نہیں۔ سند احمد کی روایت میں آتا ہے اَکْثَرُ ذِكْرِ اللَّهِ حَتَّى يَقُولُوا مَا جَنُّوا اللَّهُ کا ذکر اس کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں یہ پاگل ہے۔ غرضیکہ ذکر انسان کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

اب ذکر الہی سے دو چیزیں حاصل ہوتی ہیں یعنی حکمت خداوندی اور انسانیت کی تکمیل۔ اگر انسانیت میں کفر، شرک اور معاصی کی وجہ سے فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت باطل ہو جاتی ہے۔ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کا مقصد یہی ہے کہ انسانیت کی تکمیل ہو۔ لوگ خدا تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانیں، اور خالص اس کی عبادت کریں۔ اور اگر انہی چیزوں میں فساد پیدا ہو جائے، تو حکمت کا ابطال لازم آئے گا۔ انسان اپنے مقام سے گمراہ جائے گا۔ جب انسان نے تخلیق ارض و سما اور اختلاف لیل و نہار میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو وہ عقلمندوں میں شامل ہو گیا اور پھر عقلمندوں کی نشانی اور علامت یہ ہے کہ وہ ہر حالت اور ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں۔

زبانی ذکر تو عام ہے۔ اس کے علاوہ قلبی ذکر بھی ہے۔ جو لوگ بزرگان دین سے تربیت حاصل کرتے ہیں، وہ بزرگان دین انہیں قلبی ذکر بھی سکھلا دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسان کا دل ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور ذکر الہی میں مشغول رہتا ہے۔ ان کا کوئی سانس ذکر سے خالی نہیں ہوتا حتیٰ کہ ان کے لطافت باطنی بھی ذکر کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیزیں ایسے لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں جو سلوک کی منازل طے کرتے ہیں۔ اور مرشدانِ برحق کا یہ طریقہ ہے کہ وہ ہر طالب کی تربیت اسکی صلاحیت کے مطابق کرتے ہیں۔

خواجہ شہاب الدین بہروردیؒ کے پاس جو شخص ذکر کی تربیت کے لیے جاتا، آپ اس کی مناسبت اسمائے الہی کے ساتھ معلوم کرتے تھے اور پھر جس اسم کے ساتھ زیادہ مناسبت ہوتی، اسی اسم پاک کا ذکر بتاتے۔ اگر کسی شخص کی اسمائے حسنہ



میں سے کسی کے ساتھ بھی مناسبت نہ پاتے، تو اُس سے فرماتے کہ تم عقیدہ حق اور ایمان پر قائم رہو، اور نیچے کمرے رہو۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے۔  
 عقلمندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور دوسری صفت یہ بیان فرمائی **وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اس غور و فکر کے نتیجے میں انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اسکی صفات کمال کو سمجھ سکے گا۔ چنانچہ حضرت شیخ الاسلام لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الہی میں غور و فکر وہی کامیاب سمجھا جائے گا جس کا نتیجہ خدا تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو۔ حضرت حسن بصریؒ کی روایت میں آتا ہے کہ تفکر ساعة خير من عبادة ستين سنة۔ یعنی ساٹھ سال کی عبادت کی نسبت ایک گھڑی بھر کا غور و فکر زیادہ قیمتی ہے۔ اگر کسی نے غور و فکر کے بعد اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی تو یہ چیز سال ہا سال کی عبادت بلا معرفت سے بدرجہا بہتر ہوگی۔

فرمایا صاحب عقل وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور مصنوعات قدرت میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا** اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ان اشیاء کی تخلیق میں ضرور کوئی حکمت ہے۔ اور دنیا کی حکمت آخرت ہے۔ دنیا منزل علة الاخرة فرمایا دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ یہ اگلی منزل کا راستہ ہے۔ اس راستے پر چل کر انسان آخرت میں پہنچ سکتا ہے۔ اس دنیا میں جو کچھ کمائی کرے گا۔ اُسے آخرت میں پالے گا۔ مقصد یہ ہے کہ کائنات کی تخلیق بیکار محض یا کوئی کھیل تماشہ نہیں، بلکہ اس کی کوئی غرض و غایت ہے اور وہ ہے آخرت۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کی گئی ہے **سُبْحٰنَكَ اے مولا!** تیری ذات پاک ہے تو تمام عیوب، نقائص اور کمزوریوں سے پاک ہے یہ تنزیہ فی العقیدہ ہو گیا۔



اے اللہ! ہم تیری تسبیح اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں "فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ"  
 اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نہ کوئی عبادت میں شریک ہے نہ اختیار میں  
 نہ مشکل کشائی میں، نہ حاجت روائی میں۔ اس میں عقیدہ کی اصلاح کا پورا مواد موجود ہے  
 اگر عقیدہ درست نہیں، خدا کی تنزیہ کا قائل نہیں تو ایسا شخص عقلمند نہیں ہو سکتا، وہ  
 بیوقوف ہو گا۔

جب عقیدہ صاف ہو گیا اور قیامت کے دن پر یقین ہو گیا تو ایسے لوگ دوزخ سے نجات  
 پھر اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں فَقَاتِلْ أَصْحَابَ النَّارِ الَّيْسَ مَوْلَاكَرِيم! ہمیں  
 دوزخ کے عذاب سے بچا لے، عقلمندوں کی پہلی دعا ہے جو غور و فکر کے نتیجے  
 میں ان کے دل سے نکلی ہے۔ اس کے بعد اگلی آیات میں باقی دعاؤں کا ذکر آئیگا۔



لَنْ تَنَالُوا ۴

ال عمران ۳

درس ہفتہ ۷۰

آیت ۱۹۲ تا ۱۹۴

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلِ الْبَارِقَةَ أَخْزَيْتَهُ وَمَا  
 لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۝ (۱۹۲) رَبَّنَا إِنَّنا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي  
 لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا  
 ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ۝ (۱۹۳)  
 رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ ۖ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ (۱۹۴)

ترجمہ : اے ہمارے پروردگار! بیشک تو نے جس کو دوزخ کی آگ میں داخل کر دیا پس  
 بیشک تو نے اُس کو رسوا کر دیا، اور نہیں ہوگا ظالموں کے لیے کوئی مددگار۔ (۱۹۲)  
 اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے سنا ہے، ایک پکارنے والے کو جو پکارتا ہے  
 ایمان لانے کے لیے کہ ایمان لاؤ اپنے پروردگار پر، پس ہم ایمان لے آئے ہیں۔  
 اے ہمارے پروردگار! بخش دے ہم کو ہمارے گناہ اور مٹا دے ہم سے ہماری برائیاں  
 اور موت دے ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ (۱۹۳) اے ہمارے پروردگار! اور  
 دے دے ہمیں جو تو نے وعدہ کیا ہے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانوں پر اور نہ رسوا  
 کر تو ہمیں قیامت والے دن۔ بیشک تو وعدے کا خلاف نہیں کرتا (۱۹۴)

رِطایات جیسا کہ گزشتہ درس میں عرض کیا تھا کہ اس سورۃ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایمان  
 اور توحید کے مسائل بیان فرمائے ہیں۔ اور ان میں عقلی اور سمعی یا نقلی دونوں قسم کے  
 دلائل موجود ہیں۔ گزشتہ درس میں عقلی دلائل بیان ہو چکے ہیں اور اب نقلی دلائل پیش  
 ہو رہے ہیں۔ ابتداء میں ذکر آچکا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور شب و روز کے



اختلاف میں اہل عقل کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جن کے ذریعے انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اُس کی حکمت کاملہ اور قدرتِ تامہ کو سمجھ سکتا ہے اور ایمان اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اختیار کر سکتا ہے۔ پھر عقلمندوں کی علامات یہ بتائیں کہ وہ ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے سہتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے یہ سب کچھ عبث پیدا نہیں کیا۔

غور و فکر کی حد

تخلیقِ ارض و سما میں غور و فکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں تو غور و فکر کر سکتا ہے اور اس کی صفت اور وحدانیت کو سمجھ سکتا ہے، مگر خود خدا تعالیٰ کی ذات میں غور و فکر نہیں کر سکتا۔ یہ بات امام غزالیؒ نے اپنی متعدد کتابوں میں درج کی ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یہ اصول بیان کیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ لَا فَكْرَةَ فِي الرَّبِّ يَعْنِي رَبِّ تَعَالَىٰ كِي ذَاتٍ مِّنْ غُورٍ وَفَكْرٍ نِّهَيْسُ يُمْكِنُ۔ تَفَكَّرُوا فِي الْخَلْقِ وَلَا تَتَفَكَّرُوا فِي الْخَالِقِ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء میں غور و فکر کرو، خود خالق کا کائنات کی ذات میں فکر مت کرو، کیونکہ ذاتِ خداوندی وہ ذات ہے، جسے غور و فکر کے ذریعے نہیں پایا جاسکتا۔ مخلوق میں غور و فکر سے اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھ میں آتی ہے اور اس کی وحدانیت کا ادراک ہوتا ہے۔ چنانچہ عقلمند لوگ غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے مولا کریم! تو نے یہ تمام چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں، ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں، تو وحدۃ لا شریک ہے۔ اس طرح گو یا توحید کا مسئلہ بھی سمجھ میں آگیا۔ سورۃ یوسف میں موجود ہے وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ لوگ زمین و آسمان کی بیشمار نشانیوں کے قریب سے گزر جاتے ہیں مگر ان میں غور و فکر کرنے کے نتیجہ اخذ نہیں کرتے، بلکہ غافل سہتے ہیں۔ مقصد یہ کہ زمین و آسمان، اُس کے ستارے اور سیارے ہر وقت انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں۔

جس نظام شمسی (SOLAR SYSTEM) میں ہم سہتے ہیں۔ اُس کے سات نظام شمسی



مشہور سیارے زہرہ، قمر، شمس، عطارد، مریخ، مشتری اور زحل ہیں۔ ان کے آجکل بڑے چپے ہوئے ہیں۔ خلا سیائنس دان ان سیاروں پر کمندیں ڈال رہے ہیں۔ بلکہ ان سات میں قمر سیارے پر تو انسان پہنچ چکا ہے اور اسکی وضع قطع معلوم ہو چکی ہے۔ چاند پر سرد ترین علاقہ بھی معلوم ہوا ہے، اگر انسان وہاں پہنچ جائے تو برف کا ٹکڑا بن جائے اسی طرح وہاں پر اڑھائی سو سنٹی گریڈ تک گرم ترین علاقہ بھی موجود ہے۔ جو لوگ چاند پر پہنچے ہیں وہ اس زمینی لباس میں نہیں گئے، یہ تو فوراً جل جائیگا، وہاں پر خلائی لباس پہن کر ہی پہنچا جاسکتا ہے۔ اور یہ ایسا لباس ہے جس کی تیاری پر اڑھائی تین لاکھ پچھتر خراج آتا ہے۔ قرآن پاک کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ چاند پر انسانی رہائش قریباً ناممکن ہے۔ انسان وہاں پر پہنچا بھی ہے تو محدود وقت کے لیے۔ ماہرین فلکیات بتاتے ہیں کہ چاند پر ایک پونڈ انسانی خوراک پہنچانے پر تیس ہزار پونڈ خرچ آئے گا۔ ظاہر ہے کہ اس قدر فضول عیاشی کی کون جرات کرے گا۔ یہ اس سیارے کی بات ہے جو زمین سے قریب ترین ہے۔ نظام شمسی کا دوسرا سیارہ سورج زمین سے نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ یہ اپنی پیدائش سے لے کر پورے نظام شمسی کو گرمی اور روشنی پہنچا رہا ہے۔ اس کی روشنی ہم تک سات منٹ اور آٹھ سیکنڈ میں پہنچتی ہے۔ مگر اللہ مالک الملک نے فرمایا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا۔

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ

جب یہ سورج اور اس کی روشنی لپیٹ دی جائے گی یہ پورا نظام شمسی درہم برہم ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا نظام قائم ہوگا، جسے آخرت اور حشر کا نظام کہا جاسکتا ہے۔

ستاروں سے متعلق علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم نجوم ہے جس میں ستاروں کے تغیر و تبدل کے حساب سے کسی شخص کی قسمت یا سعادت اور شقاوت کا حال معلوم کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے علم کو حضور علیہ السلام نے شرک کا حصہ قرار دیا ہے۔ اور سحر کی طرح حرام کہا ہے۔ منیٰ اتیٰ منجماً فرمایا جو کوئی شخص نجومی کے پاس جا کر قسمت کا حال معلوم کرتا ہے، وہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا انکار کرتا ہے

علم فلکیات



ایسے شخص کو تو یہ کہہ کے تجدیدِ ایمان کہنی چاہیے۔ قرآنِ پاک میں ایسے ستارے کا بھی ذکر ہے جسکی عرب کے لوگ پوجا کرتے تھے۔ سورۃ نجم میں موجود ہے۔ "وَإِنَّهُ لَكَوْ مَرْبٌّ الْمِشْعَرِ" یعنی شعری ستارے کا مالک بھی وہی خدا ہے، جو چاند اور سورج کا خدا ہے، لہذا تم اس ستارے کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ تفسیر الجوامہ میں مذکور ہے اور ماہرینِ فلکیات بھی بتاتے ہیں کہ شعری ستارہ ہمارے سورج سے بیس ہزار گنا بڑا ہے۔

ستاروں سے متعلق دوسرا علم، علمِ فلکیات یا (ASTRONOMY) کہلاتا ہے۔ اور اس کے ذریعے خلا میں موجود ستاروں کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں جن پر غور و فکر کر کے انسان کے لیے ترقی کی راہیں کھلتی ہیں۔ شعری ستارے کا حجم اسی علم کے ذریعے حاصل ہوا ہے۔ پھر ماہرینِ فلکیات ASTRONOMISTS یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہماری یہ زمین سورج سے اس قدر چھوٹی ہے کہ ان کے حجم کی نسبت ایک اور تیرہ لاکھ کی ہے۔ گویا زمین سورج سے تیرہ لاکھ گنا چھوٹی ہے مگر بہت دوری کی وجہ سے اتنا بڑا فرق نظر نہیں آتا۔ اور پھر چاند زمین سے بھی چھوٹا ہے۔ مریخ سرخ سیارہ ہے، سائنسدان اُس پر بھی پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کی تصاویر اور دیگر حالات معلوم کئے جا رہے ہیں۔

بہر حال ان سب چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں رکھی ہیں۔ مومن ان میں غور کر کے فوراً خدا کی توحید کا قائل ہو جاتا ہے کہ جس مالکِ الملوک نے یہ سارا نظام قائم کیا ہے، وہ وحدۃ لا شریک ہے۔ یہ نظام شمسی ہے، اس کے اوپر عالم بالا اور پھر ملائکہ اعلیٰ، حظیرۃ القدس اور آخرت کا نظام ہے۔ اور یہ سب نظام اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ان تمام پر اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔

سورۃ کی ابتداء میں ذکر ہو چکا ہے۔ کہ ہر چیز کو تھامنے والی فقط ذاتِ خداوندی ہے۔ ربوبیت بھی اسی کے ساتھ مختص ہے۔ ہر چیز کو وہی حدِ کمال تک پہنچاتا ہے، نشوونما کے تمام سامان پیدا کرنے والا بھی وہی مالکِ الملوک ہے۔ لہذا اُس کے



سوا معبود بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ نافع، ضار، ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان صرف اور صرف وہی ہے۔ اسی لیے انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے سُبْحٰنَكَ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے۔

آخرت کی  
سوائی  
الغرض! جب انسان تخلیق کائنات میں غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا تُوَدُّهُ اس حقیقت کو بھی پالیتا ہے کہ لامحالہ یہ تمام نظام آخرت پر منتج ہونے والا ہے اس لیے وہ رب العزت سے دعا کرتا ہے فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ اے مولا کریم! آخرت میں پیش آنے والے دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ وہ سمجھ چکا ہے کہ دوزخ کا عذاب کس قدر ہولناک ہے اس لیے مزید دعا کرتا ہے۔ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخُلُ النَّارَ فَقَدْ اَخْرَجْتَهُ اے اللہ! جس کو تو نے دوزخ کی آگ میں ڈال دیا، تو نے اُس کو سوا کر دیا۔ کافروں کی رسوائی تو واضح ہے کیونکہ وہ ابدی جہنمی ہیں۔ تاہم بعض مومن بھی کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں جائیں گے اگرچہ اُن کا یہ قید و بند دوائی نہیں ہو گا بلکہ اُن کے تنہ کید کے لیے ہو گا تاکہ گناہوں کی وجہ سے جو میل کچیل اُن پر جم چکا ہے، اُسے صاف کر کے اُس شخص کو پاک مقام پر جانے کا اہل بنایا جاسکے گا۔ تو بہر حال مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ مومن جتنا عرصہ بھی دوزخ میں رہیگا، اتنا عرصہ تو رسوائی ضرور ہوگی۔ اسی لیے بندہ عرض کرتا ہے کہ مولا کریم! دوزخ سے بچا لے کیونکہ وہ رسوائی کا مقام ہے۔ اور پھر وہ یہ بھی جانتا ہے وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنَ الْغَاوِبِ جو شخص اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں چلا گیا، اُس کے لیے وہاں کوئی مددگار نہیں ہو گا اس دنیا میں تو لوگ جیلے بہانے اور سفارشات کے ذریعے کسی نہ کسی طرح سزا سے بچ جاتے ہیں مگر وہاں پر چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں ہوگی، مقررہ سزا بہر حال بھگتنا ہوگی۔

ایمان کی دھڑ  
اب تک تو عقلی دلائل کی بات ہو رہی تھی کہ انسان عقلی طور پر غور و فکر کر کے کسی نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے۔ اب آگے نقلی یا سمعی دلیل کا بیان آ رہا ہے مومن بارگاہ



رب العزت میں عرض کرتا ہے۔ رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ  
 اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ اے مولا اکرم! بیشک ہم نے ایک منادی کرنے والے کی آواز  
 کو سنا جو ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ۔ اب سوال پیدا ہوتا  
 ہے کہ منادی کرنے والا کون ہے۔ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں۔ کہ اگر اس سے  
 صامت یعنی خاموش منادی کرنے والا مراد لیا جائے تو وہ قرآن پاک ہے۔ اور اگر  
 ناطق یعنی بولنے والا منادی ہو تو وہ پیغمبر علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہے۔

قرآن پاک بظاہر خاموش ہے مگر وہ زبانِ حال سے پکار پکار کر ایمان کی دعوت  
 دے رہا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ جن وقت انسان صراطِ مستقیم پر  
 قدم رکھتا ہے، تو کوئی شخص اُس کو کہتا ہے اِسْتَقِمْ وَلَا تَعْدُ یعنی سیدھے چلے  
 جانا اور واپس بائیں نہ مڑنا۔ جب صراطِ مستقیم کا مسافر آگے کی طرف سفر شروع کرتا  
 ہے۔ تو واپس بائیں طرف موجود دیواروں پر سے پردہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے  
 پھر اوپر سے کوئی دوسرا شخص آواز دیتا ہے کہ بھائی پردہ نہ اٹھاؤ، ایسا کرو گے تو  
 غلط راستے پر چل پڑو گے جہاں سے واپس نہیں آسکو گے۔ فرمایا یہ صراطِ مستقیم  
 اسلام کا راستہ ہے۔ اور جو ہستی انسان کو اس پر سیدھا چلنے کی دعوت دیتی  
 ہے، وہ قرآن پاک ہے۔ اور جب کوئی شخص حرام یا ناجائز چیز کی طرف جاتا ہے  
 تو گویا دیوار کا پردہ اٹھاتا ہے۔ اُس وقت جو شخص اُسے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے  
 وہ انسان کا زندہ ضمیر ہوتا ہے۔ وہ انسان کو جھنجھوڑ کر کہتا ہے کہ غلط راستے  
 پر مت جاؤ۔ مگر جب کوئی شخص گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس کا ضمیر مردہ  
 ہو جاتا ہے، جو آخر کار ایسے غلط کار کو منع کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے اور مسلسل  
 گناہوں کی وجہ سے انسان کے دل پر تاریکی چھا جاتی ہے "كَلَّا بَلْ سَكَدَ  
 رَانَ عَلَى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ" فرمایا لوگوں کے گناہوں  
 کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ چڑھ جاتا ہے۔ جس طرح مٹی لگنے سے  
 لوبازنگ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں کی وجہ سے لوگوں کے دل سیاہ



ہو جاتے ہیں۔

اگر اس منادی سے مراد ناطق منادی لیا جائے تو وہ بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ بلا واسطہ منادی ہیں، جنہوں نے ہر مقام پر براہِ راست ایمان کی دعوت دی۔ آپ نے کوہِ صفا پر ایمان کی دعوت دی، کعبۃ اللہ کے پاس اعلان کیا۔ طائف پہنچ کر اللہ کا پیغام پہنچایا۔ کلیوں میں، بازاروں میں، میلوں میں اور منڈیوں میں آپ نے ہر جگہ یہی دعوت دی يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ تفلحوا اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہ دو، فلاح پا جاؤ گے۔ یہ دعوت حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کے واسطے سے لوگوں تک آگے بھی پہنچائی۔ یہ دعوت بالواسطہ ہو گئی۔ صحابہ کے بعد تابعین، تبع تابعین، بزرگانِ دین، عالمانِ دین، مفسرین اور مفکرین اس دعوت کو دوسروں تک پہنچا کر رسالت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

دعائے مغفرت

ہر حال فرمایا کہ ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو بلند آواز سے پکار کر کہہ رہا تھا کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ۔ اس دعوت کے جواب میں ہم نے کہا فَاٰمَنَّا بِسَمِیْعِ ایمان لے آئے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں رَبَّنَا فَاعْفُ عَنَّا ذُنُوبَنَا اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ یہاں پر ذنوب کا لفظ ہے اور اس سے مراد بڑے بڑے گناہ ہیں، جن سے معافی کی درخواست کی جا رہی ہے۔ وَكُفِّرْ عَنَّا سَتِیَاتِنَا اور مٹا دے ہم سے ہماری چھوٹی چھوٹی کوتاہیاں۔ یعنی بڑے چھوٹے سارے ہی گناہ معاف فرما دے۔ بلکہ ان کی بجائے ہمارے اعمال میں نیکیاں درج فرما دے، جیسا کہ اللہ نے بعض مقامات پر ارشاد فرمایا۔ فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ اللہ تعالیٰ ان کی کوتاہیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ ہم بھی ایسی ہی درخواست کرتے ہیں۔

نیوکاروں کی رفاقت

فرمایا، صاحبِ بصیرت لوگوں کی اگلی دُعا یہ ہوتی ہے وَتَوْفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ اے مولا کریم! ہمیں وفات بھی نیک لوگوں کے ساتھ دے۔ مرنے سے پہلے اور بعد نیک لوگوں کی رفاقت اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ سورۃ نساء میں فرمایا



کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا اللہ کے انعام یافتہ لوگ منجانبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے، اور یہ بہت اچھی رفاقت ہے (جسے نصیب ہو جائے)۔ یہ ایسی چیز ہے جس کے لیے انبیاء علیہم السلام بھی دعائیں مانگتے رہے جیسے یوسف علیہ السلام نے دعا کی "فَاِطْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْتَ وَلِيٌّ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفِّیْ مُسْلِمًا وَّالْحَقُّنِیْ بِالصَّالِحِیْنَ" مجھے اسلام پر موت دینا اور صالحین کی رفاقت نصیب کرنا۔ میرا انجام نیک لوگوں کے ساتھ ہو۔

یہاں پر ابرار کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بس کی جمع ہے اور معنی نیکو کار یا نیک خصلت ہے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ نیکی پر توجہ رکھتے ہیں۔ نیکو کاروں کی صحبت یا اچھی سوسائٹی کی ضرورت اس زندگی میں بھی ہے، اچھے اور نیکی والے وہی لوگ ہوں گے جن ذہن اچھے ہیں اور جن کی تربیت اچھی ہوئی ہے۔ مقصود یہ ہونا چاہیئے۔ کہ ایمان والے تقویٰ والے، طہارت والے اور صداقت والے لوگوں کی سوسائٹی نصیب ہو مگر آج ایسی مجلس کہاں ملے گی۔ ہر طرف دھوکے، فریب، فراڈ، شرک اور بدعت کا زور ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اخلاق ہمیشہ ماحول سے سیکھا جاتا ہے۔ جب ہمارا ماحول ہی درست نہیں ہے۔ ہماری گلیوں اور بازاروں میں گالی گلوچ، لہو و لعب، عیاشی اور فحاشی کا دور دورہ ہے۔ بچے گلیوں میں آوارہ پھر رہے ہیں، تو اچھی تربیت کیسے ہوگی اور اچھی سوسائٹی کہاں سے آئے گی۔ قرآن پاک کہتا ہے۔ کہ مومن غافل نہیں ہو سکتا، وہ ماحول کو درست رکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر ماحول خراب ہو گیا تو معاشرہ بگڑ جائے گا، اور پھر آنے والی نسل کی درستگی کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے گا۔ فرمایا مخلصند لوگوں کی منتہائے مقصود یہ دعا ہوتی ہے رَبَّنَا وَاتِّمَامًا



مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ کچھ عطا کر جو تو نے  
اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے اور وہ وعدہ یہ ہے اَنَا لَنْ نُصِيَّ رُسُلَنَا  
وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ہم اپنے رسولوں  
اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی مدد فرمائیں گے، انہیں فتح و نصرت اور غلبہ عطا کریں  
گے اور آخرت میں بھی جنت اور درجات عالیہ کا وعدہ ہے۔

اللہ کی مخلوق میں غرور و فخر کرنے والے اہل خردیہ بھی عرض کرتے ہیں۔ اے مولا کریم  
وَلَا تَخْزِنَا يَوْمَ الْفِتٰیۃِ ہمیں قیامت کے دن رسوائہ نہ کرنا، ہمیں یقین ہے  
اِنَّكَ لَا تَخْلِفُ الْوَعْدَ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ حضرت مولانا شاہ  
اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ منہائے کار دو ہی باتیں ہیں اور وہ یہ کہ انسان آخرت  
میں کامیابی کے مقام یعنی جنت میں پہنچ جائے اور خدا کے غضب کے مقام موت  
سے بچ جائے۔ اور یہ مقصود حاصل کرنے کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت  
ہے۔ اول یہ کہ انسان ایمان، توحید اور اطاعت کو اختیار کر لے اور دوسرا یہ کہ انسان  
معاصی سے بچا رہے۔



لَنْ تَنَالُوا

الْأَعْمَارُ

درس ہفتادویک

آیت ۱۹۵

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ  
 مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ ۖ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا  
 وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُودُوا فِي سَبِيلِي ۖ وَقُتِلُوا وَقُتِلُوا  
 لَا كُفْرَانَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ  
 تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عِنْدَهُ  
 حُسْنُ الثَّوَابِ ۝۱۹۵

ترجمہ : پس قبول کی اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اُن کی دعا کہ بیشک میں ضائع نہیں  
 کرتا عمل کرنے والے کے عمل کو تم میں سے مرد ہو یا عورت۔ بعض مہاجرین  
 بعض سے ہیں۔ پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے  
 گئے اور میرے راستے میں سٹائے گئے اور انہوں نے لڑائی کی اور شہید کئے گئے  
 تو میں اُن کی برائیاں اُن سے مٹا دوں گا۔ اور البتہ ضرور میں اُن کو بہشتوں میں داخل  
 کروں گا جن کے سامنے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ  
 کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے ۝۱۹۵

رابط آیات

یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہے۔ سابقہ دروس میں عقلمند لوگوں  
 کی صفات بیان ہوتی رہی ہیں۔ کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں  
 میں غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اے پروردگار! تو نے ہر سب  
 چیزیں بیکار پیدا نہیں کیں۔ ہم تیری تسبیح بیان کرتے ہیں۔ پس تو ہمیں دوزخ کے  
 عذاب سے محفوظ رکھ۔ اللہ تعالیٰ نے اہل عقل و خرد کی بعض علامات بھی بیان فرمائیں



کہ وہ لکھتے، بیٹھتے، لیٹے، ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور پھر اپنے رب کریم سے دعائیں بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تیرا پیغام پہنچا۔ ہمیں ایمان کی دعوت دی گئی جسے ہم نے قبول کر لیا۔ اس طرح انہوں نے عقلی و نقلی دونوں طرح کے دلائل سے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل کی۔ اور دعاؤں میں مشغول ہو گئے۔

آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری دی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے اُن کی دعاؤں کو قبول کر لیا۔ جب اُن لوگوں نے غور و فکر کے نتیجے میں دعوتِ ایمان پر لبیک کہا، اللہ کا ذکر کیا اور اُس کے سامنے گم گم گم گم دعاؤں کیں، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا اور فرمایا إِنِّي لَا أَضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ بیشک میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ خواہ مرد ہو یا عورت۔ عمل سے مراد یہاں پر نیک اعمال ہیں۔ بُرے اعمال مراد نہیں ہیں۔ کیونکہ اُن سے تو پناہ مانگی گئی ہے۔ اللہ کسی نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ اور پھر نیک اعمال میں سرفہرست ایمان باللہ ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا گیا۔ حضور یہ ارشاد فرمائیں أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ کونسا عمل زیادہ افضل ہے۔ ارشاد فرمایا ایمان باللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا سب سے افضل عمل ہے۔ اس کے بعد دیگر اعمال منجملہ نماز، جہاد، والدین کی خدمت وغیرہ ہیں۔ تاہم تمام اعمال کی جڑ بنیاد ایمان ہی ہے۔ بہر حال فرمایا جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت، میں اس کا عمل ضائع نہیں کرتا۔

یہاں پر مرد و زن کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ کہ جو بھی نیک عمل کرے گا، بدلہ پائے گا۔ ام المؤمنین ام سلمہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضور نبی کے کاموں میں مردوں کا ذکر تو کثرت سے آتا ہے مگر عورتوں کا ذکر اس کثرت سے نہیں آتا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق بعض عورتیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا، حضور!

مشابہ  
مقصود



بہت سے اعمال صرف مردوں کے لیے مخصوص ہیں، جیسے، اذان، جہاد وغیرہ  
 تو اس لحاظ سے مرد عورتوں سے اجرم میں بڑھ گئے۔ عورتوں کو تو بہت کم حصہ ملا۔  
 نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ویسا  
 ہی بدلہ ملیگا جیسا مردوں کو۔ اللہ کے قانون میں اس بارے میں کوئی تفریق نہیں۔  
 مرد و زن دونوں یکساں ہیں۔ البتہ ان کے عمل کی نوعیت مختلف ہے۔ مرد میدان  
 جنگ میں جہاد کرتا ہے۔ اور عورت اس کی خدمت کرتی ہے۔ تو دونوں کو برابر  
 برابر ثواب ملیگا۔ بعض مشقت طلب کام ہیں جو صرف مردوں کے ذمہ ہیں اور  
 بعض کام صرف عورتوں کے سپرد ہیں۔ اور بعض کام نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ حسن سلوک  
 حقوق العباد اور حقوق اللہ مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ضروری ہیں۔ لہذا جس طرح  
 مردوں کو ابھرے گا۔ اسی طرح عورتوں کو بھی ملیگا۔ بعض عورتوں نے جہاد میں شریک  
 ہونے کی اجازت طلب کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا جہاد کن الحج  
 تمہارا حج ہی جہاد کے برابر ہے محرم کے ساتھ حج کرو، یہ تمہارے لیے کافی ہے  
 عورتیں عورت اور مرد میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں ہوگا۔

مرد و زن میں اگر کوئی تفریق ہے تو وہ دائرہ کار کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے  
 دونوں کے لیے اپنے اپنے کام مقرر کر دیے ہیں جو وہ انجام دیں گے۔ اور اگر میان بیوی  
 ایک دوسرے کے دائرہ کار میں مداخلت کریں گے۔ تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں نکلے گا۔  
 مثال کے طور پر جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی بنایا  
 ہے اور اس کے ذمہ کام بھی مشقت طلب لگائے ہیں۔ اسی طرح عورت  
 بحیثیت صنعت نازک نسبتاً آسان کام کرنے کی اہل ہے۔ مرد محنت مزدوری  
 کرتا ہے، مشقت کرتا ہے اور گزراوقات کے لیے کما کرتا ہے۔ عورت  
 اپنے گھر کی چار دیواری میں بچوں کی پرورش اور دیگر امور خانہ داری کی ذمہ دار ہے  
 اب فساد و ہاں پیدا ہوتا ہے، جب مرد و زن ایک ہی دائرہ کار میں نظر آنے  
 لگتے ہیں۔ عورتوں کے حقوق کی آڑ میں جو پراپیگنڈا کیا ہے۔ اس سے



مشرقی ممالک بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ہر مقام پر مرد و زن کے شانہ بشانہ چلنے کی وجہ سے معاشرہ میں خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ جس کا نتیجہ بے حیائی اور فحاشی کی صورت میں نکلے گا۔ اس غلط رجحان نے اذہان کو شیطان کی جولان گاہ بنا دیا ہے۔ جب عورتیں، دفتروں، کارخانوں، فوج، پولیس، بازاروں اور کھیل کے میدانوں میں مردوں کے دوش بدوش چلیں گی تو نتیجہ ظاہر ہے معاشرے میں فساد آئے گا۔ اب تو عورتیں نمبر بھی بن رہی ہیں۔ اسمبلیوں میں، وزارتوں میں، مجالس شوریٰ میں ہر مقام پر ان کا حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ اور پھر ایسے مقامات پر مردوں اور عورتوں کی جس طریقے پر نوک جھونک ہوتی ہے اُس کی تفصیلات اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ عورتوں کا کام گھر کی دیکھ بھال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بہت سے احکام سورۃ نسا، سورۃ طلاق، سورۃ تحریم وغیرہ میں بیان فرمائے ہیں جن سے ان کے دائرہ کار کا پتہ چلتا ہے، لہذا ان کی بھلائی اپنے دائرہ کار میں رہنے سے ہی ہے۔ اُس سے تجاوز و شرفساد کا موجب ہوگا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد و زن کے ذمہ جو بھی فرائض ہیں ان کی ادائیگی پر اللہ تعالیٰ کبھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتے۔

تفریق صنف

آگے فرمایا **بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ** تمہارے بعض سے ہیں۔ مرد و عورتوں سے ہیں اور عورتیں مردوں سے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کی جنس سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ایک جنس انسانی سے پیدا فرمایا ہے۔ دونوں کا ایک ہی باپ اور ایک ہی سلسلہ نسب ہے۔ البتہ دونوں کی صنف میں تفریق پیدا کی ہے۔ ایک کو مرد اور دوسرے کو عورت بنا دیا۔ دونوں کے دائرہ ہائے کار الگ الگ مقرر فرمائے اور پھر معاشرے کی تہذیب و تمدنی کا انحصار اپنے اپنے امور کی انجام دہی پر رکھ دیا۔ جب تک عورت اور مرد اپنے اپنے دائرہ کار میں رہ کر اپنے اپنے فرائض انجام نہیں دیں گے تمدن کی اصلاح نہیں ہو سکے گی۔ غرضیکہ مرد و زن کی جنس تو ایک ہے مگر ان کی صنف الگ الگ ہے۔ **بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ** کا یہی مطلب ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بعض کام ایسے ہیں جنہیں صرف عورتیں

اچھی سمجھتی ہیں



ہی انجام دے سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا مزاج ہی ایسا بنا دیا ہے کہ تکلیف پر تکلیف اٹھانے کے باوجود اولاد کی خصانت کی ذمہ دار ہے اور اسے خوشی سے انجام دیتی ہے۔ بلکہ اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ اگر کسی عورت کے بچے کی پیدائش کا سلسلہ شروع نہ ہو سکے تو عورت بے چین ہو جاتی ہے۔ اور پھر پیدائش کے بعد بچے کی پرورش اور دیکھ بھال عورت کی فطرت میں داخل ہے یہ کام مرد انجام نہیں دے سکتا، کیونکہ اللہ نے اس کا دائرہ کار مختلف بنایا ہے۔ عورتیں اگر دیندار، سمجھدار اور اپنے کام کی بجا آوری کا حقہ انجام دیں۔ تو ان کے تربیت یافتہ بچے ایک اچھی سوسائٹی کی بنیاد رکھیں گے۔ اور اس طرح جو تمدن پیدا ہوگا، وہ اعلیٰ درجے کا ہوگا۔

ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں۔

مادرتِ درس سختیں باتو داد غنچہ تو از نسیم اود کشاد  
دولتِ جاوید از دورانِ وحشی از لبِ او لا الہ آموختی

بچے کو سب سے پہلا درس مال ہی دیتی ہے اور بچہ کلمہ طیبہ مال ہی کی زبان سے سیکھتا ہے گویا ایمان کی دولت انسان کو مال کے ذریعے نصیب ہوتی ہے۔ اچھی مال کی اچھی تربیت انسان کی زندگی پر مثبت اثر ڈالے گی اور اس کے برخلاف اگر مال کی تربیت بے دینی پر مشتمل ہوگی، تو اولاد بھی ونیسی ہی ہوگی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ دنیا کی سب سے اچھی نعمت مرآۃ صالحتہ یعنی نیک عورت ہے۔ اور معاشرے کے بنیاد بگاڑ میں اس کا بنیادی حصہ ہے۔

عقل مند لوگوں کی دعا اور اس کی قبولیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشقت کے کام کرنے والے دیگر لوگوں کا تذکرہ بیان فرمایا۔ مشکل ترین امور میں سے ایک ہجرت بھی ہے۔ چنانچہ اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا فَالَّذِينَ هَكَاجِرُوا جن لوگوں نے ہجرت کی۔ بعض اوقات اہل ایمان اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کا نام نہیں لے سکتے اور اس سلسلے میں بعض اوقات مال اور اہل و عیال کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ نئی جگہ پر ماحول مختلف ہوتا ہے۔ آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے

ہجرت کی  
فضیلت



التَّانِ طَرَحَ طَرَحَ كِي بِيَارِلُوں كَا شَكَارِ ہوتا ہے۔ زبانی کا مسئلہ پیدا ہو سکتا ہے۔ حسبِ خواہش  
 خوراک میسر نہیں آتی، لہذا ہجرت کرنا بڑا اذیت ناک کام ہے۔ مگر مجبوراً کرنا پڑتا ہے  
 فرمایا وہ لوگ جنہوں نے خود ہجرت کی اور وہ بھی وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ جو اپنے  
 گھروں سے زبردستی نکلے گئے۔ مال و اسباب پر قبضہ کر لیا گیا۔ بیوی بچوں کو روک  
 لیا گیا۔ کتنی تکلیف درہ صورت حال ہے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام کو یہ تمام تکالیف  
 برداشت کرنا پڑیں۔ مدینہ جا کر آب و ہوا میسر نہ آئی، بیمار ہوئے۔ سفر کی تکالیف برداشت  
 کیں۔ اسی لیے حضور بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد سے شانِ الہجۃ لشدید  
 ہجرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے۔ اور جو شخص اس میں ثبات قدم ہو کر نکلے اس کے  
 لیے اجر بھی عظیم ہے۔ حضور علیہ السلام نے خود دعا فرمائی اللّٰهُمَّ امْضُ  
 لِاصْحَابِي هِجْرَتَهُمْ اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت کو جاری فرما۔ اور پھر جب  
 کوئی شخص دوسرے مقام پر ہجرت کر لیتا ہے۔ تو اس کو واپس اپنے پہلے مقام پر  
 جانے کی اجازت نہیں ہے۔ جو لوگ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے  
 گئے، وہ حج کے لیے بھی مکہ آتے تھے، تہجج کے بعد تین دن سے زیادہ ٹھہرنے  
 کی اجازت نہ تھی، وجہ یہ ہے۔ کہ اس مقام پر فوت ہو کر دفن ہونا بھی ٹھیک نہیں۔  
 یہاں پر یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ ہجرت وہی مقبول ہے جو کلمۃ اللہ  
 کو بلند کرنے کے لیے کی جائے۔ محض دنیا کے حصول کے لیے ہجرت شرعی ہجرت  
 نہیں ہوگی جس کی اتنی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ صحیحین کی روایت میں حضرت عمرؓ  
 خطاب سے روایت ہے فَمَنْ كَانَ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ  
 فَهِيَ حِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ جس شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی  
 طرف ہے۔ تو اس کی ہجرت درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوئی۔  
 وَمَنْ كَانَ هِجْرَتُهُ إِلَى دُنْيَا يُصِيبُهَا أَوْ مَرْءٍ يَتَّبِعُهَا  
 فَهِيَ حِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَا جَرَدَلَيْدِ اور جو کوئی کسی دنیاوی غرض کے لیے  
 یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر ہجرت کرے۔ تو اس کی ہجرت اس کے مطلوبہ



مقصد کے لیے ہوگی۔ اللہ کے ہاں اس کا کچھ اجر نہ ہوگا۔

فرمایا وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکلے گئے وَإِذُوا  
فِي سَبِيلِي اور جنہیں میرے راستے میں تکلیف دی گئی، وہ کون سی تکلیف ہے  
جو کافروں، مشرکوں اور اہل کتاب نے مسلمانوں کو نہیں پہنچائی۔ انہیں تشدد کا نشانہ  
بنایا گیا، تپتی ہوئی ریت پر لٹایا گیا، مالی نقصان پہنچایا گیا اور پھر سب سے بڑی دینی تکلیف  
دی گئی۔ اسلام کو استہزاء کا نشانہ بنایا گیا۔ قرآن پاک کی تکذیب کی گئی اور حضور نبی کریم  
کی شان میں گستاخی کی گئی۔ یہ تکلیف جسمانی اذیت سے بھی سوا ہے۔ اسی لیے تو  
حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيبَتَنَا فِي دِينِنَا  
اے اللہ! دین کے معاملے میں ہمیں اذیت نہ پہنچے۔ ہم سے برداشت نہیں کر  
سکتے۔ گذشتہ رکوع میں گزر چکا ہے اے اہل ایمان! تمہیں مالوں اور جانوں کے  
کے ذریعے آزمایا جائے گا اور تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے اذیت ناک  
باتیں سننا پڑیں گی۔ اور اگر ان تکالیف پر صبر کرو گے اور تقویٰ کا راستہ اختیار کر دو گے  
تو یہ چیز دین میں مطلوب و مقصود ہے اور باعث فوز و فلاح ہے۔ اور پھر فرمایا  
کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں وَقَاتِلُوا جنہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد باسیف  
کیا۔ جان کو ہتھیلی پر رکھ کر نہ نکلتا بڑا مشکل کام ہے۔ اور اس سے کوئی دنیاوی غرض نہ ہو  
بَلْ كُنْتُمْ كَوْنٌ كَلِمَةً اللہ ہی الْعَلِيَّا اس لیے کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اس کا دین  
غالب آئے اور قرآن پاک کا دستور جاری ہو۔ فرمایا جو لوگ کفن بردوش سے نکلے  
وَقَاتِلُوا اور شہید بھی کیے گئے۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں جان جیسی قیمتی متاع  
قربان کر دی۔ اس سے بڑی قربانی کیا ہو سکتی ہے۔

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا لَا يَكْفُرُونَ عَنْهُمْ سب سے  
میں ان کی خطاؤں کو ضرور معاف کر دوں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شہید کے  
خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرنے سے قبل اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ مٹا دیتا  
ہے۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا

اذیت فی  
سبیل اللہ



کہ اسلام، ہجرت اور حج تین عمل ایسے ہیں کہ ان کے انجام دینے پر یہُ دُم مَآ کَانَ قَبْلُہَا اللہ تعالیٰ سابقہ سائے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ البتہ ایک چیز پھر بھی اُس کے ذمہ رہتی ہے اور وہ حقوق العباد ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو معاف فرمادیتا ہے مگر بندوں کے حقوق اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک صاحب حق خود نہ معاف کرے۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر میں خدا کی راہ میں اس طرح مارا جاؤں مُقْبِلًا غَیْرُ مُدْبِرٍ بغیر پشت پھیرے بہادری کے ساتھ لڑوں اور پھر جان قربان کر دوں، تو کیا میرے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر جب وہ شخص واپس جانے لگا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بلایا اور ارشاد فرمایا کہ باقی گناہ تو سائے ہی معاف ہو جائیں گے اِلَّا الَّذِینَ سَوَّائے قَرْضہ کے۔ یہ حقوق العباد ہیں سے ہے۔ آپ نے فرمایا، جبرائیل نے ابھی انکو مجھے بتایا ہے کہ شہادت سے قرضہ معاف نہیں ہوگا۔

جنت میں  
داخلہ

فرمایا ایسے لوگوں کے گناہ معاف کر دوں گا وَلَا دُخْلَہُمْ جَنَّتِ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہَارُ اور میں اُن کو ایسے بہشتوں میں داخل کروں گا۔ جن کے نیچے تہیں بہتی ہیں۔ جنت بڑا عزت کا مقام ہے۔ بڑی اعلیٰ اور ارفع جگہ ہے۔ جہاں باغات، کوٹھیاں اور محلات ہوں گے، جن کی تفصیلات قرآن پاک میں مختلف مقامات پر ذکر ہوئی ہیں۔ فرمایا یہ سب چیزیں ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ تَعَالٰی کی طرف سے اجر و ثواب ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو ایمان لائے، اللہ کا ہر حالت میں ذکر کرے، اَدْعَائیں کرے مشقت کے کام انجام دے، جہاد میں حصہ لے۔ دین کو قائم کرے، اس کا بدلہ ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ فرمایا وَاللّٰہُ عِنْدَہٗ حُسْنُ الثَّوَابِ بیشک اللہ کے ہاں بہت ہی اچھا بدلہ ہے۔ ایسا بدلہ صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے لہذا اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیئے۔ اور ہمیشہ اُس کی وحدانیت پیش نظر رہنی چاہیئے۔



لَنْ تَنَالُوا ۲

الْإِعْمَالِ ۳

درس ہفتاد و دو ۷۲

آیت ۱۹۶ تا ۱۹۸

لَا يَفْرَكُكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۝ (۱۹۶) مَتَاعٌ  
 قَلِيلٌ ۖ قَدْ تَمَّ مَا وَبَّعُوا بِهِمْ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ (۱۹۷) لَكِنَّ  
 الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ  
 تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَمَا  
 عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ۝ (۱۹۸)

ترجمہ: یہ نہ مغالطے میں ڈالے آپ کو اُن لوگوں کا مختلف شہروں میں چلنا پھرنا جنہوں نے کفر  
 کیا ۝ (۱۹۶) یہ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بُرا ٹھکانا ہے ۝ (۱۹۷)  
 لیکن وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں: اُن کے لیے باغات ہیں جن کے سامنے  
 نہریں جاری ہیں۔ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمانی  
 ہے۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ بہتر ہے نیکو کاروں کے لیے ۝ (۱۹۸)

گزشتہ درس میں ذکر آچکا ہے کہ عقلمند وہ لوگ ہیں جو اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر و ربط آیات  
 کرنے کے بعد ایمان تسلیم کرتے ہیں اور آخرت کی فکر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے  
 لوگ اللہ کی حمد و ثناء بیان کرتے ہیں اور آخرت کی رسوائی سے بچنے کے لیے گناہ گراہی  
 دعائیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کی دعاؤں  
 کو قبول کرتا ہے۔ اور کسی عامل کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ عمل کرنے والا خواہ مرد ہو یا  
 عورت۔ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ ضرور ملے گا۔ خصوصاً جو لوگ مشقت  
 کے کام کرتے ہیں، اپنے گھر بار کو چھوڑ کر اللہ کے دین کی خاطر ہجرت کرتے ہیں اور  
 جان و تحصیل پر رکھ کر خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، کبھی غالب آتے ہیں۔ اور کبھی شہادت  
 کا درجہ پاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ کے ہاں بڑا اجر و ثواب ہے



اب آج کے درس میں دوسری قسم کے لوگوں کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خبردار کیا ہے کہ کفار کی ظاہری شان و شوکت مال و دولت اور آرام و آسائش دیکھ کر کہیں دھوکے میں نہ پڑ جائیں کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی نعمتیں عطا کی ہیں۔ وہ فی الحقیقت اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ فرمایا ایسا نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُ الدِّينِ كَفْرًا فِي الْبِلَادِ كُفَّارًا مَخْتَلَفًا شَمْرًا میں آنا جانا کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے۔ فرمایا آپ دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں اور معاصی میں مبتلا ہیں، وہ اس دنیا میں خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ بہترین مکانوں میں رہائش پذیر ہیں۔ اعلیٰ سواریاں حاصل ہیں، کارخانے ہیں، مزے ہیں، مال و دولت کی فراوانی ہے۔ مگر ایمان سے خالی ہیں۔ نیکی سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان نہیں رکھتے، نہ عاقبت کی انہیں کوئی فکر ہے۔ فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق یہ گمان نہ کر بیٹھنا کہ شاید یہ لوگ اچھے ہیں۔ افراد سے بڑھ کر قوموں پر بھی یہ اصول منطبق ہوتا ہے۔ روسی اور امریکی اگر سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے ہیں۔ جاپانی صنعت میں سرفہرست ہیں، جرمنی اور برطانوی انجینئرنگ میں کمال حاصل کر چکے ہیں، انہیں دنیا میں اقتدار حاصل ہے، لوگ خوشحال ہیں۔ روپے کی ریل پل ہے، ڈالر، مارک اور پونڈ کے ذریعے پوری دنیا کی معیشت ان کے قبضے میں ہے۔ اللہ نے فرمایا کہیں مغالطے میں نہ رہنا یہ استدراج ہے اور اللہ کے ہاں یہ سب جہنم کے کندہ ناتراش ہیں۔ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے یہ تو اللہ نے انہیں مہلت دے رکھی ہے کہ جو سمجھ کر ناسا ہے کہ لَوْ لَوْ لَہٗ مَا لَوْ لَہٗ آخر پکڑے جاؤ گے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا لَا يَغْنُطَنَّ فَاجِرًا فَإِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهِ فَإِنَّ لَكَ عِنْدَ اللَّهِ قَاتِلًا لَا يَصُوتُ مَتَمَّ كَسَى فَاجِرًا وَنَافِرًا أَوْ مَيَّ كِي حَالَتٍ بِرِشَافٍ نَهْ كَرْنَا، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد وہ کس چیز سے ملنے والا ہے۔ کیونکہ اس کے لیے اللہ کے ہاں



ایسا قاتل ہے جو کبھی نہیں مرے گا۔ قاتل سے مراد موت ہے۔ جو کبھی اُس سے جدا نہیں ہوگی اور وہ ہمیشہ ہلاکت میں مبتلا رہے گا۔

طریقہ

لَا تَفْزُتْ لَكَ فِي صَيْغَةِ وَاحِدٍ مَذْمُومَةٍ حَاضِرِ اسْتِعْمَالِ كَيْفَايَا ہے۔ کہیں آپ کو دھوکے میں نہ ڈالیں۔ وحی الہی کے مخاطب اول تو حضور نبی کریم علیہ السلام ہیں اور اسی لحاظ سے یہ آپ کو خطاب کیا جا رہا ہے۔ کہ کہیں مخالطہ کا شکار نہ ہو جائیں کہ کافر لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ نبی علیہ السلام کی ذات کے متعلق تو یہ گمان تیس کیا جاسکتا کہ حضور علیہ السلام کو کبھی شک بھی گنہرا ہو کہ کافر اللہ کے محبوب ہیں۔ لہذا اس خطاب کا مطلب یہ ہے کہ یہ خطاب تو آپ ہی ہے مگر بات ساری امت بلکہ ساری انسانیت کو سمجھانی جا رہی ہے۔ کہ کفار کی ظاہری شان و شوکت دیکھ کر کہیں غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ وہ حق پر ہیں۔

اس قسم کا طرزِ خطاب قرآن پاک کے مختلف مقامات پر آتا ہے۔ اکثر مقامات پر لفظ قُلِّ کے ذریعے نبی علیہ السلام کو مخاطب کیا گیا ہے مگر مقصود تمام متعلقین کو سمجھانا ہوتا ہے۔ ایک مقام پر حضور سے خطاب ہے لَا تَطْعِ الْكَافِرِينَ یعنی آپ کفار کی اطاعت نہ کریں۔ حالانکہ آپ کی ذات والا صفات کے متعلق تو دور کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا مگر مقصد یہاں بھی عام اہل ایمان کی ہدایت ہے۔ سورۃ کوثر میں آتا ہے فَصِّلْ لِرَبِّكَ وَابْتَغِ الْوَعْدَ بِرَبِّكَ آپ اپنے رب کی نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ صیغہ واحد استعمال ہونے کی بنا پر کیا یہ حکم صرف آپ کی ذات کے لیے ہی ہے۔ نہیں، بلکہ ساری امت کو نماز اور قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔

اور اگر یہ خطاب حضور علیہ السلام کی ذات تک ہی محدود سمجھا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کو یہ بات تاکید کے طور پر کہی جا رہی ہے کہ کافروں کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ پہلے آپ کبھی مبتلا ہوئے ہیں اور نہ آئندہ ہوں۔ اس قسم کی تاکید بعض دوسرے مقامات پر بھی آتی ہے مثلاً حضور علیہ السلام کو فرمایا۔



لٰكِن اَشْكُ كَيْفَ يَجْبُطَنَّ عَمَلُكَ اَپ شرک نہ کریں اگر آپ نے بھی شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے عمل بھی ضائع ہو جائیں گے۔ اللہ کے تمام نبی تو شرک سے معصوم ہوتے ہیں۔ بنی کی ذات سے تو شرک کا شائبہ تک محال ہے مگر تاکید کے طور پر اس قسم کا خطاب کیا گیا ہے۔ کہ آپ ہمیشہ شرک سے بیزار رہے ہیں لہذا آئندہ بھی اس سے بچتے رہیں۔ بعض مفسرین کہہ ام فرماتے ہیں۔ کہ یہ خطاب عام ہے۔ اور ہر اُس مخاطب کے لیے ہے جو حق کا طلبگار ہے اور حقیقت تک پہنچنا چاہتا ہے گویا عام طالبان حق کو بات سمجھائی جا رہی ہے۔ کہ کافروں کی خوشحالی دیکھ کر کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

متاع قلیل

فرمایا دنیا کا سارا ساز و سامان جو اس زمین پر بسنے والے ایک ایک فرد کے پاس موجود ہے، اور وہ خزانے جو پہاڑوں کی تہوں میں موجود ہیں اور وہ بیش قیمت موتی جو سمندروں میں پائے جاتے ہیں، مکان، کوٹھیاں، کاریں، کارخانے یہ جو ہر امت معدنیات، عرضیہ دنیا کی ہر چیز ایک جگہ پر اکٹھی کر دی جائے، تو پھر بھی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مَتَاعٌ قَلِيلٌ تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے۔ یہ معمولی سامان ہے جو اللہ نے لوگوں کے استعمال کے لیے دے رکھا۔ حضور نبی علیہ السلام کے فرمان کے مطابق پوری دنیا کے مال و دولت کی مثال آخرت کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے۔ انسان جس مال و متاع کی موجودگی پر اکتڑ رہا ہے، اُس کی حیثیت اتنی بھی نہیں جتنا پانی کسی انگلی کو لگ سکتا ہے۔ اب تو لوگوں کی عمریں چھوٹی ہو گئی ہیں اور اس تھوڑے وقت میں انسان کیا کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ پہلے لوگوں نے بڑی لمبی عمریں پائیں اور اس طرح انہوں نے مال و دولت بھی زیادہ اکٹھا کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور تک لوگوں کی عمریں طویل تھیں پھر کم ہونا شروع ہو گئیں۔ اُس وقت لوگوں پر بڑھاپا بھی طاری نہیں ہوتا تھا۔ اب بڑھاپا آنے لگا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے لوگوں



کے بال بھی سفید نہیں ہوتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی کے بالوں میں سفیدی آئی۔  
 غرض! اب تو پوری دنیا پر بڑھا پا طاری ہو گیا ہے۔ ابتدائے دنیا سے لے کر جتنا  
 بھی مال و متاع ہے آخرت کے مقابلے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ لہذا آپ  
 کافروں کی طرف دیکھ کر کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں کہ وہ محبوب خدا ہیں جو کچھ بھی ان  
 کے پاس ہے بالکل حقیر چیز ہے۔ جو اس دنیا میں ختم ہو جائے گا۔ اور پھر جب وہ  
 آخرت کی منزل میں قدم رکھیں گے ثُمَّ مَا وَدَّعَهُمْ جَهَنَّمَ  
اُن کا ٹھکانا جہنم ہوگا وَبِئْسَ الْاِمْلَاقُ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے جس کی  
 طرف جاسے ہیں۔

متقین کے  
 لیے انعام

فرمایا یہ تو کفار کا انجام ہوگا۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے لِکِنِ الَّذِیْنَ  
اتَّقَوْا رَبَّ مگر وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ شرک و کفر سے  
 محفوظ رہے، معاصی سے بچتے ہیں ان کے دلوں میں خدا کا خوف جاگزیں رہا  
 اور اسی خوف کی وجہ سے اللہ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہیں کیا، دنیا میں حلال و حرام  
 کا امتیاز کیا۔ نیکی اور بدی کو پہچانا، اپنے ایمان کی حفاظت کی، اسی چیز کا نام تقویٰ ہے  
 چنانچہ جن لوگوں نے تقویٰ کا راستہ اختیار کیا فرمایا لَهُمْ جَنَّاتٌ  
مِّنْ تَحْتِهَا اَلْاَنْهَارُ ان کے لیے باغات ہیں۔ جن کے سامنے نہریں  
 بہتی ہیں۔

جنت کی نعمتوں کی جو تفصیلات قرآن پاک نے مختلف مقامات پر بیان  
 کی ہیں وہ ایسی چیزیں ہیں جو انسان عام طور پر اپنے تصور میں لاسکتا ہے۔ مثلاً دنیا میں  
 آرام و آسائش کے لیے اچھا مکان، اچھی بیوی جو اچھے اخلاق و اطوار کی حامل ہو  
 قرآن پاک نے انہیں اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَاتٌ کا نام دیا ہے وَصَلَوْنَ طَرِیْقَہٗ  
 یعنی پسندیدہ مکانوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح اچھی رفاقت کا تذکرہ آتا ہے  
 جیسے گزشتہ درس میں گزر چکا ہے مَعَ الْاَبْرَادِ نیک لوگوں کی رفاقت کی  
 دعائیں انبیاء علیہم السلام بھی کہنے لگے۔ اس کے علاوہ انسان اچھا لباس بھی پسند



کہتا ہے اس کی موافقت سے جنت کے پاکیزہ لباس کا تذکرہ بھی آتا ہے  
ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جنت کی حور کی اوڑھنی نصیفۃ  
خیر من الدنیا و صافیہا اس پوری دنیا اور اس میں موجود ہر چیز سے زیادہ  
قیمتی ہوگی۔ آخرت کا مال و متاع اور آرام و آسائش اس دنیا کے مقابلے میں محدود  
ہوگا۔ اسی طرح شراب طہور، عمل مصفی، دودھ کی نہروں اور غیر آسن پانی کا تذکرہ  
ملتا ہے۔ یہ سب چیزیں اہل جنت کو حاصل ہوں گی جن کا صحیح تصور ہم اس وقت  
نہیں کر سکتے، تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے لیے جن انعامات  
کا ذکر کیا ہے۔ وہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی حد تک ہمارے تصور میں آسکتی ہیں۔ اسی  
لیے فرمایا کہ متقی لوگوں کے لیے باغات ہوں گے جن کے سلسلے مصفی پانی  
کی نہریں بہتی ہوں گی۔ ان نہروں کا پانی کبھی خراب نہیں ہوگا اور اگر جنتی چاہیں گے  
تو یہ نہریں بغیر کسی رکاوٹ کے زمین کے اوپر چل رہی ہوں گی۔ فرمایا متقین اس  
جنت میں کسی محدود عرصہ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ خلدین فیہا اس میں  
ہمیشہ ہمیشہ سکونت پذیر رہیں گے اور اللہ تعالیٰ وعدہ فرمایا ہے کہ وہاں سے انہیں  
نکالا نہیں جائیگا۔ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرمائیں گے کہ تم مقام رضوان میں پہنچ چکے ہو۔ اب  
میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

اللہ کی طرف  
سے مہمانداری

فرمایا یہ ساری نعمتیں نَزْلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اللہ کی طرف سے مہمانداری ہو  
گی۔ نَزْلًا۔ اُس اچھی سے اچھی چیز کے لیے استعمال ہوتا ہے جو مہمان کی آمد  
پر سب سے پہلے پیش کی جاتی ہے۔ ایسی نعمتوں کا اشارہ اگلی آیت کے اگلے حصے  
میں بھی آ رہا ہے بہر حال اللہ تعالیٰ کی مہمانداری میں اعلیٰ ترین چیزیں پیش کی جائیں گی  
جن میں مادی نعمتوں کے علاوہ تقرب الہی اور تجلیات الہی جیسی عظیم نعمتیں بھی  
شامل ہوں گی۔ نَزْلًا کو مہمانداری کے معانی میں عام عربی بول چال میں بھی استعمال کیا  
جاتا ہے۔ امام بیضاویؒ ایک شعر نقل فرماتے ہیں :-

وَكُنَّا إِذَا الْجُبَّارُ بِالْجَيْشِ ضَافًا      جَعَلْنَا الْقَنَا وَمُرْهَفَاتِ كَذُنْ لَا

۱۵ ترمذی ص ۲۵۵ و بخاری ص ۳۹۲ (فیاض)



اگر جبار شکر لے کر ہمارا مہمان بنتا ہے۔ تاہم اس کے لیے نیزے اور قاطع تلواریں  
 مہمانی کے طور پر تیار رکھیں گے۔ مطلب یہ کہ ظالم شخص کا استقبال ہم تلواروں اور  
 نیزوں سے کرتے ہیں یہ تحکم کے طور پر بات کی گئی ہے۔ تو بہر حال نزل کا معنی مہمانی  
 ہے۔ جو اللہ تعالیٰ جنتیوں کے لیے پیش کریں گے۔ ظاہر ہے کہ جن خوش  
 قسمت لوگوں کا میزبان خود خدا ہوگا، اُن کو کتنی عزت اور کتنا شرف حاصل ہوگا۔

نیکو کاروں  
 کے لیے بہتر اجر

فرمایا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ هُمْ بِرِئَاسَةٍ عِنْدَ اللَّهِ كَيْفَ يُرِيدُ  
 کی اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں بہتر ہیں نیکو کاروں کے لیے ابرار کا لفظ پہلے بھی گزر چکا ہے  
 یہ برہ کی جمع ہے اور مراد وہ نیک لوگ ہیں جن کی نگاہ ہمیشہ انجام پر رہتی ہے اور نیکی  
 کرنا اُن کا شعار ہوتا ہے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے، اعلیٰ ادنیٰ کے ساتھ نیکی کرتے  
 ہیں۔ بڑوں کا حق ادا کرتے ہیں، اولاد اور دیگر عزیز واقارب کے ساتھ شفقت  
 سے پیش آتے ہیں۔ والدین کی خدمت کرتے ہیں۔ برابر والوں سے حسن سلوک  
 کرتے ہیں۔ دوست احباب اور پڑوسیوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں، غرباء و  
 مساکین کے ساتھ مطلوبہ سلوک روا رکھتے ہیں، غرض وہ لوگ ہر وقت اور ہر ایک کے  
 ساتھ نیک سلوک کرتے ہیں۔ فرمایا اللہ کے پاس جو کچھ انعامات ہیں وہ ان نیک لوگوں  
 کے لیے بہتر اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اُن کے گمراہ میں شامل ہونے  
 کا مستحق بنائے۔



الْاِعْمَرَانِ ۲

لَنْ تَنَالُوا ۴

درس ہفتاد و سہ ۷۳

آیت ۱۹۹

وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ  
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ  
ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ  
اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ①۹۹

الثلاث

ترجمہ: اور بیشک بعض اہل کتاب میں سے البتہ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، اور  
اُس چیز پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور اُس چیز پر جو اُن کی طرف اتاری گئی۔ وہ اللہ  
کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں کے بدلے کم قیمت  
یہی لوگ ہیں جن کے واسطے اُن کے پروردگار کے پاس بدلہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ  
جلد حساب لینے والا ہے ①۹۹

گزشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے کفار کا ذکر فرمایا کہ اے اہل ایمان! کفار کی خوشحالی  
وسعتِ کاروبار، اعلیٰ ذرائع آمد و رفت، اچھی خوراک اور اچھی رہائش کہیں تمہیں اس  
مغلطے میں نہ ڈال دے کہ یہ لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔ فرمایا یہ تو دنیا میں استعمال کے  
لیے انہیں تھوڑا سا سامان دیا گیا ہے۔ اور پھر مرنے کے بعد ان کا ٹھکانا جہنم میں  
ہوگا جو کہ بہت ہی بُری جگہ ہے۔ فرمایا البتہ عام متقین کے لیے اُن کے رب  
کے پاس بدلہ ہے۔ انہیں جنت میں داخل کیا جائیگا، وہ اللہ رب العزت سے  
سے اعلیٰ انعام پائیں گے، اللہ تعالیٰ اُن کی مہانداری کہیں گے۔ اب اُن کے  
درس میں اللہ تعالیٰ نے خاص متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ کہ اہل کتاب میں سے جو  
لوگ ایمان لائیں گے اُن کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے  
اسی سورۃ میں اہل کتاب کے متعلق پہلے بھی گزر چکا ہے "لَيُسْوَئَنَّ"

بطایات

سارے اہل کتاب  
برابر نہیں



سائے کے سائے اہل کتاب تو ایک جیسے نہیں۔ اگر ایمان کی اکثریت قرآن پاک، نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے دشمن ہیں تو ان میں سے اچھے لوگ بھی ہیں جو اسلام کی حقانیت کو سمجھتے ہیں۔ وہ تعصب اور عناد کو چھوڑ کر ایمان کو قبول کر لیتے ہیں، اگرچہ وہ تعداد میں قلیل ہیں۔ ایسے سمجھدار لوگ ہر زمانے میں پائے گئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں عبداللہ بن سلامؓ یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے، مگر اللہ کی توفیق سے اسلام قبول کیا۔ ان کے ساتھ بہت سے دوسرے لوگ بھی علقہ بگوش اسلام ہوئے۔ تمیم داریؓ مشہور عیسائی تھے۔ صہیب رومیؓ کا تعلق بھی اسی مذہب سے تھا، سلمان فارسیؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا پہلا دین عیسائیت تھا۔ ان سب نے اسلام قبول کیا اور مسلمانوں کی صفِ اول میں جگہ پائی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لَيْسُوا سَوَاءً والی آیت میں یہودیوں کی طرف اشارہ ہے۔ کہ وہ سب برابر نہیں ہیں۔ ان میں کچھ اچھے لوگ بھی ہیں اور اس آیت اِنْ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ سے نصاریٰ مراد ہیں۔ یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا عبد اللہ مثل عاشی عشیہ کہ وہ عشرہ مبشرہ کی طرح ہیں۔ یعنی وہ ان دس صحابہ کی طرح ہیں جنہیں حضور علیہ السلام نے بیک وقت جنت کی بشارت دی۔ ان میں حضرات ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان عتیؓ، علی المرتضیٰؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، سعدؓ، سعیدؓ، ابو عبیدہؓ، عبدالرحمنؓ شامل ہیں۔ یعنی حضرت عبداللہ بن سلامؓ ان دس صحابہ کی طرح جنتی ہیں۔ مسلم شریف اور ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ عبداللہ بن سلامؓ نے خواب دیکھا اور حضور علیہ السلام کے پاس بیان کیا، تو آپ نے فرمایا اَنْ تَخْشَوْا عَلٰی الْاِيْمَانِ یعنی تمہارا خاتمہ بالایمان ہوگا۔ آپ نے یہ بشارت اُسی وقت سنا دی تھی۔

اہم نسائیؒ اور اہم بیضاویؒ نے حضرت انسؓ سے روایت بیان کی ہے۔ اور نباشیؒ کا اہم ابن جریرؒ نے حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ نجران کے چالیس عیسائی ایمان قبول کر چکے تھے۔ جنت میں بھی بیس خوش نصیب ایمان کی دولت سے



مالا مال ہوئے، مدینے کے یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سرفہرست تھے اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی خود ایمان لے آئے۔ اہم نسائیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ سے ہجرت کر کے دو قافلے حبشہ پہنچے۔ پہلے قافلہ میں تو ہاجرین کی تعداد کم تھی تاہم دوسرا سنی افراد پر مشتمل تھا جس میں حضرت عثمانؓ بمع اپنی زوجہ اور حضور علیہ السلام کی دختر حضرت رقیہؓ شامل تھے۔ حضرت جعفرؓ بھی بمع اپنی زوجہ اسماءؓ کے ساتھ اسی قافلے کے ہمراہ گئے۔ فرماتے ہیں کہ نجاشی نے حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفرؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اُسے حضور علیہ السلام کی ملاقات کا رستہ بھر شوق رہا۔ مگر اُس کی یہ حسرت پوری نہ ہو سکی۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ ایک موقع پر نجاشی نے تین سنی افراد پر مشتمل ایک وفد جس میں اُس کا اپنا بیٹا بھی تھا، حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا۔ یہ وفد بحری سفر کے دوران سمندر ہی طوفان کی نذر ہو گیا، کشتی ڈوب گئی اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔ البتہ اس کے علاوہ ایک اور قافلہ وہاں سے مدینے آیا اور ایمان قبول کیا، اس کا ذکر ساتویں پارے کی ابتدا میں آئے گا۔

اہم بغویؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ نجاشی کی وفات کے وقت وہاں پر ایک بھی مسلمان موجود نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے حضور علیہ السلام کو خبر دی کہ آج نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ وہ صاحب ایمان تھا، لہذا آپ اُس کی نماز جنازہ ادا کریں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا عام اعلان فرمایا لوگ باہر عید گاہ میں نکلے، دو بڑی بڑی صفیں بنیں اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ حقیقت میں یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے مدینے اور حبشہ کے درمیان موجود تمام پرے پرے بٹا دیے اور نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کو نظر آنے لگی اور اس طرح یہ جنازہ گویا حاضر میت پر ہی پڑھا گیا۔ یہ بالکل اُسی طرح ہوا جس طرح مشرکین کے بیت المقدس سے متعلق سوال کرنے پر اللہ تعالیٰ نے درمیانی تمام پرے چاک کر کے بیت المقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دیا تھا اور آپ ہر سوال کا جواب بیت المقدس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دیتے جاتے تھے۔

اہل کتاب  
کے لیے  
دہرا آج



نماز جنازہ غائبانہ طور پر درست ہے یا نہیں، یہ مسئلہ متنازعہ ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی مسلمان موجود نہ ہو، اس کا غائبانہ جنازہ پڑھا جاسکتا ہے یہ نماز فرض کفایہ ہے اور چند مسلمانوں کی طرف سے نماز جنازہ پڑھ لینا سب کو کفایت کہہ جاتا ہے، نجاشی کا جنازہ غائبانہ ایک تو اس وجہ سے جائز تھا کہ اُس وقت جیشہ میں کوئی مسلمان موجود نہیں تھا لہذا اس کا جنازہ پڑھنا دوسرے مسلمانوں پر ضروری ہو گیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ جنازہ حقیقت میں غائبانہ نہیں تھا کیونکہ نجاشی کی میت حضور علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے کر دی گئی تھی۔ بعض حضرات اسی واقعہ نجاشی سے غائبانہ جنازہ کا جواز نکالتے ہیں مگر صحیح مسلک یہی ہے کہ اگر کسی مرنے والے کا جنازہ بعض آدمیوں نے پڑھ لیا تو سب کو کفایت کر گیا، اب دوبارہ غائبانہ جنازہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اہم بغویؒ لکھتے ہیں کہ جب حضور علیہ السلام نے نجاشی کا جنازہ ادا کر دیا اعلان فرمایا تو منافقین نے کہا، حضور! وہ جو حبشی غلام ہیں کیا ہم اُن کی نماز جنازہ پڑھیں، فرمایا، تمہو مومن تھا اور ایمان لا کر اعلیٰ مقام حاصل کر چکا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں آتا ہے کہ صحابہ کرام بیان کرتے تھے کہ کافی عرصہ تک نجاشی کی قبر پر نور بستاد کھائی دیتا رہا۔ فرماتے ہیں کہ نجاشی کا جنازہ پڑھنے پر بعض منافقین نے اعتراض کیا کہ دیکھو! مسلمان کن لوگوں کے جنازے پڑھتے ہیں ہیں مگر بعض خاص مسلمانوں کو بھی تردد تھا، تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خبر دیکر واضح کر دیا کہ نجاشی ایمان قبول کر کے مومن ہو چکا تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت زیر درس اسی موقع پر نازل ہوئی تھی۔

فَرَمَا يُرَانُ مِنْ آهْلِ الْكِتَابِ اِذَا رَآهُ مِنْكُمْ يَحْسَبُكُمْ كَوْنًا مِنْكُمْ ۚ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ وَرَبُّكُمْ عَلِيمٌ ۙ  
 تمہاری طرف نازل کی گئی وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ اور جو اُن کی طرف اتاری گئی۔  
 کچھ اہل کتاب ایسے ہیں کہ جو تورات اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے تھے اور جب  
 اُنہیں معاملہ التَّنْزِيلِ ص ۲۰۶ ج ۱ (فیاض)



اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کا نزول فرمایا تو اُس پر بھی ایمان لے آئے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ تین آدمی ایسے ہیں جو دوسرے اجر کے مستحق ہیں۔ پہلا شخص وہ مسلمان غلام ہے جو اللہ کا حق بھی ادا کرتا ہے، اُس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔ اور پھر اپنے دُنیوی آقا کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، فرمایا اس کے لیے اللہ کے ہاں دوسرا اجر ہے۔ اس اجر کا حقدار دوسرا وہ شخص ہے جو اپنی لونڈی کی اچھی تربیت کرتا ہے، پھر اُس کو آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لیتا ہے اور تیسرا وہ شخص بھی دوسرا ہے جو پہلے کسی دوسرے کی بنی اور دوسری کتاب پر ایمان رکھتا ہے اور پھر حضور علیہ السلام کا زمانہ پاکر آپ پر اور قرآن پاک پر ایمان لے آتا ہے آیت کے اگلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی دو صفات بھی بیان فرمائی ہیں۔ اور پھر اُن کے اجر کا تذکرہ کیا ہے۔

اس قسم کے لوگ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں۔ بعض انصاف پسند لوگوں کو ہمیشہ دوسرا اجر حاصل ہوتا رہا ہے۔ ہمارے قریبی زمانہ انیسویں اور بیسویں صدی میں ایسے کئی خوش نصیب ہمارے سامنے ہیں۔ ڈاکٹر اقبالؒ کے جدِ امجد برہمن تھے، اللہ نے ایمان نصیب فرمایا۔ مولانا احمد علیؒ لاہوری کے والد اولاد ہندو تھے، زرگری کا کام کرتے تھے، اللہ نے ایمان بخشا۔ اسی طرح مولانا علیہ اللہ سندھیؒ سکھ تھے، وہ خود ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے اور اعلیٰ مقام پایا۔ یہاں آپ کے ضلع میں پروفیسر محبوب الہیؒ سکھ مذہب رکھتے تھے، اللہ نے ایمان بخشا۔ اسلامیہ ہائی سکول کے ٹیچر ابراہیم صاحب کے والد اور مولانا احمد علیؒ کے والد اکٹھے مسلمان ہوئے۔ اسیران مالٹا میں سے واحد زندہ شخصیت مولانا عزیز گل کی بیوی انگریزہ تھی، وہ بھی ایمان لائی اور تیس سال تک آپ کے عقد میں رہی۔ ابھی چند سال پہلے فوت ہوئی ہے۔ بڑی عبادت گزار خاتون تھیں۔ تحفۃ الہند کے مصنف ہندو تھے۔ پٹیارے کے رہنے والے تھے۔ شاہ اسماعیل شیدہ کی جماعت کے آدمیوں سے متاثر ہو کر ایمان لائے۔ آپ نے اسلام کے حقائق اور شرک کی تردید میں بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔

قریبی دور کے  
نوسلم



اب بھی ایک آدمی زندہ ہے جو یہودی تھا اور تم کوں کے دور کے آخری تھے  
 میں مسلمان ہوا۔ اُس وقت مصر، اردن اور شام کا مدینے کے ساتھ رابطہ بذریعہ ریل قائم  
 تھا۔ اردن میں تو اب بھی یہ ریل چلتی ہے مگر سعودی عرب والا حصہ جنگ عظیم میں ایسا  
 تباہ ہوا جو آج تک بحال نہیں ہو سکا۔ بہر حال اس جرمن یہودی کا پہلا نام لیو پولڈ تھا، مسلمان  
 ہو کر محمد اسد کہلایا۔ اس شخص نے مطالعہ اسلام کے لیے مصر سے بذریعہ ریل سفر کا آغاز کیا۔  
 گاڑی میں فلسطین کے کچھ مسلمان بدو بھی ہم سفر تھے۔ دوران سفر ایک بدو کسی سٹیشن پر اُترا  
 اور کھانے کے لیے دو روٹیاں لے آیا۔ اُس نے کھانے میں شرکت کے لیے لیو پولڈ  
 کو بھی دعوت دی اور کہا بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰی بَرَکَةِ اللّٰهِ تَنَاوُلْ فرمائیں۔ اُس نے  
 معذرت چاہی مگر اُس بدو نے اصرار کیا کہ ہم مسلمانوں کا یہی طریقہ ہے۔ کہ ہم ساتھیوں  
 کو بھی کھانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ شخص اس پیش کش سے بہت متاثر ہوا۔  
 اُس شخص نے بدو کے سامنے اسلام پر یہ اعتراض پیش کیا۔ کہ تمہارے بقول  
 اسلام ایک عالمگیر اور منصفانہ دین ہے مگر اس کا یہ قانون عجیب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک  
 مسلمان آدمی اہل کتاب عورت سے تو شادی کر سکتا ہے مگر ایک مسلمان عورت کسی یہودی  
 یا عیسائی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ وہ بدو باشعور تھا، فوراً معاملے کی تہ تک پہنچ گیا اور  
 اعتراض کی وضاحت یوں کی کہ مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
 سمیت تمام انبیائے کرام پر ایمان رکھتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ  
 اور ان کی اسی طرح تکریم کرتے ہیں جس طرح نبی آخر الزمان علیہ السلام کی کرتے ہیں۔ اگر  
 کوئی یہودی یا عیسائی عورت مسلمان کے گھر میں آجاتی ہے، تو وہ اس گھر میں اپنے نبی  
 اور اس کی کتاب کے متعلق کوئی تکلیف دہ بات نہیں سننے گی بلکہ اپنے نبی کا عزت و  
 احترام دیکھے گی۔ برخلاف اس کے اگر مسلمان عورت کسی یہودی یا عیسائی کے گھر  
 داخل ہوگی، تو وہ اپنے نبی آخر الزماں علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کو محفوظ نہیں پائے گی۔  
 جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ ذہنی کوفت میں مبتلا رہے گی۔ لہذا اسلام نے کسی مسلمان عورت  
 کو غیر مسلم سے نکاح کی اجازت نہیں دی۔ اس بات نے بھی لیو پولڈ پر اثر کیا۔ اور



اللہ تعالیٰ نے اُس کا دل ایمان کے لیے کھول دیا۔ اس شخص نے اسلام کی تائید میں بڑی اچھی کتابیں لکھی ہیں جن میں ROAD TO MAKKAH (شاہراہِ مکہ) بڑی اچھی گوشتش ہے، اور ISLAM AT THE CROSS ROAD (اسلام چورستے پر) بھی اعلیٰ کتاب ہے۔ یہ شخص مسلمانوں کی زبانوں عالی کا بڑا شاکی ہے۔

مار ماڈ لوک بھی عیسائی تھا۔ ترکی میں جاسوسی کرنے کی غرض سے گیا۔ اُس دور کے شیخ الاسلام کی مجالس میں شمولیت اختیار کی جس کا اثر یہ ہوا کہ عیسائیت چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گیا۔ ضلع جہلم میں پروفیسر غازی احمد آج بھی زندہ سلامت موجود ہے جس نے خود اسلام قبول کیا۔ اُس کا باپ کٹر ہندو تھا۔ اسلام قبول کر کے بڑے مصائب کا شکار ہوا۔ والدین کی طرف سے سختیاں جھیلیں اور آخر کار دل پر پتھر رکھ کر ہمیشہ کے لیے اُن سے علیحدہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے علم جیسی نعمت عطا کی، اُس نے ہایہ کا اردو ترجمہ بھی کیا ہے۔ ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں شاہی خاندان کے فرد کو یم نے اسلام قبول کیا۔ اس نے قبول اسلام کا واقعہ خود لکھا ہے جسے طنطاوی جوہریؒ نے تفسیر الجواہر میں نقل کیا ہے۔ کو یم تبدیلی آب و ہوا کے لیے الجزائر گیا، وہاں یہ مسلمانوں کے وضو رکے طریقے سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ خود بیسٹر تھا۔ اس کے ساتھ خاندان کے مزید چالیس افراد نے ایمان قبول کیا۔ انگریزوں نے اُس پر عدالت میں مقدمہ دائر کیا۔ اُس نے اپنے مقدمہ کی خود پیروی کی اور انگریز نامزد ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام غیر مسلم ایک سے نہیں ہوتے بلکہ اُن میں بعض منصف مزاج بھی ہوتے ہیں۔ جو حق کو قبول کر لیتے ہیں اور ایسے لوگ ہر دور میں پائے گئے ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ خَشِيعِينَ لِلّٰہ اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہوتے ہیں۔ خشیتِ الہی یا اجابتِ ربِّ اسلام کے چار اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ اور ہر اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اس امر سے جو چیز سب سے پہلے اٹھے گی وہ

خشیتِ الہی



اجبات ہے۔ فرمایا مسجد نمازیوں سے بھری ہوگی مگر پانچ سو آدمیوں میں سے لا تری  
 فِيهِ خَاشِعًا ایک بھی صاحب خشوع و خضوع نظر نہیں آئے گا، اجبات  
 کا اس قدر قحط واقع ہو جائیگا۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کہنا جزو ایمان ہے، جو  
 شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا، وہ اپنے گمراہ پیش والوں کے ساتھ بھی  
 تواضع سے پیش آئیگا۔ وہ کسی بات پر اکتڑ نہیں دکھائے گا حضور علیہ السلام نے فرمایا  
 لَا يَبْغِي بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ تَمَّ اِيكٍ دُوسَرُ کے ساتھ فخر و غرور کے ساتھ  
 مت پیش آؤ، ہمیشہ انکاری اختیار کرو۔

فرمایا ایسے لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا  
 قَلِيلًا وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے دنیا کا حقیر مال نہیں خریدتے۔ گزشتہ دروس میں کئی  
 مقامات پر آچکا ہے۔ کہ اہل کتاب اللہ کی آیتوں کو بھڑی قیمت پر بیچ ڈالتے تھے۔  
 یہاں فرمایا کہ بعض اچھے ہیں جو ایسا نہیں کرتے۔ یہ بہت بڑی بیماری ہے، جو اہل  
 کتاب سے مسلمانوں میں بھی آگئی ہے دھوکے فریب کی کمانی اسی قبیل سے ہے۔  
 غلط مسائل بتا کر اس کی فیس وصول کی جاتی ہے۔ یہ اللہ کی آیتوں کو بیچنے کے مترادف ہے۔

فرمایا اُولَٰئِكَ لَهُمْ اَجْرٌ مِّمَّا رَبُّهُمْ اِيَسَ لَوْ كُنْ اِنۡسَ  
 پروردگار کے ہاں بہتر اجر ہے۔ بلکہ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ دو ہر اجر  
 عطا فرمائیں گے۔ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے  
 قیامت قریب اور ہر شخص کا حساب جلدی شروع ہو گا۔ لہذا اُسے غافل نہیں  
 رہنا چاہیئے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حساب جلدی لینے والا ہے۔ تو  
 اُس کا اجر بھی جلدی عطا کرے گا۔ اس میں کسی قسم کی دیر نہیں ہوگی۔ اچھا یا بُرا بدلہ جس کا کوئی  
 شخص حقدار ہوگا۔ فوراً پائے گا۔

حدیثیں  
 جلدی



لَنْ تَنَالُوا

آل عمران ۳

درس ہفتاد و چہار ۷۴

آیت ۲۰۰

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا قف  
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾

۲۰۰

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلے میں مضبوط رہو۔ اور لگے رہو، اور

اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۲۰۰﴾

خلاصہ سورۃ  
پانچ اصول

سورۃ آل عمران کی یہ آخری آیت ہے۔ یہ لمبی اور عظیم سورتوں میں سے ہے۔ سورۃ کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب کر کے اس سورۃ کے خلاصہ کے طور پر پانچ اصول بیان فرمادیے ہیں اور اس کے بعد چھٹی بات مومنوں کے لیے فلاح و کامیابی کا مشرودہ ہے آج کی یہ آخری آیت پوری سورۃ کا لب لباب اور ایک جامع نصیحت پر مشتمل ہے۔ دو کسر لفظوں میں پوری سورۃ آل عمران اس آخری آیت میں مذکورہ پانچ اصولوں کی تشریح ہے۔

پہلا اصول  
ایمان

ارشاد ہوتا ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو! اس آیت میں خطاب ہی ایمان والوں سے ہے۔ انسان کے لیے سب سے اہم مطلوبہ چیز ایمان ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایمان والوں سے خطاب بھی ہے اور ایک اہم اصول بھی ہے۔ انسان کی سعادت، فلاح، نجات اور دنیا و آخرت میں کامیابی ایمان پر ہی موقوف ہے۔ اس سورۃ کی ابتداء سے اختتام تک ایمان ہی کی بات سمجھائی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بیس سے زیادہ مقامات پر شرک کی تردید فرمائی ہے اور واضح کر دیا ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات میں کوئی شریک نہیں اسی طرح علم میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، علیم کل بھی وہی ہے اور عالم الغیب بھی وہ خود ہی ہے۔ کہیں مغالطے میں پڑ کر شرک نہ کر بیٹھنا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بالوضاحت فرمادیا ہے کہ ہر قسم کی عبادت بدنی ہو



یامالی صرف اُسی کی ذات کے لیے ہے۔ عبادت میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں تمام کائنات کا تصرف اور اختیار بھی اللہ جل جلالہ کے پاس ہے۔ اس میں بھی اُس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ تمام چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں، ان باتوں میں ذرا سی لغزش مشرک بن جانے کے لیے کافی ہے۔

نذر و نیاز بھی اللہ کے سوا کسی کے لیے روا نہیں۔ اسی سورۃ میں حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ کی نذر کا ذکر آچکا ہے رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا لِّے مولاکریم! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے وہ تیری رضا کی خاطر وقف کر دیتی ہوں۔ گویا نذر و نیاز بھی صرف اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے ہوتی چاہیئے۔ غیر اللہ کے تقرب کی نذر کفر تک پہنچا دے گی، اور یہ چیز ایمان کے منافی ہوگی۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اُن تمام امور کی نشاندہی فرمادی ہے، جو ایمان میں خلل کا باعث بن سکتے ہیں۔ شرک کی مختلف صورتیں کو بھی واضح کر دیا ہے۔ غرض! ایمان تمام اصولوں کا بنیاد کا اصول ہے، اور اس کے بعد چار دیگر اصول بھی بیان کر دیے گئے ہیں۔

دوسرا اصول  
صبر

فرمایا اے ایمان والو! اَصْبِرُوا صبر کرو۔ اس سورۃ میں کتنے ہی مقامات پر اہل ایمان کی تکالیف اور ایذا رسانیوں کا تذکرہ بیان ہوا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے ہر مقام پر صبر کی تلقین کی ہے۔ تکالیف کو برداشت کرنے کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اللہ کے سچے انبیاء حضرات موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام، زکریا علیہ السلام اور پھر آخر میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر تکالیف برداشت کیں اور ان پر صبر و تحمل کا کیا نمونہ پیش کیا۔ اس سورۃ میں غزوہ احد کی بہت سی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن سے مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں صحابہ کرامؓ اور خود حضور علیہ السلام نے صبر کا کتنا بڑا معیار قائم کیا۔ سورۃ کے مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو خطاب کر کے فرمایا ہے وَ اِنْ تَصْبِرُوْا یٰعَنِیْ اَکْرِمْ کَرَمًا لِّکُمْ لَوْ کُمْ، سورۃ بقرہ میں بھی صبر کا اصول اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے اِیْمَنْتُ بِرَبِّیْ



کا ایک اہم اصول ہے ہاں بھی صبر کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔ ایک جگہ فرمایا  
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ اے ایمان والو صبر  
 اور نماز کے ساتھ استعانت پکڑو۔ اطاعت کے لیے صبر بہت ضروری ہے  
 نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ جیسی اطاعتیں صبر کے بغیر ممکن نہیں، لہذا صبر بہت ضروری  
 اصول ہے۔

صبر کا لغوی معنی روکنا یا ضبط کرنا ہے، لہذا صبر کی ایک دوسری صورت نفس النانی  
 کو خواہشات سے روکنا ہے۔ نفس ہمیشہ خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔ اور اس  
 کو ڈسپلن کا پابند بنانا بھی صبر ہی کی ایک قسم ہے۔ صبر کی ایک قسم یہ ہے کہ انسان پر دین  
 کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات آئیں، ان کو برداشت کرے۔ گویا صبر النانی زندگی کے  
 ہر موڑ پر کام آنے والا اصول ہے۔ کوئی نقصان ہو جائے، جان چلی جائے، مقدمہ پیش  
 آجائے، ہنگامہ ہو جائے، جنگ چھڑ جائے ہر معاملے میں صبر کی ضرورت پیش آتی  
 ہے اور اس کے بغیر انسان کی کامیابی ممکن نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تیسرا اصول فرمایا وَصَابِرُوا اور مقابلے میں مضبوط رہو۔

پہلے فرمایا تھا ہر تکلیف پر خود صبر کرو، اب فرمایا، اور مقابلہ میں مضبوط رہو۔ اس کے علاوہ بھی

تیسرا صواب  
تلقین صبر

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر دوسروں کو صبر کی تلقین کر نیکا حکم دیا گیا ہے۔ کہ

انہیں ترغیب دو کہ وہ مشکلات پر صبر کے ذریعے قابو پائیں سورۃ بلد میں

فرمایا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ یعنی اُن لوگوں میں ہو

جاؤ جو ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کتے ہیں سورۃ العصر میں بھی ایسا ہی آتا ہے

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی خائے سے محفوظ رہو لوگ ہیں جنہوں

نے ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔ گویا ایمان کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ

اور تواضعی بال صبر بھی ضروری ہے۔ حق اور صبر کی تلقین ایک جیسی ضروری ہیں۔ صابروں

میں یہ بات بھی آگئی کہ خود بھی ایمان پر قائم رہو اور دوسروں کو بھی قائم رہنے کی تلقین

کرتے رہو۔ غرضیکہ ایک اصول خود صبر کرنا ہے اور دوسرا اصول تواضعی بال صبر

جو تواضعی بال صبر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چوتھے اصول کے متعلق فرمایا وَمَا يَطُوعَا



نیکی اور اطاعت کے کاموں میں لگے رہو۔ رابطہ دراصل دشمن کی سرحد پر گھوڑے  
 باندھنے کو کہتے ہیں۔ جہاں دو ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں وہاں سرحدوں کی حفاظت  
 کے لیے ہمہ وقت مستعد رہنا بھی اتنی معافی میں آتا ہے۔ اسلامی ملک کی سرحدوں  
 کی حفاظت کرنے اور وہاں پر پہرہ دینے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ یہ اس لیے  
 ضروری ہے کہ کہیں دشمن حملہ کرے اسلحہ کے پود گرام میں خلل اندازی نہ کرے۔ لہذا  
 سرحدوں کی حفاظت اہل اسلام کے لیے فرض ہو جاتی ہے حدیث شریف میں آتا ہے  
 رِبَاطٌ يَوْمٌ خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ (منہج) یعنی سرحد پر ایک رات  
 پہرہ دینا مہینہ بھر کی نفلی عبادت سے افضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں سنن  
 خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ ایک ہزار مہینوں کی نفلی عبادت سے افضل ہے اور جو شخص  
 سرحدوں کی حفاظت کے دوران فوت ہو گیا، تو اس کا یہ عمل قیامت تک کے لیے  
 لکھا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ایسا شخص قبر کے فتنے سے  
 مامون رہے گا۔

رِباط کی دو صورتیں ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ ظاہری رباط کا بیان تو ہو  
 چکا۔ باطنی رباط یہ ہے کہ انسان شیطان کے مقابلے میں مستعد ہو جائے۔ اور اُسے  
 خل اندازی نہ کرنے دے۔ جس طرح ظاہری دشمن کے مقابلے میں سرحدوں کی حفاظت  
 ضروری ہے اسی طرح باطنی دشمن شیطان کا مقابلہ کرنا بھی ضروری ہے تاکہ وہ دوسرے اندازی  
 نہ کر سکے۔ انسان جب تک نیکی میں لگا رہے گا شیطان دخل نہیں دے سکیگا جب  
 آدمی غافل ہو جاتا ہے تو شیطان کو دوسرے اندازی کا موقع مل جاتا ہے۔ لہذا شیطان  
 کے مقابلے میں باطنی رباط بھی ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے۔  
 أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوا  
 بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِسْأَلُ الْوَضُوءَ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخَطَا  
 إِلَى الْمَسْجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَذَلِكَ الرِّبَاطُ  
 آپ نے صحابہ کرام کو فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ



خطاؤں کو مٹاتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا، حضور اکرم ﷺ نہیں۔ فرمایا تکلیف برداشت کر کے کامل وضو بنا، مسجد کی طرف کثرت سے قدم اٹھانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہ تمہارا رباط ہے۔ یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی۔

پانچواں اصول

آگے فرمایا **وَاتَّقُوا اللَّهَ** اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو، یعنی تقویٰ اختیار کرو۔ اور یہ بھی اہم اصول ہے۔ تقویٰ کا معنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، برائیوں سے بچ جانا اور اللہ کی حدود کو قائم کرنا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب الطاف القدس میں فرماتے ہیں ”تقویٰ محافظت است بر حدود شرع“ یعنی شریعت کی حدود کی حفاظت کرنا تقویٰ کہلاتا ہے۔ اور تقویٰ میں عدل اور احسان اور شجاعت اللہ کی تعظیم بھی شامل ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے غیۃ الطالبین میں تقویٰ کی تشریح کرنے کے بعد یہ آیت نقل کی ہے **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَائِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ** گویا تقویٰ میں عدل قائم کرنا، لوگوں کے ساتھ احسان کرنا، سرکشی بے حیائی اور برائی باتوں سے بچ جانا بھی شامل ہے۔ تقویٰ کا لفظی معنی ڈر اور بچاؤ ہے۔ جو شخص اللہ سے ڈر کر اس کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے وہ تقویٰ کو پالیتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں جگہ جگہ تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے۔ الغرض اسے پانچواں اصول ہے جو اس سورۃ میں بیان ہوا ہے۔

فرمایا خود صبر کرو، دوسروں کو صبر کی تلقین کرو **فِي طَاعَتِ** کے کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو **لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ** اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ منزل مراد کو پہنچ لو گے۔

حضور علیہ السلام نے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کی بڑی فضیلت بیان کی ہے فرمایا قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں خیموں کی شکل میں آئیں گی، ان کے درمیان چمک ہوگی اور وہ اپنے پڑھنے والوں، عمل کرنے والوں اور ایمان رکھنے والوں پر سایہ فگن ہوں گی اور بندے کے حق میں سفارش کریں گی۔ ان سورتوں کو زہرا وین۔



یعنی دو روشتن سورتیں کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لمبی سورتوں میں بہت سے حقائق، معارف، بنیادی اصول اور مسائل بیان فرمائے ہیں۔ دارمی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص جمعے کے دن سورۃ آل عمران کی تلاوت کر لگا، اس کے لیے فرشتے سارا دن دعائیں کرتے رہیں گے۔ حتیٰ اکم سورج غروب ہو جائے۔  
واللہ اعلم بالصواب۔ وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحبه وأزواجه واتباعه  
اجین۔ بحمتك یا ارحم الراحمین۔ والحمد لله رب العالمین۔

# حمی علی الافلاح

نماز مسنون کلاں پر غیر مفیدین کے  
اعترافات کے دندان شکن  
مسکت اور مدلل جوابات

تالیف

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی



ملنے کا پتہ

مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوہر النوالہ



# مباحث کتاب الایمان مع تسہیل و توضیح

مقدمہ صحیح مسلم

مصنف

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

صحیح مسلم شریف، علم حدیث میں تین اہم ترین کتابوں میں ایک ہے اور صحیح بخاری کی طرح تمام صحیح اور حسان روایات پر مشتمل ہے۔ قرن سوم سے آج تک متداول و معمول بہ ہے۔ اس میں ”کتاب الایمان“ کا ایک طویل اور اہم باب ہے جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے سب سے پہلے درج کیا ہے۔ اس میں ایمانیات کے جملہ مسائل کا ذکر ہے اور بعض مباحث اس کے نہایت اہم اور واقع ہیں۔ ان مباحث کی توجیہ و تعبیر درسیات کی تعلیم کے طریق پر اس رسالہ میں بیان کی گئی ہے جن کو سمجھنے سے ایمان کے جملہ مسائل نہایت ہی عمدہ طریق پر دل نشین ہو جاتے ہیں۔ اختلاف و مشکلات و غیرہ بخوبی حل ہو جاتے ہیں۔ نیز مقدمہ میں امام مسلم رحمہ اللہ نے علم اصول حدیث کے ایسے اہم ترین مباحث ذکر کیے ہیں جو عام فن حدیث میں بہت کار آمد ہیں۔ خصوصاً ”مسلم شریف کی احادیث میں بے حد مفید و نفع بخش ہیں۔ مقدمہ اپنی عبارت کے اعتبار سے مشکل بھی ہے اس لیے اس کی تسہیل و توضیح مختصر طریق پر اور بہترین انداز میں کی گئی ہے علم حدیث کے طلب گاروں کے لیے بہت نافع ہوگی اور اس کے پڑھنے سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہو گا۔ عمدہ کتابت و طباعت ۱۲۰ صفحات پر مشتمل طبع دوم کی قیمت ۳۵ روپے ہے۔

ملنے کا { مکتبہ دوس القرآن فاروقی گنج گوہر النوالہ  
پتہ



عمرہ پر جانے والے خواتین و حضرات کے لیے انمول تحفہ

# احکام عمرہ

مع

زیارات مکہ المکرمہ و مدینہ المنورہ

مرتب

مولانا حاجی محمد فیاض خان سواتی

مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

اس رسالہ میں عمرہ کی تعریف، فضیلت، طریقہ، احکام و مسائل اور بہت سی اہم چیزوں کا نہایت اختصار کے ساتھ قرآن و سنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ذکر کیا گیا ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موجودہ زیارات کا محل وقوع اور ان کا تاریخی پس منظر ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ طواف و سعی کا طریقہ نقشوں کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ روضہ اطہر، جنت البقیع، ریاض الجنۃ کا نقشہ اور بعض دیگر اہم مقامات کا تذکرہ بطور خاص کیا گیا ہے۔ ۹۶ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ صرف ۱۸ روپے میں دستیاب ہے۔

ملنے کا پتہ

مکتبہ دوس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ



# قرآن مجید مترجم

ترجمہ

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

بانی مدرسہ نصرۃ العلوم جامع مسجد نور گوجرانوالہ

قرآن مجید کے صحیح ترجموں میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ۔ حضرت مولانا عاشق الہی میرٹھیؒ۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ۔ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ۔ حضرت مولانا احمد سعید دہلویؒ۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تراجم مشہور اور مقبول ہیں۔ حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے بھی موجودہ دور کے مطابق جدید اردو زبان میں یہ ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ پہلے حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی تفسیر معالم العرفان فی دروس القرآن کی بیس جلدوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اور حال ہی میں عمدہ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ ۷۰۴ صفحات پر مشتمل شائع ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔

قیمت ۲۵۰ روپے۔

ناشر مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ



حدیث کی مشہور ترین کتاب مسند امام احمد بن حنبلؒ کی تشریح

## دروس الحدیث

افادات

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ

مرتب

الحاج لعل دین، ایم اے

مسند احمد کی منتخب احادیث کی مایہ ناز شرح اردو زبان میں پہلی مرتبہ چار جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے ان میں ہر موضوع پر احادیث رسول ﷺ کو سمجھنے کے لیے گراں قدر علمی ذخیرہ ہے، خصوصاً "درس دینے والے اصحاب کے لیے تو یہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے احادیث کے ضمن میں مسائل و احکام کی توضیح عام فہم اور سلیس اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی اس سے مکمل فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ کتابت و طباعت اور معیاری جلد بندی کے ساتھ۔ جلد اول صفحات ۳۳۲ قیمت ۷۵ روپے، جلد دوم صفحات ۴۰۸ قیمت ۹۰ روپے، جلد سوم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے، جلد چہارم صفحات ۳۹۲ قیمت ۹۰ روپے۔

ناشر: مکتبہ دروس القرآن، فاروق گنج گوجرانوالہ



# معالم المعارف - موسس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا  
صوفی عبد الحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔ اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن مجاہدان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (مکتبہ القرآن)

محمد منیر صاحب Ph-221943

مکتبہ مدرس القرآن گوجرانوالہ